ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

نمبر (۸۳۵)

رجسٹرڈ ایل

الفضل قادیان

ایڈیٹر

The ALFAZL QADIAN.

شانِ احمد را کہ داند جز خداوندِ کریم
آنچناں از خود جدا شد کز میاں اُفتاد میم

زاں نمط شُد محو دلبر کز کمالِ اتّحاد
پیکرِ او شُد سراسر صورتِ ربِّ رحیم

بُوئے محبوبِ حقیقی میدمد زاں رُوئے پاک
ذاتِ حقّانی صفاتش مظہرِ ذاتِ قدیم

گرچہ منسوبم کُند کس سُوئے الحاد و ضلال
چُوں دلِ احمد نمے بینم دِگر عرشِ عظیم

منّتِ ایزد را کہ من بر رغم اہلِ روزگار
صد بلا را مے خرم از ذوقِ آں عینِ النعیم

از عنایاتِ خُدا و زفضلِ آں دادارِ پاک
دشمنِ فرعونیانم بہرِ عشقِ آں کلیم

آں مقام و آیتِ خاصش کہ بر من شُد عیاں
گفتمے گر دیدمے طبعے دریں راہ سلیم

در رہِ عشقِ محمدؐ ایں سر و جانم رود
ایں تمنا ایں دُعا ایں در دلم عزمِ صمیم

حجم صفحات ۶۴

قیمت چار آنہ 4 ANNAS

الفضل کا خاتم النبیین نمبر (۵) ۱۹۳۲ء

فہرست مندرجات

مردوں کے مضامین

خواتین کے مضامین

نظمیں

الفضل
خاتم النبیین نمبر
نمبر ۵۵ قادیان دارالامان مورخہ ۶ نومبر ۱۹۳۲ء جلد ۲۰

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سادہ زندگی

رقم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

اسوۂ حسنہ

ہمارے ہادی اور رہنما آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ رحمۃ للعالمین ہوکر آئے تھے۔ اور اللہ تعالےٰ نے آپ کو کل دُنیا کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ اس لئے آپ نے ہمارے لئے جو نمونہ قائم کیا۔ وہی سب سے درست اور اعلےٰ ہے۔ اور اس قابل ہے۔ کہ ہم اس کی نقل کریں۔ آپ نے اپنے طریق عمل سے ہمیں بتایا ہے۔ کہ جذباتِ نفس جو پاک اور نیک ہیں۔ ان کو دبانا تو کسی طرح جائز ہی نہیں۔ بلکہ ان کو تو ابھارنا چاہیئے۔ اور جو جذبات ایسے ہوں۔ کہ ان سے گناہوں اور بدیوں کی طرف توجہ ہوتی ہو۔ ان کا چھپانا نہیں۔ بلکہ ان کا مارنا فرض ہے۔ پس اگر کوئی شخص بعض ایسی باتیں نہیں کرتے۔ جن کا کرنا ہمارے دین اور دنیا کے لئے مفید تھا۔ تو ہم غلطی کار ہیں۔ اور اگر وہ باتیں جن کا کرنا دین اسلام کے رُو سے ہمارے لئے جائز ہے۔ صرف تکلف اور بناوٹ سے نہیں کرتے۔ ورنہ در اصل ان کے شائق ہیں۔ تو یہ نفاق ہے۔ اور اگر لوگوں کی نظروں میں عزت و عظمت حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو خاص شخص اور مقدس بناتے ہیں۔ تو یہ شرک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ایسا ایک بھی نمونہ نہیں پایا جاتا۔ جس سے معلوم ہو۔ کہ آپ نے ان تینوں اغراض میں سے کسی کے لئے تکلف یا بناوٹ سے کام لیا۔ بلکہ آپ کی زندگی نہایت سادہ اور صاف معلوم ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ اپنی عزت کو لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ عزت و ذلت کا مالک خدا کو ہی سمجھتے تھے۔

مذہبی پیشواؤں میں تصنع

چونکہ عموماً مذہبی پیشوا ہوتے ہیں۔ انہیں ہمیشہ یہ خیال رہتا ہے کہ ہمارا ہر فعل دینی اور ذکر کے طور پر لوگوں سے دیکھا جائے۔ اسلئے [illegible] نہایت [illegible] اگر مسلمان ہیں۔ تو وضو میں خاص اہتمام کریں گے۔ اور بہت دیر تک وضو کے اعضا کو دھوتے رہیں گے۔ اور وضو کے قطروں سے پرہیز کریں گے۔ سجدہ اور رکوع لمبے لمبے کریں گے۔ اپنی شکل سے خاص حالت خشوع وخضوع ظاہر کریں گے۔ اور خوب وظائف پڑھیں گے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ سب سے اتقیٰ اور اورع تھے۔ اور آپ کے برابر خشیت اللہ کوئی انسان پیدا نہیں کر سکتا۔ مگر باوجود اس کے آپ ان سب باتوں میں سادہ تھے۔ اور آپ کی زندگی بالکل ان تکلفات سے پاک تھی۔

بچے کے رونے پر نماز میں جلدی

ابی قتادہ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ انی لاقوم فی الصلوٰۃ ارید ان اطول فیھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلوٰتی کراھیۃ ان اشق علےٰ امہ۔ یعنی میں بعض دفعہ نماز میں کھڑا ہوتا ہوں۔ اور ارادہ کرتا ہوں۔ کہ نماز کو لمبا کر دوں۔ مگر کسی بچہ کے رونے کی آواز سُن لیتا ہوں تو اپنی نماز کو اس خوف سے کہ کہیں میں بچہ کی ماں کو مشقت میں نہ ڈالوں۔ نماز مختصر کر دیتا ہوں۔ کس سادگی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ہم بچہ کی آواز سنکر نماز میں جلدی کر دیتے ہیں۔ آج کل کے صوفیا ء تو ایسے قول کو شاید اپنی ہتک سمجھیں۔ کیونکہ وہ تو اس بات کے اظہار میں اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ کہ ہم نماز میں ایسے مست ہوئے۔ کہ کچھ خبر ہی نہیں رہی۔ اور گو پاس ڈھول بھی بجتے رہیں۔ تو ہمیں کچھ خیال نہیں آتا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تکلفات سے بری تھے آپ کی عظمت خدا تعالےٰ کی دی ہوئی تھی۔ نہ کہ انسانوں نے آپ کو معزز بنایا تھا۔ یہ خیال وہی کر سکتے ہیں۔ جو انسانوں کو اپنا عزت دینے والا سمجھتے ہوں۔

جوتیوں سمیت نماز پڑھنا

حضرت انس رضہ سے روایت ہے۔ کہ انہُ سئل اکان النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یصلی فی نعلیہ قال نعم یعنی آپ سے سوال کیا گیا۔ کہ کیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جوتیوں سمیت نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ ہاں پڑھ لیتے تھے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کس طرح تکلفات سے بچتے تھے۔ اب وہ زمانہ آگیا ہے۔ کہ وہ مسلمان جو ایمان اور اسلام سے بھی ناواقف ہیں۔ اگر کسی کو اپنی جوتیوں سمیت نماز پڑھتے دیکھ لیں تو شور مچا دیں۔ اور جب تک کوئی ان کے خیال کے مطابق کل شرائط کو پورا کرے۔ وہ دیکھ بھی نہیں سکتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ آپ کا یہ طریق نہ تھا۔ بلکہ آپ واقعات کو دیکھتے تھے۔ نہ تکلفات کے پابند تھے۔ اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے طہارت۔ اور پاکیزگی شرط ہے۔ اور یہ بات قرآن کریم اور احادیث سے ثابت ہے پس جب جوتی پاک ہو۔ اور عام جگہوں پر جہاں نجاست کے لگنے کا خطرہ ہو پہنکر نہ گئے ہوں۔ تو اس میں ضرورت کے وقت نماز پڑھنے میں کچھ ہرج نہیں۔ اور آپ نے ایسا کرکے امتِ محمدیہ پر ایک بہت بڑا احسان کیا کہ انہیں آئندہ کے لئے تکلفات اور بناوٹ سے بچا لیا۔ اس اسوہ حسنہ سے ان لوگوں کو فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ جو آج کل ان باتوں پر جھگڑتے ہیں اور تکلفات کے شیدا ہیں۔ جس فعل سے عظمتِ الٰہی اور تقوےٰ میں فرق نہ آئے۔ اس کے کرنے پر انسان کی بزرگی میں فرق نہیں آسکتا۔

بن بلائے دعوت میں آنے والے کے لئے اجازت طلب کرنا

حضرت ابن مسعود الانصاری رضہ سے روایت ہے۔ قال کان رجل من الانصار یقال لہ ابو شعیب وکان لہٗ غلام لحام فقال اصنع لی طعاما ادعوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خامس خمسۃ فدعا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خامس خمسۃ فتبعھم رجل فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم انک دعوتنا خامس خمسۃ وھذا رجل قد تبعنا فان شئت اذنت لہ وان شئت ترکتہ قال بل اذنت لہ آپ نے فرمایا۔ کہ ایک شخص انصار میں تھا۔ اس کا نام ابو شعیب تھا۔ اور اس کا ایک غلام تھا۔ جو قصائی کا پیشہ کرتا تھا۔ اسے اُس نے حکم دیا۔ کہ تو میرے لئے کھانا تیار کر۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار اور آدمیوں سمیت کھانے کے لئے بلاؤں گا۔ پھر اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کہلا بھیجا۔ کہ حضورؐ کی۔ اور چار اور آدمیوں کی دعوت ہے۔ جب آپ اس کے ہاں چلے۔ تو ایک اور شخص بھی ساتھ ہو گیا۔ جب آپ اس کے گھر پہنچے۔ تو اس سے کہا۔ کہ تم نے ہمیں پانچ آدمیوں کو بلایا تھا۔ اور یہ شخص بھی ہمارے ساتھ آگیا ہے۔ اب بتاؤ۔ کہ اسے بھی اندر آنے کی اجازت ہے۔ یا نہیں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت ہے۔ تو آپ اس کے سمیت اندر

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کس طرح بے تکلفی سے معاملات کو پیش کر دیتے۔ شائد آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا۔ تو چپ ہی رہتا۔ مگر آپ دُنیا کے لئے نمونہ تھے۔ اس لئے آپ ہر بات میں جب تک خود عمل کر کے نہ دکھاتے۔ ہمارے لئے مشکل ہوتی۔ آپ نے اپنے عمل سے بتا دیا۔ کہ سادگی ہی انسان کے لئے مبارک ہے۔ اور ظاہر کر دیا۔ کہ آپ کی عزت تکلفات یا بناوٹ سے نہیں تھی۔ اور نہ آپ ظاہری خاموشی یا وقار سے بڑا بننا چاہتے تھے۔ بلکہ آپ کی عزت خدا کی طرف سے تھی۔

گھر کے اخراجات میں سادگی

آپ کی زندگی بھی نہایت سادہ تھی۔ اور وُہ اسراف اور غلو جو امراء اپنے گھر کے اخراجات میں کرتے ہیں۔ آپ کے ہاں نام کو نہ تھا۔ بلکہ ایسی سادگی سے زندگی بسر کرتے۔ کہ دُنیا کے بادشاہ اسے دیکھ کر ہی حیران ہو جائیں۔ اور اس پر عمل کرنا تو الگ رہا۔ یورپ کے بادشاہ شائد یہ بھی نہ مان سکیں۔ کہ کوئی ایسا بادشاہ بھی تھا جسے دین کی بادشاہت بھی نصیب تھی۔ اور دُنیا کی حکومت بھی حاصل تھی۔ مگر پھر بھی وُہ اپنے اخراجات میں ایسا کفایت شعار اور سادہ تھا۔ اور پھر بخیل نہیں۔ بلکہ دُنیا نے آج تک جس قدر سخی پیدا کئے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر سخی تھا۔

امراء کی حالت

جن کو اللہ تعالےٰ مال و دولت دیتا ہے۔ ان کا حال لوگوں سے پوشیدہ نہیں۔ غریب سے غریب ممالک میں بھی نسبتاً امراء کا گروہ موجود ہے۔ حتیٰ کہ جنگلی قوموں اور وحشی قبیلوں میں بھی کوئی نہ کوئی طبقہ امراء کا ہوتا ہے۔ اور ان کی زندگیوں میں اور دُوسرے لوگوں کی زندگیوں میں جو فرق نمایاں ہوتا ہے۔ وُہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ خصوصاً جن قوموں میں تمدن بھی ہو۔ ان میں تو امراء کی زندگیاں ایسی پُر عیش و عشرت ہوتی ہیں۔ کہ ان کے اخراجات اپنی حدُود سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔

عرب سرداروں کی حالت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس قوم میں پیدا ہُوئے۔ وُہ بھی فخر و خیلا میں خاص طور پر مشہور تھی۔ اور حشم و خدم کو مایۂ ناز جانتی تھی۔ عرب سردار باوجود ایک غیر آباد ملک کے باشندہ ہونے کے بیسیوں غلام رکھتے اور اپنے گھروں کی رونق کے بڑھانے کے عادی تھے۔

عرب کی دو ہمسایہ قوموں کے بادشاہوں کی حالت

عرب کے ارد گرد دو قومیں ایسی بستی تھیں۔ کہ جو اپنی طاقت و جبروت کے لحاظ سے اس وقت کی کل معلومہ دُنیا پر حاوی تھیں۔ ایک طرف ایران اپنی مشرقی شان و شوکت کے ساتھ اپنے شاہانہ رعب و داب کو کل ایشیا پر قائم کئے ہُوئے تھا۔ تو دوسری طرف رُوم اپنے مغربی جاہ و جلال کے ساتھ اپنے حاکمانہ دست تصرف کو افریقہ اور یورپ پر پھیلائے ہُوئے تھا۔ اور یہ دونوں ملک عیش و طرب میں اپنی حکومتوں کو کہیں پیچھے چھوڑ چکے تھے۔ اور آسائش و آرام کے لیے لیے سامان پیدا ہو چکے تھے کہ بعض باتوں کو تو اب اس زمانہ میں بھی کہ آرام و آسائش کے سامانوں کی ترقی کمال درجہ کو پہونچ چکی ہے۔ بنگاہ حیرت سے دیکھا جاتا ہے۔ دربار ایران میں شاہان ایران جس شان و شوکت کے ساتھ بیٹھنے کے عادی تھے۔ اور ان کے گھروں میں جو کچھ سامان طرب جمع کئے جاتے تھے۔ اسے شاہنامہ کے پڑھنے والے بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اور جنہوں نے تاریخوں میں ان سامانوں کی تفصیلوں کا مطالعہ کیا ہے۔ وُہ تو اچھی طرح سے ان کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ کہ دربار شاہی کے قالین میں بھی جواہرات اور موتی ٹنکے ہُوئے تھے۔ اور باغات کے نقشے زمردوں اور موتیوں کے صرف سے تیار کر کے میدان دربار کو شاہی باغوں کا مماثل بنا دیا جاتا تھا۔ ہزاروں خدام اور غلام شاہ ایران کے ساتھ رہتے۔ اور ہر وقت عیش و عشرت کا بازار گرم رہتا تھا۔

رومی بادشاہ بھی ایرانیوں سے کم نہ تھے۔ اور وُہ اگر ایشیائی شان و شوکت کے شیدا نہ تھے۔ تو مغربی آرائش و زیبائش کے دلدادہ ضرور تھے۔ جن لوگوں نے رومیوں کی تاریخ پڑھی ہے۔ وُہ جانتے ہیں کہ رومیوں کی حکومتوں نے اپنی دولت کے ایام میں دولت کو کس کس طریق سے خرچ کیا ہے۔

پس عرب جیسے ملک میں پیدا ہو کر جہاں دوسروں کو غلام بنا کر حکومت کرنا فخر سمجھا جاتا تھا۔ اور جو روم و ایران جیسی متمدن حکومتوں کے درمیان واقعہ تھا۔ کہ ایک طرف ایرانی عیش و عشرت اسے لبھا رہی تھی تو دوسری طرف رومی زیبائش و آرائش کے سامان اس کا دل اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بادشاہ عرب بن جانا اور پھر ان باتوں میں سے ایک سے بھی متاثر نہ ہونا۔ اور روم و ایران کے دام تزویر سے صاف بچ جانا۔ اور عرب کے بت کو مار کر گرا دینا کیا یہ کوئی ایسی بات ہے۔ جسے دیکھ کر پھر بھی کوئی دانا انسان آپ کے پاکبازوں کے سردار اور طہارت النفس میں کامل نمونہ ہونے میں شک کر سکے۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔

گھر کا کام خود کرنا

علاوہ اس کے آپ کے ارد گرد بادشاہوں کی زندگی کا نمونہ تھا۔ وُہ ایسا نہ تھا۔ کہ اس سے آپ وُہ تاثرات حاصل کرتے جن کا اظہار آپ کے اعمال کرتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے۔ کہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے ایسا درجہ دے دیا تھا۔ کہ اب آپ تمام مخلوقات کے مرجع افکار ہو گئے تھے۔ اور ایک طرف روم آپ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو۔ اور دُوسری طرف ایران آپ کے ترقی کرنے والے اقبال کو شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اور دونوں متفکر تھے۔ کہ اس سیلاب کو روکنے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ اس لئے دونوں حکومتوں کے آدمی آپ کے پاس آتے جاتے تھے۔ اور ان کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ شروع تھا۔ ایسی حالت میں بظاہر ان لوگوں پر رعب قائم کرنے کے لئے ضروری تھا۔ کہ آپ بھی اپنے ساتھ ایک جماعت غلاموں کی رکھتے۔ اور اپنی حالت ایسی بناتے۔ جس سے وُہ لوگ متاثر اور مرعوب ہوتے۔ مگر آپ نے کبھی ایسا نہ کیا۔ غلاموں کی جماعت تو الگ رہی۔ گھر کے کام کاج کے لئے بھی کوئی نوکر نہ رکھا اور خود ہی سب کام کر لیتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی نسبت لکھا ہے۔ کہ انہا سئلت من النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ما کان یصنع فی بیت قالت کان یکون فی مھنة اھلہ تعنی فی خدمة اھلہ فاذا حضرت الصلوٰة خرج الی الصلوٰة

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے سوال کیا گیا۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ آپ اپنے اہل کی محنت کرتے تھے۔ یعنی خدمت کرتے تھے۔ پس جب نماز کا وقت آ جاتا۔ تو آپ نماز کے لئے باہر چلے جاتے تھے۔

اس حدیث سے پتہ لگتا ہے۔ کہ آپ کس سادگی کی زندگی بسر فرماتے تھے۔ اور بادشاہت کے باوجود آپ کے گھر کا کام کاج کرنے والا کوئی نوکر نہ ہوتا۔ بلکہ آپ اپنے خالی اوقات میں خود ہی اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ مل کر گھر کا کام کاج کروا دیتے۔

اللہ اللہ کیسی سادہ زندگی ہے۔ کیا بے نظیر نمونہ ہے۔ کیا کوئی انسان بھی ایسا پیش کیا جا سکتا ہے۔ جس نے بادشاہ ہو کر یہ نمونہ دکھایا ہو کہ اپنے گھر کے کام کے لئے ایک نوکر بھی نہ ہو۔ اگر کسی نے دکھایا ہے تو وُہ بھی آپ کے خدام میں سے ہوگا۔ کسی دوسرے بادشاہ نے جو آپ کی غلامی کا فخر نہ رکھتا ہو۔ یہ نمونہ کبھی نہیں دکھایا۔ ایسے بھی مل جائیں گے۔ جنہوں نے دُنیا سے ڈر کر اسے چھوڑ ہی دیا۔ ایسے بھی ہونگے جو دُنیا میں پڑے۔ اور اسی کے ہو گئے۔ مگر یہ نمونہ۔ کہ دنیا کی اصلاح کے لئے اس کا بوجھ اپنے کندھوں پر بھی اٹھائے رکھا۔ اور ملکوں کے انتظام کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھی۔ مگر پھر بھی اس سے الگ رہے۔ اور اس سے محبت نہ کی۔ اور بادشاہ ہو کر فقر اختیار کیا۔ یہ بات آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خدام کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی۔ جن لوگوں کے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ وُہ اپنے رہنے کے لئے مکان بھی نہ پاتے تھے۔ اور دشمن جنہیں کہیں چین سے نہیں رہنے دیتے تھے۔ کبھی کہیں اور کبھی کہیں جانا پڑتا تھا۔ ان کے ہاں کی سادگی کوئی اعلےٰ نمونہ نہیں۔ جس کے پاس ہو ہی نہیں۔ اس نے شان و شوکت سے کیا رہنا ہے۔ مگر ملک عرب کا بادشاہ ہو کر لاکھوں روپیہ اپنے ہاتھ سے لوگوں میں تقسیم کر دینا۔ اور گھر کا کام کاج بھی خود کرنا۔ یہ وُہ بات ہے۔ جو اصحاب بصیرت کی توجہ کو اپنی طرف کھینچے بغیر نہیں رہ سکتی۔

حدیث رسول

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسُول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آپ کے صحابہؓ نے دُنیا کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ سُن رکھو پھر سُن رکھو۔ کہ سادگی میں زندگی بسر کرنا یہ بھی ایمان داری میں داخل ہے۔ (ابو داؤد)

محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ

از حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے قادیان

حقیقی اور کامل تعریف

مصرع مندرجہ عنوان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانئے سلسلۂ احمدیہ کے ایک قصیدہ سے ماخوذ ہے۔ جو آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت میں منظوم فرمایا تھا۔ میں نے بہت غور کیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں جو الفاظ انسانوں کی طرف سے کہے گئے ہیں۔ خواہ وُہ اپنے ہوں۔ یا بیگانے ان میں مصرع مندرجہ بالا سے بڑھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح اور حقیقی اور کامل تعریف کا حامل اور کوئی فقرہ نہیں۔

سب سے بڑا باکمال

بے شک دُنیا میں تعریف کے مستحق لاکھوں انسان گزرے ہیں اور ان میں سے بعض نے وُہ مرتبہ پایا ہے۔ کہ آنکھ ان کی رفعت اور روشنی کو دیکھ کر خیرہ ہوتی ہے۔ اور یہ باکمال لوگ پائے بھی ہر میدان میں جاتے ہیں۔ یعنی دین و دُنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں۔ جو ان لوگوں کے وجود سے خالی ہو۔ مگر ان میں سے کون ہے؟ جس کی ہستی کا ہر پہلو اس کے کمال پر شاہد ہو۔ کون ہے۔ جس کے وجود کا ہر ذرہ اس کے نورِ باطن کا پتہ دے رہا ہو؟ کون ہے۔ جس کی ذات والا صفات کا ہر خلق اس کی یگانگت کی دلیل ہو؟ یقیناً یہ کمال صرف مقدس بانئے اسلام (فداہ نفسی) کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور کوئی دُوسرا انسان اس صفت میں آپؐ کا شریک نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسنِ خداداد نے دُنیا سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کے یدِ بیضا نے ایک عالم کی آنکھ کو مسخر کر دیا۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے دمِ عیسوی سے رُوحانی مردوں نے زندگی پائی۔ مگر باوجود اپنے روحانی کمال کے حضرت مسیحؑ ناصری نے موسٰی علیہ السلام کا یدِ بیضا نہ پایا۔ حضرت موسٰیؑ کو باوجود اپنی رفعتِ شان کے حسنِ یوسفؑ سے محرومی رہی۔ حضرت یوسفؑ باوجود اپنے ظاہری و باطنی حسن کے حضرت موسےٰؑ کے یدِ بیضا اور حضرت مسیحؑ کے دمِ عیسوی کو نہ پا سکے۔ لیکن اسلام کا مقدس بانیؐ لطیفہ موصف میں یکتا ہو کر چمکا۔ اپنی ہر شان میں دُوسروں سے بالا رہا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

> حسنِ یوسف۔ دمِ عیسٰے۔ یدِ بیضا داری
> آنچہ خوباں ہمہ دارند۔ تو تنہا داری

مصرعہ مندرجہ عنوان

یہ شعر بہت خُوب ہے۔ بہت ہی خوب ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اس سے بھی ارفع ہے۔ آپؐ کا حسن حضرت یوسفؑ کے حسن کو شرماتا ہے۔ آپؐ کے یدِ بیضا کے سامنے حضرت موسےٰؑ کا یدِ بیضا ماند ہے۔ آپؐ کے انفاسِ روحانی سے حضرت عیسےٰؑ کے دمِ عیسوی کو کوئی نسبت نہیں۔ میں نے عرض کیا تھا۔ اور پھر کہتا ہوں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن وکمال کی حقیقی تصویر صرف اس مصرع میں ملتی ہے۔ جو سلسلۂ احمدیہ کے مقدس بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے نکلا۔ اور میرے اس مضمون کا عنوان ہے۔ میرا یہ دعوےٰ محض خوش عقیدگی پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ تاریخ کی مضبوط ترین شہادت اس بات کو ثابت کر رہی ہے۔ کہ رہنمایانِ عالم میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات وُہ ذات ہے۔ جس کا ہر وصف ہر خط و خال۔ ہر ادا آپؐ کے کمال کی دلیل ہے۔ اسی لئے قدرت نے آپؐ کے واسطے وُہ نام تجویز کیا۔ جس کے معنی مجسم تعریف کے ہیں۔ اور مصرع مندرجۂ عنوان کا بھی یہی مفہوم ہے۔ کہ اگر دُنیا میں کوئی ایسی ہستی ہے۔ کہ جس کا ہر وصف اسے ہر دوسرے شخص کے مقابلہ میں "محمدؐ" یعنی قابلِ تعریف ثابت کرتا ہو۔ اور اس کے لئے کسی بیرُونی دلیل کی ضرورت نہ ہو۔ تو وہ صرف پیغمبر اسلام ہے:۔

احسن تقویم کا کامل نمونہ

میرے لئے اس نہایت مختصر مضمون میں اپنے اس وسیع دعوے کے دلائل لانے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ اس مضمون میں دلائل کا بیان کرنا میرا مقصد ہے۔ میں اس جگہ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارا رسولؐ مرتبہ کیا رکھتا ہے۔ اور وُہ کون سا مقام ہے جس نے اسے اس تعریف کا مستحق بنایا ہے۔ جو مصرع مندرجہ عنوان میں بیان کی گئی ہے۔ سو جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ وُہ مقام یہی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجُود نبوت و رسالت کے جملہ کمالات میں اس قدر ترقی یافتہ ہے۔ کہ کسی ایک وصف یا ایک کمال کو لیکر نہیں کہا جاسکتا۔ کہ وُہ آپؐ کا امتیازی خاصہ ہے۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوانح نگار ہوں۔ اور خدا کے فضل سے آپؐ کے حالاتِ زندگی کا کسی قدر مطالعہ رکھتا ہوں۔ اور میں نے آپؐ کے سوانح کا مطالعہ بھی ایک آزاد تنقیدی نظر کے ساتھ کیا ہے۔ میں اس حالت میں اپنی ذاتی (گو معاملہ کی اہمیت کے مقابلہ میں نہایت ناچیز) شہادت پیش کرتا ہوں۔ کہ میں نے جب کبھی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف ومحاسن کا جائزہ لے کر آپؐ کے وجُود میں کسی امتیازی خاصہ کی تلاش کرنی چاہی ہے۔ تو میری نظر ہمیشہ ماندہ ہو ہو کر لوٹ گئی ہے اور کبھی کامیاب نہیں ہُوئی۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی امّت نے اپنے نبی میں اوصافِ جلالی کا نور دیکھا۔ تو اُسے سے کر اپنے بانی کی تعریف میں پل باندھ دیئے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متبعین نے اپنے مسیح کے اوصافِ جمالی کا نظارہ کیا۔ تو اس سے مسحور ہو کر انہیں خدا کے پہلو میں جا بٹھایا۔

گوتم بُدھ کے نام لیوؤں نے اپنے بانی کی نفس کشی۔ اور فنائیت کو دیکھ کر اسکی مدح سرائی میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے۔ مگر اسلام کا بانی خدائے ذوالعرش کی کامل تصویر تھا۔ اس لئے اس کے کمال نے اس بات سے انکار کیا۔ کہ اس کا کوئی وصف اس کے کسی دوسرے وصف سے ہیٹا ہو۔ وُہ اپنی اُمت کی کامل اصلاح کا پیغام لایا تھا۔ اس لئے اس کی تصویر کا کوئی رنگ اس کے دوسرے رنگوں سے مغلوب نہیں ہُوا۔ تا ایسا نہ ہو۔ کہ اس کے متبع اس کے غالب رنگ سے متاثر ہو کر اصلاح کے ایک پہلو میں غلو۔ اور دوسروں میں نقصان کا طریق اختیار کریں۔ قدرت نے اس کے تمام قوائے فطری کی ایک سی آبپاشی کی۔ اور اس کے وجُود میں اپنے اس فعل کو۔ کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ کمال تک پہنچا دیا اسی واسطے جہاں دُوسرے نبیوں کی بعثت کے لئے الٰہی کلام میں ان کے حسبِ حال اور اور رنگ کے استعارے استعمال کئے گئے ہیں۔ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو خدا تعالےٰ نے خود اپنی آمد کہہ کر پکارا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ جس طرح خدا کی ہستی کی بہترین دلیل خود خدا کی ذات ہے۔ جو بغیر کسی بیرونی توسل کے خود اپنی قدرت وجبروت کے زور سے اپنے آپ کو منواتی ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال کی بہترین دلیل خود آپؐ کا وجود باجود ہے۔ جو اپنے ہر وصف میں ایک سی کشش اور ایک سی طاقت کے ساتھ دُنیا سے خراجِ تحسین حاصل کر رہا ہے۔

نادر کرشمۂ قدرت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خصوصیت صرف ان روحانی کمالات تک محدود نہیں۔ جو نبوت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بلکہ اس نادر کرشمۂ قدرت نے دین و دُنیا کے جس میدان میں قدم رکھا ہے وہاں حسن واحسان کا ایک کامل نقش اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ یہ دلائل و امثلہ کی بحث میں پڑنے کا موقعہ نہیں۔ ورنہ میں تاریخ سے مثالیں دے کر بتاتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بچہ تھے۔ تو بہترین بچہ تھے۔ اور جب جوان ہوئے۔ تو بہترین جوان نکلے۔ ادھیڑ عمر کو پہنچے۔ تو ادھیڑ عمر والوں میں بے مثل تھے۔ اور جب بوڑھے ہُوئے۔ تو بوڑھوں میں لاجواب ہُوئے۔ شادی کی۔ تو بہترین خاوند بنے۔ اور

جب بادشاہ بنے۔ تو دُنیا کے بادشاہوں کے سرتاج نکلے۔ کبھی کے دوست ہُوئے۔ تو جہان کی دوستیوں کو شرما دیا۔ اور اگر کوئی آپ کا دُشمن بنا۔ تو اُس نے آپؐ کو اپنا بہترین دشمن پایا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو آپؐ کے سامنے ہمیشہ کے لئے نیچا کر دیا۔ فوج کی کمان لی۔ تو دنیا کے جرنیلوں کے لئے ایک نمونہ بن گئے۔ اور سیاست کی تو سیاست کا ایک بہترین ضابطہ اپنے پیچھے چھوڑا۔ انتظامی حاکم بنے تو ضبط و نظام کی مثال بن گئے۔ اور قضا کی کُرسی پر بیٹھے۔ تو عدل و انصاف کا مجسمہ نظر آئے۔ فاتح بنے۔ تو دُنیا کے فاتحین کو ایک سبق دیا۔ اور کبھی کسی معرکہ میں حکمت الٰہی سے مفتوح ہُوئے۔ تو مفتوح ہونے کا بہترین نمونہ قائم کیا۔ معلّم خیر بنے۔ تو جذب و تاثیر میں عدیم المثال نکلے۔ اور عابد کا لباس پہنا۔ تو تعبّد کو انتہا تک پہونچا دیا۔ اور پھر ایسا نہیں ہوا۔ کہ کبھی کسی وصف پر زور ہو۔ اور کبھی کسی وصف پر۔ بلکہ اپنے اپنے موقعہ پر ہر وصف کا دوسرے اوصاف کے ساتھ ساتھ کامل طور پر ظہور ہُوا۔ اور جب بالآخر خدا کی طرف سے واپسی کا پیغام آیا۔ تو مَوت کا کیسا دلکش اور کیسا پیارا نقشہ پیش کیا۔ کہ نزع کا عالم ہے اور رُوح جسم کے ساتھ اپنی آخری کڑیاں توڑ رہی ہے۔ اور یہاں زبان پر یہ الفاظ ہیں۔ کہ اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی "اے مسلمانو۔ تم خدا کی عبادت میں کبھی سُست نہ ہونا۔ کہ وہی ہر خیر و برکت اور ہر قوت و طاقت کا منبع ہے۔ اور دُنیا میں جو لوگ تم سے کمزور ہوں۔ اور تمہارے اختیار کے نیچے رکھے جائیں۔ اُن کے حقوق کی حفاظت کرنا" اور جب رشتۂ حیات ٹوٹنے کے لئے آخری جھٹکا کھاتا ہے۔ تو آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ یعنی "اے میرے آقا تو اب مجھے اپنی رفاقتِ اعلےٰ میں لے لے۔ مجھے اپنی رفاقتِ اعلےٰ میں لے لے۔"

مطہر زندگی اور مطہر مَوت

یہ اسی پاک و مطہر زندگی۔ اور پاک و مطہر مَوت کا اثر تھا۔ کہ جب وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آپؐ کے چہرۂ مبارک پر سے چادر ہٹا کر آپؐ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ تو اس زندگی بھر کے رفیق کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے۔ کہ طِبْتَ حَیًّا وَمَیِّتًا۔ یعنی "تو زندہ تھا۔ تو بہترین زندگی کا مالک تھا۔ اور فوت ہُوا۔ تو بہترین مَوت کا وارث بنا۔" کیا کسی اور نبی کے اوصاف میں یہ ہمہ گیر افضلیت نظر آتی ہے۔ بلکہ میں پوچھتا ہوں۔ کہ کیا کوئی اور نبی ایسا گزرا ہے۔ جس کی زندگی اتنے مختلف پہلوؤں کے مناظر پیش کرتی ہو؟

من کل الوجوہ فضیلت

یہ اسی ہمہ گیر افضلیت کا ثمرہ تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کے لئے ایسی کامیابی مقدر کی جس کی مثال کسی اور نبی کی زندگی میں نہیں ملتی بے شک خُدا کے ازلی وعدہ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ کے ماتحت ہر نبی کے لئے غلبہ مقدر ہوتا ہے۔ گر غلبہ کے بھی مدارج ہیں۔ اور یقیناً جو غلبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نصیب ہُوا۔ اس کے سامنے دُوسرے نبیوں کی کامیابی اسی طرح ماند ہے جس طرح سُورج کی روشنی کے سامنے دُوسرے اجرام سماوی کی روشنی ماند ہوتی ہے۔ غرض جس جہت سے بھی دیکھا جائے۔ جس پہلو سے بھی مشاہدہ کیا جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات والا صفات دُوسرے بنایانِ عالم سے اس طرح ممتاز و فائق نظر آتی ہے جیسے ایک بلند مینار آس پاس کی تمام عمارتوں سے ممتاز و بالا ہوتا ہے۔ اور آپ کا یہ امتیاز کسی ایک وصف۔ یا کسی ایک شعبۂ زندگی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہمہ گیر۔ اور من کل الوجوہ ہے۔ اسی لئے جہاں دُوسرے انبیاء و مرسلین کی تعریف میں ان کے خاص خاص اوصاف کو چُن لیا جاتا ہے۔ وہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقیقی تعریف سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ کہ:-

"محمدؐ ہست بُرہانِ محمدؐ"

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

خاکسار خاکپائے رسُولِ عربی مرزا بشیر احمدؐ

شانِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم

(از جناب مولوی برکت علی صاحب لائق۔ لدھانہ)

دِل قربانِ شانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم — جان فدائے آنِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
اللہ اللہ آنِ محمدؐ سُبحان اللہ شانِ محمدؐ — عرش بریں ایوانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
قولِ محمدؐ قال اللہ ہے۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی — حکمِ خدا فرمانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
پی کے مے عرفانِ محمدؐ۔ وجد میں ہیں مستانِ محمدؐ — وا ہے درِ فیضانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
اکسیر بنائی خاک کی چُٹکی۔ ذرّہ کو خورشید کیا — دیکھ شوئے غلمانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
دُنیا کے اُستاد ہُوئے ہیں علم و ہنر اسی دُھنے ہیں — اُمّی شاگردانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا — فتح ظفر شایانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
ابرِ رحمت بن کر آئے۔ ریگستان سے اُٹھ کر چھائے — دُنیا پر مہر وانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
گورے ہوں یا کالے دیر نشیں یا اللہ والے ہوں — سب زیرِ احسانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
لَوْلَاکَ لَمَا کے پردے میں خود حق نے مدح سرائی کی — نامِ خدا یہ شانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
تجھ سے جہاں پُر نُور ہُوا۔ اندھیر اکفر کا دُور ہُوا — اے مہرِ تابانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
برقِ نُور افروزِ ہدایت۔ خرمن سوزِ کفر و ضلالت — شمشیرِ بُرّانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
وُہ نُورِ خدا جو تجلّی بن کر۔ برقِ طُور میں چمکا تھا — قربانِ قرآنِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
خورشیدِ ہدایت چمکا جہاں۔ وُہ چوٹی کوہ فاراں کی — ہے مطلعِ دیوانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
وُہ ختمِ رسل محبُوبِ خُدا۔ سرتاجِ امم مطلوبِ خدا — ہر دو جہاں قربانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
سب کے لئے ہے خوانِ محمدؐ۔ عالم ہے مہمانِ محمدؐ — خوانِ یغما۔ خوانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
یہ آبِ بقا کے چشمے ہیں۔ اللہ کے مُنہ کی باتیں ہیں — آسن جا قرآنِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
بے کس کی حمایت میں بجلی مظلوم کے ہاتھوں میں چمکی — شمشیرِ بُرّانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
اللہ کا پیارا اکمل والا۔ ہر عاصی کا سہارا ہے — رحمتِ حق داماںِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم
دُنیا کے متوالے آجا۔ آجا قیمت والے آجا — ہوستا عرفانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم

لائقؔ برسیں صلِّ علا کے پھول نہ کیونکر نغمہ سرا ہو
بُلبلِ خوش الحانِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم

شانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از ملفوظات حضرت میرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام

رسُول کریمؐ کی صداقت پر زمانہ کی شہادت

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس زمانہ میں دُنیا میں ظاہر ہُوئے۔ اور خُدا تعالےٰ کا جلال اور گم گشتہ توحید کو زندہ کرنے کے لئے آپ مبعوث ہُوئے۔ اُس زمانہ ہی کی حالت پر اگر کوئی سعادتمند سلیم الفطرت۔ غور کُن دل سے کرفکر کرے۔ تو اس کو معلوم ہوگا۔ کہ اس زمانہ کی حالت ہی آپ کی سچائی پر ایک روشن دلیل ہے۔ اور دانشمند اس وقت ہی کو دیکھ کر اقرار کرے۔ اور معجزہ بھی طلب نہ کرے۔

پادری فنڈر صاحب نے اپنی کتاب میزان الحق میں یہ سوال کیا ہے۔ کہ کیا سبب ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا دعوےٰ کیا۔ اور خدا تعالےٰ نے ان کو نہ روکا۔ اس سوال کا پھر آپ جواب دیتا ہے۔ کہ اس وقت چونکہ عیسائی بگڑ گئے تھے۔ ان کے اخلاق اور اعمال بہت خراب تھے۔ انہوں نے راستبازی کا طریق چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان کی تنبیہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا۔ اور اسی لئے آپ کو نہ روکا۔ اس سے یہ نادان عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کا تو اعتراف نہیں کرتا بلکہ معترض کی صورت میں اس کو پیش کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ کیا اس وقت کے حسبِ حال کسی مصلح کی ضرورت تھی۔ یا یہ کہ ایک کا جو ایک ہاتھ کاٹا ہُوا ہے۔ تو دُوسرا بھی کاٹا جائے۔ جو بیمار ہے۔ پتھر مار کر مار دیا جائے۔ کیا یہ خدا تعالےٰ کے رحم کے مناسب حال ہے؟

اصل بات یہ ہے۔ کہ اس وقت جیسا کہ عیسائی تسلیم کرتے ہیں۔ وُہ تاریکی کا زمانہ تھا۔ اور دیا نند نے اپنی کتاب میں تسلیم کیا ہے۔ اور تاریخ بھی شہادت دیتی ہے۔ کہ ہندوستان میں بُت پرستی ہو رہی تھی۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ کل معمورۂ عالم میں ایک خطرناک تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جس کا اعتراف ہر قوم اور ملت کے مورخوں اور محققوں نے کیا ہے۔ اب ایسی حالت میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجُود با وجُود بے ضرورت نہ تھا۔ بلکہ وُہ کل دُنیا کے لئے ایک رحمت کا نشان تھا۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی اے نبی کریمؐ ہم نے تمہیں تمام عالم پر رحمت کے لئے بھیجا ہے۔

آپؐ کو تو کچھ معلُوم نہ تھا۔ کہ اس وقت آریہ ورت کی کیا حالت ہے۔ اور کیسی خطرناک بُت پرستی کے تاریک غار میں گرا ہُوا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کی شرمگاہ تک کی پرستش بھی ان وید کے ماننے والوں میں مروج تھی۔ اور نہ آپ کو معلوم تھا۔ کہ بلادِ شام کے عیسائیوں کا کیا حال ہے۔ وُہ کس قسم کی انسان پرستی میں مصروف ہو کر اخلاق۔ اور اعمالِ صالحہ کی قیود سے نکل کر بالکل تاریک زندگی بسر کر رہے تھے اور نہ آپ کو اس بات کا علم تھا۔ کہ ایران اور مصر میں کیا ہو رہا ہے۔ غرض آپ تو ایک جنگل میں پیدا ہوئے تھے۔ نہ اس وقت کوئی تاریخ مدون ہوئی تھی۔ جو آپ نے پڑھی ہوتی۔ نہ کسی مدرسہ اور مکتب میں آپؐ نے تعلیم پائی تھی۔ جو معلومات وسیع ہوتے۔ اور نہ کوئی اور ذرائع لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے تھے۔ جیسے تار۔ یا اخبار۔ یا ڈاک خانے وغیرہ

آپؐ کو تو دُنیا کے بگڑ جانے کی اطلاع صرف خدا تعالےٰ ہی کی طرف سے ملی۔ جب یہ آیت اُتری۔ ظھر الفساد فی البر والبحر یعنی دریا بھی بگڑ گئے۔ اور جنگل بھی بگڑ گئے۔ دریاؤں سے مراد وُہ لوگ ہیں۔ جن کو پانی دیا گیا۔ یعنی شریعت۔ اور کتاب اللہ ملی۔ اور جنگل سے مراد وُہ ہیں۔ جن کو اس سے حصہ نہیں ملا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب بھی بگڑ گئے۔ اور مشرک بھی۔

الغرض آپؐ کا زمانہ ایسا زمانہ تھا۔ کہ دُنیا میں تاریکی پھیلی ہُوئی تھی۔ اس وقت اللہ تعالےٰ نے آپ کو پیدا کیا۔ تا تاریکی کو دور کریں۔ ایسے پُرفتن زمانہ میں (کہ چاروں طرف فسق و فجُور کی ترقی تھی۔ اور شرک اور دہریت کا زور تھا۔ کہ نہ اعتقاد ہی درست تھے۔ اور نہ اعمال صالحہ۔ اور نہ اخلاق ہی باقی رہے تھے) آپؐ کا پیدا ہونا بجائے خود آپؐ کی سچائی۔ اور من جانب اللہ ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے کاش کوئی اس پر غور کرے۔ عقلمند اور سلیم الفطرت انسان ایسے وقت پر آنے والے مصلح کی تکذیب کے لئے کبھی جلدی نہیں کر سکتا۔ اور کم از کم اسکو اتنا تو اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ وقت پر آیا ہے۔ وبا کے طاعون۔ اور ہیضہ کی شدت کے وقت اگر کوئی شخص یہ دعوےٰ کرے۔ کہ میں ان کے علاج کے لئے آیا ہوں۔ تو کیا اس قدر تسلیم کرنا نہیں پڑے گا۔ کہ یہ شخص ضرورت کے وقت آیا ہے۔ بیشک ماننا پڑے گا۔ اسی طرح پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کے لئے پہلی دلیل یہی ہے۔ کہ آپ عین وقت پر تشریف لائے۔ وہ وقت چاہتا تھا۔ کہ مرد از غیب برون آید۔ وکارے بکند۔ اسی کی طرف قرآن کریم نے اس

آیت میں اشارہ کیا ہے۔ بالحق انزلنٰہ وبالحق نزل"
(الحکم ۱۷۔ مارچ ۱۹۰۲ء)

دُنیا کے اسبابِ آسائش اور رسُول کریمؐ

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ آپؐ حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ اجازت لے کر اندر گئے۔ تو دیکھا۔ کہ ایک کھجُور کی چٹائی بچھی ہُوئی ہے۔ جس پر لیٹنے سے پہلوؤں پر ان تیلوں کے نشان ہو گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے گھر کی اور جائداد کی طرف نگاہ کی۔ تو صرف ایک تلوار ایک گوشہ میں لٹکتی ہُوئی نظر آئی۔ یہ دیکھ کر ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے کی وجہ پوچھی۔ تو عرض کیا۔ کہ خیال آیا ہے۔ قیصر و کسریٰ جو کافر ہیں۔ ان کے لئے کس قدر تنعم ہے۔ اور آپؐ کے لئے کچھ بھی نہیں۔ فرمایا۔ میرے لئے دُنیا کا اسی قدر حصہ کافی ہے۔ کہ جس سے میں حرکت و سکون کر سکوں۔ میری مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک مسافر سخت گرمی کے دنوں میں اونٹ پر جا رہا ہو۔ اور جب سُورج کی تپش سے بہت تنگ آئے۔ تو ایک درخت کو دیکھ کر تھوڑی دیر اس کے نیچے آرام کرے جونہی ذرا پسینہ خشک ہو۔ پھر چل پڑے۔ یہ اسوۂ حسنہ ہے۔ جو اسلام کو دیا گیا ہے"۔ (الحکم ۲۴۔ جنوری ۱۹۰۰ء)

خُدا کا محبوب بننے کا طریق

" اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعُونی یحببکم اللہ۔ خُدا کے محبُوب بننے کے واسطے صرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ہی ایک راہ ہے۔ اور کوئی دُوسری راہ نہیں۔ کہ تم کو خُدا سے ملائے۔ انسان کا مُدعا صرف اُس ایک واحد لاشریک خدا کی تلاش ہونا چاہیئے۔ شرک اور بدعت سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ رسُوم کا تابع اور ہوا و ہوس کا مطیع نہ بننا چاہیئے۔ دیکھو۔ میں پھر کہتا ہُوں۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی راہ کے سوا اور کسی طرح انسان کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہمارا صرف ایک ہی رسول ہے۔ اور صرف ایک ہی قرآن شریف اُس رسُول پر نازل ہُوا ہے۔ جس کی تابعداری سے ہم خدا کو پا سکتے ہیں۔ آج کل فقراء کے نکالے ہُوئے طریقے۔ اور گدی نشینوں اور سجادہ نشینوں کی سیفیاں اور دعائیں اور درُود و وظائف یہ سب انسان کو مستقیم راہ سے بھٹکانے کا آلہ ہیں۔ سو تم ان سے پرہیز کرو۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کی مُہر کو توڑنا چاہا ہے۔ گویا اپنی الگ ایک شریعت بنائی ہے۔ تم یاد رکھو۔ کہ قرآن شریف اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی پیروی۔ اور نماز روزہ وغیرہ جو مسنون طریق ہیں۔ ان کے سوا

خدا کے فضل اور برکات اور رحمت کے دروازے کھولنے کی اور کوئی کُنجی ہے ہی نہیں۔ بھُولا ہُوا ہے وُہ۔ جو اِن راہوں کو چھوڑ کر کوئی نئی راہ نکالتا ہے۔ ناکام مرے گا وُہ۔ جو اللہ اور رسول کے فرمودہ کا تابعدار نہیں۔ بلکہ اَور اَور راہوں سے اُسے تلاش کرتا ہے ؟“

(الحکم ۱۰۔ مارچ ۱۹۰۳ء)

رسُولِ کریمؐ کے بعد نبی

”اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بھی ہزاروں بزرگ نبوت کے نُور سے منوّر تھے۔ اور ہزاروں کو انوارِ نبوت کا حصّہ عطا ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی ہوتا ہے۔ مگر چونکہ آنحضرتؐ کا نام خاتم الانبیاء رکھا گیا تھا۔ اس لئے خُدا نے نہ چاہا۔ کہ کسی دوسرے کو بھی یہ نام دے کر آپؐ کی کسرِ شان کی جائے۔ آنحضرتؐ کی امت میں سے ہزارہا انسانوں کو نبوت کا درجہ ملا۔ اور نبوت کے آثار اور برکات اُن کے اندر موجزن تھے۔ مگر نبی کا نام اُن پر صرف شانِ نبوتِ آنحضرتؐ اور سدِّ باب نبوت کی خاطر اُن کو اس نام سے ظاہرًا ملقب نہ کیا گیا۔ مگر دوسری طرف چونکہ آنحضرتؐ کے فیوض اور روحانی برکات کا دروازہ بند بھی نہ کیا گیا تھا۔ اور نبوت کے انوار جاری بھی تھے۔ جیسا کہ وَلٰکِن رَّسُولَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖن سے نکلتا ہے کہ آنحضرتؐ کی مُہر اور اذن سے اور آپؐ کے نُور سے نورِ نبوت جاری بھی ہے۔ اور یہ سلسلہ بند بھی نہیں ہُوا۔ یہ بھی ضروری تھا۔ کہ اُسے ظاہرًا بھی شایع کیا جائے۔ تاکہ موسوی سلسلہ کے نبیوں کے ساتھ آپؐ کی اُمت کے لوگ بھی مماثلت کے پُورا کرنے میں صاف طور سے نبی اللہ کا لفظ فرما دیا۔ اور اس طرح سے دونوں امُور کا لحاظ نہایت حکمت اور کمال لطافت سے رکھ لیا گیا۔ ادھر یہ کہ آنحضرتؐ کی کسرِ شان بھی نہ ہو۔ اور ادھر موسوی سلسلے سے مماثلت بھی پوری ہو جائے تیرہ سو برس تک نبوت کے لفظ کا اطلاق تو آپؐ کی نبوت کی عظمت کے پاس سے نہ کیا۔ اور اس کے بعد اب مدتِ دراز کے گزرنے سے لوگوں کے چونکہ اعتقاد اس امر پر پختہ ہو گئے تھے۔ کہ آنحضرتؐ ہی خاتم الانبیاء ہیں۔ اور اب اگر کسی دُوسرے کا نام نبی رکھا جائے۔ تو اس سے آنحضرتؐ کی شان میں کوئی فرق بھی نہیں آتا۔ اس واسطے اب نبوت کا لفظ مسیح کے لئے ظاہرًا بھی بول دیا۔ یہ ٹھیک اسی طرح سے ہے۔ جیسے آپ نے پہلے فرمایا تھا۔ کہ قبروں کی زیارت نہ کیا کرو۔ اور پھر فرما دیا تھا۔ کہ اچھا اب کر لیا کرو۔ پہلے منع کرنا بھی حکمت رکھتا تھا کہ لوگوں کے خیالات ابھی تازہ تازہ بُت پرستی سے ہٹے تھے۔ تا پھر وُہ اسی عادت کی طرف عود نہ کریں۔ پھر جب دیکھا۔ کہ اب ان کے ایمان کمال کو پہنچ گئے ہیں۔ اور کسی قسم کے شرک اور بدعت کو ان کے ایمان میں راہ نہیں۔ تو اجازت دے دی۔ بالکل اسی طرح یہ امر ہے پہلے تیرہ سو برس اُس عظمت کے واسطے نبوت کا لفظ نہ بولا۔ اگرچہ صفتی رنگ میں صفتِ نبوت اور انوارِ نبوت موجُود تھے۔ اور حق تھا۔ کہ اُن لوگوں کو نبی کہا جائے۔ مگر خاتم الانبیاءؐ کی نبوت کی عظمت کے پاس کی وجہ سے وُہ نام نہ دیا گیا۔ مگر اب وُہ خوف نہ رہا۔ تو آخری زمانہ میں مسیح موعودؑ کے واسطے نبی اللہ کا لفظ فرمایا۔ آپؐ کے جانشینوں اور آپؐ کی امت کے خادموں پر صاف صاف نبی اللہ بولنے کے واسطے دو امُور مدِّ نظر رکھنے ضروری تھے۔ اوّل عظمتِ آنحضرتؐ اور دوم عظمتِ اسلام۔ سو آنحضرتؐ کی عظمت کے پاس کی وجہ سے اُن لوگوں پر تیرہ سو برس تک نبی کا لفظ نہ بولا گیا۔ تاکہ آپؐ کی ختمِ نبوت کی ہتک نہ ہو۔ کیونکہ اگر آپؐ کے بعد ہی آپؐ کی امت کے خلیفوں اور صلحاء لوگوں پر نبی کا لفظ بولا جانے لگتا۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے بعد کے لوگوں پر بولا جاتا رہا۔ تو اس میں آپؐ کی ختمِ نبوت کی ہتک تھی۔ اور کوئی عظمت نہ تھی۔ سو خُدا نے ایسا کیا کہ اپنی حکمت اور لُطف سے آپؐ کے بعد تیرہ سو برس تک اس لفظ کو آپؐ کی امت پر سے اٹھا دیا۔ تا آپؐ کی نبوت کی عظمت کا حق ادا ہو جائے اور پھر چونکہ اسلام کی عظمت چاہتی تھی۔ کہ اس میں بھی بعض ایسے افراد ہوں جن پر آنحضرتؐ کے بعد لفظِ نبی اللہ بولا جائے۔ اور تا پہلے سلسلہ سے اس کی مماثلت پُوری ہو۔ آخری زمانہ میں مسیح موعود کے واسطے آپ کی زبان سے نبی اللہ کا لفظ نکلوا دیا۔ اور اس طرح پر نہایت حکمت اور بلاغت سے دو متضاد باتوں کو پورا کیا۔ اور موسوی سلسلہ کی مماثلت بھی قائم رکھی۔ اور عظمت اور نبوت آنحضرتؐ بھی قائم رکھی ؟“

(الحکم ۱۷۔ اپریل ۱۹۰۳ء)

زِندہ نبیؐ

”ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ایسے ہیں کہ وُہ ہر زمانہ میں۔ اور ہر وقت تازہ بتازہ اور زندہ موجُود ہیں۔ ان معجزات کا زندہ ہونا۔ اور ان پر مَوت کا ہاتھ نہ چلنا صاف طور پر اس امر کی شہادت دے رہا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی زندہ نبی ہیں۔ اور حقیقی زندگی یہی ہے۔ جو آپؐ کو عطا ہوئی ہے۔ اور کسی دُوسرے کو نہیں ملی۔ آپؐ کی تعلیم اس لئے زندہ تعلیم ہے کہ اس کے ثمرات اور برکات اس وقت بھی ویسے ہی موجُود ہیں۔ جو آج سے تیرہ سَو سال پیشتر مَوجُود تھے۔ دُوسری کوئی تعلیم ہمارے سامنے اس وقت ایسی نہیں ہے۔ جس پر عمل کرنے والا یہ دعوےٰ کر سکے۔ کہ اس کے ثمرات اور برکات اور فیوض سے مجھے حصّہ دیا گیا ہے۔ اور میں ایک آیت اللہ ہو گیا ہوں۔ لیکن ہم خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے قرآن شریف کی تعلیم کے ثمرات اور برکات کا نمونہ اب بھی موجُود پاتے ہیں۔ اور ان تمام آثار اور فیوض کو جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی اتباع سے ملتے ہیں۔ اب بھی پاتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے اس سلسلہ کو اسی لئے قائم کیا ہے۔ تا وُہ اسلام کی سچائی پر زندہ گواہ ہو۔ اور ثابت کرے۔ کہ وُہ برکات اور آثار اس وقت بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کامل اتباع سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو تیرہ سَو برس پہلے ظاہر ہوتے تھے چنانچہ صدہا نشان اس وقت تک ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور ہر قوم۔ اور مذہب کے سرگروہوں کو ہم نے دعوت کی ہے۔ کہ وُہ ہمارے مقابلہ میں آ کر اپنی صداقت کا نشان دکھائیں۔ مگر ایک بھی ایسا نہیں۔ کہ جو اپنے مذہب کی سچائی کا کوئی نمونہ عملی طور پر دکھائے ؟“

(الحکم ۲۴۔ اپریل ۱۹۰۳ء)

ختمِ نبوت کی حقیقت

”یاد رکھو۔ کہ کتابِ مجید کے بھیجنے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے اللہ تعالےٰ نے یہ چاہا ہے۔ کہ دُنیا پر عظیم الشان رحمت کا نمُونہ دکھائے۔ جیسے فرمایا۔ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن۔ اور ایسا ہی قرآن مجید کے بھیجنے کی غرض بتائی۔ کہ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْن۔ یہ ایسی عظیم الشان اغراض ہیں۔ کہ ان کی نظیر نہیں پائی جا سکتی۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے چاہا ہے۔ کہ جیسے تمام کمالات متفرقہ جو انبیاء علیہم السلام میں تھے۔ وُہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود میں جمع کر دے۔ اور تمام خوبیاں اور کمالات جو متفرق کتابوں میں تھے۔ وُہ قرآن شریف میں جمع کر دے۔ اور ایسا ہی جس قدر کمالات تمام امتوں میں تھے۔ وُہ اس امت میں جمع کر دے۔ پس خُدا تعالےٰ نے چاہتا ہے۔ کہ ہم ان کمالات کو پالیں۔ اور یہ بات بھی بھولنی نہیں چاہیئے کہ جیسے وُہ عظیم الشان کمالات ہم کو دینا چاہتا ہے۔ اُسی کے موافق اس نے ہمیں قوٰی بھی عطا کئے ہیں۔ کیونکہ اگر اس کے موافق قوٰی نہ دیئے جاتے تو پھر ہم ان کمالات کو کسی لُغوت اور حالت میں پا ہی نہیں سکتے تھے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ جیسے کوئی شخص ایک گروہ کی دعوت کرے تو ضرور ہے۔ کہ وُہ اس گروہ کے موافق کھانا تیار کرے۔ اور اسی کے موافق ایک مکان ہو۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ دعوت تو ایک ہزار آدمی کی کر دے۔ اور اُن کے بٹھانے کے واسطے ایک چھوٹی سی کٹیا بنا دے۔ نہیں۔ بلکہ وُہ اس تعداد کا پورا لحاظ رکھے گا۔ اسی طرح پر خدا تعالےٰ کی کتاب بھی ایک دعوت اور ضیافت ہے جس کے لئے کل دُنیا کو بلایا گیا ہے۔ اس دعوت کے لئے خدا تعالےٰ نے جو مکان تیار کیا ہے وُہ قوٰی ہیں۔ جو ان لوگوں کو دیئے گئے ہیں۔ قوٰی کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اب اگر بیل کتے یا کسی اور جانور کے سامنے قرآن کریم کی تعلیمات کو پیش کریں۔ وُہ نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے کہ ان میں قوٰی نہیں ہیں۔ جو قرآن کریم کی تعلیمات کو برداشت کر سکیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے ہم کو وُہ قوٰی دیئے ہیں۔ اور ہم اُن سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالےٰ نے وُہ نبی دیا۔ جو خاتم المؤمنین۔ خاتم العارفین اور خاتم النبیین ہے۔ اور اسی طرح وُہ کتاب اس پر نازل کی۔ جو جامع الکتب اور خاتم الکتب ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خاتم النبیین ہیں۔ اور

آپ پر نبوت ختم ہوگئی۔ تو یہ نبوت اس طرح پر ختم نہیں ہوئی۔ جیسے کوئی گلا گھونٹ کر ختم کر دے۔ ایسا ختم قابلِ فخر نہیں ہوتا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ طبعی طور پر آپ پر کمالاتِ نبوت ختم ہوگئے۔ یعنی وہ تمام کمالاتِ متفرقہ جو آدم سے لے کر مسیح ابن مریم تک نبیوں کو دیئے گئے تھے۔ کسی کو کوئی۔ اور کسی کو کوئی۔ وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع کر دیئے گئے۔ اور اس طرح پر آپ طبعاً خاتم النبیین ٹھیرے۔ اور ایسا ہی وہ جمیع تعلیمات وصایا۔ اور معارف جو مختلف کتابوں میں چلے آتے ہیں۔ وہ قرآن شریف پر آکر ختم ہوگئے۔ اور قرآن شریف خاتم الکتب ٹھیرا۔

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ یہ ہم پر افترا عظیم ہے۔ ہم جس قوت یقین۔ معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں۔ اس کا لاکھواں حصہ بھی وہ نہیں مانتے۔ اور اُن کا ایسا ظرف ہی نہیں ہے۔ وہ اس حقیقت اور راز کو جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت میں ہے سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ انہوں نے صرف باپ دادا سے ایک لفظ سُنا ہوا ہے۔ اور اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ وہ نہیں جانتے۔ کہ ختم نبوت کیا ہوتا ہے۔ اور اس پر ایمان لانے کا مفہوم کیا؟ مگر ہم بصیرت تام سے (جس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم الانبیاء یقین کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے ہم پر ختم نبوت کی حقیقت کو ایسے طور پر کھول دیا ہے۔ کہ اس عرفان کے شربت سے جو ہمیں پلایا گیا ہے۔ ایک خاص لذت پاتے ہیں۔ جس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ بجز ان لوگوں کے جو اس چشمہ سے سیراب ہوں۔ دُنیا کی مثالوں میں سے ہم ختم نبوت کی مثال اس طرح پر دے سکتے ہیں۔ کہ جیسے چاند ہلال سے شروع ہوتا ہے۔ اور چودھویں تاریخ پر آکر اس کا کمال ہوجاتا ہے۔ جبکہ اُسے بدر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر کمالاتِ نبوت ختم ہوگئے۔ جو یہ مذہب رکھتے ہیں۔ کہ نبوت زبردستی ختم ہوگئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یونس بن متی پر بھی ترجیح نہیں دینی چاہیئے۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھا ہی نہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور کمالات کا کوئی علم ہی ان کو نہیں ہے۔ باوجود اس کمزوری فہم اور کمیٔ علم کے ہم کو کہتے ہیں۔ کہ ہم ختم نبوت کے منکر ہیں۔ میں ایسے مریضوں کو کیا کہوں۔ اور ان پر کیا افسوس کروں۔ اگر ان کی یہ حالت نہ ہوگئی ہوتی۔ اور حقیقتِ اسلام سے بکلی دُور نہ جا پڑے ہوتے۔ تو پھر میرے آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ان لوگوں کی ایمانی حالتیں بہت کمزور ہوگئی ہیں۔ اور وہ اسلام کے مفہوم اور مقصد سے محض ناواقف ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ وہ اہلِ حق سے عداوت کرتے!

(الحکم ۱۷۔ مارچ ۱۹۰۵ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات

"میں بڑے زور سے کہتا ہوں۔ کہ خواہ کیسا ہی پکا دشمن ہو۔ اور خواہ وہ عیسائی ہو۔ یا آریہ۔ جب وہ ان حالات کو دیکھے گا۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے عرب کے تھے۔ اور پھر اس تبدیلی پر نظر کرے گا۔ جو آپ کی تعلیم اور تاثیر سے پیدا ہوئی۔ تو اسے بے اختیار آپ کی حقانیت کی شہادت دینی پڑے گی۔ موٹی سی بات ہے۔ کہ قرآن مجید نے ان کی پہلی حالت کا تو یہ نقشہ کھینچا ہے۔ یاکلون کما تاکل الانعام۔ یہ تو ان کی کفر کی حالت تھی پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک تاثیرات نے ان میں تبدیلی پیدا کی۔ تو ان کی حالت یہ ہوگئی۔ یبیتون لربھم سجداً وقیاما۔ یعنی وہ اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے۔ اور قیام کرتے ہوئے راتیں کاٹ دیتے ہیں۔

جو تبدیلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے وحشیوں میں کی اور جس گڑھے سے نکال کر جس بلندی اور مقام تک انہیں پہنچایا۔ اس ساری حالت کے نقشہ کو دیکھنے سے بے اختیار ہو کر انسان رو پڑتا ہے۔ کہ کیا عظیم الشان انقلاب ہے۔ جو آپ نے کیا۔ دنیا کی کسی تاریخ اور کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ نری کہانی نہیں۔ یہ واقعات ہیں۔ جن کی سچائی کا ایک زمانہ کو اعتراف کرنا پڑا ہے۔

قرآن مجید تو ایسی کتاب ہے۔ کہ وہ ان میں پڑھی جاتی تھی۔ اور یہ سب باتیں اس میں درج ہیں۔ کفار سُنتے تھے۔ جہاں وہ اس کی مخالفت کے لئے ہر قسم کی کوششیں کرتے تھے۔ اگر یہ باتیں غلط ہوتیں۔ تو وہ آسمان سر پر اُٹھا لیتے۔ کہ یہ ہم پر اتہام اور الزام ہے۔ یہ معمولی بات نہیں بلکہ بہت ہی قابلِ غور مقام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی پر ہزاروں ہزار دلائل ہیں۔ لیکن یہ پہلو آپ کی حقانیت کے ثبوت میں ایک علمی پہلو ہے۔ جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور جس دلیل کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ یا تو عربوں کی وہ حالت تھی۔ اور یا یہ تبدیلی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ اللہ فی اصحابی۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے ناواقف اور اس سے دُور پڑی ہوئی قوم کو اس مقام تک پہنچا دیا۔ کہ پھر ان کی نظر ماسوی اللہ سے خالی ہوجائے۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے"

(الحکم ۲۴۔ جنوری ۱۹۰۷ء)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زبردست معجزہ

"میرے نزدیک آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہزاروں لاکھوں معجزے ہیں۔ لیکن آپ کا یہ معجزہ بڑا ہی زبردست ہے۔ کہ آپ نے جو دعوے کیا تھا وہ کر دکھایا۔ جیسے ایک طبیب دعوےٰ کرے۔ کہ میں حاذق طبیب ہوں۔ اور پھر اس دعوے کو مریضوں کی صحت اور تندرست ہونے سے ثابت کر دکھائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ اپنے دعوے کے موافق کر دکھایا۔

اس کی تو کوئی نظیر ہی نہیں ملتی۔ عرب جیسی جاہل اور خونی قوم جو کبھی کسی کی بات مان ہی نہیں سکتی تھی۔ کیا کوئی اس قوم کی نسبت خیال کر سکتا تھا۔ کہ یہ قوم باہم متحد ہوگی۔ اور خدا تعالیٰ سے ایسا قوی تعلق پیدا کریں گے۔ کہ باوجودیکہ یہ فرعون سیرت ہیں۔ لیکن اس کی اطاعت میں ایسے محو اور فنا ہونگے۔ کہ جانِ عزیز کو بھی اس کی راہ میں دے دینگے۔ غور کرو۔ کہ کیا یہ آسان امر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عظیم الشان کامیابی ہے۔ ایک ایسی قوم میں ایسی محبت الٰہی کا پیدا کر دینا۔ کہ وہ مرنے کو تیار ہوجائیں خود آپ کی اعلیٰ درجہ کی قوتِ قدسی کو ظاہر کرتا ہے"

(الحکم ۱۷۔ اگست ۱۹۰۵ء)

اللہ تعالیٰ کی محبت کی لذت

"کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دُنیا کی ساری نعمتیں اور عزتیں پیش کیں۔ مال و دولت۔ سلطنت۔ عورتیں۔ اور کہا۔ کہ آپ ہمارے بتوں کی مذمت نہ کریں۔ اور یہ توحید کا مذہب پیش نہ کریں اس خیال کو جانے دیں۔ وہ دُنیا دار تھے۔ ان کی نظر دنیا کی فانی اور بے حقیقت لذتوں سے پرے نہ جا سکتی تھی۔ انہوں نے سمجھا۔ کہ یہ تبلیغ انہی اغراض کے لئے ہوگی۔ مگر آپ نے ان کی ان ساری پیش کردہ باتوں کو رد کر دیا۔ اور کہا۔ کہ اگر میرے دائیں بائیں آفتاب اور ماہتاب بھی لاکر رکھ دو۔ تب بھی میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر اس کے بالمقابل انہوں نے آپ کو وہ تکالیف پہنچائیں۔ جن کا نمونہ کسی دوسرے شخص کی تکالیف میں نظر نہیں آتا۔ لیکن آپ نے ان تکالیف کو بڑی لذت اور سرور سے منظور کیا مگر اس راہ کو نہ چھوڑا۔ اب اگر کوئی لذت اور ذوق نہ تھا۔ تو پھر کیا وجہ تھی جو ان مصائب اور مشکلات کو برداشت کیا۔ وہ وُہی لذت تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ملتی ہے۔ اور جس کی مثال اور نمونہ کوئی پیش نہیں کیا جا سکتا!"

(الحکم ۱۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

رسول کریم کی کامل اتباع کے ثمرات

"جو شخص سچے دل سے خدا تعالیٰ کے حضور آتا ہے۔ وہ خالی نہیں جاتا۔ پاکیزہ قلب ہونے کی ضرورت ہے۔ ورنہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کی تعلیم اور تاکید بے فائدہ ہوجاتی ہے۔ اگر وہ انعام اکرام اب کسی کو ملتے ہی نہیں ہیں۔ تو پھر پانچ وقت اس دُعا کے مانگنے کی کیا حاجت ہے۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ جو مسلمانوں میں پھیل گئی ہے۔ حالانکہ یہی تو اسلام کا حُسن اور خوبی تھی۔ کہ اس کے برکات اور فیوض اور اس کی پاک تعلیم کے ثمرات تازہ بتازہ ہمیشہ مل سکتے ہیں۔ تمام صوفیوں اور اکابرانِ امت کا یہی مذہب ہے۔ بلکہ وہ تو کہتے ہیں۔ کہ کامل متبع ہوتا ہی نہیں۔ جب تک بروزی رنگ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کو اپنے اندر نہ رکھتا ہو۔ اور حقیقت میں یہ بات سچی بھی ہے۔ کیونکہ کامل اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لازم ہے۔ کہ اس کے ثمرات اپنے اندر پیدا کرے۔ جب ایک شخص کامل اطاعت کرتا ہے۔ اور وہ اطاعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محو اور فنا ہو کر گم ہوجاتا ہے۔۔۔

رسول کریمؐ کا طریق عمل تربیت اولاد کے متعلق

از جناب سید محمد اسحٰق صاحب فاضل پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان

اولاد کی محبت کا جذبہ

اِنسانی فِطرت میں جہاں بہت سے جذبات قدرت کی طرف سے ودیعت کئے گئے ہیں۔ وہاں اولاد کی محبت کا جذبہ قریباً تمام جذبات سے زیادہ نمایاں اور زیادہ شدت سے اس میں مرکوز کیا گیا ہے انسان اپنے بچوں کی خاطر دن کی دُھوپ۔ رات کی بے خوابی جسم کی مشقت۔ رُوح کی تکلیف سب کچھ برداشت کر لیتا ہے۔ مگر یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ کہ ان پر ذرا آنچ آئے۔

اگر اولاد کی محبت کا جذبہ ماں باپ میں نہ ہوتا

باپ کی شفقت اور ماں کی مامتا دُنیا میں ضرب المثل ہیں۔ اس جذبہ کو قدرت نے کیوں پیدا کیا؟ اور اگر پیدا کیا۔ تو اُسے باقی تمام جذبات پر کیوں فوقیت دی؟ یہ سوال ہیں۔ جو ہمارے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر غور کریں۔ تو یُوں حل بھی کئے جا سکتے ہیں کہ اگر اولاد کی محبت کا جذبہ ماں باپ کے دلمیں قدرت کیطرف سے پیدا نہ کیا جاتا۔ تو باغِ عالم میں انسانی وجُود کا پَودا بالکل مفقود ہو جاتا۔ اور اس دُنیا میں اور تو سب کچھ ہوتا۔ مگر انسان ہاں اشرف المخلوقات انسان سے یہ دُنیا خالی ہوتی۔ اور یہ زمین محض مٹی کا ایک خاموش تودہ ہوتی۔ دریا ہوتے۔ مگر دریاؤں سے کام لینے والا کوئی نہ ہوتا۔ سمندر ہوتے۔ مگر سمندروں کو چیرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ دُنیا کا مکان تو ہوتا۔ مگر رنج کو راحت سے۔ افسردگی کو خوشی سے۔ سکون کو حرکت سے بدلنے والا یہ عظیم الشان اشرف الموجودات مکین نہ ہوتا۔ اور گو یہ زمین فرشتوں سے بھی بھر جاتی۔ مگر خدائی صفات ستّار و غفّار و قہّار کا کوئی مظہر نہ ہوتا۔ سچ ہے۔ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اُعرف فخلقت آدم۔

ماں کی مامتا کا تقاضا

اس عالم سے انسان کیوں مفقود ہوتا۔ اس لئے کہ اگر والدین میں محبت کا بے نظیر جذبہ نہ ہوتا۔ تو کبھی ماں نو مہینہ تک حمل میں بچے کو لئے لئے نہ پھرتی۔ وہ دو دن میں گھبرا جاتی۔ تھک جاتی۔ اکتا جاتی اور کوشش کرتی۔ کہ یہ غیر محبوب بوجھ اور ناپسندیدہ گٹھڑی مجھ سے ہٹالی جائے۔ لیکن برعکس اس کے چونکہ خدا تعالےٰ ہونے والے بچہ کی محبت استقرار حمل کے وقت ہی اُس کے دل میں ڈال دیتا ہے اس لئے گو ماں کی غذا چھوٹ جاتی ہے۔ تمام عادات میں ایک تکلیف دہ تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے چلنا پھرنا۔ اٹھنا بیٹھنا سب کچھ دوبھر ہو جاتا ہے۔ اور ہونے والے درد زِہ کے خیال سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر وُہ ہر ممکن طریق سے حمل کی حفاظت کرتی ہے۔ بجائے رنج کے خوشی کا اظہار کرتی ہے۔ اور ہونے والے بچہ کے تصوّر کی خوشی میں مطمئن ہو کر راتوں کو بیٹھ بیٹھ کر اس کے کپڑے سیتی ہے۔ کبھی لڑکی تصوّر کرکے اوڑھنی بناتی ہے۔ اور کبھی لڑکا خیال کرکے کوٹ قطع کرتی ہے۔ غرض حمل کے نو مہینے اُمید کی خوشی تمنا کے جوش اور توقع کی جھلک کے سہارے گزار دیتی ہے۔ اور جب وُہ خطرناک وقت آتا ہے۔ جب اپنے وقت میں ساری دُنیا کی عورتوں سے افضل۔ سب سے پاکیزہ اور سب سے مقدس عورت بھی درد کے مارے یالیتنی متّ قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاً کہہ اٹھی تھی۔ اُس وقت یہ اپنی جان سے بیزار ہوتے ہوئے بھی آنے والے بچہ کی جان کی سلامتی کی دل سے متمنّی ہوتی ہے۔ اور جب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والا مہمان خیر و عافیت سے آگیا ہے۔ تو اپنی ساری تکلیفوں کو یکدم فراموش کر دیتی ہے۔ اور سچ مچ اس کی فطرت اُسے آواز دیتی ہے۔ اَلّا تحزنی قد جعل ربّک تحتک سریّا۔ اور جب وُہ بچہ اُس کے آگے یہ کہکر ڈالا جاتا ہے۔ کہ لے یہ تیرا نورِ چشم ہے۔ تو اس کی چھاتیوں سے دُودھ کی دھاریں بہہ پڑتی ہیں۔ اور قدرت کا یہ حکم سُنکر کہ فکلی واشربی و قرّی عیناً۔ وُہ اُسے سینہ سے چمٹا لیتی ہے۔ وُہ اس کی خوبیوں کی وجہ سے اس کی فریفتہ نہیں ہوتی۔ نہ اُس کا حسن و جمال اُس کے لئے باعثِ کشش نہیں ہوتا۔ نہ وُہ یہ خیال کرتی ہے۔ کہ یہ بڑا ہو کر اُس کے لئے آرام و آسائش کا مُوجب ہوگا۔ بلکہ وُہ محض قدرتی جذبہ اور فطرتی خاصہ کی وجہ سے اُس پر جان دیتی ہے۔ لیکن اگر سب سے بڑا رحیم و کریم خُدا اُس کے دل میں بچہ کی محبت کا جذبہ ودیعت نہ کرتا۔ اور اُس کے دل میں اپنی رحمت کا پرتو نہ ڈالتا۔ تو وُہ بجائے سینہ سے چمٹانے کے اُسے پَرے پھینک دیتی۔ وُہ کس طرح ایک مضغۂ بے عقل و ہوش ہر وقت رونے والے۔ ہر وقت پیشاب و پاخانہ سے بھرے ہُوئے گوشت کے ایک ٹکڑے کو اپنے سینہ سے چمٹا سکتی تھی۔ لیکن وُہ اُسے پھینکتی نہیں۔ بلکہ اُسے سینہ سے چمٹائے چمٹائے پھرتی ہے۔ وُہ خود جاگتی ہے۔ مگر اُسے سُلاتی ہے۔ آپ بھُوکی رہتی ہے مگر اُسے کھلاتی ہے۔ آپ پیاس برداشت کرتی ہے۔ مگر اُسے پیاسا نہیں دیکھ سکتی۔ وُہ اُس کے لئے پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ تک سات سات پھیرے کر لیتی ہے۔ اور تھکتی نہیں۔ پھر ایک دن نہیں۔ دو دن نہیں۔ بلکہ پورے دو برس وُہ اُسے اپنا خُون پلا پلا کر پرورش کرتی ہے۔ اور اتنی تکلیف اٹھاتی ہے۔ کہ مالک الملک کے دربار سے اُسے یہ سارٹیفکیٹ عطا ہوتا ہے۔ حملتہ امہ کرھاً و وضعتہ کرھاً۔ وحملہٗ وفصالہٗ ثلاثون شھراً۔

یہیں تک نہیں۔ بلکہ بچوں کے جوان ہونے تک وُہ دن رات ان کی خدمت کے لئے کمر بستہ رہتی ہے۔ پھر نہ صلہ کے لئے۔ نہ ستائش کی خاطر۔ نہ کسی خدمت کی تمنا میں۔ بلکہ محض فطری محبت کی وجہ سے۔

شفقتِ پدری

یہ تو ماں کی مامتا تھی۔ اب شفقتِ پدری کا حال سُنو۔ وُہ دیس سے پردیس جاتا ہے۔ اپنا لہُو پسینہ ایک کرتا ہے۔ ریل کے قلیوں کی طرح دن رات کام کرتا ہے۔ کیوں؟ صرف بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے۔ اُن کی تربیت کے لئے۔ ان کی تعلیم کے لئے۔ ان کی شادی بیاہ کے لئے۔ وُہ اپنی آسائش پر اُن کی آسائش مقدم کرتا ہے۔ اور اُن کے آرام کے لئے اپنا آرام قربان کر دیتا ہے۔ صرف آرام ہی نہیں۔ بلکہ وُہ بار کی طرح اپنے ہمایوں پر اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ کیوں؟ کیا کسی دُنیوی منفعت کے لئے؟ یا کیا کسی ذاتی لالچ یا حرص کے خیال سے؟ نہیں۔ بلکہ محض فطری جذبہ اور قدرتی خاصہ سے۔ سچ ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ۔

بچوں کی محبت کا جذبہ پیدا کرنے کی غرض

پس دُنیا کو چلانے کے لئے اور اس دُنیا میں خدا کی ایک مکلف ذوی العقل۔ مختار۔ مخلوق کو آباد کرنے کے لئے۔ ان کی پیدائش۔ پرورش۔ تربیت اور تعلیم کو قائم کرنے کے لئے نہایت ضروری تھا۔ کہ ماں باپ کے دل میں بچوں کی محبت کا جذبہ پیدا کیا جاتا۔ اور پیدا بھی اس طرح کیا جاتا۔ کہ وُہ سب جذبوں سے فوقیت رکھتا۔ غرض یہ جذبہ نہایت مفید۔ نہایت ضروری اور نہایت بابرکت جذبہ ہے۔ کہ اس کی برکت سے آج دُنیا آباد ہے۔

غلط استعمال

لیکن جس طرح ہر جذبہ جو خدا تعالےٰ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے۔ لوگوں کے غلط اور ناجائز استعمال سے بعض دفعہ بُرے نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح یہ جذبہ بھی آج کل بُہت سے بُرے نتیجے ہمارے سامنے پیدا کر رہا ہے۔ جاہل مائیں۔ ناعاقبت اندیش باپ اولاد کی زندگی تباہ کر دیتے ہیں۔ بے جا لاڈ اور غلط پیار سے بچے بگڑ جاتے ہیں۔ ان کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ وُہ جاہل رہ جاتے ہیں۔ ساری عمر آوارہ گردی میں بسر کرتے ہیں۔ اور دُنیا کے لئے بجائے مفید ہونے کے ایسے نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہوتے ہیں کہ خواجہ خضر بھی

ڈرجاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ فخشینا ان یرھقھما طغیانا وکفرا پھر سوائے سرکاٹ دینے کے اور کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا۔

عقلمند انسان کا کام

ایک عقلمند انسان نہ تو اس جذبہ سے خالی ہو کر بے رحم بننا چاہتا ہے۔ نہ اس میں غلو کرکے اپنی اولاد کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ وُہ چاہتا ہے۔ کہ مجھے کوئی کامل نمُونہ ملے۔ تاکہ میں اس کی پیروی کرکے اس جذبہ کو صحیح استعمال کر سکوں۔

کامل نمُونہ

پس خُدا جو کہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے اُس نے انسان کی اس فطری خواہش کو ضائع نہیں جانے دیا۔ بلکہ اس نے ہر زمانہ میں اپنے نبی بھیجکر ان کو دُنیا کے لئے فطری جذبات کے استعمال میں نمونہ بنایا۔ اور ہم چونکہ اس آخری زمانہ میں ہیں۔ اور ایسے وقت میں ہیں۔ کہ سب نبیوں کی قومیں ایک سٹیج پر جمع ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے وُہ انسان نمونہ بنایا گیا۔ جو سب کا خاتم یعنی سب نبیوں کا جامع ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ فرمایا۔ پس آؤ۔ ہم سب اس کی زندگی میں اولاد کی محبت کے جذبہ کو کام کرتے ہوئے دیکھیں۔ اور اس پر عمل کرکے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی کو دُنیا کے لئے بابرکت بنائیں۔

رسولِ کریمؐ کا طریقِ عمل

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے ہر قسم کی اولاد عطا کی۔ لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی۔ اور جو کچھ تربیت اور سلوک آپؐ نے اپنی اولاد سے کیا۔ وُہ کتبِ احادیث میں موجُود ہے۔ اس میں سے مختصراً بطور اشارہ چند امُور ذیل میں بیان کرتا ہوں۔

ابتدا سے بچہ کی تربیت

سب سے بڑی وجہ بچوں کے خراب ہونے کی یہ ہوتی ہے۔ کہ ماں باپ بوجہ قدرتی محبت اور فطری پیار کے جب تک بچہ نادانی کے عالم اور بے سمجھی کے زمانہ میں ہوتا ہے۔ اُس کی تربیت اور اخلاق کی درستی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور نادانی کی حالت اور بے سمجھی کا زمانہ کہکر اُسے معذور قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب بد عادات راسخ ہو جاتی ہیں۔ اور بُرائیوں کی جڑ مضبُوطی سے بچے کے دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے۔ اور بچہ نادانی سے نکل کر سمجھ کے میدان میں قدم رکھتا ہے۔ اُس وقت والدین ان عادات کو دُور کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اُس وقت ان عادتوں کا دُور کرنا ماں باپ کے اختیار کی بات نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب بچہ سمجھدار ہو جائے۔ تو وُہ اپنی سمجھ سے کام لے کر ہی چھوڑنا چاہے۔ تو چھوڑ سکتا ہے۔ اس وقت ماں باپ کے فعل کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

مباشرت کے وقت کی دُعا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابتدا سے بچہ کی تربیت کی۔ اور صرف خود ہی نہیں کی بلکہ اپنی امت کو سکھایا۔ کہ پہلے تربیت کریں۔ آپ جب اپنی بیوی کے پاس جاتے تو فرماتے۔ بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطن وجنب الشیطان ما رزقتنا۔ یعنی الٰہی اگر اس فعل مباشرت سے تیرے علم میں ہمیں کوئی بچہ عطا ہونے والا ہے۔ تو ہمیں اس وقت گندے شہوانی جذبات سے بچا۔ اور تمام برائیوں کے خیالات سے ہمارے دل و دماغ کو محفوظ فرما۔ تاکہ ہمارے اس وقت کے بُرے خیال کا اثر ہونے والے بچے کے دل و دماغ پر نہ پڑے۔

دیکھو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بچہ کی تربیت اُس وقت سے شروع کی۔ جبکہ بچہ ابھی باپ کی صلب سے ماں کے رحم میں بھی نہیں گیا ہوتا۔ کیونکہ علم النفس کے ماہرین کی متفقہ شہادت سے یہ امر ثابت ہے کہ بچہ کے اخلاق پر ماں باپ کے خیالات اور جذبات کا بہت اثر ہوتا ہے اگر مباشرت کے وقت اور ایام حمل میں ماں باپ میں بُرے جذبات جوش زن ہونگے۔ تو لامحالہ بچہ کے خیالات بھی بُرے ہونگے۔ اور اگر ان ایام میں ماں باپ کے خیالات میں تسکین اور صفائی ہوگی۔ تو لازماً بچے کا دماغ تمام کدورتوں اور ناجائز جوشوں سے خالی ہوگا۔

بچہ کے پیدا ہونے پر

پھر جب بچہ پیدا ہوتا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہتے۔ یہ محض ایک رسم نہیں۔ بلکہ باوجود اذان اور تکبیر کے الفاظ کے نہ سمجھنے کے بچہ لازماً ان کلمات طیبہ کی پاکیزگی سے متاثر ہوگا۔ اور اس کے دماغ پر ان کلمات کے پاکیزہ مفہُوم کا پاک اثر ساری عمر کے لئے قائم رہے گا۔

گھٹی دیتے وقت کی دُعا

پیدائش کے بعد رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلی خوراک یعنی گھٹی دیتے وقت برکت کی دُعا کرتے۔ اور یہ نہایت ضروری اور بابرکت فعل ہے۔ کیونکہ خُدا ہاں اس بزرگ تر خدا کی مدد کے بغیر کوئی تربیت اور کوئی اصلاح قائم نہیں ہو سکتی۔

بچہ کا عقیقہ

پھر ساتویں دن آپ عقیقہ کرتے۔ اور بچہ کی طرف سے قربانی دیتے۔ اس کے سر کے بالوں کو تول کر ان کے ہموزن چاندی صدقہ کر دیتے۔ اس سے یہ ظاہر کرتے۔ کہ پیدا ہونے والے بچہ کے اخلاق کی تربیت لازمی ہے۔ محض اسے کھلانا پلانا۔ اور آرام سے رکھنا ہی ضروری نہیں۔ کیونکہ کھا پی کر تو یہ محض حیوان ہوگا۔ اور اگر حیوان بنانا ہی مقصُود ہوتا۔ تو حیوان تو وُہ جانور بھی تھا۔ جو اس کے لئے قربان کر دیا گیا۔ پس جانور کی قربانی دے کر یہ ظاہر کرنا مقصُود ہے۔ کہ ہم نے اس بچہ کو با اخلاق اور باخدا بنانا ہے۔ محض کھلا پلا کر موٹا کرکے دُنبہ نہیں بنانا اگر دُنبہ بنانا مقصُود ہوتا۔ تو ایک پلے پلائے دُنبہ کو اس ہفت روزہ بچے کے لئے کیوں ذبح کرایا جاتا۔ اس کی بجائے بچے ہی کو ذبح کرکے دُنبہ کو کیوں نہ گھر میں باندھ لیا جاتا۔ پھر بالوں کے ہموزن چاندی تول کر کیوں صدقہ کی جاتی ہے؟ یہ ظاہر کرنے کے لئے۔ کہ اس بچہ کی تعلیم تربیت میں یہ مدنظر نہیں رکھا جائے گا۔ کہ یہ بڑا ہو کر محض دُنیا کمائے۔ اور اس کی زندگی کا مقصُود اس کے علم کا مبلغ اور اس کی تمام محنتوں کا مرکز مال ہو۔ کیونکہ مال یعنی چاندی سونا تو ایسی حقیر چیزیں ہیں۔ کہ اس کے بالوں۔ ہاں کاٹ کر پھینک دیئے جانے والے بالوں کے برابر بھی نہیں۔ پھر یہ خود کس طرح محض سونے اور چاندی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی پیدائش کی غرض تو خدا کا حصُول۔ اور اس کی تربیت کا مقصُود دین۔ اور روحانیت کا حاصل کرنا ہے۔

ختنہ

پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی روز لڑکوں کا ختنہ کرتے۔ تا یہ ظاہر کریں۔ کہ جس طرح بچہ کی باطنی پاکیزگی۔ اور طہارت کا خیال رکھنا ماں باپ کا فرض ہے۔ اسی طرح اس کے جسم کی درستی اور صحت کا خیال رکھنا بھی ان پر واجب ہے۔

ایام رضاعت میں صفائی کا خیال

پھر ایام رضاعت میں بعض لوگ بچوں کی ظاہری صفائی کا خیال نہیں کرتے۔ نہ ان کے باقاعدہ نہلانے کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر کا اثر باطن پر۔ اور جسم کا اثر رُوح پر پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے ساری عمر کے لئے ایسے بچے صفائی اور نہانے کے پابند نہیں رہتے۔ بلکہ بعض بچوں کو مٹی میں کھیل کھیل کر مٹی کھانے کی نہایت خطرناک اور مضر صحت عادت پڑ جاتی ہے۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایام رضاعت میں اپنے بچوں کی صفائی کا نہایت اہتمام سے خیال فرماتے۔ بخاری میں آتا ہے۔ آپؐ اپنے صاحبزادہ ابراہیم کو دیکھنے کے لئے اس کی دایہ کے گھر تشریف لے جاتے۔ اور بچہ کو منگا کر پیار کرتے۔ اور اُسے سونگھتے۔ اس سونگھنے سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صفائی کا کس قدر خیال تھا۔ ہو سکتا ہے۔ کہ بچہ دیکھنے میں صاف ستھرا معلُوم ہو۔ مگر سونگھنے سے معلُوم ہو جاتا ہے۔ کہ اسے پوری طرح صفائی سے نہلایا گیا ہے۔ یا نہیں۔ اس لئے آپؐ صرف دیکھنے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ اچھی طرح سونگھ کر معلُوم کرتے۔ کہ بچہ کو صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔ یا نہیں۔

بچہ کی بہتری کے لئے ماں سے علیحدگی

اسی طرح اگر بچہ کی بھلائی اور اس کی روحانی یا جسمانی تربیت کے لئے بچہ کو اس کی والدہ سے الگ کئے جانے کی ضرورت پڑے۔ تو بہت سی مائیں بچہ کی اخلاقی تباہی برداشت کر لیں گی۔ مگر اپنے سے جُدا نہ کریں گی۔ حالانکہ یہ محض حماقت اور جہالت کا اظہار ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بچہ ابراہیم کو ایک لوہار کے سپرد کیا۔ کہ اس کی بیوی اس کو دودھ پلایا کرے۔ اور بچہ کی صحت کی خاطر اُسے گھر سے باہر بھیج دیا۔ حالانکہ اس وقت آپؐ کے صاحبزادہ کی عمر صرف دو ماہ کی تھی۔ اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے۔ کہ بچہ کے وجود سے یہ غرض نہیں۔ کہ وُہ ہمارا کھلونا بنے۔ اور صرف ہمارا دل بہلانے کے لئے اور چومنے چاٹنے کے لئے ہمارے پاس موجود ہے۔ بلکہ وُہ خدا تعالےٰ کی ہمارے پاس ایک امانت ہے۔ ہمیں اس سے وُہی سلوک کرنا چاہیئے جو اس کی جسمانی اور روحانی تربیت کے لئے ضروری اور مفید ہو۔ آج

یورپ کی مادی ترقی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ یورپین عورتیں ہندوستان میں اپنے خاوندوں کے ساتھ رہتی ہوئی اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تعلیم کے لئے یورپ بھیج دیتی ہیں۔ یا آپ یورپ میں رہتی ہوئی ملازمت کے لئے اپنے نوجوان بچوں کو ہندوستان بھیج دیتی ہیں مگر عام طور پر ہندوستانی مائیں ایک لمحہ کے لئے بچوں کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتیں۔

رضاعت کے بعد بچہ کی حالت

پھر جب بچہ ایام رضاعت ختم کرتا ہے۔ تو وُہ کھانے پینے کے معاملہ میں کسی قانون کی پابندی اور کسی آئین کی حد کے اندر نہیں رہنا چاہتا۔ وُہ جب چاہتا ہے۔ کھاتا ہے۔ اور جہاں سے ملے کھا لیتا ہے۔ اُسے اپنے پرائے۔ حلال وحرام۔ مفید اور غیر مفید کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ اور والدین محبت سے مغلوب ہو کر کم عمری کو بہانہ۔ اور ناسمجھی کو عذر بنا کر اس کی تمام حرکات سے درگزر کرتے ہیں۔ وُہ بجائے دائیں سے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ دستر خوان پر اس کا ہاتھ سب برتنوں میں پڑتا ہے۔ وُہ بدتمیزیاں کرتا ہے۔ مگر بجائے اصلاح کے والدین ان حرکات سے خوش ہوتے ہیں۔ حالانکہ وُہ نہیں جانتے کہ آج اگر اصلاح نہ کی گئی۔ تو آئندہ بھی اصلاح کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ عادت کیا ہے؟ ایک پودا ہے۔ اگر آج نہ اکھیڑو گے۔ تو پھر جڑ پکڑ کر بغیر کلہاڑے کے نہ اکھڑے گا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بچوں کی تربیت میں ان تمام امور کا خیال رکھا۔ ایک دفعہ حضرت امام حسن رضؓ نے کھیلتے کھیلتے زکوٰۃ کی کھجوروں کے ڈھیر سے ایک کھجور اپنے مونہہ میں ڈال لی۔ آپؐ نے فوراً ان کے مونہہ سے نکال کر پھینک دی۔ اور کہا۔ کخ کخ یعنی چھی چھی چھی۔ پھر ایسا نہ کرنا۔ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ صدقہ ہمارے خاندان کے لئے جائز نہیں۔ اگرچہ اُس وقت امام حسن کی عمر تین چار سال کی تھی۔ لیکن آپؐ نے درگزر نہیں کیا۔ بلکہ فوراً روک دیا۔ اور نہ صرف روکا۔ بلکہ تعلیم دیکر اور سمجھا کر روکا۔

اسی طرح آپؐ کا ربیب ابن ابی سلمہ آپؐ کی گود میں بیٹھ کر آپؐ کے ساتھ کھانا کھانے لگا۔ اور اس کے ہاتھ برتن کے چاروں طرف پڑنے لگے۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ بچے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھکر کھانا شروع کرو۔ اور دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔ اور برتن میں صرف اپنے آگے سے کھانا لو۔ سارے برتن میں ہاتھ نہ ڈالو۔

جب بچہ باتیں کرنا سیکھتا ہے۔

اسی طرح بہت سے ماں باپ یہ نہیں دیکھتے۔ کہ ان کے بچے کے مُونہہ سے کیا کلمات نکلتے ہیں۔ وُہ صرف یہ چاہتے ہیں۔ کہ ان کا بچہ جلدی بولنا سیکھے۔ خواہ وُہ گالیاں ہی سیکھے۔ چنانچہ ہر طبقہ کے بہت سے والدین اپنے بچہ کو توتلی زبان میں دُوسروں کو گالیاں دیتے سُنکر بھی خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ تحریک کرتے ہیں۔ کہ وُہ یہ فعل کرے۔ تاکہ مجلس میں ہنسی اور خوشی کی ایک لہر پیدا ہو۔ مگر یہ خود اپنے ہاتھ سے بچہ کو تباہ کرنا ہے۔ عقلمند شخص وُہ ہے۔ جو یہ سمجھے کہ بچے نے زبان سیکھ کر بولنا تو بہر حال ہے۔ پھر خود ہی کیوں نہ اسے ایسی باتیں سکھائی جائیں۔ جو اچھی۔ اور نصیحتوں پر مبنی ہوں۔ حضرت امام حسنؓ سے منقول ہے۔ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے ایک فقرہ حفظ کرایا تھا۔ جو ابھی تک یاد ہے۔ اور وُہ یہ ہے۔ دع ما یریبک الی ما لا یریبک یعنی چھوڑ دے۔ وُہ بات جو بُری اور شُبہ والی ہو۔ اور اختیار کر وُہ بات جو اچھی اور شُبہ سے پاک ہو۔

دیکھو۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا صحیح طریق اختیار فرمایا۔ آپؐ نے دیکھا۔ کہ آپؐ کا نواسہ بولنے لگ گیا ہے۔ اگر اچھے کلمات نہ سکھائے۔ تو بُری باتیں۔ یا فضول فقرے منہ سے نکالے گا۔ اس لئے آپؐ نے مختصر اور چھوٹا سا جملہ یاد کرا دیا۔ جو آئندہ کے لئے حضرت امام حسن کے ہمیشہ کام آیا۔ اسی طرح آپ امام حسن اور امام حسین کو دعائیں سکھاتے تھے۔

بچوں سے پیار

پھر جس طرح بچوں کے اخلاق کی نگرانی کرنے اور ان کو برائیوں سے روکنے کے لئے تنبیہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ان سے پیار کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جو شخص بچے سے پیار نہیں کرتا۔ بچے کو بھی اُس سے اُنس نہیں پیدا ہوتا۔ اور جب تک اُنس نہ ہو۔ بچہ پر کبھی اُس کی باتوں کا اثر نہ ہوگا۔ اس لئے جو باپ نہایت بدمزاج ہو۔ اپنے بچوں سے پیار نہ کرتا ہو۔ بلکہ ہر وقت اُن سے سختی سے پیش آتا ہو۔ وُہ بچوں کی نظر میں ایک ہوّا ہوتا ہے۔ اور کبھی بھی وُہ بچوں کی صحیح تربیت نہیں کر سکتا۔ اس لئے بچوں سے نرمی اور تلطف سے پیش آنے کے علاوہ پیار و محبت سے بھی پیش آنا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے بچوں کو پیار کرتے تھے۔ ان کو گودی میں اٹھاتے تھے۔ ان کا دل بہلاتے تھے۔ حالانکہ اس وقت کے جاہل عربوں کے نزدیک یہ امر وقار کے خلاف تھا۔

ایک شخص نے آپؐ سے۔ اپنے نواسے سے پیار کرتے ہُوئے دیکھ کر کہا۔ یا رسول اللہؐ۔ میرے دس لڑکے ہیں۔ مگر میں نے کبھی نہیں پیار نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ تیرے دل سے اللہ شفقت نکال لے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ اس فقرہ سے معلوم ہوا۔ کہ پیار ایک طبعی امر ہے اور جو اپنے بچوں کو پیار نہیں کرتا۔ وُہ صاحب وقار نہیں۔ بلکہ قسی القلب ہے۔ آپؐ سجدہ کی حالت میں ہوتے۔ اور آپؐ کا کوئی بچہ آپؐ کی پشت پر سوار ہو جاتا۔ تو آپؐ توقف فرماتے۔ اور جب وُہ اُترتا۔ تو سجدہ سے سر اٹھاتے۔ آپؐ نے ایک دفعہ اپنی نواسی امامہ رضؓ کو گود میں لے کر نماز پڑھی۔ جب سجدہ جاتے۔ تو اُسے اتار کر بٹھا دیتے۔ پھر اُٹھتے۔ تو اٹھا لیتے۔ آپؐ سفر میں ہوتے۔ تو اپنے چھوٹے رشتہ دار بچوں کو اپنے ساتھ باری باری سوار کرتے۔ غرض بچوں سے صرف تنبیہ اور اصلاح ہی کا معاملہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ تو یتیم خانہ کے کارکن بھی کرنا جانتے ہیں بلکہ پیار اور محبت بھی ضروری امر ہے۔ کیونکہ ایک یتیم اور غیر یتیم میں یہی فرق ہے۔ کہ یتیم کی تربیت اور اصلاح اور نصیحت کے لئے ساری دُنیا موجُود ہے۔ مگر ہائے افسوس۔ کہ کوئی ایسا نہیں جو اسے گود میں اٹھا کر اپنے سینہ سے چمٹا سکے۔ یہ ایک فطری معاملہ ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بچے کو کھانے کو دو۔ کپڑے پہناؤ۔ اُس کی فرمائش پُوری کرو۔ اُسے کھلونے لے دو۔ سب کچھ کرو۔ بے شک خوش ہوگا۔ مگر جب اُسے گود میں اٹھا کر پیار کرو۔ تو پھر دیکھو۔ وُہ کس فخریہ حالت میں ہوگا۔ اُس وقت بچہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا ہے۔ اس فعل سے بچوں کی خوشی۔ ان کی صحت۔ ان کے قویٰ۔ اُن کے جذبات میں ایک نمایاں ترقی ہوتی ہے۔ بچوں پر پیار وُہی اثر کرتا ہے۔ جو کھیتی سے پانی۔

بچوں کی توقیر

پھر بعض لوگ یہ سمجھ کر کہ ہم باپ ہیں۔ بچہ کو ہم جو بھی بُرا بھلا کہیں جائز ہے۔ اُسے چون وچرا نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ سب ٹھیک ہے۔ سعادت مند بیٹے ہم نے ایسا ہی کرتے دیکھے ہیں۔ مگر والدین کو خود ان کی عزت کا خیال کرنا چاہیئے۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔ اکرموا اولادکم۔ یعنی اے لوگو! اپنے بچوں سے عزت سے پیش آیا کرو۔ بعض نوجوان صرف اس لئے باپ کا مقابلہ کرتے۔ اور نافرمان بن کر دین ودُنیا کی تباہی خرید لیتے ہیں۔ کہ باپ اپنے باپ ہونیکے زعم میں اُن سے بات چیت میں وُہ سلوک کرتے ہیں۔ جسے بچے اپنے دوستوں کی نگاہ میں اپنے لئے باعث ذلّت سمجھتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ حضرت فاطمہ رضؓ جب اپنے گھر سے رسُول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر تشریف لے جاتیں۔ تو آپؐ کھڑے ہو کر ملتے۔ اور اپنی جگہ انہیں بٹھاتے۔ اپنا تکیہ ان کو دیتے۔ کیا اس سے بڑھ کر اولاد کی عزت کی کوئی مثال ہے؟

بے جا حمایت سے پرہیز

پھر جب بچے ذرا بڑے ہوتے ہیں۔ اور کوئی بے عنوانی ان سے سرزد ہو۔ اور لوگ ان کے ماں باپ کو اس کی رپورٹ کریں۔ تو عموماً لوگ بجائے اپنی اولاد کو سمجھانے یا ملامت کرنے کے شکایت کرنیوالوں سے لڑنے جھگڑنے لگتے ہیں۔ اور اپنی اولاد کی طرف سے غلط ڈیفنس پیش کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں نکلتا۔ کہ ان کی اولاد اور زیادہ بگڑتی ہے۔ کیونکہ بچے دیکھتے ہیں۔ کہ ہم لڑائی۔ اور شرارت کر کے آئے۔ مگر بجائے ملامت کرنے کے ماں باپ نے ہماری حمایت کی۔ اس لئے عقلمند شخص وُہ ہے۔ جو کبھی اپنی اولاد کی ناجائز حمایت نہ کرے۔ بلکہ اگر ثابت ہو جائے۔ کہ واقعہ میں اس کے بچے کا قصور ہے۔ تو ضرور اسے سزا دے۔ یا دلائے۔ تاکہ آئندہ کے لئے اصلاح ہو۔ حدیث شریف میں لکھا ہے۔ کہ ایک عورت نے چوری کی۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کا ہاتھ کاٹنا چاہا۔ وُہ معزز خاندان کی عورت تھی۔ اُس کی برادری کے لوگ سفارش لے کر پہونچے۔ آپؐ نے سفارش کرنے والے سے فرمایا۔ لو سرقت فاطمۃ لقطعت یدھا یعنی اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی۔ تو میں اسکی رعایت نہ کرتا۔ بلکہ

اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

بچے کے مرنے پر جزع فزع

یہ تو محبت کے تعلقات اور محبت کی باتیں تھیں۔ اب افسوس اور رنج کا حال بھی سُنو۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ کہ اگر ان کا کوئی بچہ فوت ہو جائے۔ تو وُہ صبر نہیں کرتے۔ اور جو جزع فزع شریعت کے رُو سے حرام ہے۔ اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اُن کا دل خدا کے خلاف غیظ و غضب سے پُر۔ ان کی زبان شکوہ کا ایک کُھلا ہوا دفتر ہوتی ہے۔ اور ان کی حرکات خدا کو ایک چیلنج دیتی ہیں۔ مگر کیا یہ طریق عمل اُس مالک الملک کے حق میں ایک عاجز بندہ کے لئے مناسب ہے نہیں۔ اور ہرگز نہیں۔ بے شک اس کا لختِ جگر اُس سے چھین لیا گیا۔ اس کا دل اُس کے سینہ کے اندر سے پکڑ کر باہر نکال لیا گیا۔ مگر غور تو کرو کس نے ایسا کیا؟ اُسی نے جس نے وُہ عطا کیا تھا۔ اگر حقیقت یہی ہے۔ تو پھر شکوہ کیسا۔

باطل ضبط نفس

یہ تو دُنیا کے ایک بہت بڑے طبقہ کی حالت ہے۔ لیکن برخلاف اس کے بعض جھوٹے وقار اور باطل ضبط نفس والے ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کہ بچوں کے مرنے پر لوگوں کے سامنے رنج کا اظہار یا آنکھ کے آنسو اپنے لئے باعث توہین و بزدلی سمجھتے ہیں۔ مگر کیا یہ سخت دِلی نہیں ہے؟ ہے۔ اور یقیناً ہے۔ آؤ۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھیں۔ آپؐ کے بچے آپؐ کے سامنے فوت ہوئے۔ جوان بھی چھوٹے بھی۔ لڑکیاں بھی۔ لڑکے بھی۔ مگر جو نمونہ آپؐ نے دکھایا۔ وُہ نہایت بے نظیر۔ مگر نہایت ہی قابلِ تقلید ہے۔ آپؐ کا صاحبزادہ ابراہیم جب فوت ہوا۔ تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عبدالرحمن ابن عوف نے کہا۔ یا رسول اللہ آپؐ بھی روتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ عوف کے بیٹے۔ یہ ایک رحمت ہے۔ جو خُدا نے بندوں کے دل میں رکھی ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ آنکھ آنسو بہاتی ہے۔ اور دِل تیرے فراق سے اے ابراہیم غمگین ہے۔ پھر ہم نہیں زبان سے کہتے۔ مگر وُہی بات جو ہمارے رب کی رضامندی کا باعث ہو۔

سبحان اللہ کیا صبر ہے ہمارے سیّد و مولا کا؟ کہ آپؐ کا بڑھاپے میں اکلوتا بیٹا فوت ہوتا ہے۔ مگر زبان شکوہ سے خالی حرکات جزع فزع سے پاک۔ دل باوجود غمگین ہونے کے خدا تعالےٰ کی رضا سے پُر ہے۔ آپؐ کی ایک بیاہی ہوئی بیٹی فوت ہوئی۔ آپؐ نے کمال صبر و تحمل سے اُس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔ اور جب جنازہ قبر میں اُتارا گیا۔ تو آپؐ کے آنسو بہنے لگے۔ غرض جو صبر کا نمونہ آپؐ نے دکھایا۔ وُہ ایک بے نظیر نمونہ ہے۔ جو نہ دل کی سختی پر۔ اور نہ خدا کے شکوہ پر مبنی ہے بلکہ عین فطرت صحیحہ اور تعلق باللہ پر دلالت کرتا ہے۔

بعض متفرق باتیں

اولاد کے معاملہ میں بعض متفرق باتیں بھی ہیں مثلاً اولاد میں جفاکشی، ایثار اور اخلاق کا جذبہ پیدا کرنا بھی والدین کا فرض ہے۔ اگر بچے کی ہر بات میں فرمائش پوری کر دی جائے۔ تو یقیناً ایسا بچہ بڑا ہو کر ضدی اور آرام طلب ہوگا۔ وُہ ایثار کا نمونہ نہ دکھا سکے گا۔ نہ وُہ جذبات کے روکنے کے موقعہ پر اپنے جذبات پر قابو رکھ سکے گا۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امر کا خاص خیال رکھا ہے۔ مثلاً ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا۔ مجھے چکی پیسنے۔ کوئیں سے پانی لانے اور گھر کے دوسرے بہت سے کام کرنے کی وجہ سے بہت تکلیف ہے۔ حتیٰ کہ میرے ہاتھوں میں چھالے بھی پڑ جاتے ہیں۔ مجھے کوئی لونڈی یا کوئی غلام عنایت کیا جائے۔ آپؐ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ درخواست جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سُنی۔ تو رات کو حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اور ان کو مشقت اور ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالنے کے لئے فرمایا۔ کہ بیٹی آؤ۔ تم کو ایسی بات سکھاؤں۔ جو لونڈی اور غلام سے مستغنی کر دے۔ اور فرمایا۔ ہر نماز کے بعد ۳۳-۳۳ بار سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ اور اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔

کیا کوئی بادشاہ آج ہے۔ جو اپنی اولاد میں ایثار اور جفاکشی کی یہ رُوح پیدا کرتا ہو۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ معاذ اللہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضؓ کی امداد سے مضائقہ تھا۔ کیوں کہ آپؐ نے صفا پر چڑھ کر۔ جو کہ والوں کے لئے ایک اعلان عام کیا تھا۔ اس میں اپنی بیٹی فاطمہ رضؓ کو مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا تھا کہ سلینی من مالی ما شئت۔ یعنی جب تجھے ضرورت پڑے۔ جتنا بھی میرا مال ہوگا۔ تو مانگے گی۔ تو مَیں تجھے دُونگا۔ اسی طرح آپؐ ہی کی زبان فیض ترجمان کے ذریعہ یہ الٰہی قانون شائع کیا گیا۔ کہ آپؐ کی اولاد پر صدقہ اور زکوٰۃ حرام ہے۔ تاکہ وُہ خود کما کر کھائے۔

اسی طرح اکثر والدین اولاد کی ظاہری خوشی کافی سمجھتے ہیں۔ خواہ ان کی اخلاقی اور روحانی حالت کیسی ہی ہو۔ مگر آپؐ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا۔ یعنی الٰہی میری اولاد کو گزارے کے قابل رزق دیجیو۔ کہ نہ تو وُہ کسی کی محتاج ہو۔ اور نہ روپیہ کی افراط سے دُنیا کے عیش و عشرت میں مبتلا ہو جائے۔ اسی طرح بعض لوگ اولاد کی خاطر دُوسروں پر ظلم کرتے۔ اور ناحق لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خواہ نصیحت کے طور پر کسی کے بچہ کو تھپڑ مارے۔ وُہ اسے قتل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اور یہ جذبہ بھی بہیمی اور حیوانی ہے۔ مگر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی زینب کو ہجرت کرتے ہوئے دَوران سفر میں ابن ہبیرہ نے پتھروں سے زخمی کیا جس کے نتیجہ میں اسقاط اور اسقاط سے ان کی وفات ہو گئی۔ دیکھو کیسا ظلم عظیم ہے۔ کہ تیرہ سَو برس سے زیادہ عرصہ اس پر گزر گیا۔ مگر ہر دفعہ جب یہ واقعہ کوئی پڑھتا ہے۔ تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس سے قیاس کرو۔ کیا حال ہوا ہوگا رقیق القلب باپ کا۔ جب اُس نے یہ حادثہ سُنا ہوگا۔ اور جب اُس کی آنکھوں کے سامنے اس کی پیاری بیٹی نے دم توڑا ہوگا۔ مگر قربان جایئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ فتح کرنے کے بعد جب ابن ہبیرہ مسلمان ہو کر سامنے آیا۔ تو آپؐ نے اسے معاف کر دیا۔ کیوں؟ کیا اس لئے کہ یہ جُرم قابلِ پرسش نہ تھا؟ یا اس لئے کہ ابن ہبیرہ کے قتل پر آپؐ قادر نہ تھے؟ یا اس لئے کہ زینبؓ سے آپؐ کو محبت نہ تھی؟ نہیں۔ بلکہ صرف اس لئے کہ آپؐ کا یہ ارشاد تھا کہ الاسلام یھدم ما قبلہ یعنی اسلام لانے سے پہلے کے تمام جُرم اسلام مٹا دیتا ہے۔ پس اس صداقت اور اس سچے اور پاکیزہ اصل نے آپؐ کے جذبۂ محبت کو دبا دیا۔ اور باوجود ملک عرب کے بادشاہ ہونے کے اپنے لختِ جگر کے قاتل کو آپؐ نے معاف کر دیا۔

پھر دیکھو۔ کہ آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک دُنیا میں یہ دستور تھا۔ کہ بادشاہ کی وفات پر اُس کا بیٹا تخت نشین ہوتا۔ بلکہ اب بھی دُنیا کے اکثر ممالک میں یہی دستور ہے۔ لیکن کیا یہ دستور بہتر ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے۔ اور ہوتا ہے۔ کہ ایک بادشاہ لائق ہو۔ مگر بیٹا نالائق اور ناقابل ہو لیکن اولاد کی محبت نے دُنیا کو اندھا کر دیا ہے۔ اس لئے بادشاہ کے بعد اُس کا بیٹا بادشاہ ہوا کرتا تھا۔ صرف دُنیا میں محمد رسول اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے بادشاہ ہیں۔ کہ آپؐ نے اس بد رسم کو ترک کر دیا۔ آپؐ کے بیٹوں کی طرح پیارے نواسے موجود تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا داماد موجود تھا۔ مگر بادشاہ کون ہوا؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ کہ جن کے باپ کو سُنکر یقین نہ آیا تھا۔ کہ ان کے بیٹے کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے لوگ بادشاہ تسلیم کر چکے ہیں۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد کے متعلق جو عمل کیا۔ وُہ ہمارے لئے واجب العمل اور اس پر عمل کرنے سے ہماری اولاد کی زندگی درست۔ اور اُن کے اخلاق اعلےٰ ہو سکتے ہیں۔ اس امر کا زبردست ثبوت یہ ہے۔ کہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی تربیت کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ آپؐ کی لڑکی سیّدۃ نساء الجنۃ اور امام حسنؓ اور حسینؓ سیّد اشباب الجنۃ ہوئے۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ۔ وعلےٰ والدیّ وان اعمل صالحاً ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔

لڑکیوں کی پرورش کا اجر

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک فقیر عورت مانگتی ہوئی میرے پاس آئی۔ اس کے ساتھ اس کی دو لڑکیاں بھی تھیں۔ میرے پاس اس کے دینے کے لئے سوائے ایک کھجور کے اس وقت کچھ اور نہ نکلا۔ میں نے وُہی کھجور اُسے دیدی۔ اس عورت نے اس کھجور کو آدھا آدھا کر کے ان دونوں لڑکیوں کو دیدیا۔ اور خود چکھا بھی نہ۔ پھر وُہ چلی گئی۔ پھر حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لائے۔ میں نے یہ واقعہ آپؐ کو سُنایا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ جس کو خدا لڑکیاں دے۔ پھر وُہ ان کی اچھی طرح سے پرورش کرے۔ تو وُہ لڑکیاں اس کے لئے خُدا کے عذاب میں روک بن جاتی ہیں۔ (بخاری)

رسول عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کی چند باتیں

(از جناب مولوی ذوالفقار علی خان صاحب گوہر رامپوری)

اَے رسولِ عربی۔ مخزنِ علم و حکمت
تیرے دم سے ہے زمانہ میں صداقت قائم
تیرے اخلاق سے تازہ ہے بہارِ عالم
تُو نے بخشا وُہ عروجِ ابدی انساں کو
تیری تقدیس نے اسفل کو بنایا اعلیٰ
تیری تقلید نے وحشی کو بنایا انساں
تزکیہ سے ترے ہر جوش حواسِ طبعی
اُمتیوں کو تیری درگاہ سے رتبہ یہ ملا
تیرے قانون سے قائم ہوئے دُنیا میں حقوق
عبد و معبود میں پیدا ہوئی حدِ فاصل
چشم ادراک نے وُہ نورِ بصیرت پایا۔
انبیا کی بشریت ہُوئی سب پر ثابت
منحصر فیضِ نبوت پہ ہے انساں کا کمال
تربیت نے تیری حیوانوں کو انسان کیا
تو نے دُنیا کو سکھائے یہ اصُولِ اخلاق
فتنہ و شر سے بچیگا۔ کبھی انساں نہ کوئی
جاذبِ فضلِ خُدا ہے وُہی انسان کریم
ہے میانہ روی ہر کام میں انساں کو مفید
ہو نہ سختی کبھی نرمی کے محل پر صادر
بات کی جائے تو ایسی کہ ہو قولِ معرُوف
ہر سکون و حرکت میں ہو مدارج کا لحاظ
جبر و اکراہ نہ ہوں۔ دین میں ہرگز داخل
عملِ خیر کبھی ہو نہیں سکتا ضائع
نہ کرے تنگ کبھی دائرۂ علم و عمل

باعثِ خلقِ جہاں مایۂ عیش و راحت
تیری تعلیم سے روشن ہے چراغِ وحدت
تیرے انفاس سے چلتی ہے نسیمِ جنت
بڑھ گئی عالمِ افلاک سے اُس کی رفعت
ذرہ ذرہ تیری صحبت سے بنا مہ طلعت
بن گئے رشکِ مَلک تھے جو بہائم سیرت
تابعِ عقل ہُوا آگیا تحتِ حکمت
فیض سے اُن کے سبق لیتی ہے ہر ملیت
مٹ گئی جور و جفا چھا گئی عدل و رحمت
سیکھا کثرت نے بھی امکانِ فنا فی الوحدت
جس سے انسان کو حاصل ہو خدا کی رویت
ہوگئی سلب غلوئے بشری کی طاقت
اس لئے فرض ہُوئی اس پہ نبی کی طاعت
تیری تعلیم سے کمزوروں نے پائی قوت
تو نے عالم کو بتائے یہ اصولِ حکمت
صادقوں کی نہ میسر ہو اُسے گر صحبت
جو کیا کرتا ہے مخلوقِ خُدا کی خدمت
بر محل چاہیئے ظاہر ہو حیا یا غیرت
ہے یہ شفقت نہ ہو سختی کی جگہ کچھ رافت
راستی میں بھی ملحُوظ کریمی کی صفت
حاکمِ افعال پہ ہو حکمِ کتاب و سنت
فطرتی حق ہے۔ کہ آزاد رہے ہر ملت
کلفت و رنج بھی ہوجاتی ہے اس سے راحت
یہی انساں کے لیے سب سے بڑی ہے دولت

لیں جہاں سے ملے اُن کو سخن پر حکمت
ہر معاملہ ہو مکلّف بہ خلوصِ نیت
یہ اطاعت پہ کمربستہ وُہ محوِ شفقت۔
حاکموں کے لیے واجب ہے کہ ہوں خوش نیت
شفقت و رحم بزرگوں کیلئے ہو عادت۔
مرد کے کام میں امداد کرے ہر عورت
اُن کی امداد ہو ملحُوظ بقدرِ ہمت
خیر خواہی سے جُدائی ہو کہ اُن کی شرکت
ہو ضعیفوں کے مُقدم کو اگر ہو طاقت
ہو اگر خوفِ خُدا دل میں تو یہ ہیں نعمت
انہیں رستوں سے اترتی ہے خدا کی لعنت
پاک چیزوں کی طرف چاہیئے دل کی رغبت
ارتقا کے لئے ہر دقت ہو میلِ فطرت
ظلم مٹ جائے زمانہ سے دکھا وُہ جرأت
ہیچ میں حرص گر آئے تو ہیں قتل و غارت
دوستی میں بھی نہ ہو جھوٹ کی کچھ تبعیت
سرقہ و سُود و زنا سے رہے تم کو نفرت
آشنا ہو تیرے ہونٹوں سے نہ حرفِ غیبت
سر میں تیرے نہ سمائیں کبھی کبر و نخوت
یہ بیاں کی ہیں تمدن سے ہے جن کو نسبت
تیرا قانون ہے تہذیب کی اصلی صُورت
تیری بعثت کی میسر نہ ہو جب تک دولت
جس سے ہوجاتا ہے حاصل ہمشکل مدنیت
یہ تعرف ہے اسی کا۔ کہ ملی ہے نعمت

مومنوں کا ہے یہ ورثہ اسے چھوڑیں نہ کبھی
ہر معانی میں ہو اصلاح سدا پیشِ نظر
حامیٔ امن ہوں راعی و رعایا دونوں
واعظوں کے لیے لازم ہے کہ ہوں نیک عمل
سیرتِ خورد میں تعظیمِ بزرگی جھلکے
مرد کو چاہیئے عورت کی سپر بنکے رہے
رہے ہمسایوں سے برتاؤ یگانوں کیطرح
ہر بنی نوع کی ہمدردی کا احساس رہے
رہنمائی کرو جاہل کی اگر عالم ہو
دولت و علم و حکومت ہو کوئی قوت ہو
ورنہ انساں کی ہلاکت کے یہ سب رستے ہیں
اکل و شرب میں اسراف نہ داخل ہو کبھی
صاحبِ راہ ترقی ہوں جو افعال نہ کر
نفس پر ضبط ہو ایسا کہ شرافت نہ مٹے
صلح اور جنگ میں بھی خیر ہو منظورِ نظر
دشمنی میں بھی نہیں ظلم کسی پر جائز
شرک سے دُور رہو۔ ہر فتنہ و شر سے بیزار
عیب بینی سے تیری آنکھ حفاظت میں رہے
دل تصور سے بدی کے رہے تیرا خالی
چند باتیں تری تعلیم کی اے شاہِ امم
تیری تعلیم تمدن کا حقیقی نقشہ
امن کا چین کا دیکھے گی نہ دنیا چہرہ
وُہ تیرا عہد مدینہ کا تمدن کی نظیر
میں کہاں۔ اور کہاں نعت محمد گوہر

کے لئے قربانیاں کرتے ہیں۔ لیکن ان چیزوں سے آپؐ کا عدیم المثال استغناء اور بے پرواہی۔ کیا یہ امر ظاہر نہیں کرتی۔ کہ آپؐ کے سامنے یہ مادی چیزیں نہ تھیں۔ بلکہ واقعی آپؐ کا تعلق خدا کے ساتھ تھا۔ اور ہر فعل اور ہر حرکت و سکون میں آپؐ کی نظر اس پر تھی۔ کیا یہ واقعات آپؐ کی صداقت پر دال نہیں۔ پھر دنیا میں لوگ اپنی اولاد اور آئندہ نسلوں کی بہبودی کے سامان کرنے کے لئے بھی بہت سعی اور جدوجہد کرتے ہیں مگر آپؐ نے اپنی آل و اولاد کے لئے بھی کوئی دنیوی فوائد مخصوص نہیں فرمائے۔ حتےٰ کہ انہیں صدقہ کے استعمال کی بھی ممانعت فرما دی۔ اس لحاظ سے بھی آپؐ کی ذات آپؐ کی صداقت کا ایک بین ثبوت ہے+

حیوانوں کو انسان بنانا

آپؐ کی بعثت سے قبل دنیا کی جو حالت تھی۔ خصوصاً اہل عرب گمراہی۔ ضلالت۔ فسق و فجور اور فواحش کے جس عمیق گڑھے میں گرے ہوئے تھے۔ وہ عیاں راچہ بیاں۔ ایسے لوگوں کے اندر آپؐ نے جو کامیاب اصلاح کی۔ انہیں بد تہذیبی۔ بد اخلاقی۔ جہالت۔ گمراہی اور بے شرمی کی عمیق گہرائیوں سے نکال کر ان کی اشد ترین مخالفت کے باوجود آپؐ نے ان کو تہذیب۔ و تمدن۔ بلند اخلاقی۔ علمی ترقی۔ اور غیرت و حیا کے پتلے۔ بلکہ اقوام عالم کا استاد بنا دیا۔ یہ ایک ایسا تغیر ہے جسے پیش کر کے ہم آپؐ پر اعتراض کرنے والوں سے دریافت کر سکتے ہیں۔ کہ اگر آپؐ خدا تعالےٰ کی طرف سے نہ تھے۔ اور جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں۔ اپنے دعوے میں سچے نہ تھے۔ تو دنیا کی تاریخ سے کوئی ایک بھی ایسا کامیاب کاذب اور مفتری پیش کریں۔ جس نے انسانی تہذیب و تمدن اور روحانیت میں اپنے نقوش اس قدر گہرے قائم کر دیئے ہوں:۔

غرضیکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ہر ایک پہلو۔ اور ہر ایک ادنٰے سے ادنٰے واقعہ آپؐ کی صداقت کی بین اور روشن دلیل ہے۔ اور آپ کی ہر حرکت و سکون محمدؐ ہست برہان محمدؐ کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ کیونکہ عام انسانوں کا تو ذکر ہی کیا۔ اس میں آپؐ جملہ انبیاء میں سے بھی منفرد اور ممتاز ہیں۔ اور آپؐ کی سیرت پاک کا ایک بے نظیر پہلو یہ ہے۔ کہ دنیا کا کوئی انسان خواہ وہ کسی ملک کا رہنے والا ہو۔ اور خواہ کن حالات میں ہو جب بھی ناحق حسد اور تعصب کے جذبات سے علیحدہ ہو کر ایک حق بین کی آنکھ سے اس کا مطالعہ کرے گا۔ تو اُسے ماننا پڑے گا کہ آپؐ نسل انسانی کو پیش آنے والے جملہ حالات میں بہترین نمونہ ہیں۔ اور ہر شخص آپؐ کی زندگی سے اپنے لئے مفید اور تسکین بخش راہ نمائی حاصل کر سکتا ہے۔ اور آپ کی تقلید سے آئندہ پیش آنے والی تکالیف اور مصائب سے محفوظ و مصئون رہ سکتا ہے+

اخلاقِ فاضلہ کا اُستاد کامل

از شیخ مبارک احمد صاحب مولوی فاضل قادیان

دنیا کا اخلاقی معلم

وہ انسان کامل جو قریباً چودہ سو سال قبل مکہ میں پیدا ہوا جو محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیارے نام سے پکارا گیا۔ جو امین اور صادق کے لقب سے مشہور ہوا۔ اور نہ صرف وہ خود امین اور صادق کہلایا۔ اور اخلاق فاضلہ کا حامل تھا۔ بلکہ جس قوم میں پیدا ہوا۔ اُسے بھی صاحب اخلاق۔ امین اور صادق بنا گیا۔ یہی وہ مقصد اور مشن تھا جس کے لئے آپ مبعوث کئے گئے۔ اور جسے آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ یعنی میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ کہ جس قدر بھی نیک عادات خصائل حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ ہیں۔ ان کو دنیا میں قائم کروں۔

اخلاق فاضلہ قائم کرنے کے لئے مساعی

آپؐ نے اس مقصد کے لئے اپنے آرام اور راحت کو قربان کیا اپنی تکلیف اور دکھ کی پرواہ نہ کی۔ ہر قسم کے مصائب اور مشکلات کو برداشت کیا۔ دشمنوں کی ایذا رسانیوں کو نہایت خوشی کے ساتھ سہا اور اپنی زندگی کے تمام لمحات صرف اس مقصد کے لئے صرف کر دیئے کہ خدا کو بھولے ہوئے لوگ حقیقی اخلاق فاضلہ حاصل کر کے اس کے محبوب بن جائیں۔ اور پسندیدہ عادات کے حامل بنیں۔ اس کے لئے آپ نے ہر حالت اور ہر موقع کے متعلق دنیا کو عملی اسباق دیئے اور آپ کو سب سے زیادہ قریب اور گہری نظر سے دیکھنے والوں نے اقرار کیا۔ کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ صاحب اخلاق تھے"۔ (بخاری) ان بے شمار اخلاقی اسباق میں سے جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے۔ اور جنہیں یاد کر لینے والے دنیا کے بہترین اخلاقی معلم بن گئے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں+

بے علم غلط کار سے عفو

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ دوڑے کہ اُسے روکیں۔ اور اُسے ڈانٹ ڈپٹ کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اسے جانے دو۔ اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک بڑا ڈول بہا دو۔ نیز فرمایا۔ کہ تم لوگ دنیا میں آسانی اور نرمی پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو۔ نہ کہ لوگوں کو تنگ کرنے کے لئے۔ پھر اس دیہاتی کو بلایا۔ اور فرمایا دیکھو مسجدیں اللہ تعالےٰ کی یاد اور ذکر کے لئے ہیں۔ ان میں پیشاب کرنا منع ہے۔ (بخاری)

بچوں سے پیار

حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریمؐ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے ان کو سلام کیا۔ راوی کہتا ہے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت تھی۔ (بخاری)

اہلبیت کا ہاتھ بٹانا

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں جب تک رہتے۔ کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے جب نماز کا وقت آتا۔ تو باہر تشریف لے جاتے (بخاری)

سوال رد نہ کرنا

سہل بن سعدؓ سے روایت ہے۔ ایک عورت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر پیش کی۔ اور عرض کیا۔ یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے آپؐ کے پہننے کے لئے بنی ہے آپؐ نے وہ قبول فرمائی۔ آپؐ کو ضرورت بھی تھی۔ جب آپ چادر باندھ کر باہر تشریف لائے۔ تو ایک شخص نے کہا۔ یا رسول اللہ! یہ چادر کیسی اچھی ہے۔ مجھے دیدیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ جب گھر تشریف لے گئے۔ تو اتار کر اس شخص کو بھیج دی۔ لوگوں نے اُسے کہا۔ تو نے اچھا نہیں کیا۔ حضرت رسول کریمؐ کو خود اس کی ضرورت تھی۔ مگر تو نے مانگ لی۔ اور تو جانتا تھا۔ کہ آپ کبھی سوال رد نہیں کیا کرتے۔ (بخاری)

چھوٹوں پر رحم بڑوں کی عزت

عمرو بن شعیبؓ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارا اس شخص سے کیا تعلق جو ہم میں سے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا۔ اور ہم میں سے بڑوں کی عزت نہیں کرتا (ترمذی)

اطاعت حکومت

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لازم ہے تجھ پر کہ تو حاکم وقت کی بات سنے۔ اور اس کی فرمانبرداری کرے تنگی میں فراخی میں۔ پسندیدگی میں۔ ناپسندیدگی میں۔ اور خواہ تیرے حقوق تلف ہی ہوتے ہوں۔ (مسلم)

کھانے میں عیب نکالنا

حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہ نکالا۔ اگر آپ کو پسند ہوتا۔ تو تناول فرما لیتے۔ اور اگر ناپسند ہوتا۔ تو چھوڑ دیتے (بخاری)

کسی کے گھر میں داخل ہونے کیلئے اجازت

ابو موسیٰؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی گھر میں داخل ہونے کے لئے تین دفعہ اجازت مانگنی چاہئے۔ اگر تیسری دفعہ کوئی نہ بولے۔ تو آدمی کو چاہئے۔ کہ واپس ہو جائے (بخاری)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تمہاری پناہ میں آنا چاہے اُسے پناہ دو۔ اور جو تم سے سوال کرے اُسے دو۔ اور جو تمہاری دعوت کرے اُسے قبول کرو۔ اور جو تم سے نیک سلوک

تربیت جسمانی کے متعلق رسول کریمؐ کے ارشادات

از مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل مدیر معاون "الفضل"

حیاتِ طیبہ کا ایک درخشاں پہلو

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک درخشاں پہلو یہ بھی ہے۔ کہ جس طرح آپؐ روحانیات میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک عدیم المثال ہادی۔ اور پیشوا کی حیثیت میں مبعوث ہوئے۔ اور مذہبی عالم پر آپؐ کے اس قدر احسانات ہیں۔ کہ ہم ان کے شمار سے عاجز ہیں۔ اسی طرح جسمانیات میں بھی آپؐ ایک بے نظیر طبیب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور مادی عالم پر آپؐ کے اس قدر احسانات ہیں کہ وہ حیطۂ تحریر سے باہر ہیں۔

روح اور جسم کا تعلق

یہ بات ہر شخص جانتا ہے۔ کہ روح اور جسم کا آپس میں نہایت گہرا تعلق ہے۔ ایک کا دوسرے پر اثر خواہ وہ فائدے یا نقصان کی صورت میں ہو۔ بہر حال پڑتا ہے۔ جب یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ تو روحانی معالج کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ جسمانیات میں بھی رہبری کی استعداد رکھتا ہو ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح ہر خوبی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اسی طرح یہ خوبی بھی آپؐ میں بدرجہ کمال پائی جاتی تھی۔

انسانی صحت کی قدر وقیمت

غفلت کی گھڑیوں میں انسان پر سب سے پہلے ایک ایسا وقت آتا ہے۔ جب وہ اپنی صحت کی قدر وقیمت سے ناواقف ہوتے ہوئے تندرستی کا خیال نہیں رکھتا۔ اور اس قسم کے حالات میں سے عمداً یا سہواً گزرتا ہے۔ جو اس کے نظام عصبی کو نقصان پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ اسلام نے اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے سب سے پہلے انسانی صحت کی قدر وقیمت واضح کی چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ دو نعمتیں ہیں۔ جن کی قدر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ایک تندرستی۔ دوسری فراغت۔ پھر فرمایا۔ اغتنم صحتك قبل سقمك۔ یعنی بیماری آنے سے پہلے اپنی صحت کو غنیمت جانو۔ اسی طرح فرمایا۔ المومن القوی خیر من المومن الضعیف یعنی قوی مومن کمزور مومن سے بہتر ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کے متعلق ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا۔ کہ وہ رات جاگتے۔ اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلا کر فرمایا۔ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ کیونکہ تیرے جسم۔ تیری آنکھ۔ تیری بیوی اور تیرے دوستوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔

بنی اسد کی ایک عورت کے متعلق آپؐ سے عرض کیا گیا۔ کہ وہ تمام شب عبادت کرتی ہے۔ آپؐ نے اسے فرمایا۔ ایسا نہ کرو۔ عبادت بقدر طاقت کرو۔ اسی طرح حدیثوں میں آتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمان اور ابو الدرداء کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ سلمان جب ابو الدرداء کے مکان پر گئے۔ تو دیکھا کہ ام الدرداء نہایت مبتذل حالت میں ہیں۔ انہوں نے پوچھا۔ تو وہ کہنے لگیں مجھے بناؤ سنگار کی کیا ضرورت ہے۔ ابو الدرداء کو دنیا کی حاجت نہیں۔ سلمان نے انہیں بہت سمجھایا۔ اور کہا۔ کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ اور تیری بی بی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ ہر ایک حقدار کو اس کا حق دو۔ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اس کا ذکر آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ سلمان نے ٹھیک کہا۔

ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے۔ ایک آدمی کھڑا نظر آیا۔ پوچھا یہ کون ہے۔ لوگوں نے کہا۔ یہ ابو اسرائیل ہے۔ اور اس نے دھوپ میں کھڑے رہنے کی نذر مانی ہوئی ہے۔ نیز یہ کہ کسی سے گفتگو نہیں کریگا۔ اور ہمیشہ روزہ رکھے گا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اسے کہدو سایہ میں بیٹھے۔ اور اپنا روزہ پورا کرے۔ اسی طرح بعض صحابہؓ میں سے کسی نے ایک دفعہ عہد کیا میں تمام رات نماز پڑھا کرونگا۔ کسی نے کہا۔ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ کسی نے کہا۔ میں بیوی سے کنارہ کش ہو جاؤنگا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ سنا۔ تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا۔ جو میری سنت سے مونہہ پھیرے گا۔ اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔ مگر روزہ افطار بھی کرتا ہوں۔ سوتا بھی ہوں۔ اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔

غرض اسلام صحتِ جسمانی کا خیال رکھنے کی سخت تاکید کرتا ہے صحت جسمانی کی اہمیت بیان کرنے کے لئے ہی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ العلم علمان علم الابدان وعلم الادیان یعنی اصل علم دو ہی ہیں۔ ایک روح کا اور دوسرا بدن کا۔

بیماروں کی عیادت

اس کے بعد دوسرا درجہ انسان پر وہ آتا ہے۔ جب وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ بیماروں کی عیادت کرتے مریض کے قریب بیٹھ جاتے۔ اس کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے۔ بیمار کو تسلی دیتے۔ لا باس طہور انشاء اللہ فرمایا کرتے۔ مریض سے پوچھتے کہ کس چیز کو دل چاہتا ہے۔ اگر وہ اس کے لئے مضر نہ ہوتی۔ تو اس کا انتظام فرما دیتے۔ چونکہ بعض بیمار متعدی امراض میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اس لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ متعدی امراض سے بچاؤ رکھتے۔ اور تندرستوں کو ان سے محتاط رہنے کا حکم دیتے۔ عیادت مرضٰی میں آپؐ نصیحت فرمایا کرتے۔ کہ مریضوں کو زبردستی کوئی چیز نہیں کھلانی چاہیئے۔

پرہیز کی تاکید

عموماً دیکھا جاتا ہے۔ جب لوگ بیمار ہوتے ہیں۔ تو پرہیز نہیں کرتے۔ اور بیماری بڑھ جاتی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپؐ ایک گھر میں تشریف لے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ہمراہ تھے۔ کھجور کا ایک خوشہ لٹکا ہوا تھا۔ آپؐ کھجوریں کھانے لگے۔ اُن دنوں حضرت علیؓ کسی بیماری سے اٹھے تھے۔ اور کمزور تھے۔ وہ بھی کھجوریں کھانے لگے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔ لیکن جب چقندر اور جو پکے ہوئے لائے گئے۔ تو فرمایا۔ یہ کھا لو۔ ان سے تمہیں فائدہ ہوگا۔ پرہیز کے متعلق آپؐ کا یہ قول ہے۔ کہ الاجتناب افضل من الدواء۔ یعنی پرہیز دوا سے بہتر ہے۔ اسی طرح فرمایا۔ کہ جس طرح معدہ تمام بیماریوں کا گھر ہے اسی طرح پرہیز تمام دواؤں کا سر ہے۔

علاج

بیماری کے دوران میں علاوہ تیمارداری یا پرہیز کے ایک اہم ترین امر علاج ہوتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت مرض میں دوا کا استعمال فرمایا کرتے۔ اور فرماتے۔ یا عباد اللہ تداووا فان اللہ عز وجل لم یضع داءً الا وضع لہ شفاءً یعنی اے بندگانِ خدا دوا کیا کرو۔ کیونکہ خدا نے ہر مرض کا علاج رکھا ہے۔ اسی طرح فرمایا۔ ولکل داءٍ دواءٌ فاذا اصاب دواء الداء برئ باذن اللہ تعالےٰ۔ یعنی ہر مرض کی دوا ہے۔ جب وہ میسر آ جائے تو صحت ہو جاتی ہے۔

بہت لوگ سخت بیماری میں موت کی آرزو کرنے لگتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے روکا۔ اور فرمایا۔ اگر کوئی تکلیف پہونچے۔ تو گھبرا کر موت کی آرزو نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر انسان نیک ہو تو ممکن ہے۔ نیکیوں میں اور ترقی کر جائے۔ اور اگر برا ہو۔ تو شاید اسکی اصلاح ہو جائے

معالجات کے ضمن میں اسلام نے منتروں۔ گنڈوں۔ تعویذوں اور جھاڑ پھونک کے ذریعہ علاج کرنے سے منع کیا۔ اور اسے شرک قرار دیا۔

چند معالجات

خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مریضوں کو جس رنگ میں علاج بتایا۔ وہ ذیل کے چند واقعات سے ظاہر ہے:۔

ایک شخص نے عرض کیا۔ میرے بھائی کے شکم میں گرانی ہے۔ فرمایا۔ شہد پلاؤ۔ اس نے دوبارہ آکر کہا۔ کہ شہد پلایا تھا۔ لیکن شکایت اب بھی باقی ہے۔ فرمایا۔ پھر شہد پلاؤ۔ سہ بارہ آیا۔ تو پھر وہی ارشاد ہوا۔ چوتھی دفعہ آیا۔ تو فرمایا۔ خدا سچا ہے۔ لیکن تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ جاکر پھر شہد پلاؤ۔ اب کے شہد پلایا۔ تو شفا ہوگئی۔

زید بن ارقم کہتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا تھا۔ کہ ہم ذات الجنب میں قسط بحری اور زیتون استعمال کرایا کریں۔ اطباء کی تحقیق میں بھی زیتون اور قسط ذات الجنب کے لئے مفید ہیں۔

بخار کے متعلق آپ نے فرمایا۔ کہ یہ دوزخ کی لپٹ ہے۔ اسے پانی سے ٹھنڈا کیا کرو۔ پھر فرمایا۔ جب کسی کو بخار آئے۔ تو تین روز تک صبح کے وقت اس پر پانی ڈالا جائے۔ دراصل یہ اس بخار کا علاج ہے۔ جو آفتاب کی حرارت سے یا کسی خاص گرم چیز سے ہو۔ عرب میں عموماً تپش کی وجہ سے ایسا بخار ہوتا تھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دوزخ کا ٹکڑا کہکر یہ ایسے ہی بخار کا علاج بتایا ہے جو تپش کی وجہ سے ہوں۔

بنی عکل اور بنی عرینہ کے لوگوں کو آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے جب مدینہ میں استسقاء کا مرض ہوگیا۔ تو آپ انہیں اونٹ کا پیشاب۔ اور اونٹنی کا دودھ ملا کر پلواتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اچھے ہوگئے۔ شیخ الرئیس نے بھی قانون میں لکھا ہے۔ کہ شیر شتر کو بول شتر کے ساتھ ملا کر پلانا استسقاء لحمی میں مفید ہے۔ دفع قبض کے لئے آپ نے سنا۔ اور شہد کا استعمال پسند فرمایا۔

ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درد شقیقہ ہوا۔ آپ نے دونوں کندھوں کے درمیان ذرا اوپر کرکے لیکن فقرہ سے بہت نیچے پچھنے لگوائے۔ اور فرمایا۔ پچھنے لگانا بہترین دوا ہے۔ سر درد کے موقعہ پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مہندی کا لیپ کیا کرتے۔ بعض اوقات آپ نے اس کا علاج پچھنے لگانا بھی بتایا ہے۔

مفید طبی باتیں

مضمون کے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے اب صرف وہ باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ جو مختلف اوقات میں طبی لحاظ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں:۔

۱۔ آپ نے پیشاب پاخانہ روکے رکھنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ اس سے بہت سے امراض پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ حدیث ہے کہ خواہ نماز ہو رہی ہو۔ پہلے ان حوائج سے فراغت چاہیئے۔

۲۔ رضاعت کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ احمق۔ فاحشہ اور مجنون عورتوں سے بچوں کو دودھ نہ پلواؤ۔ کیونکہ دودھ بدن میں اثر کرتا ہے۔

۳۔ مکھی کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس میں زہر ہے۔ اگر کھانے یا دودھ میں گر پڑے۔ تو فرمایا۔ اُسے غوطہ دے کر نکال دو۔ کیونکہ اس کے ایک بال میں زہر ہے۔ اور دوسرے میں شفا۔ اور وہ پہلے زہر والا پَر ڈبوتی ہے۔

۴۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹی کے کھانے سے بھی منع فرمایا ہے۔

۵۔ انجیر کے متعلق فرمایا۔ کہ اس کا کھانا قولنج سے محفوظ رکھتا ہے۔

۶۔ انار کے متعلق فرمایا۔ ہر انار میں جنت کے پانی کا ایک قطرہ ضرور ہوتا ہے۔ کیونکہ انار خون صاف کرتا۔ اسہال بند کرتا۔ جگر میں قوت پیدا کرتا ہے۔ خفقان کو فائدہ دیتا۔ اور رنگت کو نکھارتا ہے۔

۷۔ کھنبی کے متعلق فرمایا۔ کہ اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفا ہے۔ کھنبی کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک بالکل سیاہ۔ دوسری سفید اور سرخ۔ تیسری بالکل سفید۔ آنکھوں کے لئے سفید کھنبی کا پانی مفید ہوتا ہے۔

۸۔ آنکھوں کی حفاظت کے بارے میں فرمایا۔ جاری پانی اور سبز چیزوں کے دیکھنے سے نگاہ تیز ہوتی ہے۔

۹۔ دھوپ سے گرم شدہ پانی سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غسل یا وضو کرنے سے منع فرمایا۔

۱۰۔ ایک ہی سانس میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی پینے سے روکا۔ کیونکہ اس طرح پانی پینا۔ بعض دفعہ سینہ میں درد پیدا کر دیتا ہے۔ یہ بھی روایت آتی ہے۔ کہ آپ تین مرتبہ ٹھیر ٹھیر کر پانی پیتے تھے۔

۱۱۔ سوراخوں میں پیشاب کرنے سے بھی روکا۔ کہ مبادا سانپ یا اور کوئی موذی چیز نکل کر کاٹ کھائے۔

۱۲۔ متعدی امراض سے محتاط رہنے کا بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا۔

۱۳۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب پینے سے روکا۔ جو بہت سے امراض کا باعث ہے۔ اسی طرح خوشبو لگانے کی تاکید فرمائی۔

اختصاراً یہ صرف چند باتیں اس نبی عربی کی تعلیم سے پیش کی گئی ہیں۔ جو ہمارے اجسام اور ہماری روحوں دونوں کے لئے بے نظیر طبیب تھا۔ اللھم صل علی محمد وآلہ وسلم

عرب کا اوتار اور ہندو دھرم

از مہاشہ محمد عمر صاحب شرما۔ مولوی فاضل۔ قادیان

مہرشی وید ویاس جی مہاراج اپنے بھوشیہ پران میں جو کہ سناتن دھرمیوں کے نزدیک الہامی کتاب اور خدا تعالےٰ سے علم حاصل کرکے لکھی گئی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

جب دُنیا میں ادھرم پھیل جائے گا۔ اور راکشس لوگ دیوتاؤں کو دکھ دیں گے۔ اور ان کی تپسیا کو خراب کریں گے۔ اور ان کے یگیوں میں وگھن ڈالیں گے۔ تب پرماتما ایک اچاریہ محمدؐ نام سے پرسدّ کو دُنیا میں بھیجے گا جو کہ آکر ان کے یگیوں کو سمپورن کرے گا۔

پھر لکھا ہے:۔

بھوج راج بولا ہے عرب دیش کے باسی پاربتی کے ناتھ تجھکو میرا بار بار نمسکار ہو۔ ہے دشٹوں کو مارنے کے لئے جنم لینے والے تجھ کو میرا بار بار نمسکار ہو۔ ہے دشمنوں سے محفوظ (واللہ یعصمک من الناس) سندر اور ہر وقت خوش رہنے والے تجھ کو میرا بار بار نمسکار ہو۔

عرب کے ملک کو دشٹوں نے تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اور دھرم کا نام ونشان مٹا دیا ہے۔ اس لئے یہاں پر کوئی ایشور کا بھگت اور اس کی پوجا کرنے والا نظر نہیں آتا۔ پس آپ اس گرے ہوئے ملک کے لوگوں کی اُنتی کریں۔

راجہ کے ان بچنوں کو سُنکر ایشور کی شکتی محمدؐ نے کہا۔ کہ اے راجہ میں ایشور کی آگیا سے ستیہ دھرم کو جاری کرونگا۔ اور دشٹوں کو ناش کرونگا۔

میرے ماننے والے ختنہ کرائیں گے۔ اور سر پر چوٹی نہیں کھینگے اور داڑھی رکھیں گے۔ سور کا مانس ان کے لئے حرام ہوگا۔ ان لوگوں کا نام مسلون (مسلمان) ہوگا۔ اور یہی لوگ پرماتما کے اپاسک اور اس کے بھگت ہونگے (بھوشیہ پوران پرب ۳۔ کھنڈ ۳۔ ادھیائے ۳ شلوک ۵)

پھر آگے فرماتے ہیں" وہ لوگ قندھار۔ سندھ۔ کراچی اور کشمیر میں راجیہ کریں گے۔ اور پرماتما کی شکتی ان کے ساتھ ہوگی (برہم پوران ادھیائے شلوک ۱۲)

میرے پیارے معزز ہندو مترو۔ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں۔ کہ وہ پرماتما کا اوتار جس کے لئے رشی او مہرشیوں نے آج سے کئی ہزار برس پہلے ایشور سے علم حاصل کرکے اپنی کتابوں میں لکھا تھا۔ کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا) پیدا ہوا۔ اور اس نے دُنیا میں آکر ایک پرماتما کی پوجا کرائی۔

پس آپ کا دھرم ہے۔ کہ اس کے سدھانتوں کو گرہن کرکے اپنے رشیوں اور مہرشیوں کے دلوں کو شانتی دینے والے بنیں۔ اور پرماتما کی آگیا کو پورن کریں۔

تمدن کے متعلق رسول کریمؐ کے فرمودہ اصول

از جناب عبدالستار صاحب بی۔ اے شملہ

مذہب کا کام

بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ مذہب کا یہ کام نہیں۔ کہ وہ اصول تمدن سکھلائے۔ مذہب صرف خداتعالےٰ کی ذات پر یقین دلانے اور اسے خوش کرنے کا ایک طریق بتاتا ہے۔ مگر یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ جس اہم امر کو انسانی عقل حل نہ کر سکے۔ اور جسمیں غلط قدم اٹھانے سے دنیا میں ابدی فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے۔ یا جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے انسان اپنے مقصود زندگی کو نہ پاسکے ایسے امر میں خداتعالےٰ کی دستگیری کی سخت ضرورت ہے۔ پس تمدن اگر ان امور میں سے ہے جنکی صحیح بنیاد نہ رکھنے سے دنیا میں فتنہ و فساد لازمی ہے۔ اور ایسا امر ہے۔ جس کے صحیح اصول انسانی عقل تجویز نہیں کر سکتی۔ تو یقیناً اس میں خداتعالےٰ کی راہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔ یا بالفاظ دیگر یہ کہ سچے مذہب کا فرض ہے۔ کہ وہ صحیح اصول تمدن تبلائے +

تصفیۂ حقوق

یہ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ لوگوں کا باہم ملکر امن سے رہنا اس بات پر منحصر ہے۔ کہ انہیں ایک دوسرے کے حقوق کا صحیح علم ہو۔ اور وہ ان کے حقوق کی جیسا کہ چاہیئے۔ رعایت کریں مگر حقوق کا تصفیہ کون کرے۔ ایک صنف دوسری صنف کے حقوق دبانا چاہتی ہے۔ ایک قوم دوسری قوم پر غلبہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ان تعصبات کی وجہ سے صحیح تصفیہ حقوق ناممکن ہے۔ یہ تصفیہ خدا ہی کر سکتا ہے۔ اور سچے مذہب کے ذریعہ کرتا ہے +

خدا کی کامل اور واحد ذات پر یقین

اسلام دنیا میں امن پیدا کرنے کی غرض سے سب سے اول یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ تم سب کا ایک ہی خالق ہے۔ اور اسے تم سب سے یکساں محبت ہے۔ اگر تم دانستہ کسی کے حقوق دباؤ گے۔ تو اس کے حضور تم جوابدہ ہو۔ اور وہ تمہیں سخت سزا دیگا۔ اور اگر تم کسی سے نیکی اور احسان کروگے۔ تو وہ تمہیں جزا دے گا۔ جب اس تعلیم کو انسان قبول کرتا ہے۔ تو وہ کوئی ظلم کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن اس کے خلاف اگر عقیدہ رکھے۔ تو دنیا میں بے امنی پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔ مثلاً وہ شخص جو خداتعالےٰ کی ہستی کو نہیں مانتا۔ اگر اسے حکومت کا ڈر نہ ہو۔ یا رائے عامہ کا خوف نہ ہو۔ تو وہ ہرگز کسی گناہ سے جسمیں وہ بظاہر اچھا فائدہ دیکھتا ہے۔ نہیں رک سکتا +

اسی طرح اگر خالقوں کی کثرت تسلیم کی جائے۔ اور ایک قوم کہے ہمارا فلاں خالق ہے۔ اور دوسری کا فلاں تو بھی امن قائم نہیں رہ سکتا اور ایک قوم دوسری قوم سے محبت نہیں کر سکتی۔ اور ایک دوسرے کو ایذا پہنچانا ان کے نزدیک درست ہوگا۔ اسی لئے قرآن مجید میں خداتعالےٰ فرماتا ہے۔ لو کان فیہما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا یعنے اگر زمین و آسمان میں خداتعالےٰ کے سوا اور بھی معبود اور خالق ہوتے۔ تو فساد پڑ جاتا۔ پھر اگر کوئی شخص خداتعالےٰ کی ہستی پر تو یقین رکھے۔ مگر کسی مصلحت کی وجہ سے وہ اپنے اعمال کی جوابدہی پر یقین نہ رکھے۔ تو ایسا شخص بھی دنیا کے تمدن کو برباد کرنے والا ہوگا۔ غرض خداتعالےٰ کی کامل اور واحد ذات پر یقین تمدنی امور میں امن کی روح ہے۔

اخوت کا اعتراف

تمدن کے متعلق دوسری بنیادی تعلیم اسلام یہ دیتا ہے۔ کہ تم سب بلحاظ انسانیت یکساں ہو۔ کوئی تم میں سے ذلیل نہیں۔ اور کوئی معزز نہیں۔ مگر وہ جو اپنے افعال کے ذریعہ سے ایسا بنے۔ خدا کی نظر میں وہی زیادہ باعزت ہے۔ جو اس کے احکام کے ماتحت چلتا ہے چنانچہ فرمایا۔ یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالا کثیرا ونساء (سورۃ نساء رکوع اول) پھر فرمایا۔ یا ایہا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (سورہ حجرات رکوع ۲) مساوات کے اصل کو تسلیم کرنے سے ہی دنیا کے امن میں خلل واقع ہو جاتا ہے لیکن مساوات کو کوئی شخص قبول نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ اخوت کے اصل کو قبول نہ کرے۔ جب اخوت کے اصل کو نہ تسلیم کرنے سے ایک قوم دوسری قوم کو ذلیل سمجھتی ہے۔ یا دائرہ انسانیت سے خارج قرار دیتی ہے۔ تو دنیا میں امن کہاں رہ سکتا ہے +

حضرت رسول مقبول صلعم کا عدل

از ملک محمد عبداللہ صاحب مولوی فاضل

سید الرسل صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تمام دنیا کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ آپ کی جس خوبی پر بھی نظر ڈالی جائے۔ وہ بے نظیر اور لاثانی ہے عدل اور انصاف کے متعلق خود حضور نے فرمایا۔ کہ امرت لاعدل بینکم مجھے عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے دنیا میں وہ شاندار عدل اور انصاف قائم فرمایا۔ جسکی نظیر دوسری جگہ ہرگز نہیں مل سکتی۔

جنگ احد میں حضرت عباسؓ جو آپ کے چچا تھے۔ اور ابھی تک اسلام نہ لائے تھے۔ قیدیوں میں پکڑے آئے۔ رات کا وقت تھا۔ اور تمام قیدیوں کو رسیوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ حضرت عباسؓ جو ایک عالی اور امیر خاندان کے فرد تھے۔ رسیوں سے بندھے ہونے کی تکلیف برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اور بار بار تکلیف کی وجہ سے کراہتے۔ ان کے کراہنے کی آواز رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنائی دیتی۔ تو آپ بیقرار ہو کر کروٹیں بدلتے۔ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بے چینی اور بے قراری کو دیکھا۔ تو سمجھ گئے۔ کہ آپ کو حضرت عباسؓ کے کراہنے کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے۔ انہوں نے فوراً حضرت عباسؓ کی رسیوں کو ڈھیلا کر دیا۔ جس سے ان کے کراہنے کی آواز بند ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ کیا وجہ ہے۔ کہ عباسؓ کے کراہنے کی آواز بند ہوگئی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کی بے قراری دیکھ کر ان کی رسیاں ڈھیلی کر دی ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ یا تو سب قیدیوں کی رسیاں ڈھیلی کر دو۔ ورنہ عباسؓ کو بھی ویسے ہی باندھ دو صحابہؓ کی آنکھیں یہ عدل و انصاف دیکھ کر پرنم ہوگئیں۔ اور انہوں نے سب قیدیوں کی رسیاں ڈھیلی کر دیں۔

ایک دفعہ ایک معزز خاندان کی عورت نے چوری کی جسکی سزا قطع ید تھی۔ چند لوگوں نے حضرت اسامہؓ کو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ کہ عرض کریں۔ یہ ایک معزز خاندان کی عورت ہے۔ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ حضرت اسامہؓ نے جب یہ بات عرض کی۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ لو سرقت فاطمۃ لقطعت یدھا اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے۔ تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا حدود میں امیر و غریب سب برابر ہیں +

جنگ بدر میں مسلمانوں کے پاس بوجہ غربت بہت کم سامان حرب تھا۔ اور سواریوں کی بھی بہت قلت تھی۔ اس لئے ایک اونٹ تین آدمیوں میں مشترک تھا۔ جس پر وہ باری باری سوار ہوتے۔ رسول مقبول صلعم بھی دیگر صحابہؓ کی طرح دو اور صحابہ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک تھے۔ اور باری باری سوار ہوتے۔ صحابہؓ نے ہر چند چاہا۔ کہ آپ سوار ہی رہیں۔ لیکن آپ نے عدل و انصاف کو قائم رکھتے ہوئے کسی طرح

درود شریف کی اہمیت

درود شریف کی اہمیت اور عظمت اسی سے ظاہر ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نماز کا فریضہ جسے ہر ایک مسلم کے لئے طرۂ امتیاز قرار دیا گیا ہے۔ اور جس کی ادائیگی ہر مومن کے لئے ایسی ہی ضروری قرار دی گئی ہے جیسے قیام زندگی کے لئے غذا اور دفع علالت کے لئے علاج اور دوا۔ درود شریف کو اس دائمی اور لابدی عظیم الشان عبادت کا جزو قرار دیا گیا ہے۔ اور جس طرح نماز کے لئے قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں لفظ صلوٰۃ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح یہی لفظ درود شریف کے لئے رکھا گیا ہے۔ جس سے یہ امر قرین قیاس اور صحیح الامکان معلوم ہوتا ہے۔ کہ نماز کا نام صلوٰۃ۔ نماز کے اسی جزو کی بنا پر رکھا گیا ہے جیسے بعض سور قرآنیہ کے اسماء ان کے بعض اجزاء کے نام پر رکھدیئے گئے ہیں۔ علاوہ اس کے درود شریف کا نماز کے ہم اسم ہونے کی صورت میں پایا جانا اس کی اہمیت اور فضیلت کو جس اعلےٰ شان کے ساتھ ظاہر کر رہا ہے وہ مخفی نہیں۔

فضیلت درود

درود شریف بہترین حسنات کے ذخائر اور خزائن میں سے ہے۔ اور اس سے بڑھ کر درود شریف کا پڑھنا اور کیا موجب حسنات ہوسکتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اسے اپنا اور اپنے ملائکہ کا فعل قرار دیا ہے۔ جس سے درود شریف پڑھنے والا مومن خدا تعالیٰ اور ملائکہ کا شریک فعل ہو جاتا ہے۔ گو یہ دوسری بات ہے۔ کہ ہر ایک کے درود شریف کی نوعیت جدا گانہ ہے۔ درود شریف چونکہ مومنوں کا وصف ہے اس لئے درود شریف علامت ایمان اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بھی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے۔ خدا تعالیٰ نے اس پر دس دفعہ رحمت نازل فرماتا ہے۔ یہ بشارت دراصل آیت قرآنی مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا کے ماتحت ہے۔ کہ ایک نیکی کی جزا کم از کم دس گُنا زیادہ ملتی ہے۔ لیکن عرفان اور نیت کی وسعت سے جزا کا دائرہ اور بھی وسیع ہو جاتا ہے۔

درود شریف کا ماحصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا مطلب وہی ہے۔ جو لفظ صلوٰۃ اور سلام سے ظاہر ہے۔ صلوٰۃ کا لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت حمید و مجید کے لحاظ سے جو درود شریف میں دعائے صلوٰۃ کی مناسبت سے لائی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حمد اور حسن ثنا اور آپ کی عظمت اور مجد کے لئے درخواست کرنے کے معنوں میں ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ کے ارشاد باری میں صلوات کے معنے حسن ثنا بھی ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے متعلق ثنا اور تعریف کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح آیت هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ صلوٰۃ سے مراد ایسی رحمت بھی ہے۔ کہ جس کے ذریعہ انسانوں کو انواع واقسام کی تاریکیوں سے نور کی طرف نکالا جاتا ہے۔ ان معانی کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا مفہوم اور مطلب یہ ہوگا۔ کہ سب مومن صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا کے ارشاد کی تعمیل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مخالفین اور کافرین کی مذمتوں اور غلط بیانیوں کے مقابل حسن ثنا اور مدح اور تعریف کی اشاعت کریں۔ کیونکہ کافر اور مخالف لوگ اپنے برے پراپیگنڈے سے ظلمات اور تاریکی کے پردے حائل کرنا چاہتے ہیں تا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور آپ کی نبوت و رسالت کی اصلی اور خوبصورت شان کو دیکھ کر لوگ مسلمان نہ ہو جائیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے حکم دیا۔ کہ جہاں مخالف لوگ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر تاریکی کے پردے ڈال کر آپ کی اصل حقیقت کو چھپانا چاہیں تم مومن لوگ ان کے اعتراضات کی تردید اور ان کے غلط خیالات کا ازالہ کرتے ہوئے وہ سب تاریکی کے پردے ہٹا دو۔ اور دنیا کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصل حال اور حقیقی نور صداقت سے آگاہ کردو۔ تا ایک طرف تمہارے اس صلوٰۃ اور سلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخالفوں کی پیش کردہ تاریکیوں سے باہر آجائیں۔ اور دوسری طرف محقق اور طالبان حق آپ کی اصل اور پُرحقیقت شان سے آگاہی حاصل کرتے ہوئے اس حق کو قبول کرکے نور حاصل کرلیں۔

صلوٰۃ اور سلام کی چار قسمیں

غرض مومنوں کا صلوٰۃ اور سلام چار رنگوں کا ہوسکتا ہے۔ اوّل یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں اور مخالفوں کے تاریک اور پرمذمت پروپیگنڈا کی تردید اور اس کا کماحقہٗ ازالہ کریں۔ اور بتائیں۔ کہ آپ مذمم نہیں۔ بلکہ محمد ہیں۔ اور آپ کاذب اور مفتری نہیں۔ بلکہ خدا کے سچے نبی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ امام مہدی کے اصحاب ہر مجلس میں مہدی کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرینگے۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ مہدی کے مخالفوں کی طرف سے چونکہ جابجا مخالفانہ ذکر ہونگے۔ اس لئے اصحاب مہدی بطور جواب کے تردید کریں گے اور تبلیغ کی غرض سے مہدی کا ذکر بکثرت وقوع میں آئے گا۔

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور آپ کے خلق عظیم کے سچے وارث بنکر پاک نمونہ اور پاک اخلاق کے ساتھ دنیا کو دکھائیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ نمونہ نہ تھا۔ جو مخالف اور آپ کے دشمن پیش کرتے ہیں۔ بلکہ آپ کا نمونہ اور خلق وہ ہے۔ جو مومنین کی پاک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک تعلیم کو اپنے پاک نمونہ اور پاک اعمال سے ظاہر کر رہی ہے۔ اور اس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلوۂ صداقت جو مومنین کے پاک نمونہ کے ذریعے ظہور میں آئے گا۔ مخالفوں کو تاریکیٔ شبہات سے باہر نکالے گا۔

تیسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک تعلیم کی اشاعت اور اسلام کی تبلیغ کے لئے دنیا کی ہر قوم کو دعوت دے کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محامد اور محاسن سے انہیں آگاہ کرتے ہوئے لوگوں کے آگے سے تاریکیٔ جہالت کے پردوں کو اٹھایا جائے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور صداقت کا ہر وقت اور ہر جگہ جلوۂ حقیقت ظاہر کیا جائے۔

چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بکمال تضرع و خشوع۔ اور بکمال ارادت و صدق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے دعائیں کی جائیں۔ تاکہ تاریکی کے سب پردے اٹھا دیئے جائیں اور ہر ایک انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونہ کا مظہر ہوکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت قدسیہ کا جلوہ دنیا کو دکھائے اور تا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی وہ نسل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک نمونہ سے منحرف ہوکر جہنمی زندگی کے انتہاء گڑھے میں گری پڑی ہے۔ دوبارہ آپ کی اتباع سے آدم کی طرح مسجود ملائکہ بننے کی مستحق ٹھیرے۔ پس یہ صلوٰۃ اور سلام جو چار رنگوں کا ہے۔ اگر مومن اس کی تعمیل کریں۔ تو یہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انصار میں سے بنا دیتا ہے۔ اور باوجود بُعد زمانی اور مکانی کے ایسا مومن جو صلوٰۃ اور سلام کے مذکورہ کوائف سے اپنا درود شریف پیش کرتا ہے لاریب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا اور کامل ناصر اور جماعت انصار میں اپنی خاص شان کا انصاری ہوتا ہے۔

درود سے صفات الٰہیہ کا ظہور

اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ وسلامٌ علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۔ اس سے پہلے آتا ہے سُبحان ربك رب العزة عما یصفون۔ ان دونوں آیتوں کا یہ مطلب ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے مرسلوں کو معصوم تسلیم کرنا۔ ہر عیب اور ہر نقص سے پاک اور سلامتی کے ساتھ ماننا ہی اس بات کی دلیل اور علامت ہے کہ سب کی سب اور کامل حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس کی حمد کی یہ شان ہے۔ کہ وُہ سب عالموں کی ربوبیت کا فیضان ہر وقت نازل فرما رہا ہے۔ اور جس کی ربوبیت کے ماتحت خدا کے مرسلوں کی بعثت ظہور میں آئی۔ اور بالآخر محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے عظیم الشان مرسل کو تمام دُنیا کی قوموں اور سب عالموں کی ربوبیت کے لئے مبعوث فرمایا۔ تا خدا تعالیٰ کی حمد کے اظہار کے سوا دہریوں اور مشرکوں پر یہ ثابت کرے۔ کہ تیرا رب جس نے اے رسول تجھے مبعوث فرمایا۔ بہت بڑی عزت والا ہے۔ اور ان سب نقائص اور عیوب سے منزہ ہے جن کو اس قدوس اور سبوح ذات کی طرف جاہل مشرک اور دہریہ لوگ منسوب کرتے ہیں۔

پس صلوا علیه وسلّموا تسلیما کے ارشاد میں صلوٰۃ کے علاوہ سلام بھیجنے کی غرض انہی معنوں میں ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کر دیا گیا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے لئے جو الفاظ مسنونہ صلواۃ کے ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی صفت حمید اور مجید کو پیش کیا گیا۔ جس کا یہ مطلب ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی حمد اور مجد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرسل ہونے کی حیثیت اور آپؐ کی صداقت کے ظہور کے ساتھ خاص طور پر تعلق ہے۔

آنحضرتؐ کے اغراض ومقاصد

درود شریف کو جب دُعا کے طور پر پڑھا جائے۔ تو چاہیئے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اغراض ومقاصد کو ملحوظ رکھ کر ان کی تکمیل کے لئے دُعا کی جائے۔ آپؐ کے اغراض ومقاصد تین طرح پر ہیں ایک خالق کے متعلق۔ دُوسرے مخلوق کے متعلق۔ تیسرے نفس کے متعلق خالق کے متعلق آپؐ کا یہ مقصد ہے۔ کہ اعلاء کلمۃ اللہ اور تعظیم لامر اللہ کی شان دُنیا میں ظاہر ہو۔ مخلوق کے متعلق یہ کہ ہر انسان خدا تعالیٰ کی توحید کو اعتقادی اور عملی صُورت میں پانے والا ہو جائے۔ اور حق اللہ۔ اور حق العباد کی امانت کا ادا کرنے والا۔ اور تعظیم لامر اللہ اور شفقت علےٰ خلق اللہ کے فرائض کی ادائیگی کے لئے کامل نمونہ ہو۔ خُدا کے قرب اور وصل سے جنت کا وارث اور جہنمی زندگی سے نجات پانے والا بنے۔ ذاتی مقصد یہ ہے۔ کہ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین کے مطابق آپؐ خدا تعالیٰ کے عرفان اور قرب ووصل کے مدارج میں جس قدر بھی بیش از بیش ترقی کے خواہشمند ہیں۔ ان مدارج میں آپؐ کو ہر لمحہ ترقی حاصل ہوتی رہے۔ چنانچہ وللاٰخرة خیرٌ لك من الاُولیٰ میں اس امر کی بشارت دی گئی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترقی غیر متناہی مدارج کی شان رکھتی ہے۔

صلوٰت۔ نسک حیات اور ممات

آیت کریمہ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلوٰۃ کو مقام استفاضہ پر اور حیات کے بالمقابل رکھا ہے۔ اور نسکی یعنی آپؐ کی قربانی کو مقام افاضہ پر۔ اور ممات کے بالمقابل پیش کیا ہے۔ اس سے آپؐ کی زندگی کا اعلےٰ مقصد یہ بتایا گیا ہے۔ کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ سے استفاضہ کا لامتناہی سلسلہ علے الدوام جاری رہے۔ اور دوسری طرف آپ کی طرف سے خلق خدا کے لئے افاضہ کا غیر متناہی۔ اور ابدی سلسلہ چلتا رہے۔ اسی مقصد کو فصل لربك وانحر کے الفاظ میں بھی پیش کیا گیا ہے۔ یعنی فصل سے استفاضہ کر اور وانحر سے قربانی کا سلسلہ جاری رکھ۔ جو تیری طرف سے خلق کے لئے افاضہ کی حیثیت میں ہے۔ اس کے نتیجہ میں کوثر تجھے عطا ہو گا۔ یعنی ہر طرح کے انعامات اور برکات کی وُہ کثرت جو غیر متناہی۔ اور گنتی و شمار کے حدود سے باہر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانی کو لعلك باخع نفسك الا یکونوا مومنین اور عزیزٌ علیه ماعنتم کے الفاظ میں بھی ذکر کیا ہے۔ کہ دُوسری مخلوق کے متعلق آپؐ کی ہمدردی اور شفقت تو درکنار کافروں تک کے لئے جو آپؐ کے جانی دشمن تھے۔ آپؐ کی ہمدردی اور قربانی کا یہ حال تھا۔ کہ خدا تعالیٰ جو خالق فطرت۔ اور عالم سر وعلن ہے۔ شہادت دیتا ہے۔ کہ آپؐ کافروں اور دُشمنوں کی ہمدردی سے اس قدر گداز ہو رہے تھے کہ اپنی جان کو بوجہ شفقت اور مجاہدات شاقہ کے ہلاکت میں ڈالے ہوئے تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان شفقتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور آپؐ کی محسنانہ اور کریمانہ عنایتوں اور مہربانیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آپؐ پر درود شریف پڑھتے وقت آپؐ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے دعائیں کرنا چاہیئے۔

خدا اور ملائکہ کا درود

اللہ اور اس کے ملائکہ کا درود مومنوں کے درود سے الگ حیثیت رکھتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ اور ملائکہ کا درود صفت رحمانیت کے افاضہ کے رنگ میں بلا محنت بلا کسی معاوضہ ومبادلہ کے پیش ہوتا ہے۔ لیکن مومنوں کا درود ایک دعا اور روحانی مجاہدہ اور کوشش ہے جس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور معاوضہ صفت رحیمیت کے افاضہ کے ماتحت فیضان نازل ہوتا ہے۔ اس طرح سے آنحضرت صلعم کو صفت رحمانیت اور صفت رحیمیت دونوں قسموں کے فیضان کا مورد بنایا جاتا ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ مومن اپنی نیت اور عرفانی وسعت سے اپنے درود میں اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کے درود۔ بلکہ جمیع انبیاء و مومنین کے برکات دعا اور انعامات دعوات کو بھی شامل کر کے دعا کرے۔ اور اس طرح کی دُعا کے وسیع دائرہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے استفاضہ کے دائرہ کو وسعت دے۔ اور اپنے درود میں صفت رحمانیت۔ اور رحیمیت کے فیوض کو جمع کر کے جامع حیثیت میں پیش کرے۔

النبی اور آل کا لفظ

صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا کے ارشاد میں صرف النبی کا لفظ لایا گیا۔ حالانکہ درود میں آل کا لفظ بھی پیش کیا گیا ہے یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے النبی کی تشریح لفظ محمد اور آل محمدؐ سے فرمائی ہے۔ اور اس لئے کہ نبوت کے لحاظ سے اگرچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک کیلئے نبی تھے۔ لیکن شخصی حیثیت سے جب آپؐ ترسٹھ سال کی عمر تک پہنچ کر دُنیا سے رحلت فرما گئے۔ تو شخصی وجود کی عدم موجودگی میں آپؐ کی قائم مقامی میں آل محمد ہی کام کر سکتی تھی۔ اور آل محمد سے مراد آپؐ کی امت کے صدیق۔ شہید۔ صالح اور خصوصاً امت کے مجددین جو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے مصداق ہیں۔ اور خلفاء راشدین مہدیین ہیں اور چونکہ نبی بغیر امت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے النبی کے لفظ کے بطن میں جب امت داخل ہے۔ تو آل محمد جو نبی کے سچے وارث اور اس کی امانت کے سچے حامل ہیں۔ کیوں داخل نہ ہوں۔ اور جب النبی آپؐ کے اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے امت کے انصار کی دُعا اور درود شریف کی نصرت کا مقتضی ہے۔ تو آل نبی اور آل محمدؐ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اغراض ومقاصد کی تکمیل کی غرض سے ہی حامل امانت کی حیثیت میں کام کرنے والے ہیں۔ ان کو کیوں اس درود شریف میں شامل کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا النبی کے لفظ کی تشریح اور توضیح میں درود شریف میں محمدؐ اور آل محمدؐ کے الفاظ کو پیش کرنا عین حکمت اور ضرورت کے اقتضاء کے ماتحت ہے۔ اور تفسیر کے لحاظ سے نہایت ہی صحیح اور بہترین تفسیر لفظ النبی کی فرمائی گئی ہے۔

ایک سوال کا جواب

ہاں یہ امر کہ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ الخ کے الفاظ بڑھانے کی ضرورت کیوں اور کہاں سے پیدا کی گئی۔ سو اس کے جواب میں یہ عرض ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی دُعا کی تھی۔ کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اے خُدا جیسے ہم دونوں یعنی ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما السلام) تیرے خادم اور دین حنیف کی اشاعت وحمایت کرنے والے ہیں۔ اسی طرح اس دین کی خدمت اور اشاعت کے لئے ہماری ہی اولاد اور ذریت سے ایک امت مُسلمہ بنا۔ اور ان میں ایک ایسا رسول بھی مبعوث فرما۔ جو تیری آیات ان پر تلاوت کرے۔ اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔ اور ان کو اعتقادی اور عملی حالات کے لحاظ سے پاک کرے۔

یہ وُہ دُعا ہے جس کے اثر اور نتیجہ کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ظہور میں آئی۔ اور اسی کے ماتحت آپؐ کی امت جو امت مسلمہ ہے

ظہور پذیر ہوئی۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اس دُعا سے آپ کو یہ برکت ملی۔ کہ آپ کے برکات کا سلسلہ اور آپ کی ذرّیت اور اولاد کی برکات کا سلسلہ علی الدوام قیامت تک کے لئے لمبا کیا گیا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق دوسرے مقام میں بھی اس بات کا بطور برکت ذکر فرمایا۔ کہ قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین ۔ اس دُعا کے رُو سے جب تک حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی ذرّیت اور نسل دُنیا میں رہے گی۔ امامت اور نبوت کا انعام آپ کی صالح اولاد میں جاری رہے گا۔ اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت کا سلسلہ قیامت تک قائم رہنے والا ہے۔ لہذا سلسلۂ برکات۔ امامت و نبوت بھی قیامت تک جاری رہنے والا ہے۔ ہاں اس انعام کی محرومی کے لئے صرف ظالمین کو مستثنےٰ کیا ہے۔ لیکن اس استثنےٰ سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ایک غیر ظالم ذرّیت بھی اس انعام سے ابد تک محروم رکھی جائے ۔

ان دونوں آیات سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کے اثر اور نتیجہ میں آپ کی نسل دو سلسلوں میں چلی۔ اور دونوں کو انعامِ امامت اور برکاتِ نبوت سے مستفیض فرمایا گیا۔ ایک سلسلہ حضرت اسحاق علیہ السّلام سے شروع ہو کر حضرت مسیح پر ختم ہوا۔ اور دُوسرا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے شروع ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہونچا ۔

پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا درُود شریف کے الفاظ میں ابراہیم اور آل ابراہیم کے صلوات اور برکات کے لئے دعائیہ الفاظ پیش کرنا اپنے لئے اور اپنی امت کے لئے انہی برکات کے سلسلہ کی غرض سے ہے ۔

دُرُود شریف کے پاک اثرات

امت کی یہ دُعا جو دُرود شریف کے الفاظ میں پیش کی گئی ہے اور جو خدا تعالےٰ کے امر اور ارشاد کے ماتحت مانگی جاتی ہے۔ ایک قبول شدہ دُعا ہے۔ اس کی قبولیت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بشارت بھی دی گئی۔ اسی بشارت کے ماتحت آپ نے فرمایا علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ اور فرمایا۔ یوشک ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلا و اماما مھدیا۔ یعنی میری امت کے علماء مجددین جو اسرائیلی انبیاء کی طرح مخصوص القوم اور مخصوص الزمان حیثیت سے مبعوث ہونگے۔ وُہ اسرائیلی انبیاء کے نمونہ پر ہونگے۔ اور یہ برکت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ نسل کے لحاظ سے اس نمونہ پر عطا ہو گی۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اسحاقی سلسلہ کے ذریعہ عطا کی گئی۔ اور مسیح موعودؑ کی برکت جو امام مہدی ہو کر آنیوالے ہیں۔ اور جنکی بعثت دُنیا کی سب قوموں اور قیامت تک کیلئے ہو گی۔ وُہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ نسل کے لحاظ سے اس نمونہ پر عطا ہو گی۔ جو حضرت ابراہیم کو اسمٰعیلی سلسلہ اور آنحضرت صلعم کے وجود باجود کے ذریعہ سے ملی۔ سو خدا کے فضل سے آج اس زمانہ تک امت کی دعا اور درود کے پاک ثمرات ظہور میں آچکے ہیں۔ ایک طرف تیرھویں صدی تک ہر صدی کے سر پر مجددوں کی بعثت سے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ اسحاقی سلسلہ کی برکت کا نمونہ ظاہر ہو گیا اور دوسری طرف اس چودھویں صدی کے سر پر سیدنا حضرت مسیح موعود و امام مہدی معہود علیہ السلام کی بعثت سے وُہ دوسری برکت بھی ظاہر ہو گئی۔ جو اسمٰعیلی سلسلہ کی برکت کے نمونہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے ظہور میں آئی۔ اور جس طرح آپ کی بعثت اسرائیلی انبیاء کے بعد ظہور میں آئی۔ اور شان میں بھی اسرائیلی انبیاء کی برکات سے بڑھ چڑھ کر ظہور میں آئی۔ اسی طرح تیرھویں صدی تک کے مجددین جو اسرائیلی انبیاء کے نمونہ پر آئے۔ ان سے مسیح موعود علیہ السلام بوجہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مظہر اکمل۔ اور بروز اتم ہونے کے پہلے کے سب مجددین سے افضل شان کے ساتھ ظہور فرما ہوئے اور جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں خاتم الانبیاء ہونے کی خصوصیت ہے۔ اسی طرح آپ میں خاتم الاولیاء ہونے کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ پس آج اس زمانہ میں اہل اسلام کے لئے بعید مسرت اور خوشی کا موقعہ ہے۔ کہ ان کا درُود پڑھنا بابرکت ثمرات اور مبارک نتائج کے ساتھ ظہور پذیر ہوا ۔

رسول کریمؐ کی نبوت کے برکات

اگرچہ صدیقیت۔ شہیدیت اور صالحیت کے مدارج کے لوگ بھی امت میں پیدا ہوئے۔ لیکن النبی کے لفظ میں جو یصلّون علی النّبی کے ارشاد میں ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی صدیقیت۔ شہیدیت۔ صالحیت اور اپنی مومنانہ شان کا جلوہ دکھاتے ہوئے جہاں بہت سے صدیق۔ شہید صالح اور مومن پیدا کئے۔ وہاں نبی بھی آپ کی اتباع سے آپ کی امت میں پیدا ہونے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آل محمدؐ کو النبی کے لفظ میں داخل کر کے کمالاتِ نبوت میں بھی طفلی طور پر شامل ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا۔۔

دُرُود شریف اور حضرت مسیح موعودؑ

دُرُود شریف جس کے الفاظ نماز میں پڑھے جاتے ہیں۔ اس پر غور کرنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنے والے مسیح موعودؑ محمدی ہیں نہ کہ اسرائیلی۔ اور وُہ اس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے دُعا یہ ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم کے برکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آلِ محمدؐ کو عطا ہوں۔ اور چونکہ مسیح اسرائیلی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے اور اسرائیلی نبیوں میں سے ہیں۔ اور آل ابراہیم میں سے۔ اس لئے درود شریف کی دُعا سے یہ مطلب ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل کی طرح ایک مسیح بھی دیا جائے۔ گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہلے مسیح کی طرح کا ایک اور مسیح دیا جاتا ہے۔ نہ یہ کہ وُہی پہلا مسیح آپ کو دیا جاتا ہے۔ اگر پہلا مسیح آئے۔ تو پھر کَمَا کا حرفِ تشبیہ جو پہلے مسیح کے مشبہ کو چاہتا ہے۔ نہ کہ پہلے مسیح کے عین کو۔ وُہ اپنے مفاد کے لحاظ سے باطل ٹھیرتا ہے۔ کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان مغائرت کا پایا جانا ضروری ہے۔ ورنہ تشبیہ کا فائدہ ہی کیا۔ پس حرف کَمَا نے اپنے مفاد سے یہ ظاہر کر دیا کہ آنے والا مسیح موعود پہلا مسیح اور اسرائیلی مسیح نہیں۔ بلکہ اس کا مثیل۔ اور ایک دوسرا مسیح ہے۔ جو مسیح محمدی اور امت محمدیہ کا ایک فرد ہے جیسا کہ حدیث اماماکم منکم اور حدیث خلیفتین اور آیت استخلاف یعنی وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ۔ان کے لفظ منکم اور کَمَا میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نیابت اور خلافت کے لئے جو شخص متعین ہو گا۔ وُہ امتِ محمدیہ کا فرد ہو گا۔ اس صورت میں مسیح اسرائیلی جو قرآن اور حدیث اور واقعات تاریخیہ کے رُو سے فوت شُدہ ثابت ہیں۔ اگر زندہ بھی تسلیم کر لئے جائیں تو بھی وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلیفہ نہیں بن سکتے۔ اس لئے کہ قرآن اور حدیث اور دُرود شریف کے الفاظ منکم اور کَمَا اس امر کے لئے مانع ہیں۔ کہ ایسا مسیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خلیفہ بنے جو آپؐ کی امت سے نہ ہو ۔

مسیح موعُود میں شانِ محمدیّت کا جلوہ

دُرُود شریف کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور آل ابراہیم کی سب برکات کا مورد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آل آنحضرتؐ کو بنایا جانا ان معنوں میں ہے۔ کہ آپؐ آدم سے لے کر مسیح تک سب انبیاء کے کمالات اور برکات کے مَورد بنائے گئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وُہ کشف جس میں آپؐ نے بیت المقدس میں سب انبیاء کی امامت میں نماز ادا کی۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپؐ کی اتباع سے سب انبیاء کے کمالات منفرداً اور مجموعاً حاصل ہو سکتے ہیں ۔

چنانچہ عُلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے ارشاد کے رُو سے آپؐ کی امت کے مجددین میں سے ہر ایک مجدد کسی نہ کسی نبی کے کمال کا وارث ہوا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو مجدد اعظم ہیں۔ جری اللہ فی حلل الانبیاء کی شان کے ساتھ سب انبیاء کے کمالات کے مجموعی طور پر وارث بنائے گئے۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی آل ابراہیم سے ہیں۔ مسیح موعُود آل محمدؐ میں سے ہونے کی وجہ سے کَمَا صلّیتَ اور کَمَا بارکتَ علیٰ ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم کے الفاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات اور برکات کے بھی طفلی طور پر کامل وارث ہوئے ۔

دُرُود شریف کے متعلق حضرت مسیح موعُودؑ کی وحی

حضرت مسیح موعُود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو وحی دُرُود شریف کے متعلق نازل ہوئی۔ وُہ یہ ہے۔ صلّ علیٰ محمّد و اٰل محمّد ۔ الصلوٰۃ ھوالمربی انی رافعک الیّ ۔ والقیت علیک محبۃ منّی یعنی محمدؐ اور آل محمدؐ پر دُرُود بھیج۔ درُود ہی تربیت کر کے ترقی اور کمال بخشنے والا ہے۔ میں تجھے بلند کرُونگا اپنی طرف سے تجھے محبت کا خلعت پہناؤنگا۔ حضرت مسیح موعُود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ترجمہ خود فرمایا۔ اور اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر دُرُود بھیجنے سے انسان عیسےٰ بلکہ

موسیٰ کا مقام پا سکتا ہے۔ جس کا ثبوت میں تیرے وجود کو بناؤں گا (براہین احمدیہ صفحہ ۲۳۹)

پھر حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۲۸ پر فرماتے ہیں :۔

"ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ درود شریف کے پڑھنے میں یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے میں ایک زمانہ تک مجھے بہت استغراق رہا۔ کیونکہ میرا یقین تھا۔ کہ خدا تعالیٰ کی راہیں نہایت دقیق راہیں ہیں۔ وہ بجز وسیلہ نبی کریم کے مل نہیں سکتیں جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ (اس کی طرف وسیلہ طلب کرو) تب ایک مدت کے بعد کشفی حالت میں میں نے دیکھا۔ کہ دو سقے یعنی ماشکی آئے۔ اور ایک اندرونی راستے سے اور ایک بیرونی راہ سے میرے گھر میں داخل ہوئے ہیں۔ اور ان کے کاندھوں پر نور کی مشکیں ہیں۔ اور کہتے ہیں ھذا بما صلیت علی محمد یعنی یہ اس کی وجہ سے ہے۔ جو تم نے محمد پر درود بھیجا ہے"

درود شریف کے برکات

درود شریف پڑھنے کے بہت سے فوائد ہیں۔ منجملہ دیگر فوائد کے ایک یہ بھی ہے۔ کہ درود شریف کی دعا چونکہ قبول شدہ دعا ہے اس لئے اگر اپنی ذاتی دعا سے پہلے اور پیچھے اسے پڑھ لیا جائے تو یہ امر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے معنوں میں قبولیت دعا کے لئے بہت بھاری ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ بنی نوع انسان کی شفقت کی وجہ سے ہر ایک انسان کی زندگی کے بہترین دینی و دنیوی مقاصد کے حصول کے خواہاں ہیں۔ اس لئے آپ ہی کے مقاصد میں اگر اپنے مقاصد کو بھی شامل کر کے درود شریف پڑھا جائے تو یہ امر بھی قبولیت دعا اور حصول مقاصد کے معنوں میں نہایت مفید ہے۔ کوئی مشکل امر جو حاصل نہ ہو سکتا ہو۔ درود شریف پڑھنے سے اس صورت میں حاصل اور حل ہو سکتا ہے۔ کہ درود شریف پڑھنے سے جو دس گنا ثواب جزا کے طور پر ملتا ہے۔ اس ثواب کو مشکل کے حل ہونے کی صورت میں جذب کیا جائے۔ اس طرح ضرور کامیابی حاصل ہوتی ہے :

قرب الٰہی کا عجیب و غریب ذریعہ

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کو معراج بھی قرار دیا ہے۔ اور درود شریف نماز کا جزو ہے۔ اس لئے درود شریف معراج کے معنوں میں قرب الٰہی اور وصل الٰہی کے منازل تک پہنچا دینے کے لئے عجیب ذریعہ ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں پایا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج خدا تعالیٰ کے قرب اور وصل کے لحاظ سے اس مقام اور مرتبہ پر پہنچے۔ جہاں کے لئے فرمایا۔ کہ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ نبی مرسل ولا ملک مقرب یعنی خدا کی معیت اور حالت وصول کے لحاظ سے مجھے وہ وقت بھی میسر آ جاتا ہے۔ کہ میں معیت اور قرب اور وصل الٰہی کے اس بلند تر اور قریب تر مرتبہ پر ہوتا ہوں۔ جہاں نہ کوئی نبی مرسل پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی کسی ملک مقرب کی رسائی ہے۔ بعض روایات میں ہے۔ کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچے۔ تو آپ نے فرمایا۔ التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات کہ ہر قسم کی قولی اور بدنی اور مالی قربانی خدا ہی کے لئے ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمایا گیا۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ گویا سلام رحمت اور برکات ہر سہ امور خدا تعالیٰ کی طرف سے پیش کئے گئے

اب ان الفاظ کے پڑھنے کا موقعہ نماز میں قعدہ اور تشہد ہے تشہد سے مرتبہ شہود کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ ہر ایک مومن نماز کے ذریعے جو معراج المومنین ہے۔ تشہد کی آخری منزل میں قرب اور وصل الٰہی کے مرتبہ کو حاصل کرنے والا ہے۔ چنانچہ مومن کا التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات کے الفاظ کو خدا کے حضور پیش کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظلیت میں آپ کی مظہریت اور فنا فی الرسول کے مرتبہ کو حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ یہ مرتبہ اصالۃً اور حقیقۃً آپ کا ہے۔ اور اس پر جو شخص بھی فائز ہوگا۔ ظلی اور بروزی طور پر ہی ہوگا۔ اور جب مومن السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش کرتا ہے۔ تو اس وقت یہ فنا فی اللہ کی حیثیت میں خدا تعالیٰ کی ظلیت کی چادر پہن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتا ہے۔

پس درود شریف ان معنوں کے لحاظ سے نماز کی اصل حقیقت پر بہترین دلالت ہے۔ جو معراج کے معنوں پر اشتمال رکھتی ہے کیونکہ درود شریف سے فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ اور اللہ اور رسول کی ظلیت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے : وھو المراد رزقنا اللہ ھذا المرام :

اسی طرح وہ سب مومن جو نماز کے معراج کی برکات سے متمتع ہوتے ہیں۔ وہ سب کے سب آل محمد میں داخل ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے سلام میں جو بالفاظ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پیش ہوا۔ آپ نے اسے اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصلحین فرما کر اس سلام میں اپنی آل کو بھی جو عباد اللہ الصالحین ہیں۔ شامل فرما لیا۔ اور جیسے یصلون علی النبی کے ارشاد میں النبی کے لفظ کے نیچے محمدؐ اور آل محمدؐ کو پیش کیا۔ اسی طرح السلام علیک ایھا النبی الخ کے فقرہ میں لفظ نبی کے نیچے السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین فرما کر علینا کی ضمیر جمع متکلم جو مجرور واقع ہوئی ہے۔ اس سے عباد اللہ الصالحین کی شمولیت کی وضاحت فرما دی۔ کہ النبی اپنے سلسلہ نبوت کے استمداد کے لئے عباد اللہ الصالحین کے وجود کا بالضرور متقاضی ہے تا نبی کی شخصی زندگی کے خاتمہ کے بعد آل نبی اور عباد اللہ الصالحین اس کی تعلیم اور امانت نبوت کے حامل پائے جائیں۔ سو جس طرح السلام علیک ایھا النبی الخ کے فقرہ کے بعد السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین فرما کر نبی کے ساتھ عباد اللہ الصالحین کا الحاق فرمایا۔ اسی طرح اللھم صل علی محمد اور اللھم بارک علیٰ محمد الخ میں وعلیٰ آل محمد کے الحاق کو پیش کیا۔ اور سلام کے الفاظ میں جنہیں عباد اللہ الصالحین کے وصف سے نامزد کیا انہیں ہی صلوٰۃ والی عبارت میں آل محمدؐ کے لفظ سے تعبیر کر دیا۔ اس وضاحت اور الحاق سے آپ کی امید افزا بشارت نے بتا دیا۔ کہ جو کمالات قرب الٰہی اور وصل الٰہی کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہیں۔ وہ سب کے سب ظلی طور پر آپ کی آل کو وراثتاً عطا ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ الصلوٰۃ معراج النبی نہیں فرمایا۔ بلکہ الصلوٰۃ معراج المومن فرمایا۔ کہ اس معراج میں ہر ایک مومن اپنے نبی کی اقتدار میں ظلی طور پر حصہ دار ہے :

ایّھا النبی کے خطاب میں ایک خاص نکتہ

یہ بات کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فوت ہو چکے ہیں۔ اور حاضر نہیں۔ پھر آپ کو التحیات میں سمجھ کر ایھا النبی کے صیغہ مخاطب سے پکارنا کس وجہ سے ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ یہ خطاب شخصی حیثیت سے نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ السلام علیک یا محمد نہیں کہا جاتا۔ اور جہاں درود میں محمدؐ کا لفظ لایا گیا ہے۔ وہاں اللھم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد کے الفاظ سے خطاب خدا تعالیٰ سے کیا ہے۔ اور محمدؐ اور آل محمدؐ کو صیغہ غائب کی حیثیت میں پیش کیا ہے۔ ایھا النبی کے صیغہ خطاب کو لانے سے یہ مدعا ہے۔ کہ مومن نماز کے آخری نتیجہ میں اور اس کے آخری حصہ میں روحانیت کے اس بلند تر مقام کو جس کے حصول کے لئے نماز کو معراج بتایا گیا۔ حاصل کر کے صرف شخصی حیثیت کے محمدؐ کو نہیں۔ بلکہ محمدؐ بشان نبوت کو اپنی ظلیت کے مرتبہ پر مشاہدہ کرے۔ اور انوار نبوت کو مشاہدہ کرتے ہوئے۔ النبی کو پردہ غائب میں نہیں۔ بلکہ مرتبہ شہود میں بانکشاف سر حقیقت و حقیقت سر نبوت مونہہ سے یہ کہے۔ کہ السلام علیک ایھا النبی :

پس یہ خطاب اور صیغہ مخاطب صرف قال کے لحاظ سے نہیں۔ بلکہ حال کے لحاظ سے بھی ہے۔ خدا تعالیٰ ہر مومن کو یہ مرتبہ عطا کرے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

تربیت اطفال کے متعلق نبی کریم کی اصولی تعلیم

از بیگم صاحبہ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم اے قادیان

ایڈیٹر صاحب اخبار الفضل نے مجھے تحریک فرمائی ہے۔ کہ میں اس سال کے خاتم النبیین نمبر کے لئے کوئی مضمون لکھوں۔ میں ان کی بہت ممنون ہوں۔ لیکن آج کل چونکہ میری طبیعت کچھ علیل ہے۔ اس لئے افسوس ہے۔ کہ میں زیادہ نہیں لکھ سکتی۔ صرف نہایت مختصر طور پر مضمون مندرجہ عنوان کے متعلق ایک دو اصولی باتیں عرض کرنا چاہتی ہوں۔

بچوں کی تربیت کا سوال

بچوں کی تربیت کا سوال ایک نہایت اہم سوال ہے جس پر کسی قوم کی آئندہ ترقی کا بہت حد تک دارومدار ہوتا ہے۔ آج کے بچے کل کے بڑے بنتے ہیں۔ اور انہی کے کندھوں پر قوم و ملک کے کاموں کا بوجھ پڑتا ہے۔ اس لئے جہاں اسلام نے ضروریات انسانی کے دوسرے اہم مسائل کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ وہاں اس مسئلہ کے متعلق بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی بابرکت تعلیم دی ہے۔ کہ اگر مسلمان اس پر کاربند ہوں۔ تو یقیناً ان کی ہر آئندہ نسل کا قدم گزشتہ نسل سے آگے رہے۔ اور وہ تنزل اور انحطاط کے خطرات سے محفوظ ہو جائیں۔

بچوں پر والدین کی حالت کا اثر

اس معاملہ میں سب سے پہلی اصولی تعلیم جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے سارے بچے فطرت صحیحہ لیکر آتے ہیں۔ مگر والدین کے حالات اور گردوپیش کے اثرات انہیں بعض اوقات غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ کل مولود یولد علے الفطرۃ فابواہ یہودانہ وینصرانہ یعنی ہر بچہ خدا کی طرف سے فطرت صحیحہ پر پیدا کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے والدین اسے کبھی یہودی بنا دیتے ہیں اور کبھی عیسائی۔ یعنی کبھی اس راستہ پر ڈال دیتے ہیں۔ اور کبھی اُس پر۔ اس اعلےٰ تعلیم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ اصولی بات سکھائی ہے۔ کہ والدین کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ ان کے بچوں کے اخلاق و عادات پر ان کی اپنی حالت کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور نہ یہ خیال کرنا چاہیئے۔ کہ خواہ وہ خود کیسی حالت میں رہیں۔ ان کے بچے اچھے اخلاق و اطوار کے وارث بن سکتے ہیں۔ بلکہ حق یہ ہے۔ کہ والدین کے حالات مخفی یا ظاہر طور پر ضرور ان کے بچوں پر اثر ڈالتے ہیں۔ اور یہ اثر پیدائش سے بھی پہلے پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ طبی طور پر یہ ثابت ہے کہ بچہ درحقیقت اپنے والدین کے جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ جو قدرت کے بعض عجیب و غریب تصرفات کے نتیجہ میں بالآخر انسان کے جسم سے جُدا ہو کر ایک علیحدہ ہستی اختیار کر لیتا ہے۔ اس صورت میں یہ ناممکن ہے۔ کہ اس کی حالت والدین کے حالات سے متاثر نہ ہو۔ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ بعض دوسرے اثرات کے نتیجہ میں یہ اثر کمزور رہے۔ اور زیادہ غلبہ نہ پا سکے۔ یا لوگوں کی ظاہری نظر سے مخفی رہے۔ مگر کوئی عقلمند اس اثر کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا۔ اب دیکھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کتنا بڑا احسان ہے۔ کہ آپ نے اپنی امت کو یہ تعلیم دے کر کہ والدین کے حالات سے بچہ ضرور متاثر ہوتا ہے مسلمانوں کو آئندہ نسلوں کی حفاظت کے لئے کس قدر ہوشیار کر دیا۔ اور یہ بات ان کے ذہن نشین فرما دی۔ کہ وہ اپنے بچوں کی اعلےٰ تربیت کے فرائض سے کبھی بھی پورے طور پر سبکدوش نہیں سمجھے جا سکتے۔ جب تک کہ وہ اپنی حالت کو بھی بہتر نہ بنائیں۔

پیدائش کے وقت سے ہی تربیت کا خیال

دوسری اصولی تعلیم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں کی تربیت کے متعلق یہ دی ہے۔ کہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے۔ کہ بچہ جب بڑا ہو جائیگا۔ تو پھر اُس کی تربیت کا خیال کریں گے۔ بلکہ والدین کا فرض ہے۔ کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کی تربیت کا خیال شروع کر دیں۔ اس وقت گو بچہ بظاہر نہ کچھ سُنتا ہے۔ نہ بولتا ہے۔ اور نہ سمجھتا ہے۔ مگر مخفی طور پر وہ اپنی پیدائش کے ساتھ ہی اپنے گردوپیش کے حالات سے اثر قبول کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور والدین کا فرض ہے۔ کہ اسی وقت سے اس کی تربیت شروع کر دیں۔ چنانچہ اس معاملہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ والدین کو چاہیئے کہ جب کوئی بچہ پیدا ہو۔ تو سب سے پہلی آواز جو اس کے کان میں ڈالیں۔ وہ اذان کی آواز ہو۔ اذان کے الفاظ کو اس موقعہ کے لئے اس لئے چنا گیا ہے۔ کہ ان میں اسلام کا مکمل خلاصہ آجاتا ہے۔ گویا مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی اسے یہ سنا دیں۔ کہ تو اگر دنیا میں ترقی اور فلاح چاہتا ہے۔ تو تیرے لئے یہ راستہ ہے۔

گہری صداقت پر مبنی تعلیم

بظاہر یہ تعلیم کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ اور انسان خیال کرتا ہے۔ کہ ایک ابھی ابھی پیدا ہونے والے بچے کے کان میں اس آواز کے ڈالنے کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ ان الفاظ کے مفہوم اور حقیقت کو سمجھنا تک نہیں۔ بلکہ شائد وہ ابھی کسی آواز کے سننے تک کا ملکہ نہیں رکھتا۔ مگر حقیقت تک پہونچنے والے لوگ جانتے ہیں۔ کہ یہ تعلیم ایک نہایت گہری صداقت پر مبنی ہے۔ بچہ خواہ بظاہر سنے یا نہ سُنے سمجھے یا نہ سمجھے۔ مگر قدرت کے مخفی اثرات کے ماتحت وہ ان الفاظ سے ایک گہرا اثر قبول کرتا ہے۔ دوسرا بڑا فائدہ اس تعلیم میں یہ مدنظر ہے۔ کہ تا والدین کو یہ بات سمجھائی جائے۔ کہ بچہ کی تربیت کے لئے اس کے بڑے ہونے کا انتظار کرنا ایک خطرناک رستہ ہے۔ بلکہ تربیت کا کام پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جانا چاہیئے۔ اس تعلیم کی صداقت میں کئی تلخ مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں۔ جبکہ والدین نے بچہ کی تربیت میں اس کے بڑے ہو جانے کا انتظار کیا۔ مگر اس عرصہ میں بچہ کی عادات ایک غلط راستہ پر پڑ کر ہمیشہ کیلئے خراب ہو گئیں۔ ایسے بچوں کی خرابی کی اصل ذمہ واری ان کے والدین پر ہوتی ہے۔ جو اپنی اولاد کو بھی تباہ کرتے ہیں۔ اور خود بھی خدا اور اس کے رسول کے حکم کو رد کر کے اپنی تباہی کا بیج بوتے ہیں۔

تمام والدین اپنا فرض پہچانیں

تربیت اطفال کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور بھی بہت سی گرانقیمت نصائح فرمائی ہیں۔ اور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق آپ نے خصوصیت کے ساتھ بہت زور دیا ہے۔ کیونکہ لڑکیوں نے بڑے ہو کر قوم کی آئندہ نسل کی مائیں بننا ہوتا ہے۔ جنکی گود میں قوم کے نونہال پرورش پاتے ہیں۔ مگر افسوس کہ میں اپنی علالت طبع کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتی۔ خدا کرے۔ کہ ہمارے مرد اور ہماری عورتیں اس معاملے میں اپنے فرائض کو پہچانیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

غزل نعتیہ

از جناب لچھمی رائن صاحب سخا۔ ریٹائرڈ ڈسٹی مجسٹریٹ جے پور (راجپوتانہ)

مداح خاص ہوں میں اُس شاہِ دوسرا کا
روزِ جزا یہ آخر عقدہ کھُلا جزا کا

بزمِ جہاں کی رونق ہے ایک عکس نگہیں
نورِ ازل پہ چھایا کیا رنگ عشق بنکر

اس عشق اور بقا کو ہم ایک جانتے ہیں
وصفِ نبی میں پیدا ہے حمد کبریا کی

اخلاقِ احمدی نے مصداق کر دیا ہے
نورِ نبیؐ کو سجدے پیش خُدا کرینگے

کافر ہے مومنوں میں۔ مومن ہے کافروں میں
جو کُن کی ہے حقیقت ممدُوح خود خُدا کا

دیدار مصطفےٰ کا۔ دیدار ہے خُدا کا
محبُوبِ کبریا کی رنگینیٔ ادا کا

اعجاز اوّلیں ہے کیا حُسن مصطفےٰ کا
عشاق کو نبیؐ کے کھٹکا نہیں قضا کا

حمدِ خُدا میں پنہاں ہے وصف مصطفےٰ کا
عثمانؓ کو حیا کا صدیقؓ کو وفا کا

دُنیا ہے ایک عالم صد قید نارِ وا کا
عشقِ نبیؐ میں یارب کیا حال ہے سخا کا

قدوسیت کا مظہر اتم

از مولوی جلال الدین صاحب شمس مولوی فاضل سابق مبلغ بلاد عربیہ

صفاتِ الٰہیہ کے مظاہر

انبیاء علیہم السلام خدائے قدوس کی صفات عالیہ کا مظہر اتم اور بروزِ کامل ہوتے ہیں۔ اور اس کی مبارک اور بے عیب ہستی پر دلیل قاطع اور برہانِ ساطع کا حکم رکھتے ہیں۔ دُنیا میں اللہ تعالےٰ وقتاً فوقتاً ان کے ذریعہ اپنی صفاتِ عالیہ کا مختلف رنگ میں اظہار کرتا ہے۔ اور ہر زمانہ میں اپنی قدرت کاملہ کے درخشاں مناظر اور عدیم المثال کرشمے دکھاتا ہے جس سے ثابت ہوجاتا ہے۔ کہ اس مظہر کی مؤید ایک ذات واحد ہے۔ جو ہر وقت اس کی نصرت کرتی اور اُسے دشمنوں کے حملوں سے بچاتی ہے۔ زادگان طاغوت اور پرستارانِ باطل اپنی تمام قہرمانی طاقتوں اور شیطانی لشکروں کے ساتھ اس پاک وجود پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ اس کا اور اس کے قلیل الانفاس اتباع کا تیا پانچا کردیں۔ لیکن ربّ کعبہ کے زور آور حملے دیکھتے دیکھتے ان دشمنوں کا نام ونشان حرف غلط کی طرح صفحۂ گیتی سے مٹا دیتے ہیں۔ اور کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْھَا بالامس کی ایک عبرتناک مثال دُنیا میں قائم ہوجاتی ہے۔

حضرت موسےٰؑ کے مقابلہ میں فرعون کی تباہی

خدا کے پاک نبی حضرت موسےٰؑ اور فرعون کا واقعہ سب کو معلوم ہے۔ کہ خدا کے اس پاک مظہر کے مقابلہ میں فرعون کس طرح اپنے تمام لاؤلشکر سمیت آنِ واحد میں غرق آب ہوگیا۔ اور اس کا وُہ جاہ وجلال اور کرّوفر جس کے برتے پر وُہ زمین وآسمان کا خدا بنا بیٹھا تھا۔ اسے ہلاکت سے نہ بچا سکا۔ اور اس خالقِ کون ومکان خدا نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ذریعہ اپنی صفتِ کبریائی وقہاری کا جلال آفرین مظاہرہ کیا۔

بعثت رسول کریمؐ

اسی طرح آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل مکّہ کی اجاڑ اور بے آب وگیاہ وادی میں خدا کا سب سے برتر اور بزرگ نبی یعنی پیکرِ معصومیّت حضرت محمّد رسول اللہ علیہ وآلہ اَطْیَبُ التَّحِیَّۃ والسّلام مبعوث ہوا۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی صفات کامل طور پر ظاہر ہوئیں۔

معصومیت کا دعوےٰ

اللہ تعالےٰ کی صفات میں سے ایک صفتِ قدوسیت ہے یعنی وُہ تمام عیبوں سے پاک اور منزّہ ہے۔ اس کی اس صفت کا ظہور بھی انبیاء کے ذریعہ مختلف اوقات میں ہوتا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحدی کے ساتھ اپنے تمام مخالفوں کے سامنے دعویٰ کیا۔ کہ میں گناہوں سے پاک اور معصوم ہوں۔ تم مجھ میں کوئی عیب نہیں نکال سکتے۔ حضورؐ نے للکار کر فرمایا۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ میں تمہارے درمیان اپنی عمر کا بیشتر حصہ گزار چکا ہوں۔ جب پہلے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو اب خدا پر کس طرح افتراء کرسکتا ہوں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ یعنی پہلے تم خود مجھے پاکباز۔ صدوق اور امین کے القاب سے ملقب کرتے رہے ہو۔ پس کیا تم میں کوئی ہے۔ جو میری سوانح زندگی پر حرف گیری کرسکے؟ تواریخ شاہد ہے۔ کہ حضور کے اس پُر جلال چیلنج کا کسی نے جواب نہ دیا۔ اور سب نے اپنے عجز آفرین سکوت سے ثابت کردیا۔ کہ حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی پاک باز تمام عیبوں سے پاک۔ معصوم اور صادق ومصدوق نبی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مخالفین کا اعتراض

لیکن تاریکی کے فرزندوں نے اس پیکر معصومیت اور مجسمۂ طہارت پر بھی قسم قسم کے اعتراضات کئے حتےٰ کہ قرآن شریف کی ایک آیت سے بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت پر دال ہے۔ استدلال کیا۔ کہ معاذ اللہ آپ گناہگار ہیں۔ وُہ آیت یہ ہے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَّیَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا۔

مدلل جواب

تیرہ باطن معترضین کہتے ہیں۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گنہگار ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور فتح مبین کی یہ غرض بتائی گئی ہے۔ کہ تا آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کئے جائیں۔ مگر نادان معترض اس آیت کے الفاظ پر غور کرتے اور ذرا تحقیق وتعمق سے کام لیتے۔ تو ان کے استدلال کا سقم ان پر بالکل واضح ہوجاتا۔ کیونکہ ان کے نامعقول استدلال کی رُو سے آیت کے یہ معنے بنتے ہیں۔ کہ ہم نے تجھے فتح مبین دی۔ کیونکہ تو گنہگار تھا۔ (معاذ اللہ)۔ حالانکہ فتح مبین گناہ کا نتیجہ نہیں ہوسکتی۔ اور نہ ہی اتمام نعمت اور نصرت گناہ کے نتیجہ میں ہوا کرتی ہے۔ بلکہ نصرت الٰہی حاصل کرنے کا طریق قرآن نے یہ بتایا ہے۔ کہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ الخ۔ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو۔ اور نیک اعمال بجالاؤ۔ تو اللہ تمہاری مدد کریگا۔

قرآن میں رسول کریمؐ کی معصومیت کا ذکر

قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور گناہوں سے پاک ہونے کا اظہار کئی آیات میں کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ میری عبادت میری قربانیاں۔ میری زندگی۔ اور میری موت سب اللہ تعالےٰ کے لئے ہے۔ جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔ اسی طرح فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔ کہ جو لوگ خدا اور اس کے رسُول کو ایذا دیتے ہیں۔ ان کے لئے عذاب مہین ہے۔ اور دُنیا اور آخرت میں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ پھر آگے فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا۔ کہ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے الزامات لگا کر ایذا دیتے ہیں جن کا انہوں نے ارتکاب نہیں کیا۔ وُہ بہتان باندھنے اور بڑا گناہ کرنے والے ہیں ان آیات سے صاف واضح ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کا عیب اور الزام لگانا ناممکن ہے۔ اور آپ پر کوئی عیب نہیں لگایا جاسکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ قرآن نے رسول کا ذکر کرتے ہوئے بغیر ما اکتسب کی قید نہیں لگائی۔ اور جہاں مومنوں کا ذکر کیا ہے۔ وہاں بغیر ما اکتسبوا کہا ہے۔ چونکہ مومنوں سے گناہ کا صدور ممکن تھا۔ اس لئے بغیر ما اکتسبوا کی قید لگا دی۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۔ کہ آپؐ یتیم ہونے کی حالت میں ہی خدا کی پناہ اور اس کی حفاظت میں آگئے تھے۔ پس صاف ظاہر ہے۔ کہ جو خدا کی حفاظت میں ہو۔ وُہ بالکل معصوم ہوگا۔ اور اس سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوسکتا۔

آیت کے صحیح معنے

اب لیجئے قرآن مجید کی وُہ مشہور آیت جس پر نادان مخالفین نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے۔ اس آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا الخ کے صحیح معنے یہ ہیں۔ کہ ہم نے تجھے فتح مبین دی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ڈھانپ دے اور مٹا دے تمام وُہ گناہ جو کافر تیری طرف منسوب کرتے ہیں۔ یا آئندہ کرینگے۔ اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے۔ اور صراط مستقیم پر تجھے قائم رکھے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ فتح مکّہ کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ کفار جو تجھے مفتری اور کاذب کہکر افترا اور کذب جیسے گناہ تیری طرف منسوب کرتے ہیں۔ فتح مکّہ کے بعد ان باتوں سے وُہ رک جائیں گے۔ اور تیری صداقت اُن پر واضح ہوجائیگی چنانچہ اکثر قبائل عرب نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ کہ اُتْرُکُوْہُ وَقَوْمَہٗ فَاِنْ ظَھَرَ

علیہم فانہ نبی - کہ اسے اور اس کی قوم کو آپس میں لڑنے دو۔ اگر یہ ان پر غالب آگیا - تو ضرور نبی ہے - پس لوگ اسی انتظار میں تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم پر غالب آتے ہیں - یا مغلوب ہوجاتے ہیں - سو فتح مکہ کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو قریش پر غلبہ عطا فرمایا - جس کی وجہ سے تمام قبائل اور عرب کے لوگ آپؐ کی صداقت کے قائل ہو گئے - اور جو گناہ (افتراء علی اللہ اور جھوٹ) آپؐ کی طرف منسوب کئے جاتے تھے - وُہ سب فتح مبین سے دُور ہوگئے - لوگوں کی حجتیں باطل ہوگئیں - شبہات دلوں سے اُٹھ گئے - اور یدخلون فی دین اللہ افواجا کا چمکتا ہوا نشان دُنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا

دوسرا امر - اتمام نعمت بتایا - کہ جسمانی اور روحانی دونوں طرح اللہ تعالےٰ کی نعمت کا اتمام ہوگا - اور تیسری بات یہ فرمائی - کہ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی ایک نئے رنگ میں تجلی دکھائیگا - کہ گروہ در گروہ لوگ اسلام میں داخل ہونگے - اور ان پر اچھی طرح روشن ہو جائے گا - کہ واقعی آپؐ صراط مستقیم پر ہیں - چوتھی بات یہ بتائی - کہ خدا تعالےٰ تمہاری غالب مدد کریگا -

ایک اور آیت

اس امر کی مزید تائید اور وضاحت کے لئے کہ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر الخ کے صحیح معنے وہی ہیں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں - میں ایک دوسری آیت پیش کرتا ہوں - اللہ تعالےٰ فرماتا ہے - ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام و حیثما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ لئلا یکون للناس علیکم حجۃ الا الذین ظلموا منھم فلا تخشوھم واخشونی ولاُتم نعمتی علیکم ولعلکم تھتدون

یعنی اے رسول جس مقام سے بھی تو لڑائی کے لئے نکلے - تیرا اس سے اصل مقصود یہی ہو کہ مسجد حرام کو فتح کرنا ہے - اور اے مومنو! جہاں کہیں بھی تم ہو - تمہارے مدنظر یہی ہو - اور ہر وقت اپنی توجہ اسی طرف رکھو - کہ مکہ فتح ہو جائے - آگے فتح مکہ سے جو نتائج نکلنے والے تھے - ان کا ذکر کیا ہے - فرمایا - ایک فائدہ یہ ہوگا - کہ لوگوں کے لئے تم پر کوئی حجت یا اعتراض باقی نہ رہیگا - ہاں جو لوگ ظالم اور بے انصاف ہیں - وُہ بکواس کرتے رہیں گے - لیکن ان کو کوئی وقعت حاصل نہ ہوگی تم ان کی ژاژ خائی اور فتنہ انگیزی سے مت ڈرو - صرف میری بے نیازی سے خوف کرو -

فتح مکّہ کا نتیجہ

پس ان دونوں آیتوں کا ایک ہی مطلب ہے - یعنی پہلی آیت میں فرمایا - (۱) لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر - کہ فتح مکہ سے ایک غرض یہ ہے - کہ لوگ افتراء علی اللہ کا گناہ جو تیری طرف منسوب کرتے ہیں - اس کا دفعیہ ہو جائے - اور اُن کا یہ اعتراض کہ تو مفتری ہے - باطل ہو جائے - دوسری غرض ویتم نعمتہ علیک کہ اللہ تجھ پر اپنی نعمت کا اتمام کرے - اور تجھے ہر طرف سے خدا کی نصرت پہونچے - تاکہ تیرا صادق ہونا ظاہر ہو جائے - کیونکہ جھوٹے اور مفتری خائب و خاسر اور اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہیں - ان کو ہر قسم کی نعمتیں حاصل نہیں ہوتیں - تیسری بات ویھدیک صراطا مستقیما فرمائی - یعنی لوگوں کو معلوم ہو جائیگا - کہ تو سیدھے راستہ پر ہے اور خدا نے تجھے صحیح راستہ پر قائم کیا ہے - یہی تین باتیں جو فتح مکہ سے حاصل ہوئیں - اس آیت میں بتائی ہیں - اول یہ کہ لئلا یکون للناس علیکم حجۃ - لوگوں کا کوئی اس قسم کا اعتراض اور حجت کہ آپؐ مفتری ہیں - باقی نہ رہے - اور ان کا ناطقہ بند ہو جائے - دوسری بات ولاتم نعمتی علیکم کہ اللہ تعالےٰ تم پر اپنی نعمت کا اتمام کرے - اور تمہیں دنیوی شوکت وحشمت اور دینی رعب عطا کرے - تاکہ تمہیں اہل مکہ ذلیل وحقیر نہ سمجھیں - تیسری بات یہ کہ ولعلکم تھتدون - تم ہر بات میں سیدھی راہ پر رہو - اور لوگوں کو پتہ لگ جائے - کہ تم صراط مستقیم پر ہو -

پس ما تقدم من ذنبک کے مقابلہ میں اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں لئلا یکون للناس علیکم حجۃ - رکھا ہے - جو اس بات کی صاف دلیل ہے - کہ من ذنبک سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی گناہ نہیں - بلکہ اس سے وُہ گناہ مراد ہیں - جو بطور اعتراض آپؐ پر کئے جاتے تھے - یعنی افتراء اور تقول علی اللہ وغیرہ جو فتح مکہ کے ذریعہ دُور ہو گئے - اور آپؐ کی سچائی تمام لوگوں پر ظاہر ہوگئی - اور تمام حجاز آپؐ کی قدوسیت اور طہارت و معصومیت کا قائل ہو گیا - کہ آپؐ واقعی اللہ تعالےٰ کے سچے رسول ہیں - مفتری اور جھوٹے نہیں - اور آپؐ کی قوم قریش نے فتح مکہ کے بعد علی الاعلان اعتراف کیا - اور کہا - کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا نے تجھے ہم پر فضیلت دی ہے - ہم بے شک گنہگار اور غلطی پر تھے - جو ہم نے افتراء کا گناہ تیری طرف منسوب کیا - اور تجھے جھوٹا کہا - حضور نے یوسفی شان دکھلاتے ہوئے سب کو معاف کر دیا اور فرمایا - لا تثریب علیکم الیوم - کہ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں - جاؤ میں تمہیں معاف کرتا ہوں - اور اللہ تعالےٰ سے دُعا کرتا ہوں - کہ وُہ تمہیں بخش دے - اور وہ ارحم الراحمین ہے -

اللّٰھم صل علی محمد وعلی ال محمد وبارک وسلم

مومن کی صفت

صہیبؓ سے روایت ہے - کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے تمام کام عجیب ہوتے ہیں - اور یہ امر صرف مومن ہی کو حاصل ہے - کہ اگر اس کو آرام پہنچے - تو شکر کرتا ہے جس کے نتیجہ میں خیر ہی خیر ہے - اور اگر مصیبت پہونچے - تو صبر کرتا ہے - اور اس کا نتیجہ بھی بھلا ہی بھلا ہے (مسلم)

حبیبِ باری

(از سید ابوالحسن صاحب قدسی ابن حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہید)

اے حبیب حضرتِ باری دل وجانِ شما
ہست برتر از ہمہ بعد از خدا شانِ شما

زینت وزیبِ چمن از چہرۂ زیبائے تو
رونق دُنیا و دیں از رُوئے تابانِ شما

از شعاعِ رُوئے تو بارانِ آبِ زندگی
مشعلِ راہِ ہُدے نورِ نمایانِ شما

در فضائے اوجِ جاہت شد ہمائے عقل گم
آسماں را کے بود نسبت بایوانِ شما

شد سُلیماں تابعِ مُہرِ تو پس نبود عجب
گر سلیمانی کند کس زیرِ فرمانِ شما

کس ز طوفانِ بلا ہرگز نخواہد شد خلاص
جز کسے کو دست زد محکم بدامانِ شما

رفت موسےٰ و عصائے خویش را با تو سپرد
صد مسیحا ہمچو طفلاں در گریبانِ شما

ختم شد بر تو کمال و خوبی و حسن وجمال
شوخیٔ خوباں ہمہ قربانِ یک آنِ شما

اے طبیبِ جاں خدارا حالِ بیماراں بپرس
زانکہ ہست آخر شفائے شاں ز درمانِ شما

از قدِ دلجوئے تاں باشد قرارِ جان و دل
وز خمارِ چشم تاں ہستند مستانِ شما

جز رُخت چیزے دگر کے باعثِ درماں شود
پیچ و تابِ عاشقاں از زلفِ پیچانِ شما

از ملاحت شور برپا کردہ حُسنت ہر طرف
یوسفِ مصری غلامِ حُسن و احسانِ شما

نافۂ مشکِ ختن شُد غالیہ سائے دماغ
چُوں شمید آں بوئے خاکِ عنبر افشانِ شما

دلبرانِ بیوفا را وعدہ کے باشد درست
آفریں صد آفریں بر عہد و پیمانِ شما

میفزاید حیرتم چوں عہدِ تو آرم بیاد
گر فشانم جاں دریں رہ نیست شایانِ شما

در حضورت میکند دل عرضِ شوقِ خود چنیں
کاے فدایت چشم ما و پائے دربانِ شما

قوتِ قُدسی بجنبش آمد و مدحے نوشت
تا بود یادِ شما یادِ ثنا خوانِ شما

خدا تعالےٰ نے ابتدائے تخلیق آدم سے مختلف قوموں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے پے بہ پے اپنے رسول بھیجے جنہوں نے مخلوق خداوندی کو جادۂ استقامت پر چلایا۔ اور ان کے روحانی ارتقاء ترقی و بہبودی کے لئے حسب ضرورت خدا تعالےٰ سے ہدایت پا کر سامان مہیا کئے۔

لیکن جب مخلوق خدا ایک طرف ارتقاء ذہنی کے بلند ترین مقام پر پہنچ گئی۔ اور دوسری طرف کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی کی گھنگھور گھٹائیں دنیائے روحانیت پر امڈ آئیں۔ اور مطلع توحید مکدر ہو گیا۔ تو فاران کی چوٹیوں پر سے شمس منیر طلوع ہوا۔ جس کی ظلمت پاش ضیا باری سے عالم روحانیت بقعۂ نور بن گیا۔ اور اس کی چکا چوند روشنی نے افواج باطل کی آنکھوں کو خیرہ کر کے ان کو ظلم و تشدد کے پردہ میں مونہہ چھپانے پر مجبور کر دیا:

کوہ سینا سے آ کر فاران کی چوٹیوں پر سے تمام دنیا پر جلوہ گر ہونے والا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ دہنے ہاتھ میں آتشی شریعت لے کر آنے والا[1] مظہر خدا میرا آقا عرب[2] کا محمد تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ خدا کا یہ عظیم الشان نبی فطرت انسانی کو ایک دفعہ پھر الست بربکم؟ کے جواب میں قالوا بلیٰ کا سبق پڑھانے اور راہ گم کردہ مخلوق کو ہادیٔ کامل بن کر منزل مقصود پر پہنچانے آیا تھا۔ بلکہ نسل آدم کو حقیقی معنوں میں انسان بنانے آیا تھا:

اس سے پہلے بھی خدا تعالےٰ کے ہزاروں انبیاء آئے۔ انہوں نے اپنی طاقتوں اور استعدادوں کے مطابق دنیا میں انقلابات پیدا کئے مرذیل قوموں کو اعزاز بخشا۔ اور توحید خداوندی کے تریاق کو کفر و شرک کے زہر کے اثرات زائل کرنے کے لئے پیش کیا مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ نشر توحید کے لئے ان کی شبانہ روز کوششیں عنداللہ ساجود اور عندالناس مشکور ہوئیں مگر انہوں نے ایک محدود دائرہ کے اندر اپنے فرض منصبی کو سرانجام دیا۔

مگر عرب کا یہ مہتم بالشان نبی رحمۃ للعالمین بن کر تمام دنیا پر ابر رحمت کی طرح چھا گیا۔ اور اپنی بے انداز قوت قدسی کے ساتھ کروڑوں اور اربوں انسانوں کو نہ صرف یہ کہ حالت حیوانی سے نکال کر انسان بنا دیا۔ بلکہ انسان کو با خدا انسان بنا دیا: صلے اللہ علیہ وآلہٖ

حضرت موسیٰ و عیسےٰ علیہما السلام میں معجزات کی کمی نہ تھی۔ ان کے صادق اور راستباز ہونے کے خلاف بھی کوئی قابل اعتناء امر پیش نہ کیا جا سکتا تھا مگر باوجود اس کے ان کی جماعتوں کا ہر مشکل اور ہمت طلب موقع پر کمزوری دکھانا اور ہر ابتلاء میں ان کے پایۂ استقلال و استقامت کا متزلزل ہو جانا ظاہر ہے۔ اور یہ مبرہن حقیقت ہے۔ کہ جن امور میں نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو دوسرے تمام انبیاء پر فضیلت ہے۔ ان میں سے اہم ترین آپ کی قوت قدسی کا کمال بھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل شراب کو جس کثرت اور شدت کے ساتھ استعمال کیا جاتا تھا۔ بلکہ کثرت استعمال کو فخریہ بغرض اثبات فضیلت پیش کیا جاتا تھا۔ اس پر حفص بن الاحنف الکندی کا مندرجہ ذیل شعر گواہ ہے۔ شاعر مذکور اپنے ممدوح کی تعریف میں کہتا ہے

لا تنفری یا ناق منہ فانہ۔ شریب خمر مسعر لحروب

کہ اے ناقہ! تو ربیعہ ابن مکدم سے مت جھجک کیونکہ وہ بہت زیادہ شراب پینے پلانے والا اور لڑائی کی آگ کو بھڑکانے والا ہے:

غرضیکہ اہل دنیا کے لئے عموماً اور اہل عرب کے لیے مخصوصاً شراب جزو زندگی بن چکی تھی۔ اور اس کا ترک کرانا ایک امر محال معلوم ہوتا تھا۔ مگر اس عظیم الشان کام کا سرانجام دینا ہمارے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حصہ تھا۔ آپ کی طرف سے ایک ہی آواز بلند ہوئی۔ کہ حرمت الخمر یعنی شراب حرام کر دی گئی۔ اس پر شراب کے مٹکے توڑ دیئے گئے۔ شراب سے بھرے ہوئے جام لنڈھا دیئے گئے۔ اور ہمیشہ کے لئے شراب پینے پلانے کا تذکرہ گلدستۂ طاق نسیاں ہو کر رہ گیا (بخاری کتاب التفسیر جلد ۳ صفحہ ۸۴ مصری)

آج حکومتیں اپنے قانون اور بے پناہ طاقت کی مشین کو شراب نوشی کے انسداد کے لئے حرکت دیتی ہیں۔ شراب پینے پلانے والے کے لئے سخت ترین سزائیں تجویز کرتی ہیں۔ مگر کامیاب نہیں ہوتیں۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ بجائے شراب نوشی کا انسداد ہونے کے گھر گھر شراب کشید ہونے لگتی ہے۔ اور ناجائز طور پر حدود ملک میں داخل کی جاتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ جو کام محمد عربی صلعم کی قوت قدسی نے زبان کی ایک ہی جنبش سے لمحہ بھر میں کر دیا۔ دنیا کی کسی بڑی سے بڑی حکومت کے لئے ممکن نہیں۔ کہ اپنے بے انداز ساز و سامان اور غیر محدود اقتدار و ذرائع حکومت کے باوجود اسے کر سکے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جس قعر ذلت سے نکالا تھا۔ اس کا نقشہ خدا تعالےٰ نے یسومونکم سوء العذاب کی تشریح میں یذبحون ابناءکم ویستحیون نساءکم کے جامع الفاظ میں کھینچا ہے۔ مگر ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد پر ایک گائے ذبح کرنے پر لیت و لعل کرنا۔ اور عجیب طرح کی حیلہ جوئی سے خدا تعالےٰ کے حکم کو ٹالنا وفور محبت اور جذبۂ اطاعت پر دلالت نہیں کرتا۔ پھر ارض مقدسہ میں داخل ہونے کے حکم پر ان کا اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون کا تیکھا سا جواب دے دینا۔ کہ اے موسیٰ تو اور تیرا رب دشمنوں سے جا کر لڑتے پھرو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ اصحاب موسیٰ کے ایمان باللہ و توکل علی اللہ کو کامل طور پر آشکار کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ کے حواریوں کا ان کے ساتھ بے وفائی کرنا۔ قدم قدم پر ٹھوکر کھانا اور بزدلی دکھانا ایسی باتیں ہیں جو بالکل ظاہر ہیں:

لیکن عرب کا رسول وہ مزکیٔ اعظم تھا جس نے اپنی قوت قدسی کے طفیل ہزاروں لاکھوں انسانوں کو اپنی شمع تقدس کا پروانہ بنا لیا۔ جو اس کی ایک ہی جنبش لب پر دنیا کی عزیز سے عزیز اور محبوب سے محبوب چیز قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے خدا کے اس برگزیدہ نبی کی صداقت کے معجزات اور نشانات دیکھے اس کے ساتھ خدا کی تائید و نصرت کو انہوں نے بارہا مشاہدہ کیا۔ پھر اس کی صداقت شعاری۔ راست گفتاری۔ اس کا توکل علی اللہ و تبتل الی اللہ اس کا حسن ظاہری و باطنی ان کے لئے قابل تقلید اسوۂ حسنہ تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ دنیا کی بڑی سے بڑی مادی طاقت بھی ان کو جادۂ استقامت سے منحرف نہ کر سکتی تھی۔ ان کا رشتہ محبت خدا سے استوار ہو چکا تھا۔ وہ دنیوی تکالیف مصائب شدائد سے بڑھ بڑھ کر اس نبی امی کی معیت میں مارے جانے کو وصال الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ اپنے کام سے مطمئن منزل مقصود کی طرف شاداں و فرحاں قدم بڑھائے چلے جاتے تھے۔ اور دنیا میں خدا تعالےٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے سوا ان کا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ انہوں نے خدا کے نبی کے ساتھ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے صحابہ کا سا سلوک نہ کیا۔ بلکہ اپنی وفاداری اور کامل محبت کا ثبوت یہ کہہ کر دیا لا نقول کما قال اصحاب موسیٰ اذھب انت وربک فقاتلا ولکنا نقاتل عن یمینک وعن شمالک وبین یدیک وخلفک (بخاری کتاب المغازی جلد ۳ صفحہ ۲ مصری) کہ اے اللہ کے رسول ہم آپ کو اصحاب موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے۔ کہ تو اور تیرا رب جا کر لڑو۔ بلکہ ہم آپ کے دائیں اور آپ کے بائیں۔ اور آپ کے آگے اور آپ کے پیچھے لڑیں گے یہاں تک کہ

[1] استثنا ۳۳ [2] گلتیوں ۴

آپ کے اشارہ پر ہم اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیں گے۔ اور دشمن آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے گا۔ جبتک کہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ آئے۔ پس امض ونحن معک چلئے آپ ہم آپکے ساتھ ہیں۔ غرضیکہ یہ وہ قوت قدسی تھی۔ جس نے عرب کی مردہ قوم میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔

جنگ حنین کے موقعہ پر مسلمانوں کے تمام بکھرے ہوئے لشکر کو ؎

انا النبی لا کذب = انا ابن عبد المطلب

کی باطل شکن آواز کے ساتھ مجتمع کر دیا۔ اور تمام بھاگتے ہوئے انصار کا "اے انصار خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے" کی آواز پر پروانوں کی طرح جمع ہو جانا یہ آنحضرت صلعم کی بے عدیل قوت جاذبہ پر برہان قاطع ہے۔ یہ آنحضرت صلعم کی قوت قدسیہ کا ہی کمال تھا کہ ایسا ناممکن الوقوع کام ایک ہی جنبش لب سے انجام پذیر ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبهم ولکن الله الف بینهم کہ اے نبی عربیؐ اگر آپ تمام دنیا کے خزانے اس غرض کے حصول کے لئے خرچ کر دیتے۔ کہ کسی طرح لوگوں کے دلوں میں محبت و مودت پیدا ہو جائے تو پھر بھی یہ ممکن نہ تھا۔ یہ تو خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ کہ اس نے یہ محبت اور عشق مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔ آنحضرت صلعم ہی کی قوت قدسی کا نتیجہ تھا کہ ابوسفیان جب اسلام لانے سے قبل بطور سفیر مدینہ میں آیا۔ اور آپکے گھر میں آپ کے جائے نماز پر بیٹھنے لگا۔ تو اسی کی بیٹی (حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ) نے اس کے نیچے سے جائے نماز یہ کہہ کر نکال لیا۔ کہ یہ خدا کے مقدس رسول کا مصلےٰ ہے اس پر ایک مشرک نہیں بیٹھ سکتا۔ خواہ وہ میرا باپ ہی کیوں نہ ہو ؎

حضرت بلالؓ، خبیبؓ، زھیرہ، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم وغیرہ غلاموں کو رسوم جاہلیت کی بنا پر ذلیل ترین مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوت قدسی نے ان کو دنیا کی معزز ترین ہستیوں میں شامل کر دیا۔ آج کروڑوں انسان دنیا میں موجود ہیں۔ جو ان لوگوں کی غلامی کو اپنے لئے باعث صد افتخار خیال کرتے ہیں۔ حضرت اسامہؓ جو غلام زادہ تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں اسلامی لشکر کی قیادت کرتے ہوئے جنگ پر جا رہے تھے۔ تو خدا کا مقرر کردہ خلیفہ ان کو الوداع کرنے کی غرض سے ان کے گھوڑے کے ساتھ پیدل چل رہا تھا۔ اور حضرت اسامہؓ کے متواتر اصرار کے باوجود سوار نہ ہوا۔ تاکہ زبان حال سے اس بات کا اعلان کرے۔ کہ آنحضرت صلعم کی قوت قدسی نے جاہلیت کی تمام رسوم کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ اسلام میں نہ کوئی غلام ہے نہ آقا۔ نہ کوئی عربی ہے نہ کوئی عجمی۔ آج اسلامی دنیا میں معیار عزت کسی بڑے خاندان کے ساتھ متعلق ہوتا نہیں۔ بلکہ وہ شخص جو خدا اور اس کے رسول کی نظروں میں اپنے تقویٰ کی وجہ سے معزز ہے۔ وہی ہر مسلمان کے لئے واجب التعظیم اور قابل تقلید ہے ؎

سب ایک ہیں برہمن و شودر سیاہ سفید۔ اسلام میں تمیز نہیں ذات پات کی

آنحضرت صلعم ہی کی قوت قدسی نے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علی رضی اللہ عنہم

عیسائی دنیا پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے احسانات

از جناب مفتی محمد صادق صاحب سابق مبلغ یورپ و امریکہ

حضرت رحمۃ للعالمین خاتم النبیینؐ کے احسانات ساری دنیا پر عام ہیں۔ آپ کا وجود باوجود نہ صرف دوستوں کے واسطے موجب برکت و رحمت ہوا۔ بلکہ آپ کے دشمن بھی آپ کی بخششوں اور فضلوں سے بہرہ ور ہوئے۔ یہود تو اپنے بت خانوں میں سوائے بت پرستی کے کسی کو گھسنے نہیں دیتے تھے۔ مگر ان کا اثر یہود و نصارےٰ پر بھی ہو رہا تھا۔ کہ بیت ایل اور کنیسہ میں غیر مذہب کے لوگوں کا داخلہ ناپسند ہونے لگ گیا تھا۔ حضرت خیر الرسل نے نجران کے عیسائیوں کو اپنی مسجد میں گرجا کر لینے کی اجازت دے کر عام انسانی اخوت اور رواداری کا ایک ایسا اعلےٰ نمونہ دکھایا جس کی نظیر مذاہب عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بائیبل جو یہود اور عیسائیوں کی کتب مقدسہ کا مجموعہ ہے۔ باوجود اس تمام تحریف و تبدیل کے جو اس میں ہو چکی۔ اب تک صدہا پیشگوئیوں کی حامل ہے۔ اور ان میں سے بہت سی پیشگوئیاں ایسی ہیں۔ کہ اگر انہیں اس شاہ دو عالم پر منطبق نہ کیا جائے۔ تو ان کے پورے ہونے کی اور کوئی صورت ہی نہیں۔ عبرانی زبان میں مسیح کے معنے ہیں مسح کیا گیا۔ اور چونکہ رسوم قدیمہ کے مطابق کسی بادشاہ کے تخت نشین ہونے پر اس کے سر پر تیل ملا جاتا تھا۔ اس واسطے لفظ مسیح بادشاہ اور سلطان کے معنوں میں بائیبل میں اکثر جگہ استعمال ہوا ہے۔ بائیبل میں در اصل جن بادشاہوں یعنے مسیحوں کے آنے کی پیشگوئیاں ہیں۔ وہ ایک نہیں۔ بلکہ تین ہیں۔ مگر عیسائی لوگ یہ غلطی کرتے ہیں۔ کہ ان تمام پیشگوئیوں کو صرف مسیح ناصری پر چسپاں کرنے کی بے فائدہ کوشش کرتے ہیں ؎

غرض ان پیشگوئیوں کا صحیح طور پر پورا کرنا۔ اور اس طرح عیسائیوں کی مقدس کتاب کو سچا کر دکھانا بھی عیسائی دنیا پر ایک بڑا احسان ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم محمدی کا جو ایک عملی اثر عیسائی دنیا پر پڑا ہے۔ اس نے ان قوموں کے اخلاق اور اعمال میں ایک بھاری تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ جنہوں نے اگرچہ اسلام کو قبول نہیں کیا۔ مگر اسلامی اصول زندگی کو اپنے اندر داخل کر لیا ہے مثلاً اسلام سے قبل عورتوں کے واسطے کوئی جائدادی حقوق نہ تھے۔ عورت اپنے خاوند کے مظالم سے بچنے کے لئے یا مرد اپنی آزار بیوی کے شر سے محفوظ رہنے کے واسطے طلاق کا کوئی حق نہ رکھتا تھا۔ شراب حلال سمجھی جاتی تھی۔ بیوی کی وفات کے بعد کوئی مرد اپنی فوت شدہ بیوی کی بہن سے شادی نہ کر سکتا تھا۔ غلاموں کے ساتھ اس طرح سلوک کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ گدھوں اور مویشیوں کے ساتھ۔ عام لوگ کتب مقدسہ کو پڑھ اور سیکھ نہ سکتے تھے۔ اور یہ تمام عیوب عیسائیوں میں عام تھے۔ مگر اسلام کی عملی زندگی سے نمونہ حاصل کر کے رفتہ رفتہ عیسائی دنیا نے عورتوں کے واسطے جائدادی حقوق منظور کئے۔ معاشرتی مجبوریوں میں طلاق کا دینا جائز قرار دیا۔ شراب کی مخالفت کے ایکٹ پاس کئے۔ فوت شدہ بیوی کی بہن سے شادی جائز کر دی۔ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کو بڑھاتے ہوئے رفتہ رفتہ ان کو آزاد کر دیا اپنی کتب مقدسہ کے پڑھنے کی عوام کو اجازت دی ؎

یہ سب اخلاق حسنہ عیسائی دنیا نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مقدس تعلیم سے حاصل کئے۔ ورنہ ان کی کتب مقدسہ اور رواج و عمل میں ان اخلاق کا ہرگز پتہ نہ تھا ؎

پھر ایک اور بڑا احسان جو عیسائی دنیا پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا۔ یہ ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عیسیٰؑ ابن مریم اور دیگر انبیاء مذکور در بائیبل کو ان تمام عیوب اور ناپاک باتوں سے بری ٹھہرایا۔ جو بائیبل کے مروجہ نسخے ان کے مقدس وجود پر عائد کرتے تھے۔ اور انہیں معمولی اخلاق انسانی سے بھی گراتے تھے۔ بلکہ یہود کے جواب میں حضرت عیسیٰؑ کی ماں مریم کو بھی صدیقہ ٹھہرایا اور حضرت عیسےٰ کے گلے سے صلیب پر مرنے کی لعنت کے طوق کو اتار پھینکا۔ نیز انجیلی فقروں کے برخلاف انہیں ماں کا فرمانبردار بیٹا قرار دیا ؎

غرض حضرت سرور انبیاء، سردار دو عالم خیر رسل کے احسانات عیسائیوں پر اس قدر ہیں۔ کہ اگر وہ صدق دل سے غور کریں۔ اور شکر گزار قلب اپنے سینہ میں رکھتے ہوں۔ تو فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی میں داخل ہونا اپنے لئے فخر سمجھیں ؎

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی

از جناب مولوی محمد نواب خانصاحب ثاقب مالیرکوٹلوی

یوں تو ہے عمر جوانی کی خدا کی نعمت
زندگی میں ہے یہ انساں کیلئے اک دولت
نیک اعمال کی دیتی ہے جواں کو قوت
نوجواں رکھتی ہے پیری میں بدن کی طاقت
ضبط جو رکھتے ہیں مردانگی میں فرد ہیں وہ
جن کو قابو ہے جوانی پہ جوانمرد ہیں وہ

اب سنو سرورِ عالم کی جوانی کا بھی حال
آپ کا حسن وجمال اور وہ زیبا خط و خال
آپ کا روئے منور رخ خورشید مثال
آپ کے حسن سے شرمندہ حسینوں کا جمال
بدر سے آپ کی پیشانی روشن بڑھکر
خط پیشانی مہ عید سے بھی زیبا تر

آپ کی چشم جہاں بیں میں خدا کا جلوہ
جس کا ہر تار نظر نور وضیا کا جلوہ
مردم دیدہ میں اک حسن وصفا کا جلوہ
چشم بیمار عیاں دیکھے شفا کا جلوہ
پڑ گئی جس پہ نظر کر گئی پر نور اُسے
نشہ رادق ایمان سے مخمور اُسے

چشمۂ فیض جہانگیر دہانِ حضرت
زندہ کن معجزۂ خاص بیانِ حضرت
تشنہ کاموں کیلئے آب زبانِ حضرت
رشک صد کوثر وتسنیم لسانِ حضرت
جو کہی بات کہی صدق وصداقت سے بھری
اور امانت سے بھری دین ودیانت سے بھری

سینۂ صاف میں انوار خدا روشن تھے
جس میں قندیلِ خوش مہر ولا روشن تھے
حق کے ایوان میں فانوس لقا روشن تھے
بقعۂ نور میں صد علم و ذکا روشن تھے
حق تعالیٰ نے یہ خود صاف کیا تھا سینہ
پانی کی طرح ہے دیکھ جیسے آئینہ

خامہ کو تاب کہ حضرت کا سراپا لکھے
آپ کے حسن جہاں تاب کا نقشہ کھینچے
آنکھ کیا شے ہے جو اس نور کا جلوہ دیکھے
خود کو حیران کرے اور محو تماشا رکھے
آپ کا جسم مطہر تھا خدا کا مظہر
آپ کا قلب منور تھا ضیا کا پیکر

ایسی زیبائی و رعنائی میں عفت تھی کمال
یہ توانائی مگر ضبط کی قدرت تھی کمال
جذبہ نفس دبا لینے کی طاقت تھی کمال
اپنی قوت کو بچا رکھنے کی ہمت تھی کمال
پورے پچیس برس یکہ وتنہا کاٹے
رہ کے پاکیزہ دبے لوث مصفا کاٹے

یہ توانائی یہ زیبائی یہ رعنائی تھی
دلربائی تھی عجب اور دلآرائی تھی
حضرت حق سے مناجات تھی تنہائی تھی
بس انہیں حضرت اللہ سے یکتائی تھی
ان کے آئینۂ دل میں تھا وہی یار ازل
خانۂ دل میں مکیں تھا وہی دلدار ازل

کد خدا ہوتے ہیں جس وقت کہ ہیں پورے جواں
ایک خاتونِ چہل سالہ سے سرتاج جہاں
ہاں خدیجہ وہ وفادار نبی راحت جاں
جس نے قربانِ نبی کر دیا سارا ساماں
شمع تھے حضرت والا وہ تھیں پروانہ مثال
پیار تھا حد سے زیادہ تو محبت تھی کمال

الغرض اس سے پچیس برس آئے بسر
پیار اخلاص سے مل کر رہے شیر وشکر
بس یہی سچی محبت کا دلوں میں تھا اثر
کر دیا خرچ رہِ حق میں جو تھا مال وزر
آئے جبریل نبوت کی بشارت لیکر
لائیں ایمان نبی پر بدل شاداں تر

جب خدیجہ ہوئیں اس دارِ فنا سے رخصت
کھل گیا رہنے کو جا تا سرائے جنت
اس مصیبت میں پریشان ہوئے آنحضرت
یاد آتی رہی خاتون وفا کی صحبت
کیا لکھیں حضرتِ والا کے غم و درد کا حال
نام اس سال کا رکھا تھا غم و درد کا سال

حق تعالیٰ نے گھٹا غم کی گھٹائی آخر
وحی میں بات عجوبہ یہ جتائی آخر
پہلے جو راز میں تھی صاف بر آئی آخر
دل کے ڈھارس کی جو صورت تھی دکھائی آخر
عقد باندھا گیا نوشاہ کا اک دختر سے
یعنی صدیق ابوبکر کی نیک اختر سے

پورے دس سال رہیں مل کے بگڑنا کیسا
رُوٹھنے کے نہیں کچھ معنے جھگڑنا کیسا
دو بدو ہونے کا کیا تذکرہ لڑنا کیسا
ضد سے اصرار سے انکار سے اڑنا کیسا
کلمۂ الفت حضرت وہ پڑھا کرتی تھیں
باتیں اللہ کی نبی دل سے سنا کرتی تھیں

آپ کے خلق معطر سے معطر رہتیں
آپ کے نور نبوت سے منور رہتیں
والہ وشیفتہ روئے پیمبر رہتیں
دل سے جویائے رضامندی سرور رہتیں
کان رکھتی تھیں جو پیغام سناتے تھے حضور
یاد رکھتی تھیں جو احکام بتاتے تھے حضور

شادی صدیقہ سے کرنے میں نہاں تھی حکمت
ذہنِ نقاد میں قدرت سے ملی تھی جودت
طبع وقاد دکھاتی تھی بیاں میں جدت
فقہ کے مسئلے حل کرنے میں پوری قدرت
شرع اسلام خواتین میں پھیلاتی تھیں
راز کی بات زن ومرد کو سمجھاتی تھیں

بیویاں اور بھی حضرت کی ہوئیں پاک سے پاک
کارنامے ہیں ہر اک بیوی کے سب حیرتناک
دین اسلام کے پھیلانے میں ساری بیباک
مال وزر زیور دنیا کو سمجھتی تھیں خاک
صبر اور شکر کی نعمت سے رہیں مالامال
دولت وحشمت دنیا کو سمجھتی تھیں وبال

بیویاں حضرت والا کی نکوکار تھیں سب
دین کے کام میں حضرت کی مددگار تھیں سب
جاں نثار آپ کی اور پوری وفادار تھیں سب
صلح جو امن طلب دشمن پیکار تھیں سب
معجزہ کہتے ہیں اس کو کہ خوش ایک ایک رہیں
ایک سے ایک نکوکار تریں نیک رہیں

یا خدا تو مجھے دیوانۂ احمد کر دے
اور دیوانۂ مستانۂ احمد کر دے
سوزش عشق میں پروانۂ احمد کر دے
الغرض عاشق فرزانۂ احمد کر دے
نعت خوانی میں بسر عمر ہو ثاقب کی تمام
دفتر پاک میں باقی رہے یاد اس کی مدام

وہ نبی جس نے خون کے پیاسوں کو سلکِ اخوت میں منسلک کر دیا

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ بے مثال اخوت

احسانات بیکراں

بنی نوع انسان پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات بیکراں کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ایک طرف اگر آپ نے بھولی بھٹکی اور چاہِ ضلالت میں گری ہوئی مخلوق کو اپنے خالق تک رسائی حاصل کرنے۔ بلکہ اس کا محبوب بننے کا یقینی طور پر کامیاب طریق بتا دیا۔ تو دُوسری طرف جنگل درندوں اور شور زمین کے موذی جانوروں سے بدتر انسانوں کے آپس کے تعلقات اور معاملات کو صحیح اور درست بنیادوں پر قائم کر دیا۔ اور باوجود تفاوتِ مدارج اور اختلافِ حالات کے امن وامان۔ خوشی اور اطمینان۔ محبت اور الفت کی زندگی بسر کرنے کے قابل بنا دیا۔ اس وقت میرے پیشِ نظر رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْن صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان بے انتہا کا یہ دُوسرا ہی پہلو ہے۔ اور اُسی کے متعلق مَیں مختصر طور پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہُوں ؂

قبل اس کے کہ یہ بتایا جائے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خطۂ عرب کی اس مخلوق پر جو آپس کی عداوت اور دشمنی کی خوفناک آگ میں جل رہی تھی۔ کس طرح بارانِ رحمت بن کر برسے۔ اور کیونکر ان کے کینہ اور بغض۔ عناد اور ہٹ۔ وحشت اور درندگی سے پُر سینوں کو دھو کر مثلِ آئینہ بنا دیا۔ بلکہ اخلاص ومحبت۔ ہمدردی والفت۔ خیرخواہی اخوت کے جذبات سے مجلّی کر دیا۔ یہ بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ اس وقت اہلِ عرب کن حالات میں سے گزر رہے تھے۔ اور آپس کی دشمنی اور عداوت نے انہیں کس قدر تباہی اور بربادی میں مبتلا کر رکھا تھا۔

اسلام سے قبل اہلِ عرب کی حالت

چونکہ عام طور پر اہلِ عرب وسائلِ معاش کی تلاش میں۔ اور اپنے جانوروں کے چارہ کی خاطر خانہ بدوشی اور آوارہ گردی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ اس لئے وہ شہریت۔ انسانیت۔ معاشرت وغیرہ خصوصیاتِ انسانی سے محروم ہو چکے تھے۔ اور ان کی بجائے بدویت۔ حیوانیت اور درندگی کے سفلی اور معیوب جذبات نے ان پر قبضہ جما رکھا تھا بات بات پر لڑنا مرنا۔ اور قتل وغارت کا بازار گرم کر دینا ان کے لئے ایک معمولی بلکہ دلچسپ شغلہ تھا۔ بلکہ قتل وغارت لوٹ مار۔ درندگی اور وحشت کے اظہار پر فخر کرتے۔ اور شاعر اپنے اپنے قبیلہ کے ایسے واقعات کو شاعرانہ مبالغہ آمیزیوں کے ساتھ ملک میں شہرت دیتے۔ قبیلہ بکر اور تغلب کی لڑائی جو جنگ بسوس کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور جس میں ستر ہزار آدمی مارے جانے کا اندازہ کیا گیا۔ اس کی ابتدا محض اتنی سی بات سے ہوئی۔ کہ ایک شخص کا اونٹ کسی کے کھیت میں جا گھسا۔ کھیت کی محافظ عورت نے اونٹ کو مارا اس پر اونٹ والے نے اس عورت کی چھاتی کاٹ ڈالی۔ اس طرح دونوں قبائل میں لڑائی شروع ہو گئی۔ جو ۴۹۴ء سے ۵۳۴ء تک جاری رہی اور رفتہ رفتہ عرب کے تمام قبائل تک پھیل گئی ؂

زمانہ جاہلیت کی دُوسری مشہور جنگ حرب داحس کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی بنیاد اس طرح پڑی۔ کہ گھوڑ دوڑ میں ایک شخص کا گھوڑا داحس نامی آگے بڑھا جا رہا تھا کہ ایک شخص نے سامنے آکر اسے بھڑکا دیا ؂

غرض جنگ وجدال۔ لڑائی جھگڑا۔ فتنہ وفساد عربوں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ جب کسی کی کسی سے دشمنی ہو جاتی۔ تو متخاصم اشخاص سے گزر کر تمام خاندانوں اور قبائل میں پھیل جاتی۔ اور جب تک کوئی فریق کلیۃً کچلا نہ جاتا۔ لڑائی کا خاتمہ نہ ہوتا۔ جب کوئی شخص مرتا۔ تو اپنی اولاد کو دُوسرے ضروری امور کے علاوہ یہ بھی وصیت کر جاتا۔ کہ فلاں شخص ہمارا دشمن ہے۔ اس سے ضرور بدلا لینا۔ اس کی اولاد اپنی اولاد کو یہی سبق پڑھا دیتی۔ اور اس طرح نسلاً بعد نسلٍ یہ سلسلہ جاری رہتا۔ اور بعض اوقات تو یہ اتنا طول اختیار کر لیتا۔ کہ وجہ دشمنی وعداوت بھی یاد نہ رہتی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں یہ قطعاً نہ بھولتا۔ کہ فلاں خاندان سے ہماری دشمنی ہے ؂

رسول کریمؐ نے کیا سے کیا بنا دیا

غرض ملک عرب میں قتل وغارت کا سلسلہ لامتناہی جاری تھا۔ تمام ملک کے تمام لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے۔ ایک دوسرے کی جان کے لاگو۔ ایک دُوسرے کی عزت کے دشمن۔ ایک دوسرے کی تباہی کے خواہاں حیوان بشکل انسان تھے۔ اور جنگ وجدال کے شعلے ہر وقت اور ہر طرف بھڑکتے رہتے تھے۔ ایسے وقت اور ان حالات میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہورِ پُر نور ہوا۔ اور آپؐ نے دُنیا جہان کی سب اقوام سے زیادہ درندہ صفت اور وحشت پرست قوم سے اصلاح کا کام شروع فرمایا۔ پھر ایک نہایت قلیل عرصہ میں جو عظیم الشان تغیر ان میں پیدا کر دیا۔ ان لوگوں کی حالت میں جو بے مثال انقلاب برپا کر دیا۔ انہیں جس طرح محبت اور الفت۔ قربانی اور ایثار۔ ہمدردی اور خیرخواہی کے مجسمے بنا دیا۔ اور ان کے قلوب ایک دوسرے کے اعزاز اور تکریم کے جذبات سے بھر دیئے۔ اس کا ایک شمہ تبیٔ رحمت کی خدا تعالےٰ سے حاصل کردہ تعلیم۔ آپ کے اپنے چند ارشادات اور بعض واقعات کی بنا پر ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے ؂

خدا تعالےٰ کی نعمت کا ذکر

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز تو یہ ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خداوند قدوس کا یہ ارشاد پیش فرمایا۔ کہ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ یعنی اے مسلمانو! اللہ کی اس نعمت کی قدر وقیمت سمجھو۔ جو اس نے تمہیں ایسی حالت میں عطا کی۔ جبکہ تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ خدا کی وُہ نعمت کیا ہے۔ یہ کہ اس نے تمہارے لئے ظاہری صلح اور اتحاد کا سامان ہی پیدا نہ کیا۔ بلکہ اس نے تمہارے ان سینوں میں جہاں ایک دوسرے کے متعلق غیظ وغضب کی آگ شعلہ زن تھی۔ الفت۔ اور محبت بھر دی۔ اور تم اس نعمت کے صدقے ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے ؂

دُشمن کے خوف اور اس کی یورش کے وقت ظاہری اتحاد تو انسان چھوڑ حیوانوں تک میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وُہ متحد ہو کر مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن نسلاً بعد نسلٍ ایک دُوسرے کی عداوت اور دشمنی کو دلوں میں پرورش کرنے والوں کے قلوب کا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنے کے ساتھ ہی محبت اور الفت سے بھر جانا۔ اور ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھنے لگ جانا بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوتِ قدسیہ کا ہی ایک کرشمہ تھا۔ جس کی مثال ساری دُنیا کی تاریخ میں ڈھونڈے نہیں مل سکتی ؂

مُسلمان کی ادنےٰ علامت

اس محبت اور الفت کو قائم واستوار کرنے کے لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وقتاً فوقتاً جس مؤثر اور دلنشین طریق سے تلقین فرماتے رہے۔ اس کا اندازہ آپؐ کے ارشادات سے لگایا جا سکتا ہے آپؐ نے فرمایا۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ کہ مُسلمان وُہ ہے۔ جس نے مسلمانوں کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے سلامتی دی۔ یعنی مسلمان کی ادنےٰ علامت یہ ہے۔ کہ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے کسی مسلمان کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے اور ہر ایک مسلمان اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں کی طرف سے بالکل محفوظ ومامون سمجھے ؂

ایصال خیر کی تلقین

اگرچہ آپس میں ایک دُوسرے کے متعلق یہ اطمینان پیدا ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ بلکہ قومی اتحاد و اتفاق کے لئے یہ بنیادی چیز ہے لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ کہ مسلمانوں کو دفع شر کی تلقین فرمائیں۔ بلکہ آپؐ نے مومن بننے کے لئے ایصال خیر کو بھی ضروری قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ کہ اے مسلمانو! اچھی طرح سُن لو۔ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا۔ جب تک اس میں یہ بات نہ پیدا ہو جائے۔ کہ وُہی کچھ وُہ اپنے بھائی کے لئے پسند کرے۔ جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

اگرچہ یہ الفاظ نہایت مختصر ہیں لیکن اگر ان پر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ان میں ایک دوسرے کی خیر خواہی اور نفع رسانی کے متعلق معانی اور مطالب کے دفتر پائے جاتے ہیں۔ اور مواخات کی استواری اور استحکام کے لئے کوئی ضروری پہلو باقی نہیں رہ گیا۔ جب مومن کے لئے یہ بات ضروری قرار دے دی گئی۔ کہ وُہ کسی مومن کے لئے کوئی ایسی بات پسند نہ کرے جسے وُہ اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو۔ تو گویا ہر مسلمان کا یہ فرض ہو گیا۔ کہ ہر مومن کی جان کو اپنی جان کے برابر سمجھے۔ اور ہر مومن کے جذبات و احساسات کا اسی طرح خیال رکھے جس طرح اپنے جذبات و احساسات کا رکھتا ہے۔

تمام مومنوں کو ایک جان بنا دیا

اس طرح تمام مومنوں کو ایک جان بنا دیا گیا۔ اگرچہ یہ مفہوم مندرجہ بالا ارشاد نبوی سے بھی صاف طور پر مستنبط ہے۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خطبہ میں جو بمقام شعب ابو طالب آپؐ نے فرمایا۔ یہ بات تفصیلی طور پر موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

اے لوگو اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور سب مثل شخص واحد کے ہیں۔ اگر اس کی آنکھ میں درد ہو۔ تو تمام جسم کو بے چین ہو جانا چاہیئے۔ اور اگر اس کے سر میں شکایت ہو۔ تو کل بدن کو بے قرار ہو جانا چاہیئے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے مثل بنیاد کے ہے۔ کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کا بوجھ اٹھانے میں مدد کرتا ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ پس وُہ اس پر ظلم نہ کرے۔ اور اسے مصیبت کے وقت تنہا بے یار و مددگار نہ چھوڑے۔

رسول کریمؐ کا اسوۂ حسنہ

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ آپؐ نے مسلمانوں میں جو اخوت اور برادری قائم فرمائی۔ وُہ کس قدر مکمل اور کتنی شاندار اور کیسی بے نظیر ہے۔ اس کے ساتھ ہی جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور طریق عمل کو دیکھا جائے تو ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ آپؐ نے جو کچھ زبانی ارشاد فرمایا۔ اپنے عمل سے اسے چار چاند لگا دیئے۔

غُرباء سے حُسن سلوک

دُنیا میں جن لوگوں کو کسی نہ کسی لحاظ سے فوقیت حاصل ہوتی ہے وُہ اپنے درجہ اور اپنے رُتبہ کے لوگوں کے ساتھ ہمدردانہ اور دوستانہ تعلقات تو ہر زمانہ اور ہر ملک میں قائم کرتے رہے۔ اور کرتے رہیں گے۔ لیکن غریب۔ کمزور اور بے کس طبقہ کے ساتھ اخوت کے تعلقات صرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی قائم فرمائے۔ اور ہر طبقہ کے مسلمانوں کے خوب اچھی طرح ذہن نشین کر دیا۔ کہ کوئی مسلمان اس وجہ سے کہ وُہ غربت اور بے کسی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اسلامی اخوت۔ اور برادرانہ تعلقات سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ اس بات کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے بالکل مبرہن اور واضح کر دیا۔ آپؐ ہمیشہ غرباء و مساکین سے اس طرح پیش آتے۔ کہ وُہ اپنی غربت اور فلاکت کو موجب رحمت سمجھنے لگتے۔ اور امراء کے دل میں حسرت پیدا ہو جاتی۔ کہ ہم کیوں غریب نہ ہُوئے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار غرباء اور مہاجرین میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ آپؐ نے فرمایا۔ فقراء اور مہاجرین کو بشارت ہو۔ کہ وُہ امراء سے چالیس سال قبل جنت میں داخل ہونگے۔ یہ سُن کر مجھے افسوس ہُوا۔ کہ میں طبقہ غرباء میں سے کیوں نہ ہُوا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الفقر فخری فرما کر طبقہ غرباء کو قابل رشک بنا دیا۔ آپؐ غرباء سے بے حد شفقت کا سلوک کرتے۔ اور اس امر کی خاص تاکید فرماتے ایک موقعہ پر آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ اے عائشہ کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے خالی ہاتھ نہ پھیر۔ خواہ چھوہارہ کا ایک ٹکڑا ہی تمہارے پاس کیوں نہ ہو۔ غریبوں سے پیار کرو۔ اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو۔ تاکہ خدا تمہیں اپنے نزدیک کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بیوہ عورت اور مسکین کے ساتھ سلوک کرنے والا ایسا ہے۔ جیسا مجاہد فی سبیل اللہ۔ یا جیسا تمام رات نوافل پڑھنے والا۔ اور دن میں روزہ رکھنے والا۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ایک قبیلہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت قدس میں حاضر ہُوا۔ وُہ سب کے سب اتنے غریب تھے۔ کہ کسی کے بدن پر ایک کپڑا بھی ثابت نہ تھا۔ ننگے بدن۔ ننگے سر اور ننگے پاؤں تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان کی حالت دیکھ کر سخت مضطرب ہو گئے۔ عالم کرب میں آپؐ کبھی باہر جاتے۔ کبھی اندر آتے۔ آخر اسی عالم میں بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے بعد خطبہ میں ان لوگوں کی امداد و دستگیری کی طرف جملہ حاضرین کو متوجہ کیا۔ جب آپؐ کو سکون ہُوا۔

غلاموں سے حسن سلوک

غرباء اور مساکین کے طبقہ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلوک اور ان سے ہمدردی و دلداری کا کسی قدر حال آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ اب اس سے بھی زیادہ مصیبت زدہ اور بے دست و پا طبقہ کے متعلق آپؐ کے حسن سلوک کا ذکر سُن لیجئے۔ اس زمانہ میں خطۂ عرب میں سب سے حقیر اور ذلیل مخلوق وُہ سمجھی جاتی تھی۔ جو غلامی کا طوق اپنی گردنوں میں رکھتی تھی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں پر خاص طور سے شفقت فرماتے۔ اور ان سے حسن سلوک کی بار بار تاکید کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ ان کو خدا نے تمہارے قبضہ میں دیا ہے۔ پس جس شخص کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو۔ اسے چاہیئے۔ کہ جو خود کھائے۔ اس کو بھی کھلائے۔ اپنے غلاموں سے وُہ کام نہ لو۔ جو ان پر شاق گزرے۔ اگر کوئی سخت کام انہیں دو۔ تو خود بھی ان کی امداد کرو۔ آپؐ کا ارشاد تھا۔ کہ کوئی کسی کو میرا غلام یا میری لونڈی نہ کہے۔ تاکہ غلامی کے پھندے میں پھنسے ہُوئے انسانوں کی دل شکنی نہ ہو۔ آپؐ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی بے حد تاکید فرمائی۔ خود بہت سے غلام اور لونڈیاں آزاد کیں۔ اور فرمایا۔ جو شخص کسی مسلمان کو آزاد کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کو آزاد کردہ کے ہر عضو کے عوض میں اس کا ایک عضو دوزخ سے بچا لے گا۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم غلاموں کو معمولی ملال۔ اور تکلیف میں دیکھ کر بے تاب ہو جاتے۔ جب کوئی غلام بیمار پڑتا۔ تو اس کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے۔ اسے تسکین دیتے۔ اس کی پیشانی اور نبض پر اپنا دست مبارک رکھتے۔ اور اس کی صحت کیلئے دعا فرماتے۔ آپؐ غلاموں کو اچھے القاب اور پیارے ناموں سے پکارتے غرض اس بے کس اور بے بس طبقہ کی ہر طرح دلداری کرتے۔ اور آرام و آسائش پہنچانے کی ہر ممکن کوشش فرماتے۔

جس مقدس ہستی کے غرباء اور مساکین۔ غلاموں اور بے کسوں کے ساتھ حسن سلوک کا یہ عالم ہو۔ اس کے رحمۃ للعالمین ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔

صحابہؓ کا طریق عمل

مواخات کے قیام اور آپس میں محبت و الفت کے تعلقات قائم کرنے کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا خفیف سا نظارہ دکھانے کے بعد آخر میں بر عایت اختصار یہ عرض کیا جاتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم نے ان خوش بخت انسانوں پر کیا اثر پیدا کیا جنہیں آپؐ نے سب سے پہلے مخاطب فرمایا۔

مکہ سے جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے۔ ان کا مال و اسباب اور جائدادیں چونکہ کفار نے ضبط کر لی تھیں۔ اس لئے وُہ بالکل تہی دست ہو گئے۔ ان کی دستگیری اور امداد کی طرف جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انصار کو توجہ دلائی۔ تو انہوں نے بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ اپنی املاک میں انہیں شریک کر لیا۔ اور خود امیر بھائی نے اپنے غریب بھائی کو اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائداد میں سے نصف تقسیم کر کے دے دی۔ اور ایک ایک انصاری نے ایک ایک مہاجر کو اپنے ہاں لیا

مستقل طور پر حصہ دار بنا لیا۔ صحیح بخاری میں آتا ہے۔ یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا تھا۔ حتےٰ کہ اگر کوئی انصاری فوت ہوتا۔ تو اس کی جائداد اور اس کا مال مہاجر کو ملتا تھا۔ اور اس کے قریبی رشتہ دار جو غیر مسلم ہوتے۔ محروم رہتے تھے۔

ایک موقعہ پر جب ایک مخالف قبیلہ کو اپنی شرارتوں۔ اور فتنہ پردازیوں کے نتیجہ میں جلاوطن ہونا پڑا۔ اور ان کی زمینیں اور نخلستان مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا۔ مہاجرین حاجت مند ہیں۔ اگر تمہاری مرضی ہو۔ تو یہ مقبوضات ان کو دے دئے جائیں۔ اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو۔ اس کے جواب میں انصار نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے نخلستان بھی ہمارے بھائیوں کے قبضہ میں رہیں۔ اور نئے بھی انہی کو عنایت فرما دیئے جائیں۔

شخصی ایثار کی مثال

اسی سلسلہ میں شخصی قربانی و ایثار کی ایک مثال بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ ایک جنگ میں حضرت عکرمہ رضؓ حضرت حارث بن ہشام اور حضرت سہیل بن عمرو ہلاک طور پر زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اور ایسے گرے کہ پھر اٹھنے کی ہمت نہ رہی۔ نزع کا وقت بالکل قریب آ گیا۔ موت دونوں ہاتھ پھیلائے ان کی طرف دوڑی چلی آ رہی تھی۔ اس وقت کے جسمانی دکھ اور تکلیف کو پیش نظر رکھئے۔ اور پھر دیکھئے کہ دم مرگ ایثار و قربانی کی کیسی شاندار مثال قائم کی گئی۔ ایک شخص پانی لایا۔ اور اس نے حضرت عکرمہؓ کو پلانا چاہا۔ انہوں نے دیکھا۔ کہ حضرت سہیل بحسرت پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ بولے پہلے ان کو پلاؤ۔ حضرت سہیل کے پاس پانی آیا۔ تو انہوں نے دیکھا۔ کہ حضرت حارثؓ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے۔ بولے جاؤ۔ ان کو پلاؤ۔ لیکن جب پانی لیکر آدمی ان تک پہنچا۔ تو ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ جب وہ حضرت سہیلؓ کے پاس آیا۔ تو وہ بھی دار فانی سے منہ موڑ کر دار بقا کو جا چکے تھے۔ اور جب حضرت عکرمہؓ کے پاس پہنچا۔ تو وہ بھی اس پانی کی بجائے حوض کوثر سے پانی پینے کے لئے جا چکے تھے۔ غرض کسی کے منہ میں بھی پانی کا ایک قطرہ تک نہ گیا۔ اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دی۔

یہ قربانی اور ایثار کی روح۔ یہ محبت اور الفت کے جذبات۔ یہ مواخات اور برادرانہ تعلقات ان لوگوں میں جن کے درمیان خون کی ندیاں حائل تھیں۔ جو دشمنی اور عداوت کی دلدلوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ جو کینہ اور بغض کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے۔ جس مقدس ہستی نے آن کی آن میں پیدا کر دیئے۔ اس کی بے مثل اور بے نظیر قوت قدسی کا کون انکار کر سکتا ہے۔ اور کسے اس بات میں شک کرنے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ کہ یہ سب کچھ اس قادر و توانا خدا کی تائید و نصرت سے ہوا۔ جس نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کے سوا یہ رتبہ کس انسان کو حاصل ہوا۔ اور کس نے ایسا عظیم الشان تغیر پیدا کیا۔

خاکسار۔ غلام نبی

نعت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

از جناب احسن صاحب رہتاسی

سرِ عرشِ بریں جونہی شہِ ہر دو سرا پہنچے
فضا گونجی خدا کے پاس محبوبِ خدا پہنچے

ملائک حور و غلماں وجد میں ایسے ہوئے بیخود
اُچھلتے کودتے پڑھتے ہوئے صلِ علےٰ پہنچے

مقامِ ارفع و اعلےٰ پہ اکثر انبیا پہنچے
نہ پہنچا کوئی اس حد پر جہاں خیر الورےٰ پہنچے

سرِ سینا بصد مشکل پہنچکر تھک گئے موسےٰ
سرِ عرشِ علا لیکن محمد مصطفےٰ پہنچے

مسیحا پھر نہ لوٹے پر سوارِ توسنِ اسرے
شبا شب عرش سے ہوکر درِ دولت پہ آپہنچے

جہاں وہمِ ملائک نے گمانِ انبیا پہنچے
وہاں برقِ جہاں بن کر براقِ مصطفےٰ پہنچے

نہ برق و باد ہی پہنچے نہ ساون کی گھٹا پہنچے
براقِ مصطفےٰ کی جس جگہ پر گردِ پا پہنچے

جہاں غلمانِ احمد کی نگاہِ دلربا پہنچے
دمِ عیسےٰ وہاں پہنچے نہ موسےٰ کا عصا پہنچے

کوئی زر دیکے پہنچا اور کوئی گھر دیکے جنت میں
جو وقت آیا تو جاں دیکر بھی مردانِ خدا پہنچے

وہ تاجِ قیصر و کسریٰ وہ کر و فرِ شاہانہ
ہُوا سب کچھ فنا جونہی محمد کے گدا پہنچے

پہنچنا اُن کا احسن ہے جو پہنچے کامرانی سے
پھرے ناکام جو واپس وہ پہنچے بھی تو کیا پہنچے

خدا کو چھوڑ تکیہ ناخدا پر کیوں کرے کوئی؟
لبِ ساحل پہ کشتی کے سوا جب باخدا پہنچے

درِ جاناں پہ جانے کو کھلے تھے مختلف کوچے
مقدر تھا پہنچنا جن کا۔ اُن کو حق سے جا پہنچے

بجز اسلام لیکن ہو چکیں مسدود سب راہیں
نہیں ممکن کہ اب کوئی بھی اس رہ کے سوا پہنچے

نہ پہنچا کوئی اُن راہوں سے پر اس راہ سے دیکھو
مسیحا بن کے امت میں جنابِ میرزا پہنچے

کہاں ہم! اور کہاں بزمِ محمد بس غنیمت ہے
کہ اُٹھتے۔ بیٹھتے۔ گرتے۔ سنبھلتے ہم بھی آپہنچے

یہ کہہ دیجو گنہگار اُمت میں حسن بھی ہے
اگر کوئے محمد میں تو۔ اے بادِ صبا پہنچے

— ۱ —

اللہ تعالےٰ کا شکر ہے۔ کہ پھر خاتم النبیین نمبر کے لئے مجھے ذکر حبیبؐ کا موقعہ مل رہا ہے۔ اگرچہ میں کچھ نہ کچھ بیمار چلا جاتا ہوں۔ اور پیرانہ سالی کی وجہ سے قویٰ میں اس قدر ضعف محسوس کرتا ہوں۔ کہ توجہ اور یکسوئی سے لکھنا تو درکنار پڑھنا بھی ایک بار معلوم ہوتا ہے مگر مجھے عزیز مکرم ایڈیٹر الفضل کی ایسی نجات بخش تحریک سے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔ اور میرا ایمان ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام بجائے خود ایک قوت ہے۔ اور آپ کا ذکر ایک حیات ہے۔ اس لئے میں یہ سمجھکر کہ ایک موقعہ حصول سعادت کا مل رہا ہے۔ اس کے شکریہ میں محسن اعظم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر اپنے خیالات پیش کرتا ہوں ÷ وباللہ التوفیق

— ۲ —

اس مرتبہ میں نے پسند کیا۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے زندگی بخش پہلو کا ذکر کروں۔ اور دکھاؤں۔ کہ فی الحقیقت آپ کی قوت قدسی میں ایسی تاثیرات ابدی برکات ہیں۔ کہ آپ ایک مایۂ حیات ہیں۔ اور یہ کہنا بالکل درست ہے۔ کہ آپ کے وجود باجود سے نسل انسانی کی زندگی وابستہ ہے۔ میں اس حقیقت کو انشاء اللہ العزیز ذیل میں واقعات اور حقائق کی روشنی میں پیش کروں گا۔ جن سے معلوم ہوگا۔ کہ فی الحقیقت آپ ہی زندہ رسولؐ ہیں ÷

— ۳ —

قرآن مجید نے انسان کے سامنے جو اسوہ حسنہ پیش کیا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ اور آپ کی حیات طیبہ ہے آپ کی زندگی کا ہر ایک واقعہ اور آپ کی ہر حرکت وسکون اپنے اندر تربیت انسانی کا ایک عملی سبق رکھتی ہے۔ اور اس واقعہ اس قول اور فعل میں ایک رو قوت حیات کی جاری ہے جس طرح پر ایک بجلی کی رو جب گزرتی ہے۔ تو۔ ایک حرکت پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ایک قوت حیات کام کرتی ہے چنانچہ قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو باعث حیات قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی دعوت میں تو حیات ہے ہی۔ پس جو شخص چاہتا ہے۔ کہ اس میں قوتِ حیات پیدا ہو۔ اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت پر لبیک کہنا چاہیئے ÷

— ۴ —

قرآن مجید نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت حیات کی حقیقت اور فلاسفی کو ذہن نشین کرنے کے لئے آفتاب یا نیر اعظم کی مثال پیش کی ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ جس طرح آفتاب کل کائنات ارضی کے لئے مایۂ حیات ہے۔ اسی طرح نفس انسانی اور انسانی جماعت کی تربیت و تکمیل اور حیات کا مدار آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باوجود پر ہے۔ آپ کی تعلیم و ہدایت آپ کی عملی زندگی اور اسوہ حسنہ ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جس سے خود انسان اور انسانی جماعتوں کی تہذیب نفس اور حسن تمدن وابستہ ہے۔ کون نہیں جانتا۔ کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ تو اس کی روشنی اس کی حرارت اور قوت اپنی تاثیرات سے نہ صرف دنیا کی تاریکی کو دور کرتی ہے۔ بلکہ اس کے ظہور کے ساتھ ہی ایک عام بیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ دنیا میں زندگی نمایاں ہوتی ہے۔ اور ہر قسم کی مخفی قوتیں روشنی میں آجاتی ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ سوئی ہوئی دنیا بیدار ہو کر ایک نئی قوت ایک نئی روح اور نئے عزم کے ساتھ مصروف عمل ہو جاتی ہے۔ یہ نظارہ ہے۔ جو ہم ہر روز دیکھتے ہیں۔ اور کوئی شخص اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح پر جب ہم ایک طرف اس وحی پر نظر کرتے ہیں۔ جو قرآن کریم کی صورت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی اور دوسری طرف آپ کی عملی زندگی اور اس کی تاثیرات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو بے اختیار مونہہ سے نکل جاتا ہے ؎

زندگی بخش جام احمدؐ ہے !
کیا ہی پیارا یہ نام احمدؐ ہے !

— ۵ —

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا ہر واقعہ آپ کی ہر حرکت وسکون آپ کا ہر ارشاد و نطق اپنے اندر ایک زندگی کی روح رکھتا ہے یہ خیالی نہیں ایک خوشگوار اور خوش عقیدگی پر مبنی تخیل نہیں۔ بلکہ ایک حقیقت اور واقعہ ہے۔ اور آج قریباً چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی ہم اس کو علوم سائنس کی روشنی میں تاثیرات قدسی کے رنگ میں ثابت کر سکتے ہیں۔ اور مادہ پرست دنیا سے منوا سکتے ہیں۔ انسانی زندگی اور انسانی سوسائٹی کی زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس کے لئے آپ کی تعلیم میں ہدایات اور صحیح ضابطہ موجود نہ ہو۔ اور خود آپ کے وجود میں اس کا نمونہ نہ پایا جاتا ہو۔ پھر یہ کس قدر کمال ہے۔ کہ آپ کے اخلاق کے کامل ظہور کے لئے آپ کو وہ تمام مواقع میسر آئے۔ جن میں کسی خلق کی حیثیت نمایاں ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہنا تو بہت آسان ہے۔ کہ تم اپنے دشمنوں کو پیار کرو۔ یا خطاکاروں کو معاف کرو۔ لیکن اگر ایسے شخص کو اقتدار اور حکومت حاصل ہی نہیں۔ تو وہ اس خلق کو اپنی عملی زندگی میں کیونکر نمایاں کر سکتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ اور پہلو باقی نہیں رہا۔ جس میں سے آپ نہ گزرے ہوں۔ اور اس خلق کا ایک نمایاں ظہور نہ ہوا ہو۔ اس لئے آپ صرف معلم نہ تھے۔ بلکہ مزکّی بھی تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید خود آپ کی ہستی کو اسی رنگ میں اس آیت میں پیش کرتا ہے یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوت قدسی سے نہ صرف تزکیہ نفوس وتطہیر قلوب کی۔ بلکہ کتاب وحکمت کی تعلیم بھی دی۔ اور اس حقیقت کو آیات اللہ کی تلاوت سے ایک عملی چیز بنا دیا۔ قرآن کریم کو دیکھتے ہیں۔ تو اس میں تمام قسم کے علوم کے خزانے موجود ہیں۔ اور خود حضور کی ذات کو دیکھتے ہیں۔ تو آپ فرماتے ہیں انا مدینۃ العلم میں گویا علوم کا ایک شہر ہوں۔ اور یہ نرا دعویٰ نہیں بلکہ صداقت ہے ÷

— ۶ —

اگر ایک شخص دیانت اور صحیح فطرت لے کر قرآن مجید کو پڑھے۔ تو اسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں نہ آتے۔ اور مجوحل ہدایت آپ نے پیش کی۔ وہ دنیا کو نہ دی جاتی۔ تو علوم وفنون کی وہ روشنی جو آج دنیا میں پائی جاتی ہے۔ نہ ہوتی۔ یہ بجائے خود ایک مستقل مضمون ہے۔ اور اس مضمون میں اس پر تفصیلی بحث میں نہیں کر سکتا۔ اگر زندگی نے وفا کی۔ اور خدا تعالےٰ نے توفیق دی۔ تو پھر کسی وقت اس پر قلم اٹھاؤں گا۔ سردست اس کی طرف مختصر سا اشارہ کرونگا قرآن کریم کے نزول اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے دنیا پر علوم کے سلسلہ میں بھی ایک خاص تاریکی تھی۔ اور انسانی ذہنیت کو ایسا مسخ کر دیا گیا تھا۔ کہ وہ علوم کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتی تھی انسان کے ذہن نشین جو امر کیا گیا تھا۔ وہ یہ تھا۔ کہ یہ مظاہر قدرت اور کائنات کی اشیاء انسان کے معبود ہیں۔ اور اس طرح پر دنیا میں معبودان باطلہ کی بے انتہا تعداد پیدا ہو گئی تھی۔ اور شرک کی رو نے انسانی دماغ کی ان قابلیتوں اور قوتوں کو بیکار کر دیا تھا۔ جو تحقیقات وتکشیفات کا کام کرتی ہیں ÷

میں جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر غور کرتا ہوں تو مجھے ایک عجیب مسرت افزا عالم نظر آتا ہے۔ آپ کے ذکر اور آپ کی سیرت پر غور بجائے خود ایک نئی زندگی اور نئی قوت میرے اندر پیدا کر دیتا ہے اور میں نے دیکھا ہے۔ کہ حقائق ومعارف کا ایک سمندر موجزن ہو جاتا ہے

لگتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ آپ نے ہر عملی زندگی کی رَو پیدا کرنے کے لئے پہلے تخیل کو تبدیل کیا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ جب تک غلط ذہنیت میں تبدیلی نہ ہو۔ اصلاح نہیں ہو سکتی۔ جس طرح پر آپ نے اللہ تعالےٰ کے متعلق تخیل میں تبدیلی کی۔ اسی طرح آپ نے نفس انسانی کے متعلق ذہنیت کو بدل ڈالا۔ اور پھر مظاہر قدرت اور دوسری قوتوں کے متعلق بھی انسانی ذہنیت کو بدل دیا۔ آپ نے اسی ذہنیت انسانی کو جو مظاہر قدرت کو معبود سمجھے ہوئی تھی۔ اس طرح پر بدلا۔ کہ تمام کائنات ارضی یا سماوی انسانی خادم ہے۔ جب یہ مسئلہ انسان کے دماغ میں پورے طور پر آگیا۔ تو اسے حوصلہ ہوا۔ کہ ان چیزوں سے کام لینے کے طریق اور اصول وضع کرے۔ یہ پہلی تاثیر آپ کی قوت حیات کی تھی۔

۷

میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت حیات کے دوسرے مناظر اور مظاہر پیش کر سکتا تھا۔ مگر میں نے اس خصوص میں آپکی قوت حیات کا ایک عملی پہلو اختیار کیا ہے۔ اور یہ ایسی چیز ہے جسے آج اور ہمیشہ دنیا کے سامنے علمی رنگ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ کی قوت حیات کا ایک تاریخی پہلو بھی ہے۔ آپ کی قوت حیات کی روحانی تاثیرات کا غیر منقطع سلسلہ بھی ہے۔ مگر میں عہد حاضرہ کی نسلوں کو زیر نظر رکھ کر اس مضمون کو پیش کر رہا ہوں۔ غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب سے اول اس جمود اور موت کو دور کیا۔ جو انسانی دماغ پر طاری تھی۔ اور ہر قسم کی ترقیات کے راستے اس پر مسدود ہو چکے تھے۔ مظاہر قدرت کو وہ خدا سمجھتا تھا۔ جذبات انسانی کی وہ پرستش کرتا تھا۔ اس لئے آپ نے اس ذہنیت کو تبدیل کیا۔ اور وہ عالمگیر غلطی جس میں اس وقت دنیا مبتلا تھی۔ آپ نے یہ کہکر دور کیا۔ کہ کائنات کی جس مخلوق کو تم خدا سمجھتے ہو۔ یا جن سے تم ڈرتے ہو وہ تمہارے فرمانبردار اور خادم ہیں۔

پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ایک لانظیر کمال ہے۔ کہ آپ نے انسانی ذہنیت کو جس مرکز پر جمع کیا۔ وہ تمام زندگیوں کا حقیقی چشمہ اور تمام قوتوں اور تمام قدرتوں کا حقیقی مالک ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ۔ آپ نے جو تعلیم دی۔ وہ اسی چشمہ کی طرف انسان کو لے جاتی ہے۔

غرض آپ نے انسانی ذہنیت میں یہ تبدیلی کرکے ترقی اور جدوجہد کے راستہ کو کھولدیا۔ اور حقیقی زندگی کی بنیاد رکھدی اسی سلسلہ میں آپ نے اپنے طرز عمل سے بتایا۔ کہ حقیقی زندگی کے حاصل کرنے کے لئے ضرورت ہے۔ کہ انسان اپنے مقام اور نصب العین کو شناخت کرے۔ آپ سے پہلے لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ انسان بھی اسی قسم کی مخلوق ہے جس طرح دوسری چیزیں ایک وقت کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔ انسان بھی مرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے اور دوسری چیزوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانی شرف کی حقیقت کو زندہ کیا۔ اور اس کی زندگی کے نصب العین پر شرح و بسط سے روشنی ڈالی۔ اس طرح پر آپ نے نفس انسانیت کو زندہ کیا۔ اور یہ نکتۂ معرفت سمجھایا۔ کہ انسان اپنی ذات میں کل مظاہر قدرت و فطرت کا ایک مجموعہ ہے اور اسی لئے وہ عالم صغیر کہلاتا ہے جس طرح پر تمام مظاہر قدرت اور ساری کائنات انسان کی خادم ہے۔ اسی طرح پر انسان کا فرض ہے۔ کہ وہ نوع انسان کے لئے فیض رساں اور نافع الناس ہو اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تعلیم دی۔ کہ تم میں سے کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے۔ جو اپنے لئے چاہتا ہے۔ اور فرمایا خیر الناس من ینفع الناس غرض آپ نے انسان اور انسانیت کے مقام اور نصب العین کو صحیح صورت میں ظاہر کرکے احیائے انسانیت فرمایا۔ اور یہ دوسرا ثبوت آپ کی قوت حیات کا ہے۔

۸

انسانیت کے مقام اور نصب العین کو ظاہر کرنے اور کائنات کے متعلق انسانی ذہنیت میں ایک انقلاب پیدا کرنے کے بعد حضور نے نفس انسانی کی اصلاح اور تہذیب کے لئے اسے اپنی قوتوں اور جذبات کی ماہیت سے واقف کیا۔ اور ان قوتوں اور جذبات کے صحیح استعمال کی طرف توجہ دلائی۔ تاکہ وہ مخفی قوتیں۔ جو دبی ہوئی تھیں۔ حیات نو حاصل کریں۔ اس مقصد کے لئے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت کی انسانی ذہنیت کو تبدیل کیا اور انسانی کمال کی حد یہ قرار دی۔ کہ وہ اخلاق اللہ سے رنگین ہو۔ قرآن کریم میں اس کو صبغۃ اللہ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس رنگ میں جو تغیر آپ نے کیا۔ وہ تاریخی حیثیت سے نمایاں ہے۔ عرب کی جس طرح پر کایا پلٹ ہوئی۔ اور جو حیرت انگیز اخلاقی روحانی اور اقتصادی انقلاب آپ نے پیدا کیا۔ دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

آج دنیا جس مصیبت میں مبتلا ہے۔ اس کے تصور سے ہر صحیح الفطرت انسان لرزہ براندام ہوتا ہے۔ کہ تہذیب و تمدن کے نام سے دنیا کی اقتصادی اخلاقی اور روحانی حالت کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت اور نظام حکومت پر غور کرو۔ کہ آپ نے یہ تمام نعمتیں دیں۔ اور انسان کو خدا کا فرمانبردار بنا کر دیں۔ یہ وہ کمال ہے۔ جو حضور کے دوسرے کمالات کی طرح بے نظیر ہے۔ موجودہ عہد تہذیب و تمدن اپنی خیالی اور نمائشی آسائش و راحت کی طلب تلاش میں اخلاق کو تباہ کر رہا ہے۔ اور باوجود اس تباہی اور ہلاکت کے وہ چیز اسے میسر نہیں آرہی۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آرام و آسائش کے سامانوں اور تہذیب و تمدن کی زینتوں کو ایسے رنگ میں انسان کے سامنے رکھا۔ کہ وہ کسی حال میں خدا سے دور نہ ہو جائے۔ بلکہ ہر حالت میں خدا کے قریب ہو۔ اس کا عسر اس کا یسر اسے اپنے مالک کی طرف لے جائے۔ اس کے لئے بھی حضور نے ذہنیت میں تبدیلی کی۔ دنیا یہ سمجھے بیٹھی تھی۔ کہ اطمینان و تسلی دنیا کی راحتوں اور آسائش کے سامان جمع کر لینے میں ہے۔ مگر واقعات بتاتے ہیں۔ کہ دنیا کی کوئی دولت اور حکومت کے تمام سامان بھی وہ اطمینان اور سکینت پیدا نہیں کر سکتے جس کا انسان متمنی ہے۔ اسی لئے آپ نے اطمینان اور سکینت کے متعلق ذہنیت کے نقطہ کو تبدیل کر دیا۔ اور فرمایا الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جو قلوب کو مطمئن کر سکتا ہے۔ اس طرح پر جہاں آپ نے ایک طرف ہر قسم کی ترقیات کے لئے دروازے کھولدیئے۔ اور قوموں کی حیات کے لئے ایک نیا دَور پیدا کر دیا۔ علوم جدیدہ کے اکتشافات و ایجادات کے لئے انسانی دماغ میں حرکت پیدا کر دی۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ امر ذہن نشین کر دیا۔ کہ حقیقی راحت و اطمینان کا سامان ذکر الٰہی میں ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے۔ جو حقیقی تہذیب و تمدن پیدا کرتی۔ اور اسے بابرکت بناتی ہے

آپ نے اپنی زندگی کے ہر حصہ میں دکھایا۔ کہ کبھی اور کسی حال میں بھی اللہ تعالےٰ کا ذکر آپ کی نظر اور فکر سے اوجھل نہیں ہوا انتہائی مصیبتوں میں جو آپ کی بعثت کے ابتدائی سالوں میں یوم بعثت سے ساتھ رہیں۔ اور کامیابی کے ان انتہائی شان و شوکت کے ایام تک جب آپ ایک کامیاب اور بامراد شاہنشاہ کی حیثیت میں تھے۔ آپ سے اسی حقیقت کا ظہور ہوا۔ اور یہی وہ چیز تھی۔ جس نے آپکو خود سرچشمہ حیات بنا دیا تھا۔

۹

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت حیات کے مناظر اور مظاہر اس کثرت سے ہیں۔ کہ دنیا کے آخر تک لوگ انہیں بیان کرتے جائیں گے مگر وہ ختم نہ ہوں گے۔ پھر میں اس مختصر سے مضمون میں کیونکر ان کا احاطہ کر سکتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ آج دنیا جس مصیبت میں مبتلا ہے۔ اور جس موت کے تختہ پر وہ کھڑی ہے۔ اس سے نجات اور زندگی کے لئے حضور ہی کی زندگی اور تعلیم اسوۂ حسنہ ہو سکتی ہے۔ نہیں نہیں یہی وہ چیز ہے جو بچا سکتی ہے۔ اس وقت سرمایہ داری اور اشتراکیت کی ایک جنگ ہے۔ اور اس جنگ نے وہ خطرناک نتائج پیدا کر دیئے ہیں۔ کہ دنیا کا امن خراب کر دیا ہے۔ اور تہذیب و تمدن کے اسباب کے رخ کو ہلاکت آفرین سامان پیدا کرنے کی طرف متوجہ کر دیا ہے کیا مختلف قسم کے آلات حرب کی ایجاد مختلف قسم کی ہلاکت آفرین گیسوں کی تیاری انسانی تہذیب و تمدن کو تباہ کرنے کے لئے نہیں ہو رہی ہے۔ اور سرمایہ داری اور اشتراکیت کی جنگ نے موت کے دامن کو وسیع نہیں کر دیا ہے؟ اخلاق اور روحانیت تو مر چکے ہیں ایسی حالت میں دنیا کا احیاء پھر اسی تعلیم اور اسی اسوۂ حسنہ پر موقوف ہے۔ جس نے عرب کو زندہ کیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

جائز اور بجا طور پر فرمایا ہے۔ انا الحاشر الذی یحشر الناس علٰی قدمی دنیا کی حیات پھر اسی قدم کے ذریعہ ہوگی۔ اس لئے ضرورت ہے۔ کہ دنیا کو اس محسن اعظم اور اس حیات بخش وجود کی طرف ہم دعوت دیں۔ عصر حاضرہ کی ضروریات اور اس کی مصیبتوں سے نجات کے لئے اس چشمہ حیات کو پیش کریں۔ جو سوالات اس وقت دنیا میں پیش آئے ہوئے ہیں۔ انہیں اسلام کی روشنی میں حل کرکے دکھایا جائے۔ مثلاً سرمایہ داری اور اشتراکیت کی جنگ ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف ایک عالمگیر جذبۂ نفرت پیدا ہو گیا ہے۔ بغیر اس کے کہ کوئی شخص سرمایہ داری کے مفہوم اور اس کی حقیقت پر غور کرے۔ اس کا نام آتے ہی وہ سمجھتا ہے۔ کہ اس سے بڑھ کر زریں اصول کیا ہوگا۔ کہ سب کا مال و دولت سلطنت کی جائداد بن جائے اور وہ سب پر تقسیم کر دے۔ مگر کوئی اتنا نہیں سوچتا۔ کہ اس ذہنیت کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اور کیا روس جس نے اشتراکیت کا علم بلند کیا ہے۔ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہا ہے؟ کیا اسکی اخلاقی اور روحانی قوتیں مردہ نہیں ہو گئی ہیں۔ اس لئے ایسے موقعہ پر ضرورت ہے۔ کہ اشتراکیت کے صحیح اصول کو پیش کیا جائے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن کریم کے ذریعہ پیش کیا۔ اور تقسیم دولت کا ایک طبعی اصول مقرر کر دیا۔ قرآن کریم نے اس کے لئے جو راہ پیش کی ہے۔ وہ نہایت معقول اور فطرتی ہے ایک طرف وہ انسانی فطرت کے اس راز کو بیان کرتا ہے۔ جو اجتماع دولت کے متعلق ہے۔ پھر وہ اموال کی محبت اور اس سے تعلق کی ذہنیت کو تبدیل کرتا ہے۔ اور پھر صدقات و خیرات کی تعلیم دیتا ہے۔ اور مستقل طور پر زکوٰۃ کے حکم سے اس کی تقسیم کا اصل قائم کر دیتا ہے۔ غرض دنیا کی نجات اس وقت تک ممکن نہیں۔ جب تک وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چشمہ ہدایت کی طرف متوجہ نہ ہو دنیا کا موجودہ تمدن و تہذیب انسان کو خدا سے دور کر رہا ہے۔ اور اس کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کو تباہ کر رہا ہے۔ برخلاف اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس تمدن و تہذیب کو دکھا رہے ہیں۔ اسکی ساری بنیاد اخلاقی اور روحانی قوتوں کے نشوونما پر ہے۔ موجودہ مادہ پرستی انسان کو خدا کا منکر بنا رہی ہے۔ مگر حضورؐ خدا پر ایمان ساری راحتوں کا سرچشمہ دکھا رہے ہیں

۱۰

میں اب آخر میں ایک بات کہہ کر اس مضمون کو جسے بہت وسعت سے بیان کرنے کو طبیعت للچاتی ہے۔ افسوس کے ساتھ ختم کر دینا چاہتا ہوں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کامل انسان بننے کے لئے صحیح اور کامل نمونہ ہیں۔ جب تک انسان اسی آئیڈیل کو سامنے رکھ کر قدم نہیں اٹھاتا۔ اس کی زندہ قوتیں بھی مردہ ہو جاتی ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی سے جس مرکزی امر کو ظاہر کیا تھا وہ اللہ تعالےٰ پر ایمان اور اخلاق اللہ سے متخلق ہوتا ہے۔ اسی ایک چیز کو آپ ہر انسان میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور جنہوں نے اس راز کو سمجھ لیا۔ انہوں نے فی الحقیقت ایک حیات جدید حاصل کی ایسی حیات جس پر موت کا قابو نہیں چل سکتا۔ اور یہی وہ دعوت ہے۔ جس کی طرف آپ بلاتے ہیں۔ تاکہ دعوت قبول کرنے والوں کو زندہ کریں۔

حضور کی زندگی کو پڑھو۔ آپ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کسی حالت میں بھی ہوں۔ ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ آپ کے پیش نظر ہے۔ اس مقصد کے لئے حضور کی دعاؤں کو پڑھو۔ تو ان میں فلسفہ حیات کا صحیح راز آپ کو معلوم ہوگا۔ زندگی کا کوئی شعبہ نہیں سوتے جاگتے بازار میں پھرتے۔ بیت الخلا میں جاتے نکلتے ہوئے مجلس میں۔ مجلس سے باہر خلوت میں۔ کھاتے وقت پیتے وقت لباس پہنتے وقت۔ غرض کوئی بھی حالت ہو۔ آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ آپ دعاؤں میں مصروف ہیں۔ یہی وہ چیز تھی۔ اور ہے جو انسان کو نہ صرف خود زندہ بنا دیتی ہے۔ بلکہ وہ خود چشمہ حیات بن جاتا ہے۔ یہ چیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہے۔ اسی لئے آپ زندہ نبی ہیں۔ اس لئے کہ آپ کی تعلیم کی صداقت اس کے تاثرات اور نتائج آج بھی اسی طرح ظاہر اور ثابت ہیں جس طرح آپ کے عصر سعادت میں تھے آج دنیا پھر مردہ ہو چکی ہے۔ اور موت کے گڑھے میں گر رہی ہے۔ اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام لیووں کا فرض ہے۔ کہ وہ اسی آب حیات کی طرف لوگوں کو پکاریں

بالآخر میں اس مضمون کے پڑھنے والوں سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ اس خادم قدیم کے لئے دعا کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ اسے بھی اس چشمہ حیات سے حقیقی طور پر متمتع ہونے کی توفیق دے۔ اور مجھے قوت دے۔ کہ میں ذکر حبیبؐ کو بلند کروں۔ اور شان حبیبؐ کو مختلف رنگوں میں پیش کر سکوں ٭ وباللّٰہ التوفیق

اللّٰھم صلِ علٰی محمدٍ وعلٰی آلِ محمدٍ وبارکْ وسلم

نیا کپڑا پہننے کے وقت کی دعا

ابو سعیدؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تھے۔ مثلاً پگڑی یا کرتہ یا چادر تو اس کا نام لے کر یوں دعا مانگتے۔ اللّٰھم لک الحمد کما کسوتنیہ اسئلک خیرہ وخیر ما صنع لہٗ واعوذبک من شرہٖ وشر ما صنع لہٗ کہ اے اللہ تیرے لئے سب تعریفیں ہیں۔ تو نے ہی مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے۔ میں تجھ سے اس کپڑے کی بھلائی۔ اور وہ بھلی اغراض جن کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے۔ طلب کرتا ہوں۔ اور اس کپڑے کی برائی۔ اور وہ بری اغراض جن کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے۔ ان سے میں تیری پناہ میں آنا چاہتا ہوں ٭ (ترمذی)

تخلیق بے مثال ہیں حضرت رسول پاک

از جناب ایم عبد الغنی صاحب ثاقبؔ بی۔ اے آنرز بھٹنڈا

قرآں کا خط و خال ہیں حضرت رسول پاک
مقصودِ ہر بلال ہیں حضرت رسول پاک

پروانۂ رسول ہے ہر فردِ حق شناس
اک شمع ذوالجلال ہیں حضرت رسول پاک

ہو جن کے سامنے مۂ کنعاں بھی داغدار
وہ بدرِ خوش جمال ہیں حضرت رسول پاک

روحانیت کے چرخ کے انجم ہیں انبیاء
خورشیدِ لازوال ہیں حضرت رسول پاک

معمورِ انبساط ہیں ایماں کے میکدے
اک عید کا ہلال ہیں حضرت رسول پاک

ہر سو سے کھچ کے آ گئے عرفاں کے تشنہ کام
کیا چشمۂ زلال ہیں حضرت رسول پاک

قوسین کا مقام میسر ہوا جنہیں
وہ رمزِ اتصال ہیں حضرت رسول پاک

ہر بات لاجواب ہے ہر کام بے نظیر
گلدستۂ کمال ہیں حضرت رسول پاک

کفار بھی یہ کہہ اٹھے بے ساختہ ثاقبؔ
تخلیق بے مثال ہیں حضرت رسول پاک

اسلام کے عالمگیر تمدن پر ایک نظر

دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا

(از جناب مولوی اللہ دتا صاحب مولوی فاضل مبلغ بلادِ عربیہ مقیم حیفا)

دُنیا پر مختلف انقلابات آئے۔ اور انسانی زندگی نے ارتقاء و تنزل کے مختلف دَور طے کئے۔ زمانہ قبل از تاریخ کے متعلق قیاسات اور انکشافاتِ جدیدہ و آثارِ قدیمہ کی بنا پر متعدد نظریئے قائم کئے گئے۔ تاریخی زمانہ میں انسان ترقی و تہذیب۔ تمدن و علوم کی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے لباس۔ اس کی جائے رہائش زبان و لہجہ۔ طرزِ زندگی۔ طریقِ بود و باش اور افکار و خیالات میں تبدیلی ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ اس کی درشتی آشتی سے اور وحشت و بربریت۔ باہمی لطف و مدارات سے بدلتی گئی۔ اور وُہ وحوش و درندوں کی مشابہت کے دائرہ سے نکلکر قدوسیوں اور ملائکہ کے زمرہ میں داخل ہوگیا۔ تنافر اور باہمی بغض و عداوت مٹ رہا ہے۔ اور انسان نہ صرف اپنے لئے بلکہ بنی نوع انسان کے لئے جینا سیکھ رہا ہے۔ اجتماعی زندگی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ اگرچہ ہم اس حالت کو کامل تمدن نہ کہہ سکیں۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ تمدن کا پہلا زینہ ضرور ہے۔

انسانوں نے شخصی بقا کے لئے مختلف حدود مقرر کیں۔ چونکہ اعتقاد و فکر اور عمل باہر دوسرے تعلق رکھتی ہیں۔ جن کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انسانوں میں حاجز۔ روکیں اور موانع قائم ہوگئے۔ اور کشت و خون جاری ہوگیا۔ لیکن انسان مدنی الطبع ہے۔ تمدنی زندگی اس کی فطرت میں مرکوز ہے۔ اس لئے فطرت عارضی حالات پر غالب آئی۔ اور انسان پھر متمدن اور حیاتِ اجتماعی کا دلدادہ ہوگیا۔ مشیتِ ایزدی کا بھی یہی ارادہ تھا۔ اس لئے قدرت نے انسان کے فطری مطالبہ کے لئے طبعی سامانوں کے علاوہ ایک خاص انتظام فرمایا۔ اور وُہ یہ کہ تمدن صحیح کے قائم کرنے کے لئے حقیقی معلم یعنی انبیاء۔ اور اس کا نصاب تعلیم یعنی الہامی صحیفے نازل فرمائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتاب

پس نبیوں کی بعثت تفریق و شکستِ وحدت کے لئے نہیں۔ بلکہ حقیقی اور فطری اتفاق کے قائم کرنے کے لئے ہے اور ان کا وجود حقیقی تمدن کے قیام کا واحد ذریعہ ہے۔ ؎

گر بدُنیا نا بُدے ایں خیلِ پاک ؛ کارِ دیں ما ندے سراسر ابترے

تمدن کے معنے

تمدن ایک وسیع لفظ ہے۔ عربی زبان میں کہتے ہیں۔ تمدن فلان اے انتقل من الھمجیۃ الٰی حالۃ الانس الظرف فلاں شخص متمدن ہوگیا۔ یعنی درندگی اور وحشیانہ زندگی سے الفت و محبت کی زندگی کی طرف منتقل ہوگیا۔ پس تمدن کے لفظی معنے اجتماعی زندگی کے ہیں۔ اسی لئے شہر کو جہاں بہت سے لوگ اکٹھے مل کر رہیں۔ ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوں۔ مدینہ کہتے ہیں۔ مدینۃ ۔ مجتمع بیوت یزید عددھا علٰی عدد بیوت القریۃ

اور درحقیقت راحت و تکلیف کا صحیح احساس اجتماع سے ہی ہوتا ہے اور انسان خوشی اور غم کے موقعہ پر جمع ہوکر فطرت کی اس آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ شادی اور موت کے وقت دُنیا بھر میں لوگوں کا جمع ہوجانا اس دعوٰے کی زبردست دلیل ہے۔ غرض لفظ تمدن اپنے لغوی معنی اور فطری شہادت کی بنا پر اجتماع کو چاہتا ہے۔ جہاں اجتماع نہیں وہاں کوئی تمدن نہیں۔ اسلام چونکہ متمدن مذہب ہے۔ اس لئے فرمایا۔ لا رھبانیۃ فی الاسلام (الحدیث) اسلام میں رہبانیت۔ یعنی اجتماعی زندگی کو کلیۃً خیرباد کہہ دینا جائز نہیں۔

تمدن کی اقسام

بیان مافوق سے تمدن کے فوائد۔ ضرورت اور تاریخ پر اجمالی نظر کرنے کے بعد جب دُنیا کے ادیان و اقوام کے تمدن پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ تمدن کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ خاندانی تمدن۔ جس کی حدُود نہایت محدُود اور دائرہ نہایت تنگ ہے۔ اس تمدن والے صرف اپنے ہی خاندان کے نفع و نقصان کو مدنظر رکھتے ہیں۔

۲۔ قومی تمدن۔ اس کا دائرہ اگرچہ وسیع ہوتا ہے۔ مگر صرف ایک خاص قوم تک۔ قومی افراد کی سود و بہبود ہی انتہائی مقصد ہوتا ہے۔

۳۔ ملکی تمدن۔ یہ تمدن اقلیمی حدود میں محدود ہوتا ہے۔ اہلِ ملک کو اپنے ہی ملک سے سروکار ہوتا ہے۔ اور وُہ ہر حالت میں اپنا فائدہ ہی مقدم رکھتے ہیں۔ دُوسرے ممالک تباہ ہوتے ہیں۔ تو ہوں۔

۴۔ عالمگیر تمدن۔ یہ وُہ قسم ہے۔ جو خاندان۔ قوم اور ملک کی حدبندی سے بالاتر۔ اور ہر انسان کہلانے والے پر شامل ہے۔ دراصل تمدن کی یہی قسم ہے۔ جو دُنیا کی نجات کا ذریعہ اور انسان کی سچی خوشحالی کا طریق ہے۔

نظامِ عالم میں ہر چیز تدریجی اور باترتیب ہے۔ بیج اُگتا ہے۔ شگوفہ نکلتا ہے۔ پتیاں نظر آتی ہیں۔ آہستہ آہستہ تناور درخت بن جاتا ہے۔ انسان کا بچہ کمزور و ناتوان ہوتا ہے۔ تدریجاً نشو و نما پاتا ہے۔ ایک دن آتا ہے۔ کہ شہ زور نوجوان بن جاتا ہے۔ قدرت کے اس طریق کے مطابق ضروری تھا۔ کہ تمدن انسانی بھی رفتہ رفتہ منازلِ ترقی طے کرکے اوجِ کمال تک پہنچے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بظاہر انبیاء کی بعض تعلیمات میں اختلاف نظر آتا ہے۔ اور کئی نادان اس سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ حالانکہ وُہ انسان کی مختلف حالتوں میں ضرورت کے مطابق تعلیمی کورس تھے۔ بعض نبی ابتدائے آفرینش میں خاندانی تمدن کے علمبردار بن کے آئے۔ بعض نبی ملکی تمدن کے بانی قرار پائے۔ بعض نبی قومی تمدن کے جاری کرنے والے تھے۔ اور ان سب کے آخر وُہ نبی آیا۔ جو عالمگیر تمدن کا پیغامبر تھا۔ جس کا مقصد سب سے بلند۔ اور جس کا مقام سب سے بالاتر تھا۔ اسی لئے وُہ نبیوں کا خاتم قرار پایا۔ کیونکہ اس سے اوپر کوئی مقام نہیں۔ ہاں وُہ مدنیتِ عالم کا مؤسس اور دُنیا کا حقیقی نجات دہندہ ہمارا پیارا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسمانی زندگی کے بعد بھی جس سرزمین میں سوتا ہے۔ اس کا نام مدینہ منورہ ہے۔ اس شہر کا نام یثرب تھا۔ مگر جب فخرِ موجودات اور قصرِ تمدن عالمگیری کے معمار کا نزول پر اجلال اس جا پہ ہوا۔ تو اسی دن سے اس کا نام مدینہ قرار پایا۔ تا آئندہ نسلوں کے لئے ایک اشارہ ہو۔ کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آبادیوں کو ویران نہیں۔ بلکہ ویرانوں کو آباد کرنے آئے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اسلام اور دیگر مذاہب کا تمدن

موجودہ زمانہ میں خاندانی تمدن والے مذہب کی مثال شاید نہ مل سکے۔ کیونکہ جس طرح بڑی مچھلی چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے۔ اسی طرح یہ مذہب باقی مذاہب میں منضم اور اس کا تمدن باقی بڑے تمدنوں میں مدغم ہوچکا ہے۔ لیکن مذاہبِ عالم میں باقی ہر سہ قسم کے تمدنوں کی مثالیں موجود ہیں۔ ہندو دھرم ملکی تمدن کا حامی ہے۔ اور یہودیت و عیسائیت قومی تمدن کا نمونہ ہیں۔ اسلام عالمگیر تمدن کا علمبردار ہے ہمارے اس دعوٰے کا ثبوت مذہبی طور پر یہ ہے۔ کہ ہندو آریہ ورت

سوا دیگر کسی ملک کے نبی پر ایمان نہیں لاتے۔ عیسائی اور یہودی صرف قومی نبیوں کو ہی مانتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک خدا تعالےٰ نے نسل اسرائیل کے علاوہ کسی قوم میں نبی نہیں بھیجا۔ لیکن مسلمان اللہ تعالےٰ کے ارشاد ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ کے مطابق ہر ملک کے نبی اور ہر قوم کے رسولوں کو مانتا ہے۔ ان کی عزت کرتا ہے۔ اس ایک بات سے ہی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اسلام کا نقطۂ نظر کس قدر وسیع اور عالمگیر ہے ۔

اس جگہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ تمدن ظاہری انسان کے روحانی تاثرات اور دینی عقائد کا ہی نتیجہ ہے۔ اس لئے تمدن کے جانچنے کا صحیح معیار مذہبی تعالیم اور روحانی معتقدات کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا خصوصاً مذہب سے وابستہ تمدن کے لئے ۔

میں ویدک دھرم اور یہودیت و عیسائیت کے تمدن کو ملکی تمدن یا قومی تمدن کہہ کر ان مذہبوں کی توہین نہیں کر رہا۔ بلکہ نظام قدرت کی طبعی ترتیب ذکر کر کے ان مذاہب کی توقیر بیان کر رہا ہوں۔ کیونکہ قدرت تدریج چاہتی ہے۔ اور خود ان مذاہب کے بانیوں نے اپنے مذہب اور تمدن کو عالمگیر قرار نہیں دیا۔ اور نہ ہی ساری دنیا کو اس کی طرف دعوت دی ہے۔ پس یہ توہین نہیں۔ بلکہ حقیقت کا بیان ہے۔ قانون قدرت میں اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے۔ بارش ہوتی ہے۔ پانی برستا ہے قطرہ قطرہ جمع ہوتا ہے۔ ندی نالہ کے بعد دریا۔ اور دریا کے بعد سمندر کی صورت میں جمع ہو جاتا ہے ۔

خاندانی تمدن والے مذہب کی مثال مقامی بارش کی مثال ہے۔ اور ویدک دھرم و عیسائیت وغیرہ چھوٹے بڑے دریا کی مانند ہیں۔ اور اسلام کی مثال بحر بے پایاں کی ہے۔ انسانی دنیا کے لئے سمندر سے بڑھ کر پانی کا کوئی بڑا مجموعہ نہیں۔ اسی لئے قرآن پاک کامل شریعت ہے جس طرح سمندر کے بخارات سے ہی بادل بنتے اور بارشیں برستی ہیں۔ اسی طرح اب آئندہ کی تمام روحانی بارشیں قرآنی سمندر کے ہی اثرات ہونگی خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ۔

خوش آئند مستقبل کی پیشگوئی

جمادات۔ نباتات۔ حیوانات علی الترتیب انسان کا جزو بن جاتے ہیں۔ کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ چھوٹے نالے دریا میں۔ اور دریا آخر سمندر میں فنا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ پانی کی نہائت ہے۔ اسی طرح لازمی ہے۔ کہ خاندانی تمدن۔ ملکی تمدن۔ قومی تمدن۔ آخر ایک دن عالمگیر تمدن میں جذب ہو جائے۔ اسلام روز اول سے ہی تو سب کو جذب کر رہا ہے۔ اور باوجود ہر قسم کی روکاوٹوں کے بڑھ رہا ہے۔ اور الٰہی نوشتوں کے مطابق مسیح موعود کا زمانہ عالمگیر تمدن کے عالمگیر غلبہ کا زمانہ ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریباً نصف صدی پیشتر حالات کے ناسازگار ہونے کے باوجود اہل دنیا کی آراء کے خلاف مسلمان کہلانے والوں کی مردنی کے ہوتے ہوئے پیشگوئی فرمائی کہ :۔

"ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی۔ کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نا امید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دینگے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا۔ اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھے گا۔ اور پھولے گا۔ اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے!" (تذکرۃ الشہادتین)

کوتہ اندیش نگاہیں تعجب کریں گی۔ مگر یہ خدا کا نوشتہ ہے۔ اور نظام عالم کا طبعی اقتضاء۔ جو آہستہ آہستہ ضرور اپنے وقت پر پورا ہو کر رہے گا۔ چنانچہ اب تو اہل مغرب بھی اس حقیقت کا اقرار کر رہے ہیں۔ ایک مسیحی اخبار لکھتا ہے :۔

"قد اکد کبیر کتاب الانکلیز فی ھذا العصر وھو برنارد شو فی احدی المجلات البریطانیۃ الشھیرۃ انہ لن یمضی مائۃ عام حتی تکون اوربا وبخاصۃ انکلترا قد استیقنت من ملائمۃ الاسلام للحضارۃ الصحیحۃ"

(جریدہ فلسطین۔ یافا۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۲ء)

یعنی موجودہ زمانہ کے بہت بڑے انگریز مصنف برنارڈ شو نے انگلستان کے ایک مشہور رسالہ میں بتاکید لکھا ہے۔ کہ ایک سو سال کے اندر اندر یورپ خصوصاً انگلستان اس بات کا پختہ یقین کر لے گا۔ کہ اسلام ہی صحیح تمدن کے مناسب اور اس کا حامل ہے ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :۔

آسماں پر دعوتِ حق کے لئے اک جوش ہے ۔
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار ۔
آ رہا ہے اس طرف احرار یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی ۔ مُردوں کی ناگہ زندہ وار
کہتے ہیں تثلیث کو اب اہل دانش الوداع
پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار

عربوں کا تمدن اور آنحضرتؐ کی بعثت

اہل عرب پر کامل تاریکی تھی۔ اخلاقی گراوٹ آخری درجہ پر پہنچ چکی تھی۔ دین و دیانت کا نام و نشان نہ تھا۔ عرب کو ایرانی و رومانی تہذیب سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ غرض تمدن مفقود اور درندوں کی زندگی کا پُر انسود تھا۔ اس ہولناک تاریکی کا تصور تو کرو۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بعثت کے وقت خطۂ عرب پر چھا رہی تھی۔ پھر اس ظلمت کا خیال کرو۔ جو روئے زمین پر حکومت کر رہی تھی۔ تمدن اور مذہب کے نام پر ہر جگہ ظلم ہو رہے تھے۔ کہ وادئ بطحا (سرزمین مکہ) سے آفتاب صداقت کا طلوع ہؤا۔ اور اس نے ظلمت کے بادلوں کو دور کر دیا۔ ۲۳ سال کی جانکاہ کوششوں۔ شبانہ روز ساعی دن رات کی تربیت روحانی کا نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ وہ قعر ظلمت میں گری ہوئی قوم بام رفعت پر پہونچ گئی۔ اور اس کا تمدن دُنیا بھر کے لئے اسوہ قرار پایا۔ اور اونٹوں کے چرواہے حکمت و فلسفہ۔ دلیل و برہان۔ اور پاکیزگی و طہارت میں ساری قوموں کے معلم قرار پائے۔ چند ہی سالوں میں وہ عظیم الشان تغیر پیدا ہؤا کہ تاریخ اس کی نظیر لانے سے قاصر اور عقل اس کی تہ تک رسائی سے عاجز۔ درحقیقت یہ قدرت الٰہی کا ایک زبردست معجزہ تھا جس نے عرب کی کایا پلٹ دی۔ دُنیا کی بگڑی بنا دی۔ اور منتشر والی حیوان کی طرح (مضبوط تمدن) عالمگیر تمدن قائم کر دیا۔ اور صدیوں کے گرے ہوؤں کو اٹھایا۔ اسیروں کو رستگاری بخشی۔ ان کی قیود و سلاسل کو کیسر کاٹ دیا۔ یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم عربوں کا متمدن ہو جانا۔ اسلامی تمدن کا ربع مسکون پر چھا جانا۔ اور قیصر و کسریٰ کے تمدن کا مغلوب ہو جانا عقلمند کی نظر میں ایک بیّن دلیل ہے۔ کہ اسلامی تمدن ہی عالمگیر تمدن ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی عالمگیر تمدن کے قائم کرنے والے ہیں ۔

اہل دُنیا کا موجودہ تمدن

تمدن انسانوں کی اجتماعی زندگی کا نام ہے۔ لیکن ہر اجتماع کے لئے قواعد و اصول ہوتے ہیں۔ جو اس اجتماع کو مفید اور خوشگوار بنا سکیں۔ ایک خاندان کے اجتماع سے لے کر حکومتوں کے نظام تک دیکھ جاؤ۔ سب جگہ قواعد و قوانین ہونگے۔ اسی بناء پر تمدن کے قواعد ہونے ضروری ہیں۔ موجودہ حالت میں دُنیا عجیب کشمکش میں مبتلا ہے۔ مشرق و مغرب کے تمدن میں بعد المشرقین نظر آتا ہے۔ وہ باتیں جنہیں یورپ و امریکہ عین تہذیب اور تمدن کی جان قرار دیتا ہے۔ مشرقی دُنیا میں بے حیائی اور ننگ عار سمجھی جاتی ہیں۔ اور اہل مشرق جن امور کو تمدن صحیح کی بنیاد بتاتے ہیں۔ مغرب ان پر ہنستا۔ اور جاہلیت کی یادگاریں کہتا ہے کل حزب بما لدیھم فرحون۔ قوموں کی جنگ ہے۔ ہر قوم دوسری کو نگل جانا چاہتی ہے۔ مغربی دُنیا سے دو تحریکیں۔ خطرناک تحریکیں پیدا ہوئی ہیں۔ اور دونوں ہی موجودہ غلط تمدن کا ثمرہ ہیں :۔

۱۔ تحریک استعمار۔ مغربی ممالک دُنیا کو ہمیشہ کے لئے اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اور ہر ممکن حیلہ سے اپنا تسلط۔ اور جابرانہ قبضہ قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ مشرقی ملکوں کو اپنے زیر محکومیت کے نیچے کچلنے پر کمربستہ ہیں۔ یہ مستعمرانہ تحریک ایک اژدہا ہے۔ جو دُنیا کے تمدن کو نگل رہا ہے۔ اور خدا کی آزاد مخلوق کو غلامی کے جوئے تلے رکھنے پر تلا بیٹھا ہے۔ اس تحریک کا لازمی نتیجہ جنگ و خونریزی اور کشت و خون ہے ۔

۲۔ بالشویکی تحریک۔ یہ تحریک بھی ایک خطرناک تحریک ہے۔ اور دراصل مستعمرین کے مظالم اور اداروں کے بے جا دباؤ کا نتیجہ ہے لیکن اب اس کا مقصد نظام عالم کو درہم برہم کرنا ہے۔ بظاہر یہ تحریک عمال۔ یعنی مزدوروں کی حقوق رسی کے لئے بتائی جاتی ہے۔ مگر یہ بھی براہ راست تمدن کو برباد کرنے والی ہے۔ حقیقتاً یہ دونوں تحریکیں غلط تمدن۔ اور ناجائز طریق کار کا نتیجہ ہیں۔ اور مغربی تمدن کی دو نمائندہ تحریکیں ہیں غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ بالشویکی تحریک قومی تمدن کا رنگ لئے ہوئی ہے۔ اور استعماری تحریک۔ ملکی تمدن میں رنگین۔ لیکن اب زمانہ عالمگیر تمدن کا ہے۔ نہ کہ ملکی تمدن یا قومی تمدن کا۔ اور عنقریب دُنیا

دیکھے گی۔ کہ کس طرح مختلف حادثات کے بعد آخر دانشمند خدا کے دین اسلام اور عالمگیر تمدن کی طرف جھکتے ہیں ؛

اسلامی تمدن کی بنیاد

جب تک قومیں برہمن اور اچھوت۔ اسرائیلی اور غیر اسرائیلی گورے اور کالے۔ مشرقی اور مغربی کی ناجائز تفریق اور غلط تمیز سے دست کش نہ ہونگی۔ دُنیا میں صحیح امن قائم نہیں ہوسکتا۔ وُہ زمانہ گزر گیا۔ جب کہ ہندو بیرون ہند کے لوگوں کو محض آریہ ورت سے باہر پیدا ہونے کی وجہ سے ناپاک اور ملیچھ کہا کرتے تھے۔ اور اچھوتوں کو دھتکارا کرتے تھے۔ اسلامی تمدن کی ہوائیں ان کو اس باطل خیال سے منع کر رہی ہیں۔ اور زمانہ کے تھپیڑے ان کو بتلا رہے ہیں کہ سب انسان بحیثیت انسان بھائی بھائی ہیں۔ اب اچھوتوں کو گلے لگانا پڑے گا۔ اور مندروں کے دروازے آج نہیں۔ تو کل ان کے لئے کھولنے پڑیں گے ؛

یہود و عیسائی بھی اب انسانیت کے دائرہ میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کی تمیز کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ گوروں اور کالوں کے گرجے الگ الگ دیر تک قائم نہیں رہ سکتے۔ اب دُنیا میں صرف اسلامی تمدن ہی قائم ہوگا۔ جس کی بنیاد دو ستونوں پر ہے۔ اول توحید الٰہی۔ دُوسرا مساوات انسانی ؛

خدا کی توحید کامل کا اقرار کئے بغیر صحیح تمدن قائم نہیں ہوسکتا کیونکہ عالمگیر تمدن کے لئے ضروری ہے۔ کہ میں سب انسانوں کو بلحاظ انسان اپنے جیسا سمجھوں۔ اور یہ بات یزدان واہرمن، ۳۳ کروڑ دیوتاؤں۔ تین خداؤں کے قائل کے دل میں پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ ظاہرداری کرے۔ تو اور بات ہے۔ مگر بناوٹ دیرپا نہیں ہوسکتی۔ جب انسان صدقِ دل سے ایک خدا۔ ایک خالق۔ ایک رب العالمین کا اعتراف کرتا ہے۔ تو وُہ عیسائی و موسائی۔ آریہ و برہمو۔ مغربی و مشرقی کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ اور سب کو اپنے رب کی مخلوق جان کر اُن سے محبت کرنا فرض جانتا ہے سب سے ہمدردی کرتا ہے۔ رواداری اختیار کرتا ہے کسی انسان کو ناجائز تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ مسئلہ توحید درحقیقت عالمگیر تمدن کی روح رواں ہے۔ اور چونکہ اسلام نے ہی کامل توحید پیش کی ہے۔ اس لئے اسی کا حق تھا۔ کہ عالمگیر تمدن بھی پیش کرتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ؛

مساواتِ انسانی اسلام کا خاص امتیازی عقیدہ ہے۔ انسانوں میں انسانی مساوات ہے۔ مومنوں میں ایمانی مساوات۔ گویا اصولی اور فطری مساوات کے بعد اعمال صالحہ میں مسابقت کا دروازہ کھلا رکھا۔ ایک آریہ جب اپاہج۔ سوکھے اور تکلیف زدہ انسان۔ اور اس کے نوزائیدہ بچہ کو دیکھ کر کہے گا۔ کہ میرے گزشتہ جنم کے اعمال اچھے تھے۔ میں آرام میں ہوں۔ یہ شخص بدکار تھا۔ اور یہ بچہ بھی گنہگار تھا۔ تو نہ اس شخص پر رحم آئے گا۔ اور نہ بچہ کی محبت پیدا ہوگی۔ کیونکہ وُہ فطری مساوات کا قائل نہیں۔ یہودی غیر اسرائیلی کو پیدائشی ناپاک کہتا ہے۔ عیسائی بھی رحمتِ الٰہی اسرائیلی کے لئے مختص بتاتا ہے مگر ایک مسلم ہر بچہ کو پیدائشی پاک اور مساوی مانتا ہے۔ مولود کی تکلیف کو کبھی اس کے گزشتہ گناہ کی سزا نہیں۔ بلکہ عارضی چیز سمجھتا ہے سو اس کی مدد کرنا اپنا فرض اور خدا کا حکم مانتا ہے ؛

پھر عملی طور پر بھی اسلام نے مساوات قائم کی ہے۔ اسلام میں قومیت۔ ملک اور رنگت وغیرہ کوئی وجہ تفریق نہیں۔ سب مسلمان یکساں ہیں۔ نماز میں ہوں۔ یا حج میں۔ ہر مقام پر خدا ایک۔ اور اس کے سب بندے بھائی بھائی ہیں۔ اس محکم بنیاد کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (الحجرات) اے روئے زمین کے سب لوگو! میں ایک ہی خدا تم سب کا پیدا کنندہ ہوں اور تم سب مرد و عورت سے پیدا ہوئے ہو۔ قبائل اور گروہ صرف شناخت کے لئے ہیں۔ ہاں خدا کے ہاں دینی طور پر وُہی معزز ہوگا۔ جو زیادہ تقوےٰ شعار ہوگا۔ یعنی سب لوگوں کا خالق ایک۔ طریق پیدائش ایک۔ طریق ترقی یکساں طور پر سب کے لئے کھلا ہے۔ تم سب ایک ہی درخت کی شاخیں۔ ایک ہی سمندر کے قطرے اور ایک ہی آسمان کے درخشندہ ستارے ہو۔ تم نہ خود ذلیل ہو۔ نہ دوسروں کو ذلیل سمجھو۔ کیا ہی پاکیزہ اصل۔ اور کتنی محکم بنیاد ہے۔ دُنیا۔ موجودہ دُنیا جس بات کی طلبگار ہے۔ وُہ عالمگیر تمدن ہے۔ اور عالمگیر تمدن کی بنیاد یہ ہے۔ جس کی مثل کسی اور جگہ مل نہیں سکتی۔ پس اسلامی تمدن ہی عالمگیر تمدن ہے ؛

اسلامی تمدن کے چند اصول

میرا ارادہ تھا۔ کہ اس موضوع پر مفصل بحث کرتا۔ مگر اطلاع نہایت تنگ وقت پر ملی۔ اور اب ہوائی ڈاک میں ایک گھنٹہ کا وقفہ ہے۔ اس لئے اختصاراً بعض اصول کی طرف اشارہ کر دیتا ہوں۔

اوّل ۔ حریتِ ضمیر۔ آزادیٔ رائے۔ فرمایا۔ لا اکراہ فی الدین ؛

دوم ۔ امن کی حفاظتِ تامہ۔ اسی لئے شریعت نے چار مہینوں کو اشہر الحرم قرار دیا۔ فرمایا۔ منھا اربعۃ حرم ؛

سوم ۔ قانون مکمل موجود ہو۔ الیوم اکملت لکم دینکم ؛

چہارم ۔ نیت کی پاکیزگی۔ اور قلبی طہارت پر بھی خاص زور دیا جائے۔ اعمال کی فلاسفی بتائی جائے۔ فرمایا۔ وذروا ظاھر الاثم وباطنہ۔

پنجم ۔ تعلیم علم اور لازمی ہو۔ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ

ششم ۔ غیر مسلموں سے کامل رواداری اختیار کی جائے فرمایا۔ لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ۔ فیسبوا اللہ عدوًا ؛

ہفتم ۔ عصمتِ انبیاء۔ اگر نبی کا پیرو نبی کو معصوم نہ مانے۔ تو اُس کے دل سے بدی کی جڑ نہیں کٹ سکتی۔ اور وُہ اپنی بدیوں پر نبی کو سند پکڑے گا۔ اس لئے قلبی طہارت کے لئے عصمت انبیاء کا عقیدہ ازبس ضروری ہے۔ فرمایا ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ؛

ہشتم ۔ معافی اور سزا کی غرض اصلاح ہو۔ فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ۔

نہم ۔ قانون کا پُورا احترام ہو۔ بے رو رعایت فیصلے کئے جائیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لو سرقت فاطمۃ بنت محمد لقطعت یدھا ؛

دہم ۔ حقدار کو معاف کرنے کی ترغیب دی جائے۔ فمن عفی لہ من اخیہ شیئ الآیہ۔ لیکن مجرم کو فیصلہ کے بعد سزا دینے میں نرمی نہ کی جائے۔ لا تاخذکم بھما رأفۃ فی دین اللہ ؛

خلاصۂ بیان

غرض عالمگیر تمدن صرف اسلام نے پیش کیا۔ اور اسلامی تمدن۔ اور اس کی بنیاد پر ہی دُنیا میں امن قائم ہوسکتا ہے۔ جنگوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ قومیت۔ وطنیت کے تنگ خیالات کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہی سب انسانوں کے لئے نمونہ ہے۔ اور آپ نے ہی صحیح تمدن قائم کیا۔ اور خدا تعالےٰ کے فضل سے اسلامی تمدن ہی مستقبل کا تمدن ہوگا۔ اسلامی شریعت ہی آئندہ نسلوں کا دستور العمل ہوگی۔ مبارک وُہ جو اس جاہ وجلال کے نبی محمدؐ عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے۔ اور دین و دُنیا کی بہتری سے بہرہ مند ہو ؛

اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس
بیا در ذیل مستان محمدؐ

اللھم اجعلنا منھم صلی اللہ علی النبی وعلیٰ آلہٖ ولا سیما علی المسیح الموعود وسلم تسلیمًا کثیرًا۔

فقر و فاقہ کی حالت میں کیا کرنا چاہیئے

ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص فقر و فاقہ میں گرفتار ہو۔ اگر وُہ اپنی ضرورت لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ تو اس کا فقر و فاقہ دُور نہ ہوگا۔ اور جو شخص اللہ کے حضور پیش کرے۔ تو بہت امید ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ جلد یا بدیر اسے رزق اس کو عطا فرمائے ؛ (ابوداؤد)

از پیر محمد عبداللہ صاحب نثار قادیان

جذبات کے لحاظ سے انسان وہی ہے۔ جو آج سے کئی سو برس پیشتر تھا۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے ذیل کا واقعہ قلم بند کیا ہے۔ قصہ تو تواریخ میں مذکور ہے۔ لیکن میں نے علم النفس کی روشنی میں اس کی تفاصیل کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

ایک دفعہ عرب میں سخت قحط پڑا۔ عرب کی سنگلاخ زمین بجائے روئیدگی کے شرارے اگلتی تھی۔ آسمان بجائے بارش کے انگارے برساتا تھا۔ سب سے زیادہ درماندہ حالت بنی سعد قبیلہ کی ہوئی۔ بارش نہ ہونے کے باعث ان کے باغات اجڑ گئے۔ اُن کی کھیتیاں ویران ہوگئیں۔ آخر جب ان کے صبر و شکیب کا پیالہ لبریز ہوگیا۔ تو ایک رات قبیلہ کی عورتوں نے فیصلہ کیا۔ کہ وُہ شہر مکہ میں جائیں۔ اور اپنے دستور کے مطابق امیروں کے نوزائیدہ بچے لے آئیں۔ شائد اس طرح ان کے لئے قوت لایموت کا سامان ہو جائے۔ صبح کے وقت قبیلہ کی کچھ عورتیں خیموں سے باہر جمع ہوئیں۔ اور مکہ کی طرف روانہ ہوگئیں۔ اونٹوں کی قطار چل پڑی۔ سب سے پیچھے ایک لاغر نحیف اور کمزور اونٹنی جس کا دودھ خشک ہو چکا تھا۔ جا رہی تھی۔ اس کی مالکہ ایک نیک بخت خاتون ایک مادہ خر پر سوار تھی۔ جو بھوک پیاس سے اس قدر کمزور تھی۔ کہ چلنا اس کے لئے سخت دشوار تھا۔ اس خاتون کی گود میں ایک چھوٹا بچہ تھا۔ اور اس کا خاوند اس کے ساتھ تھا۔ وُہ سوچتی تھی۔ اگر مجھے کوئی بچہ نہ ملا۔ تو پھر کیا ہوگا۔ پھر خیال کرتی۔ خدا ضرور میری مدد کرے گا۔ مجھے اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

سواری کے جانور کے کمزور ہونے کی وجہ سے وُہ قافلہ سے بہت پیچھے رہ گئی۔ اور شہر میں قافلہ کے بہت بعد پہونچی۔ اس اثنا میں تمام بچے تقسیم ہو چکے تھے۔ اور کسی امیر کا بچہ اس کے لئے باقی نہ رہ گیا تھا۔ یہ غریب۔ نیک بخت عورت۔ حیران و پریشان درماندہ تھکان سے چور ایک کھجور کے درخت تلے آئی۔ اور وہیں ڈیرہ ڈال دیا۔ خاوند کو اسباب کے پاس چھوڑ کر قسمت آزمائی کے لئے شہر میں چلی گئی۔

ایک خاموش لیکن بابرکت گھر میں جو کہ غربت کا مسکن تھا ایک عورت اپنے نوزائیدہ بچے کو گود میں لئے اس کا منہ تک رہی تھی۔ وُہ سوچتی اس بچہ کا باپ اور میرا شوہر فوت ہو چکا ہے۔ میں کس برتے پر اسے کسی دایہ کے حوالے کردوں۔ آج تمام دائیاں امراء کے بچے لے گئیں۔ لیکن میرے بچہ کی طرف کسی نے ہاتھ نہ بڑھایا

وُہ انہی خیالات میں محو تھی۔ کہ یکایک دروازہ پر دستک ہوئی۔ اور ایک غریب صورت عورت اندر آگئی۔ یہ وہی نیک بخت عورت تھی جس کا ذکر میں نے پہلے کیا ہے۔ وُہ گھر بہ گھر پھری۔ لیکن کوئی بچہ اُسے نہ ملا۔ آخر ناامیدی کی حالت میں وُہ اس گھر میں آئی۔

جونہی اس کی نظر بچہ پر پڑی۔ جو ماں کی گود میں پڑا تھا وُہ خوشی سے آگے بڑھی۔ اور بچہ کو گود میں اُٹھا لیا۔ بچہ نے آنکھیں کھول دیں۔ گود میں اُٹھانے والی دایہ کا رنگ زرد تھا۔ فاقوں کے مارے اس کا دودھ سوکھ چکا تھا۔ اس کا اپنا بچہ بھوک کے مارے بلبلا رہا تھا۔ لیکن اچانک اُسے ایسا معلوم ہوا۔ کہ دودھ اس کی چھاتیوں میں ایک آبشار کی طرح اُتر آیا ہے۔ اس نیک بخت عورت نے بچہ کو چھاتی سے لگا لیا۔ اور اس نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ اس وقت دایہ کے اپنے بچہ کو بھی پیٹ بھر کر دودھ پینے کو مل گیا۔ دایہ نے بچہ کو ماں کی گود میں رکھدیا۔ اور دوسرے دن پھر آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔ اُس دن وُہ اپنے اندر ایک خاص خوشی محسوس کر رہی تھی۔ اور اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کسی فرشتہ نے مسرت و شادمانی سے اس کا سینہ بھر دیا ہے۔

وُہ اپنے ڈیرے پر آئی۔ جہاں اس کا خاوند بھوک سے بے تاب ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ اس نے بے بسی کی نظر سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ بیوی اپنے خاوند کی دلی حالت بھانپ گئی اس نے کہا شہر میں صرف ایک ہی بچہ رہ گیا ہے۔ لیکن وُہ یتیم ہے اور اس کی ماں ہماری طرح غریب ہے۔ خاوند کے دل سے ایک سوز بھری آہ نکلی۔ اور وُہ خاموش ہوگیا۔

آخر فلاکت زدہ بڈھے نے بے تابانہ اپنی انگلیاں اونٹنی کے خشک تھنوں پر رکھدیں۔ مگر وُہ یہ دیکھکر حیران رہ گیا۔ کہ تھن یکایک دودھ سے پھول گئے۔ اور ان میں سے ابرق جیسی سفید دودھ کی دھار رواں ہوگئی۔ وُہ خوشی کے مارے دیوانہ سا ہوگیا۔ اور حیرت زدہ ہو کر اس نے ایک چیخ ماری۔

اس شب انہوں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ اور وُہ پہلی رات تھی۔ کہ جس کی ظلمت نے ان کو چین کی نیند سلا دیا۔ تھکا ماندہ بوڑھا اپنی اونٹنی کے سہارے لیٹا ہوا تھا۔ کہ یکایک ایک سنہری ستارہ آسمان سے ٹوٹا اور اسکے خوابوں کی دُنیا پر چھا گیا۔ صبح جب بیدار ہوا۔ تو چلا اُٹھا۔ اے نیک بخت بیوی! وُہ بچہ جو تونے دیکھا ہے۔ یقیناً برکت والا اور مقدس ہے۔ وُہ نیک بخت عورت اُٹھی۔ اور اس دُرِّ نایاب کو لے آئی۔ کھجور کا درخت جس کے نیچے اس کا ڈیرا تھا۔ خوشی اور مسرت سے جھومنے لگا۔ اور اس کے پتوں میں سے ایک ایسا دل آویز نغمہ پیدا ہوا۔ کہ صحرا کے ذرات بھی اس کے ساز پر رقص کرنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کائنات کا ہر ذرہ اس عورت کی نگاہ انتخاب پر رشک کھا رہا ہے۔ اور آگے بڑھکر چاہتا ہے۔ کہ اس خوبصورت بچے پر نچھاور ہو جائے۔ وُہ سواری کا جانور جس کے لئے قدم اُٹھانا دوبھر تھا۔ سبک رفتار گھوڑے کی مانند ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ سب کے سب قافلہ والے حیران رہ گئے۔ کہ اس میں کہاں سے اتنی طاقت آگئی ہے۔

یہ بچہ ان کے لئے بے حد بابرکت ثابت ہوا۔ اُن کی کھیتیاں ہری بھری ہوگئیں۔ ان کے درختوں پر کھجوروں کے خوشے بہت زیادہ لگنے لگے۔ ان کی بکریاں بہت زیادہ دودھ دینے لگ گئیں۔ یہ تو فوری برکات تھیں۔ بعد میں جو کچھ حاصل ہوا۔ وُہ تو حد حساب سے باہر ہے۔

یہ نیک بخت خاتون حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا تھیں اور یہ بچہ جو اُن کے لئے خیر و برکت کا موجب ہوا۔ ہمارا پیارا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھا :

اِسلام اور بانیٔ اسلام غیر مُسلموں کی نظر میں

مرسلہ ابو اسمٰعیل صاحب از ننکانہ

۱۔ "جس وقت تمام یورپ پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس وقت ایک روشن و چمکدار تارہ مشرق کے آسمان پر چمکا۔ اس نے نہ صرف ساری دنیا کو روشن کردیا بلکہ تمام مصیبت زدہ مخلوق کو آرام و راحت پہونچائی۔ اسلام ان مذاہب میں نہیں جو جھوٹے کہے جا سکتے ہیں۔ اگر ہندو احترام کے ساتھ اسلام کا مطالعہ کریں۔ تو یقیناً وُہ بھی میری طرح اس کا احترام کرنے لگیں گے"

(گاندھی جی)

۲۔ "یہ امر حضرت محمد (صلعم) کی صداقت کا بڑے زور سے مؤید ہے۔ کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ وُہ راستباز لوگ تھے۔ بلکہ آپ کے محرم راز دوست یا آپ کے خاندان کے لوگ تھے۔ جو آپ کی پرائیویٹ زندگی سے کامل آگاہی رکھتے تھے۔ اور وُہ اس اختلاف سے بے خبر نہ تھے۔ جو ایک مفتری کی اندرونی و بیرونی حالت میں لازمی طور سے ہوتا ہے۔ بیشک میں یہ تسلیم کرتا ہوں۔ کہ آپ کے مذہب اسلام میں پرہیزگاری۔ خدا ترسی۔ ایسی کامل درجہ پر ہے۔ جو دوسرے مذاہب میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔ اور میں یہ بھی مانتا ہوں کہ اخلاق انسانی کی ترقی کا باعث صرف اسلام ہی ہوا ہے" (سر ولیم میور)

۳۔ "پیغمبر اسلام ایک کامل انسان اور بہت بڑے مشہری تھے۔ ان کی سچائی کی پیاس کو سوائے وحی الٰہی کے اور کوئی چیز نہ بجھا سکی۔ انہوں نے اپنی قوم کو اپنی زندگی میں محض فلسفہ کی تعلیم کبھی نہیں دی۔ بلکہ مصیبتوں اور دکھوں میں سینہ سپر رہنے کا اصول ان کی زندگی کا جزو بنا دیا۔ محمد (صلعم) نے ہمیشہ ایثار و رواداری کی تعلیم و تلقین کی ہے۔ اور وُہ ہمیشہ عالمگیر اخوت کے حامی رہے۔ اسی طرح کا یہ الزام سراسر غلط ہے۔ کہ اسلام محض تلوار سے پھیلا ہے۔ یہ امر واقع ہے۔ کہ اشاعت اسلام کے لئے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی گئی۔ اگر مذہب تلوار سے پھیل سکتا ہے۔ تو آج کوئی پھیلا کر دکھائے" (پروفیسر رام دیو)

جسمانی اور رُوحانی سِلسلہ میں مشابہت

خُدا تعالےٰ نے جو رب العالمین ہے۔ جب سے دُنیا کو پیدا کیا ہے۔ انسان کی جسمانی پرورش کے ساتھ ساتھ روحانی پرورش کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہے۔ اور یہ دونوں سلسلے تا قیامت جاری رہیں گے ؛

خداتعالےٰ کا یہ قانون ہم ہر روز دیکھتے ہیں۔ کہ دن کے بعد رات آتی ہے۔ اور رات کے بعد دن اور یہ کہ رات کی تاریکی ہرگز دور نہیں ہو سکتی۔ جب تک خداتعالےٰ کی طرف سے آفتاب طلوع نہ ہو۔ اور انسان گو آنکھیں رکھتا ہے لیکن پھر بھی وُہ رات کی تاریکی میں کوئی کام نہیں دے سکتیں۔ جب تک کسی قسم کی روشنی نہ ہو ؛

اسی طرح خداتعالےٰ کا یہ قانون بھی ہے۔ کہ انسان جو خصوصًا روحانیت کے حصُول کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ وُہ روحانی تاریکی یعنی گمراہی سے نکل کر ہرگز صراطِ مستقیم پر نہیں آسکتا۔ جب تک خداتعالےٰ کی طرف سے رُوحانی آفتاب یعنی نبی۔ رسول۔ یا ربانی مُصلح مبعوث نہ ہو گو وُہ عقل رکھتا ہے۔ پھر بھی نبی کی تعلیم یعنی روحانی آفتاب کی روشنی کا محتاج ہوتا ہے۔ جس طرح آنکھ دُنیاوی آفتاب کی روشنی کی محتاج ہے اسی لئے دُنیا میں ایسی کوئی قوم نہیں گزری۔ جو روحانی تاریکی۔ یعنی گمراہی میں مبتلا ہو۔ اور اس کی اصلاح کے لئے روحانی آفتاب۔ یعنی نبی۔ رسول۔ یا مصلح ربانی مبعوث نہ کیا گیا ہو۔ خداتعالےٰ قرآن شریف میں خود فرماتا ہے۔ وان من امۃٍ الّاخلا فیھا نذیر۔ یعنی دُنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں گزری جس میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ نبی روحانی آفتاب ہوتا ہے۔ اس کا ثبوت قرآن شریف میں حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سراجًا منیرًا کے خطاب سے ظاہر ہے ؛

پھر یہ بات بھی خوب یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ خداتعالےٰ کا یہ قانون نہیں۔ کہ جب کبھی کسی قوم میں ایک بار کوئی نبی مبعوث کر دیا۔ تو پھر اس کو ہمیشہ کے لئے اس کے حال پر چھوڑ دیا ہو۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد رفتہ رفتہ دُنیا میں تاریکی پھیلتی جاتی ہے اور آخر وُہ وقت آجاتا ہے جب آفتاب پھر طلوع کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روحانی آفتاب یعنی نبی رسول۔ یا ربانی مصلح کی وفات کے بعد دُنیا میں رفتہ رفتہ گمراہی پھیلتی جاتی ہے۔ اور آخر وُہ وقت آجاتا ہے۔ کہ پھر اس کی اصلاح کے لئے روحانی آفتاب نمودار کیا جائے۔ خداتعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ ثم ارسلنا رسلنا تترا کلما جاء امۃ رسولھا کذبوہ۔ یعنی پھر ہم یکے بعد دیگرے رسول بھیجتے رہے۔ مگر جب کبھی کسی قوم میں رسول آیا۔ تو انہوں نے اُس کی تکذیب کی ؛

ہر ایک قوم میں جب کوئی رسول آتا ہے۔ تو اس کی تکذیب کی جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ ان میں روحانی تاریکی یعنی گمراہی پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لئے وُہ اپنے غلط خیالات پر نہ صرف اڑے رہتے بلکہ مخالفت اور تکذیب کرتے ہیں۔ مگر ان میں سے جو سعید الفطرت لوگ ہوں۔ وُہ رفتہ رفتہ مانتے چلے جاتے ہیں۔ دُنیا کے تمام مذاہب میں یہی سلسلہ جاری رہا ؛

زندہ اور مُردہ مذہب

خداتعالےٰ نے ہر ایک مذہب کی بنیاد ایک نبی کے ذریعہ قائم کی۔ پھر اُس نبی کی وفات کے بعد اس کے قائم کردہ سلسلہ کو خداتعالےٰ نے جب تک زندہ رکھنا مناسب سمجھا۔ اس کی حفاظت کے لئے اپنی طرف سے خلیفے یعنی اُس نبی کے جانشین مبعوث فرمائے۔ اور جب وُہ وقت آتا ہے۔ کہ یہ سلسلہ ختم کر دیا جائے۔ تو خداتعالےٰ اس میں کوئی ربانی مصلح مبعوث نہیں فرماتا۔ اس طرح اس مذہب کی ربانی حفاظت موقوف ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وُہ مذہب مُردہ ہو جاتا ہے اور تا قیامت اس میں کوئی ربانی مصلح مبعوث نہیں کیا جاتا۔ ایسے مردہ مذہب کا آخری سلسلہ بنی اسرائیل کا تھا۔ اس کے بانی حضرت موسےٰ علیہ السّلام جیسے عظیم الشان نبی تھے۔ اُن کے بعد ۱۳۰۰ سال تک ربانی خلیفوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اور آخر میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر اس کا خاتمہ ہو گیا چونکہ اب یہ مذہب مُردہ ہو گیا اس لئے اس میں کسی ربانی مصلح کا ظہُور نہیں ہوتا۔ اور نہ تا قیامت ہو گا ؛

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

خداتعالےٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دُنیا کے تمام انبیاء کا سردار بنایا۔ اور آپؐ کے ذریعہ جو مذہب دُنیا میں قائم کیا۔ وُہ تمام جہان کے لئے ایک کامل مذہب ہے۔ اسی لئے اُس کی حفاظت کے لئے خلفاء کا سلسلہ جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا جیسا کہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھُم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم (سورۃ نور آیت ۵۵) یعنی اللہ تعالےٰ ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے۔ اور نیک عمل کئے۔ وعدہ کرتا ہے۔ کہ ضرور انہیں زمین میں خلیفے یعنی نبی کے جانشین بنائے گا۔ جیسا کہ ان لوگوں کو جانشین بنایا۔ جو ان سے پہلے تھے۔ اور ان کے لئے ان کا وُہ دین مضبُوط کرے گا۔ جو اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے ؛

اسلام میں ایسے خلیفوں کا ظہُور کب ہو گا۔ اس کے متعلق حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (ابوداؤد) یعنی اللہ تعالےٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں ایک ایسے شخص کو مبعوث کیا کریگا۔ جو ان کے لئے ان کا دین تازہ کرے گا۔ اس ارشاد کے مطابق ہر صدی کے شروع میں ایسے ربانی مصلحین کا ظہُور ہوتا رہا۔ اور کوئی وجہ نہیں۔ کہ آئندہ ان کا ظہُور بند ہو جائے ؛

زندہ مذہب صرف اسلام ہے

پس اب دُنیا میں صرف اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے۔ اس لئے کہ صرف اسلام ہی میں خداتعالےٰ کے وعدہ۔ اور حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق ربانی مصلحین کا سلسلہ جاری ہے ؛

دوسری بات یہ یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ ہر مذہب کی زندگی کی ایک علامت اس کی الہامی کتاب کی حفاظت ہے۔ جس مذہب کی الہامی کتاب محفوظ نہیں۔ وُہ مذہب بھی محفوظ نہیں۔ اس لحاظ سے بھی اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جس کی الہامی کتاب ۱۳۵۰ سال سے محفوظ ہے اور تا قیامت محفوظ رہے گی۔ کیونکہ خداتعالےٰ نے خود اُس کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ جیسا کہ وُہ فرماتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ یعنی ہم نے ہی نازل کیا ہے قرآن کو۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں

اِسلام کی زندگی کے دو ثبوت

اس طرح اسلام کی دائمی زندگی کے دو عظیم الشان ثبوت ہیں۔

ایک تو یہ۔ کہ اس میں خدا تعالے نے ربانی خلیفوں کو مبعوث فرمانے کا دائمی سلسلہ جاری کیا۔ اور دوسرے یہ کہ اس کی الہامی کتاب کی ربانی حفاظت بھی جاری ہے۔ اس کے مقابلہ میں دُنیا کے کسی مذہب میں نہ ربانی خلیفوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اور نہ ان کی الہامی کتاب ربانی حفاظت میں ہے۔ اور نہ ان کے متعلق کوئی ربانی وعدہ ہے۔ اسلام کی زندگی کے یہ ایسے عظیم الشان ثبوت ہیں جن کا انکار زبردست سے زبردست دشمن بھی نہیں کر سکتا۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت

خدا تعالے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ یعنی مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو۔ اور تفرقہ مت کرو۔ جب تک مسلمان اس پر قائم رہے۔ اسلام کی شان و شوکت دُنیا میں ظاہر ہوتی رہی۔ مگر جب سے اس ربانی نصیحت کو فراموش کر گئے۔ ان میں تنزل شروع ہو گیا۔ اور غیر اقوام کا ان پر غلبہ ہو گیا۔ وُہ ہر طرح سے ان کو ان کے دینی و دُنیاوی معاملات میں پریشان کر رہے ہیں۔ مگر مسلمان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں اتحاد و اتفاق نہیں۔ ان حالات میں مسلم اخبارات بھی وقتاً فوقتاً اس رائے کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کا ایک مرکز ہو۔ اور ایسا امیر ہو جس کی اطاعت سب پر واجب ہو۔ مگر جہاں مسلمانوں کے بیسیوں فرقے ہوں۔ وہاں کس فرقہ کے لیڈر کو دوسرے تمام فرقوں کے لوگ واجب الاطاعت تسلیم کریں گے۔ جب یہ ممکن نہیں۔ تو پھر کس طرح مسلمان ایسی پراگندہ حالت میں اپنے زبردست دشمن کا مقابلہ کر سکیں گے۔ اس کا صرف ایک ہی علاج ہے۔ جو خدا تعالے کے ہی ہاتھ میں ہے۔ وُہ رَبُّ الْعٰلَمِيْن ہے اور اس نے اپنی مخلوق کی اصلاح کا ذمہ بھی لیا ہوا ہے۔ چنانچہ ہمارے سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے لوگ کیسے وحشی تھے۔ جب کبھی ان میں کوئی اختلاف یا فساد پیدا ہو جائے۔ تو وُہ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو جاتے۔ اور نسلاً بعد نسل ان کی دُشمنی جاری رہتی مگر جب ایسی جاہل قوم نے کچھ مدت کی مخالفت کے بعد اپنے دل میں تبدیلی پیدا کر لی۔ اور خدا تعالے کے ربانی مصلح کو مان لیا۔ تو وُہ جو ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ دوست ہو گئے۔ اور ان کی اخلاقی اور روحانی حالت میں ایسی تبدیلی ہو گئی۔ کہ وُہ خود تمام جہان کے مُصلح ہو گئے۔

مُسلمانوں کی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے

اسی طرح خدا تعالے اس زمانہ کے مسلمانوں کی بھی اصلاح کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وُہ خدا تعالے کے حکم کے مطابق اپنے دل میں تبدیلی پیدا کریں۔ اور اس زمانہ میں جو ربانی مصلح خدا تعالے کی آیت استخلاف کے مطابق۔ اور حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مبعوث ہوا ہے۔ اسے مان لیں۔ اور اس کی تعلیم کے مطابق عمل کر کے دیکھ لیں۔ اس کے طفیل ان کی اخلاقی و روحانی حالت میں وُہ عظیم الشان تبدیلی ہو گی۔ کہ وُہ خود تمام جہان کے مصلح ہو سکیں گے۔

ربانی مصلح کی شناخت کے طریق

۱۔ نبی۔ رسول اور ربانی مصلح کی شناخت کوئی مشکل امر نہیں۔ کیونکہ جس طرح دُنیاوی حکومت میں یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص ایک بڑے درجہ کا عہدہ دار یا افسر ہونے کا جھوٹا دعوےٰ کرے۔ اور حکومت کے نام سے جھوٹے سرکاری فرمان جاری کرے۔ اگر کوئی ایسا کرے۔ تو حکومت اُسے فوراً گرفتار کر کے سخت سزا دیتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہرگز ممکن نہیں۔ کہ دینی حکومت میں کوئی شخص خدا کا نبی۔ رسول۔ اور ربانی مصلح ہونے کا جھوٹا دعوے کرے۔ خدا کے نام سے جھوٹے الہامات شائع کرے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے۔ تو خدا تعالے کی گرفت میں آ جاتا ہے۔ اور وُہ قرآن شریف توریت و انجیل کے قانون کے مطابق ہلاک کیا جاتا ہے۔

۲۔ خدا تعالے کا یہ بھی قانون ہے۔ کہ نبوت کا جھوٹا مدعی۔ اور اس کا سلسلہ دُنیا میں ترقی حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ تھوڑے ہی عرصہ میں وُہ تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ اس کے خلاف سچا مدعی۔ اور اس کے سلسلہ کی خواہ تمام جہان مخالفت کرے۔ پھر بھی وُہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔

۳۔ خدا تعالے کا یہ بھی قانون ہے۔ کہ وُہ اپنا نبی۔ رسول اور مصلح اس وقت مبعوث فرماتا ہے۔ جب اس کی مخلوق راہ راست سے دُور ہو گئی ہو۔ اور اس کی اصلاح کی سخت ضرورت ہو۔

۴۔ اسلام میں جو شخص ربانی مصلح ہونے کا مدعی ہو اس کا دعوے اسی وقت قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ جبکہ وُہ اس بات کا مدعی ہو۔ کہ وُہ خدا تعالے کے وعدہ اور حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عین مقررہ وقت پر مبعوث کیا گیا ہے۔ اسی طرح اور بہت سے ثبوت ہیں۔ مگر اس وقت یہی پیش کئے جاتے ہیں۔

موجودہ زمانہ کے مصلح اعظم کی صداقت

خدا تعالے کا یہ اٹل قانون ہے۔ کہ کسی مذہب کو وُہ جس عرصہ تک زندہ رکھنا مناسب سمجھتا ہے۔ اس مذہب کے بانی کی وفات کے بعد اس مذہب کی حفاظت کے لئے وُہ اپنی طرف سے اس کے جانشین مبعوث فرمانے کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف کی آیت استخلاف سے ظاہر ہے۔ اسلام کی حفاظت کے لئے جس انسان کو خدا تعالے نے اس زمانہ میں مبعوث فرمایا۔ اس کا اسم مبارک حضرت میرزا غلام احمدؑ ہے۔ آپؑ کی صداقت کے متعلق چند ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا ثبوت

اگر آپ اپنے دعوے میں نعوذ باللہ صادق نہ ہوتے۔ تو قرآن شریف اور بائیبل کے قانون کے مطابق یقیناً قتل کئے جاتے۔ مگر آپ نے اس کے خلاف بڑی جُرأت سے یہ اعلان کیا۔ کہ مجھے ہرگز کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خدا تعالے نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ اور وُہی میرا محافظ ہے۔

کیا دُنیا میں ایسا کوئی شخص ہے۔ جو اتنی دلیری سے ایسا دعوے کر سکے۔ انسان کو اپنی زندگی کے متعلق ایک منٹ کا بھی اعتبار نہیں ہوتا پھر کیا یہ عجیب بات نہیں۔ کہ ایک ایسا شخص جس کا تمام جہان دُشمن ہو۔ اور از رُوئے مذہب اُس کو قتل کرنا ثوابِ عظیم سمجھا جاتا ہو۔ اس کے قتل کے متعلق مختلف طریق سے کوشش بھی کی گئی ہو۔ پھر بھی وُہ قتل نہ ہو۔

یہ تو ہُوئی ساری دُنیا کی مخالفانہ کوششوں کی ناکامی۔ مگر اس سے بڑھ کر یہ بات قابلِ غور ہے۔ کہ آسمان و زمین کا مالک اور قادر خدا اُس کا دُشمن ہو۔ اور اس نے اپنے اس قانون کا تمام مذہبی کتب میں پہلے سے اعلان بھی کر دیا ہو۔ کہ نبوت کا جھوٹا مدعی قتل کیا جائیگا۔ مگر اس زمانہ کا مدعی قتل نہ کیا گیا۔

پس بفرضِ محال اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ دُنیا کے تمام لوگ ایک شخص کے مقابلہ میں عاجز ہو سکتے ہیں۔ تو یہ تو ہرگز نہیں مانا جا سکتا۔ کہ زمین و آسمان کا قادر خدا بھی عاجز ہو جائے۔ کیا ایسی صاف حقیقت سمجھنا مشکل امر ہے۔ دیکھو۔ یہ کیسا عظیم الشان معجزہ ہے۔ کیا خدا تعالے کے ایسے عظیم الشان نشان کا انکار کرنا۔ اور اُسے جھٹلانا کوئی معمولی بات ہے۔ خدا تعالے فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔ یعنی وُہ لوگ جنہوں نے انکار کیا۔ اور ہمارے نشانوں کو جھٹلایا۔ دوزخ میں جائیں گے۔

دُوسرا ثبوت

خدا تعالے کا یہ قانون بھی قرآن شریف سے ظاہر ہے۔ کہ نبوت کے جھوٹے مدعی۔ اور اس کی جماعت کی ہرگز ترقی نہیں ہو سکتی بلکہ وُہ اور اس کا سارا سلسلہ تباہ و برباد کیا جاتا ہے۔ مگر اس معاملہ میں بھی تمام جہان نے آپ کی اور آپ کے سلسلہ کی مخالفت کی۔ اور سخت مخالفت کی۔ مگر پھر بھی آپ کی روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی تبلیغ دُنیا کے کناروں تک پہونچ گئی۔ لاکھوں انسان آپ کی صداقت کے قائل ہو کر آپ کے سلسلہ کے جان و دل سے خادم ہو گئے۔ کیا کسی جھوٹے مدعی کو خدا تعالے اپنے قانون کے خلاف ایسی عظیم الشان کامیابی عطا فرماتا ہے۔

تیسرا ثبوت

خدا تعالے نے اپنے اس مصلح کو عین ضرورت کے وقت مبعوث فرمایا۔ مسلمان ایک اسلام کے بہت سے فرقے بنا بیٹھے ہیں۔ اور حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پیشگوئی کے مطابق کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ اور وُہ سب جہنمی ہونگے سوا ایک کے۔ مسلمانوں میں بہت سے فرقے ہو گئے ہیں۔ ہر ایک فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور دوسروں کو ناری قرار دیتا ہے۔ حالانکہ ناجی فرقہ کے متعلق آپ نے یہ علامت بتلائی ہے۔ کہ ما انا علیہ واصحابی یعنی جو کام میں اور میرے اصحابؓ کرتے ہیں۔ وُہی کام کرنے والا فرقہ ناجی ہو گا۔ اور وُہ ایک جماعت ہو گی۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا اصل کام یہی تھا کہ اسلام کی تبلیغ تمام دُنیا میں پہنچا دی جائے۔ اسی طرح اس زمانہ کے ربانی مصلح اور آپ کی جماعت کا اصل کام یہی ہے کہ تمام جہان میں اسلام کی تبلیغ پہنچائی جائے۔ اس لئے اس جماعت کے تمام مرد و زن ہر ممکن طریق سے اسلامی تبلیغ میں دن رات مصروف ہیں۔ اور ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہزارہا روپے کے خرچ پر مشن قائم کرکے تبلیغ کا کام جاری ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے۔ کہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتلائی ہوئی علامت کے مطابق یہی ناجی فرقہ ہے۔ اور یہی فرقہ ایک امام اور ایک مرکز کے باعث جماعت کہلانے کا حق رکھتا ہے۔

چوتھا ثبوت

آپ کی صداقت کا ایک اور ثبوت یہ ہے۔ کہ آپ خدا تعالےٰ کے وعدہ کے مطابق اور حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عین اس صدی کے شروع میں تجدید دین کے لئے مبعوث کئے گئے۔ اگر آپ اپنے دعوے میں صادق نہیں۔ تو جو صادق مدعی ہو۔ وہ یا اس کا جانشین مقابلہ پر آئے۔ اپنا دعوے پبلک میں پیش کرے اور ہم سے دس ہزار روپے کا انعام حاصل کرے۔ مگر کسی نے ابھی تک جراُت نہ کی۔ حالانکہ ہماری طرف سے یہ چیلنج ایک عرصہ سے دیا جا چکا ہے۔ ایسی جراُت صادق کے سوا دوسرا کوئی شخص نہیں دکھا سکتا۔

ایمان لانے کی برکات

جب کبھی خدا تعالےٰ کی طرف سے نبی۔ رسول یا ربانی مصلح کا ظہور ہوتا ہے۔ تو وہ اپنی صداقت کے متعلق صرف چند دلائل دیکر ہی رخصت نہیں ہو جاتا۔ بلکہ وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے اپنے ماننے والوں کے لئے عظیم الشان برکات لاتا ہے۔ جن میں سے کچھ بیان کی جاتی ہیں۔

اللہ تعالےٰ کی رحمتوں کا نزول

اسلام زندہ مذہب ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے خدا تعالےٰ اپنے وعدہ کے مطابق جس شخص کو مبعوث فرماتا ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک نشان کے طور پر نمودار ہوتا ہے۔ پس اس کا ماننا اسلامی صداقت کے ایک عظیم الشان نشان کا ماننا ہے۔ اس لئے اس کے ماننے والوں پر خدا کا فضل ہوتا ہے۔

رسول کریمؐ کے احکام کی تعمیل

اسلام کے بانی حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۳۵۰ سال پیشتر یہ فرمایا تھا۔ کہ خدا تعالےٰ ہر صدی کے شروع میں ایک ایسا شخص مبعوث فرمائے گا۔ جو دین کو تازہ کرے گا۔ یہ پیشگوئی ہر صدی میں پوری ہوتی رہی۔ اور خصوصاً جو چودھویں صدی کے لئے تو اور بھی بہت سے نشانات بتلائے گئے تھے۔ جو سب اس زمانہ میں پورے ہو گئے۔ جن نشانات کو تسلیم کرکے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم الشان صداقت کی حجت تمام دُنیا پر پوری کرنا۔ اور خدا تعالےٰ کے فضل کا وارث ہوتا ہے۔

انبیاء کی آمد ثانی پر ایمان

اس زمانہ میں دُنیا کے تمام مذاہب والے اپنے اپنے نبی کی آمد ثانی کے منتظر ہیں۔ مگر وہ سب انبیاء علیہم السّلام فوت ہو چکے۔ اس لئے وہ واپس نہیں آسکتے۔ سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے سب کے وعدے پُورے ہو سکتے تھے۔ مگر آپؐ بھی وفات پا چکے۔ اس لئے آپؐ کے بروز کا آنا دُنیا کے تمام انبیاء کا آنا ہے۔ اسی لئے اس زمانہ کا مصلح فرماتا ہے:۔ ؎

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ✱ ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم

اس زمانہ کا مصلح حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بروز ہے۔ اس لئے اس کی آمد سے دُنیا کے تمام مذاہب کے انبیاء کی آمد ثانی کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے۔ جس سے اسلام کی عظیم الشان فوقیت ثابت ہے۔

آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا

خدا تعالےٰ کی طرف سے جو نبی رسول اور ربانی مصلح مبعوث کیا جاتا ہے۔ اس کو ماننا خدا تعالےٰ کی آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا ہے۔ مگر اس زمانہ کا عظیم الشان ربانی مصلح چونکہ دُنیا کے تمام انبیاء کی پیشگوئی کے مطابق مبعوث کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کا ماننا آسمان کی عظیم الشان سلطنت میں داخل ہونا ہے۔

گناہوں کی معافی

اس زمانہ کے ربانی مصلح کو ماننا اپنے گزشتہ تمام گناہوں کی معافی حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ وہ غفور الرحیم خدا گزشتہ تمام گناہ بخش دیتا ہے۔

ایمان باللہ کا مرتبہ

خدا تعالےٰ کے مصلح کو ماننے والا مومن کہلاتا ہے۔ یعنی خود امن میں رہنے والا۔ اور دوسروں کو امن پہنچانے والا۔ جو شخص خدا تعالےٰ کے فضل سے اس حق کو سمجھ کر ماننے کی توفیق پاتا ہے۔ اس پر اپنی گزشتہ جہالت کی حالت کھل جاتی ہے۔ کہ وہ کس طرح ایسے عظیم الشان حق کی جہالت کی وجہ سے مخالفت کرتا تھا۔ اور اگر وہ اسی حالت میں فوت ہو جاتا۔ تو آخرت میں اس کا کیسا خطرناک حال ہوتا۔ ان سب باتوں کا علم ہو جانے سے وہ خدا تعالےٰ کا شکر گزار بندہ ہو جاتا ہے۔ کہ کس طرح اُس رحمٰن و رحیم نے اس پر فضل کیا۔ اور آخرت کی آگ سے بچا لیا۔ اور امن میں لے آیا۔ اس طرح جب اس کی روحانی نابینائی دور ہو جاتی ہے۔ تو اس کے دل میں ایک جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ جس طرح اس کے روحانی بھائی اس کو ایسی عظیم الشان صداقت سمجھانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح اب اس پر بھی فرض ہو گیا ہے۔ کہ وہ خدا تعالےٰ کی مخلوق کو امن کے رستہ پر لانے کے لئے تبلیغ کرتا ہے۔

زندگی میں عظیم الشان تغیر

ربانی مصلح کو ماننے سے پیشتر ہر ایک شخص نفس امارہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ نفسانی جوشوں میں مبتلا رہتا ہے۔ مگر ماننے کے بعد جب اُس کی نابینائی دُور ہو جاتی ہے۔ تو وہ جس قدر ربانی مصلح کی تعلیم کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اسی قدر اس کی اخلاقی و روحانی حالت کی اصلاح ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ ترقی کرتا ہوُا نفس مطمئنہ کے درجہ تک پہونچ جاتا ہے۔ یہ ایسا درجہ ہے۔ کہ جس کے متعلق خدا تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:۔ یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیةً مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنّتی۔ یعنی اے خدا کے ساتھ آرام یافتہ نفس اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ وہ تجھ سے راضی۔ اور تو اُس سے راضی۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میرے بہشت کے اندر آ۔ اس طرح ربانی مصلح کی تعلیم پر عمل کرنے والے کی زندگی میں ایک عجیب تبدیلی ہو جاتی ہے اس کی زندگی کا مدعا یہی ہو جاتا ہے۔ کہ وہ صرف وہی کام کرے جس میں خدا تعالےٰ کی رضامندی ہو۔ اور اس کی مخلوق کی خیر خواہی گو اس پر بھی ہر قسم کی دُنیاوی مشکلات آتی ہیں۔ مگر خدا تعالےٰ کی طرف سے اس کو ایسی استقامت حاصل ہو جاتی ہے۔ کہ وہ خوشی سے سب کچھ برداشت کر لیتا ہے۔ غرض وہ ہر حال میں خدا تعالےٰ سے راضی اور اس کا دل ہمیشہ مطمئن رہتا ہے۔ یہی بہشتی زندگی ہے۔ اور یہ مومنوں کے لئے اسی دُنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالےٰ سے ہمکلامی کا شرف

اس زمانہ کے ربانی مصلح کو ماننے سے۔ اور اس کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے سے نماز روزہ وغیرہ اسلامی ارکان جو اس سے پیشتر رسمی طور پر ایک بوجھ کی طرح تھے۔ ان میں ایک نئی رُوح پھونکی جاتی ہے۔ جس کے طفیل اس کے ماننے والوں کو ہر دینی معاملہ میں روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ ان کا دل دنیا کی محبت سے سرد ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کے فضل سے وہ ہر ایک معاملہ میں دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کی توفیق پاتے ہیں۔ ان کا تعلق خدا تعالےٰ سے ایسا ہو جاتا ہے۔ کہ وہ ان کی دعائیں سنتا ہے۔ ان کے لئے سچے خواب اور کشف والہام کا عظیم الشان دروازہ کھولا جاتا ہے۔ چنانچہ ہماری جماعت میں ہزارہا ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو حلفاً اس کی شہادت دینے کو تیار ہیں۔ اگر کسی کو ذاتی تجربہ حاصل کرنا ہو۔ تو اس سلسلہ میں شامل ہو جائے اور اس کی تعلیم کے مطابق عمل کرے۔ پھر دیکھ لے کہ اس پر کس طرح خدا تعالےٰ کا فضل نازل ہوتا ہے۔

معارف وحقائق کا عطا ہونا

اس زمانہ کے ربانی مصلح نے اسّی کے قریب عربی فارسی اور اردو تصانیف فرمائی ہیں۔ جن میں اسلام۔ اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت وتعلیم کی خوبیوں کے متعلق حقائق و معارف کوٹ کوٹ کر بھر دیئے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم

کیسی تاریکی میں مبتلا تھے۔ اور کیسی روشنی میں آ گئے ہیں۔ بلکہ صحیح تو یہ ہے۔ کہ ہم پہلے مُردہ تھے۔ اور اب زندہ ہوئے۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ مہدی اس قدر خزانہ تقسیم کرے گا۔ کہ اُسے لوگ نہ لے سکیں گے۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ ان کتابوں میں اس قدر روحانی خزانہ ہے۔ کہ جس کی حد نہیں:۔

مخالفین اسلام جس قدر اعتراضات اسلام اور بانیٔ اسلام پر کرتے رہے ہیں۔ ان سب کے معقول جوابات موجود ہیں۔ اور ہر ایک شخص اپنی لیاقت کے مطابق معلومات حاصل کر کے ہر مذہب کے مخالف سے مقابلہ کر کے کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ احمدی مبلغ جہاں جاتا ہے۔ وہاں خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے بین کامیابی حاصل کرتا ہے۔ انگلستان اور امریکہ کے لوگ مختلف سوسائیٹیوں وغیرہ میں مختلف مضامین پر لیکچر دلانے کے لئے ہمارے مبلغین کو دعوت دیتے ہیں۔ اور ہمارے مبلغ ہر قسم کے مسائل کے متعلق اسلامی تعلیم ایسی عمدگی سے بیان کر سکتے ہیں۔ کہ لوگ حیران ہو جاتے ہیں۔ غرض ان کتب سے تعلیم حاصل کر کے ہر ایک شخص ایک روشن خیال مبلغ ہو سکتا اور اعلےٰ اسلامی خدمت بجا لا سکتا ہے۔ اور تبلیغ جو ہر ایک مسلمان پر لازمی فرض ہے جس کو اس زمانہ کے مسلمانوں نے بالکل فراموش کر دیا ہے۔ اس کے لئے بہت آسان ہو جاتی ہے:۔

امن پسند بننا

اس زمانہ کا مصلح صلح و آشتی کا شہزادہ بھی ہے۔ آپ کی تعلیم ایسی ہے۔ جس پر عمل کرنے سے بین الاقوامی تعلقات نہایت اچھے ہو سکتے ہیں:۔

چنانچہ آپ نے حکومت کے متعلق ایک یہ تعلیم دی ہے۔ کہ اسلامی احکام کے مطابق ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم جس حکومت کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ اس کی دل سے نہ صرف خیر خواہی کریں۔ بلکہ اس کے لئے دعا بھی کریں۔ اور ہرگز بغاوت یا کسی قسم کے فتنہ فساد کے معاملہ میں شریک نہ ہوں۔

مسلمانوں کو دعوت

اس زمانہ کے مسلمانوں کی دینی و دنیاوی حالت سخت گری ہوئی ہے۔ اگر وُہ اپنی دونوں حالتوں کی اصلاح کرنی چاہتے ہوں۔ تو اس زمانہ کے ربانی مصلح کے سلسلہ میں شامل ہو جائیں۔ اور آپ کی تعلیم کے مطابق عمل کر کے دیکھ لیں۔ کہ ان کی زندگی میں کیسی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وُہ کیسے خدا تعالےٰ کے فضلوں کے وارث بن جاتے ہیں۔ ان کو ایک مرکز حاصل ہو جائے گا۔ جہاں سب جمع ہو سکتے ہیں۔ اور اپنی ترقی کی راہوں کے متعلق تجاویز کر سکتے ہیں۔ پھر ان کا تعلق ایک ایسی منظم جماعت کے ساتھ ہو جائے گا۔ جو ایک واجب الاطاعت امام کی راہ نمائی کے ماتحت کام کر رہی ہے اور ہر معاملہ میں خدا کے فضل سے ترقی کر رہی ہے۔ ایسی ہی جماعت کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اس پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے فوائد ہیں مگر فی الحال انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کو اس زمانہ کے ربانی مصلح کے دعوے و تعلیم کے متعلق اردو یا انگریزی

نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از جناب قاضی احمد دین صاحب انجم رضوانی راولپنڈی

ثنا کی خاطر اُٹھا ہُوں اُس نے خُدا سے توفیق اگر دلا دی
وُہی شہِ جنّ و انس اُمّیِ عرب کا۔ سارے جہاں کا ہادِی

وہ کون؟ وُہ غمگسارِ اُمت۔ وُہ خاتم الانبیا محمدؐ
صدائے حق جس نے باطل کی جس نے بنیاد تک ہلا دِی۔

کریم ایسا کہ جس کے لُطف و کرم کا ممنون سب زمانہ
رحیم ایسا کہ اپنے دشنام دینے والوں کو بھی دُعا دِی۔

وُہ خاندانِ قریش کا ایک مہرِ تابندۂ نبوت
کہ نُور سے اپنے جس نے دُنیا کے کفر دم بھر میں جگمگا دِی۔

انیسِ امت قسیمِ کوثر حبیبِ داور شفیعِ محشر
خلیق وُہ جس کے آگے گردن ہر ایک مغرور نے جھکا دی

وُہ فلسفہ داں کہ ساری دُنیا کے فلسفی خوشہ چین اُس کے
وُہ پیکرِ علم و عقل جس نے دلوں کو تعلیم کی ضیا دِی

وہ مصلحِ کُل کہ دی کے تعلیم اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ
جہانِ نفرت میں باہمی اُلفت و محبت کی رَو بہا دی

یتیم و مسکیں گلیم پوش اور قلوبِ عالم پہ حکمرانی
خُدائے اخلاق اس کو کہیئے انانیت کی کمر جھکا دی

وُہ باغِ توحید کا گلِ رُوح پرور و پُر بہار و دِلکش
مہک سے جس کی ہُوئی معطر عجم کی بستی عرب کی وادی

وُہ سید المرسلیں ہزاروں سلام لاکھوں درود اُس پر
وُہ شافع المذنبیں مجھے جس نے ظلِ رحمت میں اپنے جا دی

یہ آرزو ہے جہاں کے دھندوں سے اب خدا بے نیاز کر دے
مِٹا کے انجم کو اُس کی اُلفت میں خاکِ راہِ حجاز کر دے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دُعائیں

از جناب مولوی عبدالحلیم صاحب کٹکی مقیم پوری علاقہ اڑیسہ

تاریخ نے جتنے مقربانِ بارگاہ صمدیت کے جس قدر حالات سے ہمیں آگاہ کیا ہے۔ اُن سب سے یہ حقیقت بے نقاب ہوتی ہے۔ کہ ان کی مقدس زندگیوں کا ایک درخشاں پہلو یہ بھی تھا۔ کہ وہ دُعائیں کیا کرتے تھے۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ انسان جس قدر منازلِ قرب طے کرتا ہے۔ اُسی قدر اسباب وعلل کے حجاب اُس کی بصیرت کے سامنے سے اُٹھتے جاتے ہیں۔ اور مسبب الاسباب کی طرف اُسی شدت کے ساتھ وہ راجع ہوتا ہے۔ اور اسی قدر وہ انسانی ضعف اور بےچارگی کے مظاہرِ عریاں سے اُس کی آنکھیں دو چار ہوتی ہیں ؞

ان معصوم اور مقدس ہستیوں میں تاریخی حیثیت من کل الوجوہ اگر کسی کو حاصل ہے۔ تو وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہے کیونکہ اولاً انسانی قویٰ اور جذبات کے اظہار کے مواقع جس قدر آپ کو میسر ہوئے۔ اور کسی انسان کو نصیب نہیں ہوئے۔ اور انسانی زندگی کے مختلف الکیفیت اور متضاد اسباب وحالات جس قدر آپ کے سامنے آئے۔ اور کسی کے سامنے نہیں آئے۔ ثانیاً آپ کے شیدائیوں۔ اور حلقہ بگوشوں نے جس استیعاب اور جزرسی کے ساتھ آپ کی ہر حرکت وسکون اور ہر قول وفعل کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھا۔ وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے ؞

ان تمام حالات میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ہر وقت اور ہر حالت میں آپ دعائیں کیا کرتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ جہاں گمنامی اور بےکسی کے زمانہ میں حرا کی غار میں آپ مصروفِ دُعا ہیں۔ وہاں بدر کے موقعہ پر جبکہ نصرت الٰہی کا حتمی وعدہ پہونچ چکا تھا۔ آپ گڑگڑا کر دُعا کرتے ہیں۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں آپ دُعا نہ کرتے ہوں۔ کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا تھا جس کے آگے پیچھے آپ کی دُعائیں شامل نہ ہوں۔ خارجی واقعات یا حادثات جہاں رونما ہوتے۔ وہیں آپ کو دُعا کی تحریک ہوتی ؞

غور کیجئے۔ کہ آپ آفتاب نکلنے سے پہلے نماز پڑھتے آفتاب نکلنے کے بعد اشراق۔ کسی قدر بلند ہونے پر ضحیٰ۔ پھر آفتاب ڈھلنے پر نماز۔ ڈوبنے سے پہلے پھر نماز۔ ڈوبنے کے بعد نماز۔ آدھی رات سے پہلے نماز۔ بالآخر آدھی رات کے بعد تہجد کی لمبی نمازیں پاؤں کو متورم کر دیتیں۔ نماز کیا ہے۔ دُعا ہی تو ہے۔ الدعاء مخ العبادۃ۔ پھر ہفتہ میں ایک بار برس میں دو بار۔ چاند گرہن۔ اور سورج گرہن کے موقعہ پر کسی کے مرنے پر آپ نمازیں پڑھا کرتے۔ ان نمازوں میں لازماً دُعا ہوتی ؞

صبح ہوتی۔ تو آپ دُعا کرتے۔ شام ہوتی۔ تو آپ دُعا کرتے۔ سوتے سے قبل اور نیند سے بیدار ہو کر۔ گھر میں۔ یا مسجد میں داخل ہوتے ہوئے پھر وہاں سے نکلتے ہوئے۔ پاخانہ جانے سے پہلے۔ باہر نکلنے کے بعد۔ سفر سے پہلے استخارہ کرتے۔ سفر پر روانگی سے پہلے دُعا کرتے۔ حالتِ سفر میں دُعا فرماتے۔ منزل پر پہنچ کر دُعا کرتے۔ گھر واپس آتے۔ تو پہلے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر دُعا کرتے۔ پھر گھر میں تشریف لاتے۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے دُعا فرماتے۔ اور کھانا ختم ہونے پر بھی فرماتے۔ نیا پھل کھا کر۔ نیا کپڑا پہن کر۔ نیا چاند دیکھ کر۔ نئی صورت دیکھ کر آپ کا قلبِ اطہر دُعا کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ چھینک آتی۔ تو آپ دُعا کرتے۔ کوئی چھینکتا۔ تو آپ دُعا کرتے۔ خود بیمار ہوتے۔ تو آپ دُعا میں لگ جاتے۔ کسی کی بیمار پرسی کو جاتے۔ تو اس کے لئے دُعا کرتے۔ کسی کو مبتلائے آلام دیکھتے۔ تو خدا سے پناہ مانگتے۔ اور اپنی خوشحالی پر شکر کرتے۔ بارشیں کم ہوتیں۔ تو آپ دُعا کرتے۔ زیادہ ہوتیں۔ تو آپ دُعا کرتے۔ فضائے آسمانی میں چمکتے ہوئے تارے یا برق ورعد کی چمک دمک آپ کو رجوع الی الحق کر دیتی۔ کسی کا نکاح پڑھاتے۔ تو دُعا کرتے۔ کوئی بچہ پیدا ہوتا۔ تو اس کے کان میں اذان دیتے۔ یہاں تک کہ اس وقت بھی جبکہ زوجین دُنیا وما فیہا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ آپ خدا کی یاد اور اس سے دُعا کرنا فراموش نہیں فرماتے ؞

مادیت اور مذہب میں ابتدا سے تصادم چلا آیا ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں افراط وتفریط کی راہ پر گامزن ہو کر جادۂ حقیقی سے دُور جا پڑتے ہیں۔ جن لوگوں کی نظر صرف مادیات اور اسباب پر ہوتی ہے۔ وہ انہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور مسبب الاسباب کا وجود وہمی دماغوں کا اختراع قرار دیتے ہیں۔ جن خوش قسمتوں کی نظر ذرا اُوپر اُٹھی۔ اور فطرتِ صحیحہ اور عقل کی وساطت سے انہوں نے مسبب الاسباب تک رسائی حاصل کی۔ وہ اس نشۂ محبت ومعرفت میں ایسے سرشار ہوئے۔ اور اسباب پر سے نظر ایسی اٹھی کہ سرے سے اسباب سے قطع تعلق کرنا۔ اور دُنیا کو ترک کر کے جنگلوں کو آباد کرنا اُن کی انتہائی خاص مذہبیت بن گئی۔ دُنیا میں جتنے مذاہب ہیں۔ ان میں کم وبیش ترکِ دُنیا کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ لیکن اگر اس تعلیم پر پوری طرح عمل کیا جائے تو دُنیا ویران ہو جائے۔ اور نہ صرف انسان فطری جذبات کی تکمیل سے قاصر رہے۔ بلکہ اخلاق کے بہت سے شاندار پہلو تشنۂ تکمیل رہ جائیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس بارے میں ایک اعلےٰ اور مکمل فیصلہ فرمایا ہے۔ آپ نے دُنیا کے سارے کام کئے۔ اور اس انہماک اور توجہ کے ساتھ کئے۔ کہ گویا آپ اسی کام کے لئے مخلوق ہوئے ہیں۔ آپ نے تجارت بھی کی۔ صاحبِ ازواج بھی ہوئے۔ صاحبِ اولاد بھی ہوئے۔ فوج کے کمانڈر انچیف بھی تھے۔ قوم کے بانی بھی تھے۔ علوم وفنون کی بھی تربیت کی۔ بادشاہی بھی کی۔ اور مقدس مذہبی پیشوا بھی تھے لیکن تمام حالات میں۔ تمام انقلابات میں۔ تمام افعال میں۔ آپ دُعا پر زور دیتے۔ ہر وقت اور ہر کام کے لئے دعا کیا کرتے آپ نے بتلا دیا ہے۔ کہ آدمی اس طرح دل بیار و دست بکار زندگی بسر کرے۔ بہ رعایت اسباب کرے۔ لیکن مسبب الاسباب کو فراموش نہ کرے۔ دُنیا میں رہ کر دُنیا سے علٰحدہ رہے۔ آپ کی دُعاؤں نے انانیت اور خود پرستی کا وہ خطرناک بُت جس سے کوئی بشر خالی نہیں ہو سکتا۔ پاش پاش کر دیا۔ کہ ہر کام میں انسان خدا پر تکیہ کرے۔ یا دوسرے الفاظ میں اپنی ہستی اور اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھے ؞

پھر آپ کی دعائیں اس قدر جامع اور مانع اور اس قدر حاوی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ جس موقعہ اور جس کام کے لئے دُعا کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مبصر نے لمبے تجربہ اور استقرار کے بعد وُہی مانگا ہے۔ جو مانگنا چاہیئے تھا۔ اور اُسی ضرورت کو پیش کیا ہے۔ جسے صحیح طور پر ضرورت کہہ سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا شکر انہی الفاظ اور اسی طریقہ میں کیا۔ جو اسکی شان کے لائق ہے۔ دو چار دعاؤں کی بھی اگر تشریح کی جائے۔ تو یہ مضمون بہت لمبا ہو جائے۔ اس لئے میں صرف ایک دُعا کی تشریح پر اکتفا کرتا ہوں۔ سفر پر روانہ ہوتے وقت آپ دعا فرماتے۔ اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل والمال۔ ظاہر ہے کہ ایک آمادۂ سفر اس سے زیادہ اور کیا طلب کر سکتا ہے۔ کہ سفر میں وہ خود سالم وغانم رہے۔ اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے بال بچے اور اس کا مال محفوظ رہے۔ منزلِ مقصود پر پہنچ کر انسان امید وبیم کی کشمکش میں پڑ جاتا ہے۔ نئی زمین نیا آسمان اور نئے لوگوں سے جھجکتا ہے۔ نئی آب وہوا کی اسے فکر ہوتی ہے۔ سب سے بڑی تشویش اسے یہ لیق ہوتی ہے۔ کہ شریر الطبع اور فریب کار لوگوں کے ہتھکنڈوں میں بوجہ اپنی ناواقفی کے نہ پڑ جائے۔ دیکھو اس کشمکش میں آپ نے رحمتِ خداوندی کو کس طرح اپیل کیا ہے اور کس خوبصورتی سے اپنے آپ کو حوالۂ خدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اللّٰھم رب السمٰوٰت السبع وما اظللن۔ ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین فانا نسئلک خیر ھٰذہ القریۃ وخیر اھلھا ونعوذبک من شر ھٰذہ القریۃ وشر اھلھا وشر ما فیھا۔ اللّٰھم بارک لنا فیھا۔ اللّٰھم ارزقنا جناھا وحببنا الی اھلھا وحبب صالحی اھلھا الینا۔ یعنی اے سات آسمانوں اور ان چیزوں کے خدا

رسولِ عربی کی فقیرانہ زندگی اور دنیا سے استغنا

از جناب ماسٹر نعمت اللہ خان صاحب گوہر بی۔اے

بادشاہ نبیؐ

دنیا میں کئی نبی ایسے گزرے ہیں۔ جو بادشاہ بھی تھے۔ مثلاً حضرت ایوبؑ۔ حضرت داؤدؑ۔ حضرت سلیمانؑ۔ حضرت کرشنؑ یہ اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے ملک کے بادشاہ بھی تھے۔ اور خدا کی طرف سے تبلیغ ہدایت کا کام بھی ان کو تفویض کیا گیا۔ ان کے قیمتی محل بھی تھے۔ اور بعضوں کی ایک سے زیادہ بیویاں بھی تھیں۔ یہ امیرانہ اور شاہانہ ٹھاٹھ رکھتے تھے۔ جاہ و جلال کے تمام وہ سامان ان کے پاس تھے۔ جو بادشاہوں کے شان کے لائق ہوتے ہیں۔ درباروں میں بیٹھتے تھے سونے چاندی کے برتن اور زریں پلنگ اور ہر قسم کا فرنیچر ان کے ہاں موجود تھا۔ سواری کے لئے پالکیاں۔ رتھ گھوڑے ہاتھی وغیرہ سب موجود تھے۔ باوجود ان جاہ و حشم کے سامانوں کے وہ خدا کے مقرب اور پیارے تھے اور ان تمام زینت کے سامانوں سے تمتع کرنا ان کے لئے جائز اور بعض حالات میں ضروری تھا۔ اور کوئی شخص اس بناء پر اُن کے مقام نبوت پر حرف نہیں رکھ سکتا۔ لیکن ایک مقام اس سے بھی اعلےٰ ہے۔ جو انبیاء میں سے صرف ایک ہی مقدس نبیؐ کے لئے اخص ہے وہ نبی حضرت محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور آپ کے سوا کسی کو یہ مقام نصیب نہیں ہوا۔ اور نہ ہو سکتا ہے

امیری میں فقیری

حضرت محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے نبی اور اوتار ہونے کے علاوہ ملک عرب کے بادشاہ بھی تھے۔ حجاز کے علاوہ یمن عسیر۔ بحرین وغیرہ دور دراز مقامات سے خراج کا روپیہ آتا تھا۔ اگر آپ بادشاہوں کی طرح زندگی بسر کرنا چاہتے۔ تو کوئی چیز مانع نہ تھی آپ چاہتے۔ تو اپنی بیویوں کو سونے چاندی کے زیورات سے لاد دیتے۔ اور اپنے رہنے کے لئے اعلیٰ درجہ کے محلات بنوا لیتے۔ اپنے گھروں کو قیمتی اسباب سے آراستہ رکھتے۔ لونڈی غلام آپکی خدمت کو حاضر ہوتے مکلف کھانے آپکے لئے تیار ہوتے لیکن اس کے خلاف ہم کیا دیکھتے ہیں کہ آپ نے باوجود استطاعت اور باوجود عرب کے سب سے بڑے سردار اور بادشاہ ہونے کے فقیری کو امیری پر ترجیح دی۔ دنیا کا مال و دولت جمع کرنا اور اپنے گھر میں رکھنا اپنے درجہ اور مقام کی ہتک خیال فرمایا۔ ایسی سادہ زندگی بسر کی۔ جو تمام مخلوقات کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے

اس بارے میں کوئی اور نبی یا اوتار آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جہاں آپ عرفانِ الٰہی کے سب سے اونچے مقام پر پہنچے۔ اور نبوت کے تمام مدارج آپ پر ختم ہو گئے۔ وہاں یہ بات بھی بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے۔ کہ آپ سادہ زندگی کے انتہائی مقام پر پہنچے ہوئے تھے۔

چند مثالیں

آپ کی سادہ زندگی کا ذکر سیرت نبوی کا ایک مستقل اور نہایت شاندار باب ہے جسکی تفصیل کے لئے کئی جزو بھی کفایت نہیں کر سکتے اس مختصر مضمون میں چونکہ ان کا بالتفصیل بیان محال ہے۔ اس لئے چند موٹی موٹی مثالیں بیان کی جاتی ہیں

خوراک اور پوشاک

(۱) حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ آل محمدؐ (یعنی رسول کریمؐ کی بیویوں اور بیٹی) کے گھر اس وقت تک کہ آپ نے اس جہان سے انتقال فرمایا کسی نے متواتر تین دن تک پیٹ بھر کر کبھی کھانا نہ کھایا۔ کہنے والے نے تو ایک فقرہ کہدیا۔ اور سننے والوں نے سن لیا۔ لیکن ذرا غور تو کرو کہ اس حدیث کے ایک ایک لفظ میں کسقدر استغنا کا خزانہ اور معرفت الٰہی کے کتنے دفتر چھپے ہوئے ہیں۔

(۲) آپ کی زندگی کے ہر شعبہ میں توکل علی اللہ کی شان نمایاں تھی۔ تمام عمر میں کبھی کوئی فرمائشی کھانا نہ پکوایا۔ اور نہ کسی خاص پوشاک یا خاص کپڑے پر طبیعت آئی۔ چنانچہ ایک مشہور حدیث میں آپ خود فرماتے ہیں

حببت الی من دنیاکم الثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ (ترجمہ) تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں مجھے محبوب ہیں اول خوشبو دوم عورتیں اور سوم وہ آنکھوں کی ٹھنڈک جو نماز میں مجھے میسر آتی ہے،

مال سے استغنا

(۳) آپکے پاس ایکدفعہ بحرین کا خراج آیا۔ مسجد نبوی کے صحن میں روپوں کا ڈھیر لگا دیا گیا۔ کیونکہ آپنے باقاعدہ کوئی خزانہ نہ رکھا تھا حضور انور کی عادت تھی کہ ادھر روپیہ آیا۔ ادھر فوراً مستحقین یعنی فقرا مساکین۔ یتامیٰ بیوگان اور وظیفہ خواران میں تقسیم کر دیا۔ اس روپے میں سے اپنے اہل بیت کو بھی آپ حصہ مقررہ یعنی خمس دیتے غرضیکہ کبھی ایک پائی بھی اپنی گرہ میں یا اپنے گھر میں جمع نہ رکھتے۔ درہموں اور دیناروں کا یہ ڈھیر صحن مسجد میں پڑا تھا۔ اور آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ کہ اتنے میں آپ کے بزرگ چچا حضرت عباسؓ مسجد میں تشریف لے آئے۔ انہوں نے اس سے پہلے درم و دینار کا ڈھیر اس طرح کھلا پڑا کبھی نہ دیکھا تھا۔ پہلے تو ڈھیر کو غور سے دیکھا۔ پھر عرض کی۔ یارسول اللہ اگر آپ اجازت دیں۔ تو میں اس ڈھیر میں سے کچھ رقم لے لوں آپ نے فرمایا۔ ہاں حضرت عباسؓ نے اپنی چادر بچھا دی۔ اور دونوں ہاتھوں سے روپیہ اس میں ڈالنے لگے۔ جب دیکھا۔ کہ ایک آدمی کا بوجھ ہو گیا ہے۔ تو آپ نے گٹھڑی باندھی۔ اور پھر دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر گٹھڑی کو سر پر رکھنا چاہا۔ لیکن گٹھڑی اتنی وزنی ہو گئی تھی۔ کہ ان سے اٹھ نہ سکی۔ انہوں نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا یارسول اللہ! ذرا میری مدد فرمائیے۔ اور گٹھڑی میرے سر پر رکھوا دیجئے۔ ہرچند آپ اپنے چچا کی بے حد عزت کرتے تھے۔ اور ہر بات میں ان کی خاطر آپ کو منظور ہوتی۔ لیکن اس موقعہ پر آپ نے صاف فرما دیا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ نبی ایسا کام نہیں کیا کرتا ؛

آپ کا انکار کیسے دیتا ہے۔ کہ آپنے اپنے چچا کے اس فعل کو ناپسند فرمایا۔ یعنی روپے کی خواہش کو۔ ان کی خاطر سے آپنے ان کو روپیہ لے جانے کی اجازت دیدی۔ مگر جب انہوں نے اس کام میں آپ کی امداد چاہی تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔ اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی صاف مونہہ پر کر دیا ؛

میں نے سب سے پہلی مرتبہ یہ واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح اول کی زبان مبارک سے ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء میں سنا تھا۔ اس کے ذکر کے بعد فرمایا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے چونکہ حضرت عباسؓ سے یہ فعل سرزد ہوا۔ جو آپ کی نظر میں ناپسند تھا۔ اس وجہ سے بنی امیہ حصول سلطنت میں بنی عباس پر سبقت لے گئے۔ اور بنی عباس کی حکومت ڈیڑھ سو سال پیچھے جا پڑی۔

(۴) ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ آپ مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے پیچھے صحابہؓ کی جماعت کھڑی تھی۔ یکایک آپ مصلے سے ہٹ کر صفیں چیرتے ہوئے مسجد سے نکل کر اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ لوگوں نے بھی نماز چھوڑ دی۔ مگر سب خاموش بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ واپس تشریف لائے۔ اور نماز پڑھائی۔ سب حیران تھے۔ کہ آپ نماز چھوڑ کر جو گھر گئے۔ اس میں کیا راز تھا۔ ایک صحابیؓ نے جرأت کر کے عرض کیا۔ حضور کیا بات تھی۔ کہ آپ نماز چھوڑ کر گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا۔ نماز پڑھتے مجھے یاد آیا۔ کہ ایک سونے کی ڈلی ہمارے گھر میں پڑی ہے۔ میں نے سوچا اگر میری اس وقت گھر جانے سے پیشتر جان نکل جائے۔ تو لوگ کیا کہیں گے۔ کہ محمدؐ رسول اللہ کے گھر سے سونا نکلا ؛

(۵) آپکی مرض الموت میں آپ کی بیویاں اور دیگر اہل بیت آپکی تیمارداری کرتے۔ جس دن آپ کا وصال ہوا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں نے اس روز اپنے ہمسایہ کے گھر سے تیل منگوایا۔ کیونکہ تیل گھر میں ختم ہو گیا تھا۔ اور ہمارے پاس کوئی نقدی نہ تھی۔ جس سے تیل منگواتے ؛

اوپر کی چند مثالیں اس بات کا بین ثبوت ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا کے ساتھ ذرا بھی پیار نہ تھا۔ آپ کی ساری محبت اور آپ کا سارا پیار ایک برتر اور قادر مطلق ذات کے ساتھ تھا۔ جسے اللہ کہتے ہیں ؛

محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات غلاموں پر

از محترمہ امۃ اللہ بیگم صاحبہ پرائیویٹ سٹوڈنٹ بی اے بنت جناب شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری بی اے

غلامی کا رواج

یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں۔ کہ غلامی کا رواج دُنیا میں قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ اسلام سے قبل دُنیا میں شاید ہی کوئی ملک ہوگا۔ جس میں غلامی رائج نہ ہو۔ عام اقوام کا تو کیا کہنا۔ وُہ اقوام جو اپنے آپ کو تہذیب کے اعلےٰ مقام پر سمجھتی تھیں۔ ان میں بھی غلامی نہایت بھیانک صورت میں نظر آتی۔ رومیوں نے مدت دراز تک غلاموں پر سخت مظالم روا رکھے۔ اگر شاذ و نادر کے طور پر کوئی غلام آزاد بھی کر دیا جاتا۔ تو وُہ بھی نہ ہونے کے برابر۔ کیونکہ باوجود آزاد کر دینے کے مالک کو غلام پر کچھ حق باقی رہتا تھا۔ علاوہ ازیں آزاد شدہ غلام ہمیشہ ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور کبھی اعلےٰ عہدہ پر سرفراز نہ ہو سکتا تھا۔ عرب میں افریقہ سے غلام لائے جاتے تھے۔ اور اگر کوئی ان کا فدیہ ادا کرنے والا نہ ہوتا۔ تو وُہ ہمیشہ کے لئے غلامی کا طوق پہننے پر مجبور ہوتے تھے۔ کوئی قانون ایسا نہ تھا۔ جو انہیں آزادی کی امید دلا سکے۔ خود ہندوستان میں شودروں کی حالت غلاموں سے کسی صورت میں بھی کم نہیں۔ بلکہ اس سے بدتر تھی۔ اچھوت اقوام کی حالت اب بھی پکار پکار کر شہادت دے رہی ہے۔ کہ ان کو انسانیت سے کس قدر گرا دیا گیا۔ اور کیا کیا مظالم ان پر روا رکھے جاتے تھے۔

الغرض اسلام سے قبل کوئی ملک ایسا نہ تھا جس میں طاقتور لوگوں نے اپنے ذاتی مفاد اور نہایت ہی ادنےٰ اغراض حاصل کرنے کے لئے ایک حصہ آبادی کو ان کے پیدائشی حق یعنی آزادی سے ہمیشہ کے لئے محروم نہ کر دیا ہو۔ اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قبل کوئی ایک انسان بھی ایسا پیدا نہیں ہُوا جس کا دل ان مصیبت زدوں کی مصیبت کو دیکھ کر پگھلا ہو۔ اور جس نے نہ صرف اپنے زمانہ کے غلاموں کی آزادی کو قائم کیا بلکہ غلامی کی رُوح کو اس کی ہر شکل و صورت میں دُنیا سے مٹانا اپنی زندگی کا مقصد ٹھیرایا ہو۔

رسُول کریمؐ کا سلوک غلاموں سے

جب ہم غلاموں کے ان دردناک حالات کا اس سلوک کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فداہ نفسی نے غلاموں سے کیا۔ تو اس بات کے ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کہ آپ ہی وُہ پاک انسان تھے جنہوں نے صحیح اور اصلی معنوں میں حریت انسانی قائم کی۔ اور صدیوں کی غلامی کو بیخ و بُن سے اکھیڑ دیا۔

یہ کس طرح ممکن تھا۔ کہ آپؐ جو کہ رحمۃ للعالمین بنکر آئے تھے۔ غلاموں کے لئے رحمت ثابت نہ ہوتے۔ اور یہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ کہ اس معاملہ میں آپ اسوۂ حسنہ پیش نہ کرتے۔ جبکہ خدا تعالےٰ نے فرمایا تھا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ سب سے پہلا ثبوت آپؐ کی غلاموں سے ہمدردی کا یہ ہے۔ کہ خود غلاموں نے اس امر کو محسوس کیا۔ کہ آپؐ ہی ان کے حقیقی نجات دہندہ ہیں۔ اور ان کے دل میں یہ یقین ہو گیا۔ کہ آپؐ کے ہاتھوں ہی غلامی کی زنجیریں کٹ سکیں گی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ وُہ باوجود بے حد مشکلات اور روکاوٹوں کے آپؐ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اور ان کے دل آپؐ کے متعلق اخلاص سے بھر گئے۔ اور کسی صورت میں بھی آپؐ سے علیحدگی انہیں گوارا نہ تھی۔ حالانکہ اُن کو ناقابلِ برداشت دکھوں اور عذابوں کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ ذیل کی چند مثالیں اس امر کی وضاحت کے لئے کافی ہونگی۔

غلاموں کا اخلاص رسول کریمؐ سے

حضرت بلال امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب ایمان لائے۔ تو امیہ ان کو دوپہر کے وقت جبکہ اُوپر سے آگ برس رہی ہوتی۔ اور نیچے ریت تپی ہوتی۔ باہر لے جاتا۔ اور برہنہ کر کے گرم ریت پر لٹا دیتا۔ اور بڑے بڑے گرم پتھر ان کے سینہ پر رکھ کر کہتا۔ کہ لات اور عزےٰ کی پرستش کر۔ اور محمدؐ سے علیٰحدہ ہو جا۔ ورنہ اسی طرح عذاب دے کر مار دونگا۔ لیکن وُہ یہی کہتے۔ اَحَدٌ اَحَدٌ۔ یعنی خدا ایک ہے۔ پھر یہ ظالم ان کو رسی سے باندھ کر لڑکوں کے حوالہ کر دیتا۔ اور وُہ ان کو گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرتے جس سے ان کا بدن خون سے تربتر ہو جاتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان پر یہ ظلم و ستم دیکھ کر ان کو خرید لیا۔ اور آزاد کر دیا۔

ابو فکیہہ بنو عبد الدار کے غلام تھے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتدائی ایام میں ایمان لائے۔ انہیں بھی گرم ریت پر لٹایا جاتا۔ ایک دفعہ رسی باندھ کر انہیں کھینچا جا رہا تھا۔ کہ ان کے پاس سے ایک کیڑا گزرا۔ ان کے آقا نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کہ یہ تمہارا خدا ہے۔ انہوں نے کہا۔ نہیں۔ میرا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے۔ اور وُہ اللہ ہے۔ اس پر ظالم نے ان کا گلا گھونٹا۔ اور پھر ایک بھاری پتھر ان کے سینہ پر رکھ دیا۔ جس سے ان کی زبان باہر نکل آئی۔ اور لوگوں نے سمجھا کہ شہید ہو گئے ہیں۔ دیر تک مرنے کے بعد انہیں ہوش آیا۔

مقامِ غور ہے۔ وُہ کونسی چیز تھی۔ جو امیہ اور بنو عبد الدار جیسے دُنیاوی وجاہت رکھنے والے آدمیوں کے گھروں میں رہنے والے غلاموں کو انہیں چھوڑنے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسے غریب اور بے یار و مددگار انسان کی رفاقت اختیار کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اور وُہ اس تعلق کی وجہ سے وحشیانہ عذاب بخندہ پیشانی برداشت کرا رہی تھی۔ وُہ چیز یہی احساس تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حقیقی معنوں میں ان کے نجات دہندہ۔ اور ان کی تکالیف کا خاتمہ کرنے والے تھے۔

زید بن حارث کی مثال

پھر عملاً بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آپؐ کے حسن سلوک نے غلاموں کو اس قدر آپؐ کا گرویدہ بنا لیا تھا۔ کہ وُہ آپؐ سے اپنے والدین سے بھی بڑھ کر محبت کرتے تھے۔ وُہ والدین کی جدائی منظور کر لیتے تھے۔ لیکن آپؐ کی مفارقت گوارا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ زید بن حارث جو کہ عیسائی قبیلہ میں سے تھے۔ اور کسی جنگ میں قید کر کے غلام بنائے گئے تھے۔ وُہ بکتے ہُوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قبضہ میں آئے۔ اور انہوں نے شادی کے بعد سب جائداد سمیت انہیں حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سپرد کر دیا۔ آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا جب ان کے رشتہ داروں کو پتہ لگا کہ وُہ مکہ میں ہیں۔ تو ان کا والد اور چچا آئے۔ اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ان کو آزاد کرنے کے لئے کہا۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں نے آزاد کیا ہُوا ہے۔ جہاں چاہے جائے۔ اس پر باپ نے ان کو اپنے ساتھ جانے کے لئے کہا۔ لیکن انہوں نے کہدیا۔ آپ کی میرے حال پر بڑی مہربانی ہے۔ لیکن بات یہ ہے۔ کہ مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں۔ اس لئے میں آپؐ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔

لونڈیوں کا اخلاص

غلام تو غلام لونڈیوں تک کے اندر یہ احساس پیدا ہو گیا تھا۔ اور وُہ بھی آپؐ کی خاطر جان پر کھیل جانا ایک معمولی بات سمجھتی تھیں۔

سمیّہ نام ابوجہل کی ایک لونڈی تھیں۔ وُہ جب ایمان لائیں۔ تو ابوجہل نے ان کو سخت دکھ دیا۔ تاکہ وُہ ایمان چھوڑ دیں۔ لیکن ان کے پائے ثبات کو ذرا بھر بھی لغزش نہ ہُوئی۔ آخر اس بے رحم ظالم نے ان کو نیزہ مار کر قتل کر دیا

زنیرہ بھی ایک کنیز تھیں۔ اور ابتدائی ایام میں ایمان لائی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایمان لانے سے قبل ان کو دکھ دیا کرتے تھے۔ اور ابوجہل نے مار مار کر ان کی آنکھیں پھوڑ دی تھیں۔ مگر باوجود اس کے انہوں نے رسالت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انکار نہ کیا۔ آخر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے خرید کر آزاد کر دیا۔

غلاموں پر احسان کرنے کے طریق

بخوفِ طوالت میں انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتی ہوئی یہ بتانا چاہتی ہوں

کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ احسان کرنے کے متعلق کیا طریق اختیار فرمائے ؟

آپؐ نے اپنے زمانہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے۔ اور ان مظالم کا مشاہدہ کرتے ہوئے جو آپؐ کی آنکھوں کے سامنے غلاموں پر ڈھائے جارہے تھے۔ اور اس انسانیت کش سلوک کو جوان بے کس و بے بس انسانوں کے لئے اس زمانہ میں روا رکھا جاتا تھا۔ ملاحظہ فرما کر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دو ہی طریق اختیار کر سکتے تھے۔ اول یہ کہ غلاموں کو ان کی موجودہ تکالیف اور مصائب سے نجات دلائیں۔ دُوسرا یہ کہ ہمیشہ کے لئے غلامی کی رُوح کو دُنیا سے مٹانے کی تدابیر کریں۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ نے اپنی توجہ پہلے امر کی طرف مبذول فرمائی۔

طریق اوّل

طریق اول یعنی غلاموں کو ان کی تکالیف سے نجات دلانے کے لئے دو پہلو ہوسکتے تھے۔ اول یہ کہ ان پر جو سختیاں اور مظالم روا رکھے جاتے تھے۔ ان کو مٹایا جائے۔ اور حسن سلوک۔ اور ان کے ساتھ نرمی کو جاری کیا جائے۔ تاکہ ان کی زندگی جوان کے لئے تلخ بن رہی تھی۔ ایک حد تک خوشگوار اور آرام دہ ہو جائے۔ اس کے لئے آپؐ نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے پر سختی سے زور دیا۔ اور بدسلوکی کو وحشت اور بربریت قرار دیتے ہوئے آقاؤں کے دلوں کو ان کے لئے نرم کیا۔ انہیں محسوس کرا دیا۔ کہ وُہ بھی تمہارے جیسے ہی انسان ہیں۔ اگر تم خود ان تکالیف کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ تو ان کے لئے اس قسم کی سختی کیوں پسند کرتے ہو۔ چنانچہ فرمایا

لایومن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

یعنی تم میں سے مومن وہی کہلا سکتا ہے۔ جو اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے۔ جو وُہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ اور غلاموں کو بھائی قرار دے کر ان کو اخوان کے زمرہ میں داخل کر دیا۔ اس معاملہ میں آپؐ نے اس قدر زور دیا۔ کہ آیت وبالوالدین احساناً . . . . . . وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخوراً (نساء ع) سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے غلاموں سے حسنِ سلوک کو ایسا ہی ضروری قرار دیا ہے۔ جیسا والدین سے۔ اور جو ایسا نہیں کرتا۔ اس کو اللہ تعالےٰ نے اکڑباز اور بے جا فخر کرنے والا قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ میں ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا۔ پس اگر خدا تعالےٰ کی محبت حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو غلاموں سے محبت کرو۔ اس کے لئے عملی طریق یہ بتایا۔ کہ جو کچھ تم آپ کھاؤ۔ وُہی اپنے غلاموں کو کھلاؤ۔ اور جو تم خود پہنو۔ وہی ان کو پہناؤ۔ اور ان کو کوئی کام ایسا نہ دو جسے تم خود کرنا عار سمجھو۔ یا جو ان کی طاقت سے بڑھ کر ہو۔ اور اگر دو۔ تو اس کو سر انجام دینے کے لئے خود ان کے ساتھ شامل ہو کر ان کی مدد کرو۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ان کے احساسات کا خیال رکھنے کے لئے یہاں تک فرمایا۔ کہ ان کو غلام اور لونڈی کہہ کر نہ پکارا کرو۔ اگر آپؐ کسی کو غلام پر سختی کرتے دیکھتے۔ تو اسے روکتے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے:۔ عن ابی مسعود البدری قال کنت اضرب غلاما بالسوط فسمعت صوتاً من خلفی اعلم ابا مسعود فلم افہم الصوت من الغضب قال فلما دنی منی اذا ھو رسول اللہ صلعم فاذا یقول اعلم ابا مسعود اعلم ابا مسعود قال فالقیت السوط من یدی فقال اعلم ابا مسعود اللہ اقدر علیک منک علےٰ ھذا الغلام۔ فقلت یا رسول اللہ ھو حر لوجہ اللہ تعالےٰ۔ فقال اما لو تفعل لمستک النار۔ یعنی ابی مسعود بدری روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں نے کسی بات پر اپنے غلام کو مارا۔ اس وقت میں نے اپنے پیچھے سے آواز سُنی۔ کہ کوئی کہہ رہا ہے۔ دیکھو۔ ابو مسعود کیا کرتے ہو۔ مگر غصہ کی وجہ سے میں نے آواز کو نہ پہچانا اور غلام کو مارتا رہا۔ کہ وُہ آواز میرے قریب آگئی۔ میں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آواز دیتے ہوئے میری طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ کہ دیکھو ابو مسعود کیا کرتے ہو۔ آپؐ کو دیکھ کر میری چھڑی ہاتھ سے گر گئی۔ آپؐ نے غصہ کی نظر سے میری طرف دیکھا اور فرمایا۔ ابو مسعود۔ تمہارے سر پر خدا ہے جو تمہارے متعلق اس سے بہت زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ جو تم اس غلام پر رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں خدا کی خاطر اس غلام کو آزاد کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر تم ایسا نہ کرتے۔ تو دوزخ کی آگ تم کو جُھلس دیتی ۔

ایک دفعہ زنباع نے اپنے غلام کی ناک کاٹ ڈالی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس بات کا علم ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ جا تُو آزاد ہے ۔

یہی عمل آپؐ کے بعد جاری رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے ایام خلافت میں ہر ہفتہ مدینہ کے مضافات میں جاتے۔ اور جب انہیں کوئی ایسا غلام نظر آتا۔ جسے اُس کی طاقت اور مناسبت کے لحاظ سے زیادہ کام دیا گیا ہو۔ تو حکماً اس کے کام میں تخفیف کر دیتے۔

غلام اور آقا کا امتیاز اٹھا دیا

اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ غلاموں کی حالت ہی بدل گئی۔ وُہ جو قعرِ مذلت میں گرے ہوئے تھے۔ حیوانوں سے بدتر خیال کئے جاتے تھے نہ ان کے کھانے اور پینے کی کسی کو پرواہ تھی۔ نہ رہنے سہنے کی۔ وُہ اپنے آقاؤں کی مانند کھانے پینے اور پہننے لگ گئے۔ ان باتوں میں آقا اور غلام کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ چنانچہ ذیل کی احادیث اس امر پر بخوبی روشنی ڈالتی ہیں:۔

عبادہ بن ولید روایت کرتے ہیں۔ کہ ہم ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ابوالیسر سے ملے۔ اس وقت ان کے ساتھ ان کا غلام تھا۔ ہم نے دیکھا۔ کہ ایک دھاریدار چادر اور ایک یمنی چادر ان پر۔ اور ایک دھاریدار۔ اور یمنی چادر اُن کے غلام پر تھی۔ میں نے انہیں کہا۔ اے چچا! تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ کہ اپنے غلام کی دھاریدار چادر خود لے لیتے۔ اور اپنی یمنی چادر اسے دے دیتے۔ یا اس کی یمنی چادر خود لے لیتے۔ اور اپنی دھاریدار چادر اُسے دے دیتے تاکہ تم دونوں پر ایک ایک طرح کا جوڑا ہو جاتا۔ ابوالیسر نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔ اور کہا۔ بھتیجے۔ میری ان آنکھوں نے دیکھا۔ اور میرے ان کانوں نے سُنا۔ اور میرے اس دل نے اسے اپنے اندر جگہ دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ اپنے غلاموں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ اور وُہی پہناؤ۔ جو خود پہنتے ہو۔ پس میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ کہ میں اس دُنیا کے اموال میں سے اپنے غلام کو برابر حصہ دوں۔ بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن میرے ثواب میں کوئی کمی آئے۔

ابو نوار بزار روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی دوکان پر آئے۔ ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا۔ حضرت علیؓ نے دو قمیصیں خریدیں۔ اور پھر اپنے غلام سے کہا۔ کہ دونوں میں سے جو چاہو۔ لے لو۔ جب اُس نے ایک لے لی۔ تو دُوسری حضرت علیؓ نے خود پہن لی۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیت المقدس کی فتح کے لئے روانہ ہوئے۔ تو انہوں نے اپنے غلام کو ساتھ لے لیا۔ چونکہ سواری کے لئے ایک ہی اونٹ تھا۔ دونوں باری باری سوار ہو کر منزلیں طے کرنے لگے۔ جب آخری منزل پر پہنچے۔ تو سوار ہونے کی باری غلام کی تھی۔ اور اس کے بعد بیت المقدس کا شہر آتا تھا۔ غلام نے اپنی باری آپ کو دینی چاہی۔ لیکن انہوں نے پیدل چلنا پسند فرمایا۔ اور غلام کو اس کی باری کے مطابق اونٹ پر سوار کیا۔

غلاموں کو آزاد کرنا

دُوسرا طریق اپنے زمانہ کے غلاموں کو ان کی تکالیف سے رہائی دلانے کا یہ ہوسکتا تھا۔ کہ آپؐ انہیں بالکل آزاد کرانے کی کوشش فرماتے آپؐ نے اپنی تعلیم اور عملی نمونہ سے اس پہلو پر بھی خاص زور دیا۔ اور اس میں بھی آپ کو عظیم الشان کامیابی ہُوئی۔ اس بارے میں آپؐ کا عملی نمونہ تو یہ تھا۔ کہ جو غلام کبھی آپؐ کے قبضہ میں آیا۔ آپؐ نے اسے فوراً آزاد کر دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین جو کہ آپؐ کی محبت میں سرشار تھے۔ اُن کے لئے تو آپؐ کا عملی نمونہ ہی کافی تھا۔ لیکن آپؐ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ صحابہ کو اس طرف رغبت دلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ چنانچہ فرمایا۔ من اعتق رقبۃ مسلمۃ اعتق اللہ بکل عضو منہ عضواً من النار۔ یعنی جس نے مسلم گردن کو آزاد کیا۔ خدا تعالےٰ اس کے ہر عضو کو آگ سے آزاد کر دے گا ۔

پھر ارشادِ الٰہی ما ادراک ما العقبۃ فک رقبۃ سُنا کر انہیں بتا دیا۔ کہ قرب الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ غلاموں کو آزاد کرنا ہے ۔

پھر آپؐ نے فرمایا۔ اگر کسی کے قبضہ میں اس کا کوئی قریبی رشتہ دار آجائے۔ تو وُہ آزاد ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آقا غلام کو مارے۔ تو

وُہ غلام کو آزاد کرنے پر مجبور ہوتا۔ چنانچہ سوید صحابی روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک غلام تھا۔ یک دفعہ ان کے ایک بھائی نے غلام کو تھپڑ مارا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہُوا۔ تو آپؐ نے غلام کو آزاد کر دینے کا حکم دیا۔ گویا آقا کو غلام کے مارنے کا کوئی حق نہ تھا۔ اور اگر کوئی مارتا۔ تو اس کی سزا غلام کو آزاد کرنا تھی۔ پھر قسم توڑنے مومن کو غلطی سے قتل کرنے بیوی کو ماں کہنے کے کفارہ میں غلاموں کو آزاد کرنا رکھدیا۔ آپؐ کی اس تعلیم و ترغیب پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس جوش سے عمل کیا۔ وُہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ چنانچہ چند ایک صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد قریباً چالیس ہزار تک بتائی جاتی ہے۔

دُوسرا طریق

دُوسرا طریق غلامی کی روح کو دُنیا سے مٹانے کی تدابیر تھیں اور یہ اس وقت تک عمل میں نہ لائی جا سکتی تھیں۔ جب تک کہ آقا۔ اور غلام دونوں کی ذہنیتوں کو بدلا نہ جاتا۔ کیونکہ آقا بوجہ مدت دراز سے ظلم کرنے سے غلاموں کو انسانیت کے درجہ سے ہی گرا چکے تھے۔ اور غلام بوجہ نسلاً بعد نسل غلام ہونے کے اپنے اس مقام کو گویا خدا کی طرف سے مقرر شدہ تصور کرنے لگ گئے تھے۔ وُہ یقین رکھتے تھے۔ کہ وُہ پیدا ہی اس زندگی کے لئے کئے گئے ہیں۔ پس ان دونوں کی ذہنیتوں کو بدلنا ضروری تھا۔ ہو سکتا تھا۔ کہ آپؐ غلاموں کو یک لخت آزاد کرنے کا حکم دے دیتے۔ لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ آقا پھر بھی اپنے آپ کو اعلےٰ اور غلام اپنے آپ کو ادنےٰ تصور کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ غلاموں کو سوسائیٹی میں کوئی رُتبہ حاصل نہ ہوتا۔ اور وُہ آزاد ہو کر بھی اس ذلت سے نہ نکل سکتے۔ اس کے لئے ذہنیت کو تبدیل کرنا ہی ضروری تھا۔ ذیل میں مختصراً چند ایک تدابیر کا ذکر کرتی ہوں جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غرض کے لئے اختیار فرمائیں۔

سب کے لئے ایک عبادت گاہ

سب سے پہلی تدبیر جو آپؐ نے اس مقصد کیلئے کی۔ وُہ مساوات قائم کرنا تھا۔ آپؐ نے اس بات پر خاص زور دیا۔ کہ تمام انسان چھوٹے بڑے عرب عجم۔ اسود ابیض سب بحیثیت انسان مساوی ہیں۔ اس سبق کو آپؐ نے صرف الفاظ تک ہی محدود نہ رکھا۔ بلکہ ان کے دلوں میں اسے راسخ کرنے کے لئے ان کی عملی زندگی میں داخل کر دیا۔ چنانچہ آپؐ نے غلام و آقا کے لئے ایک ہی عبادت گاہ یعنی مسجد رکھی۔ اور دونوں پر لازم کیا۔ کہ اکٹھے ایک دُوسرے کے ساتھ کھڑے ہو کر پانچ وقت نماز ادا کریں۔ اور اس سے دُوسری برکات کے علاوہ مساوات کا سبق بھی سیکھیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ غلاموں کے دلوں سے ذلت اور آقاؤں کے دلوں سے بڑائی کا خیال نکلتا گیا۔ پھر آگر ایک طرف آقا کو غلام کے متعلق عبدہ اور اَمَت کا لفظ بولنے سے روک کر ان کے دلوں سے وُہ تکبر اور بڑائی نکال دی۔ جو ان الفاظ کے پہلے استعمال سے ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی۔ تو دُوسری طرف غلام کو آقا کے لئے رب کا لفظ استعمال کرنے سے روکا۔ اور اس طرح دونوں کے لئے مساوات رکھی۔

اعلیٰ مناصب پر تقرر

دُوسرا طریق جو آپؐ نے اس مقصد کے لئے اختیار فرمایا۔ وُہ لوگوں کے اس خیال کو دور کرنا تھا۔ کہ انسانوں کا ایک حصہ غلامی کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ اور ان میں کسی بڑے کام کرنے کی قابلیت ہی نہیں۔ یہ خیال اس قدر جڑ پکڑ چکا تھا۔ کہ بڑے بڑے فلاسفر اسے تسلیم کرتے تھے۔ اسے دُور کرنے کے لئے آپؐ نے ان کی تعلیم و تربیت کا خاص انتظام کیا۔ اور جب وُہ کام کے قابل ہو گئے۔ تو ان کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کیا۔ تا یہ ثابت کر دیں۔ کہ خدا نے انکو بھی ویسا ہی دل و دماغ دیا ہے۔ جیسا کہ اور انسانوں کو۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارث اور ان کے لڑکے اسامہ بن زید کو جنگی مہموں میں امیر مقرر فرمایا۔ اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابیوں کو ان کے ماتحت کیا۔ اسی طرح سالم بن معقل کو آپؐ نے ان چار صحابیوں میں سے ایک رکھا۔ جن کو آپؐ نے قرآن شریف کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا۔ اور اس سے عملی طور پر ثابت کر دیا۔ کہ غلام کو بھی اگر موقعہ دیا جائے۔ تو وُہ دینی اور دُنیوی علوم میں نہ صرف یہ کہ دُوسروں کے برابر ہو سکتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات دُوسروں سے بڑھ بھی سکتا ہے۔

سوسائیٹی میں احترام قائم کرنا

تیسرا طریق جو آپؐ نے اس ذہنیت کو بدلنے کے لئے اختیار کیا۔ وُہ یہ تھا۔ کہ آزاد کردہ قابل غلاموں کی آپؐ خود بھی عزت کرتے اور سوسائٹی میں بھی ان کا احترام قائم کرنے کی کوشش فرماتے۔ اس کے لئے سب سے پہلے ولامة مومنة خير من مشركة ولو اعجبتكم ولعبد مومن خير من مشرك ولو اعجبكم ارشاد خداوندی سنا کر یہ بتایا۔ کہ غلام یا لونڈی اگر اپنے اندر قابلیت پیدا کر لیں۔ تو وُہ ان آزاد نسبی طور پر بڑائی رکھنے والوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ جن کے اندر وُہ قابلیت نہیں۔ اور پھر ان کو اعلےٰ سوسائٹی میں ملانے کے لئے عملی قدم یہ اٹھایا۔ کہ زید جو کہ آزاد شدہ غلام تھے۔ ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن زینب سے کر دی۔ پھر آپؐ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے۔ کہ کسی صحابی کے دل میں باوجود غلاموں کے ترقی کر جانے کے ان کی پہلی حالت غلامی کی وجہ سے۔ ان کے متعلق حقارت کے خیالات نہ رہیں۔

چنانچہ ایک دفعہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بلال رضؓ وغیرہ کو جبکہ وُہ ابو سفیان کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔ ڈانٹا۔ اور کہا۔ کہ تم قریش کے سردار کے متعلق ایسا کہتے ہو۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر ناراض ہوئے۔ اور فرمایا۔ ان کی ناراضگی خدا تعالےٰ کی ناراضگی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اسی وقت ان کے پاس آئے۔ اور ان سے پوچھا۔ کہ کیا۔ تم ناراض تو نہیں ہوئے۔

اسی طرح جب اسامہ رضؓ بن زید کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر مقرر فرمایا۔ اور بعض صحابہ رضؓ نے اعتراض کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ تم اُس کی امارت پر طعن کرتے ہو۔ خدا کی قسم۔ یہ امیر بننے کے قابل ہے۔ اور اس وجہ سے مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیارا ہے۔ اس سے آپؐ نے اچھی طرح ذہن نشین کر دیا۔ کہ اصل چیز قابلیت ہے۔ نہ کہ حسب و نسب۔

جذبات کو اپیل کرنے کی کوشش

چوتھا طریق آپؐ نے لوگوں کی ذہنیت بدلنے کا یہ اختیار فرمایا کہ ان کے جذبات کو اپیل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ فرمایا۔ ان اخوانکم خولکم۔ یعنی اسے آقاؤ! تمہارے بھائی ہی تمہارے غلام ہیں۔ یعنی تم اپنے بھائیوں کو غلام بنا کر ان پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہو۔ یہ کیا انسانیت ہے۔ کہ اپنے بھائیوں سے ایسا سلوک کرو۔ یہ کہکر جلد سے جلد آزاد کر دینے۔ اور جلد سے جلد اپنے اندر شامل کرنے کی ترغیب دلائی۔ اور ان کو اپنے دلوں سے نفرت کے جذبات نکالنے کی طرف مائل کیا۔

غلام آزاد کرنے کے متعلق احکام

ذہنیت کو بدلنے کے بعد آپؐ نے غلامی کو جڑھ سے اکھیڑنے کے لئے مندرجہ ذیل اصول ایسے مقرر فرمائے۔ کہ اگر ان پر عمل کیا جاتا۔ تو تھوڑے ہی عرصہ میں غلامی دنیا سے مفقود ہو جاتی۔ چنانچہ آپؐ نے حکومت کا فرض قرار دیا۔ کہ وُہ بیت المال سے ایک رقم غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف کرے۔ اور ساتھ ہی یہ فرض قرار دیا۔ کہ ان کو تعلیم دے کر اس قابل بنائے۔ کہ وُہ آزاد ہو سکیں۔ اور عام مسلمانوں کو بھی یہ تاکید فرمائی۔ کہ وُہ اپنے مالوں میں سے ایک حصہ اس کام کے لئے صرف کریں۔ بہت سے قصوروں کے کفارہ میں غلاموں کی آزادی بھی رکھدی۔ لیکن سب سے بڑھ کر آپؐ نے یہ حکم دیا۔ کہ جب غلاموں کی ذہنیت بدل جائے۔ اور وُہ اپنے آپ کو یہ سمجھ کر کہ ہم آزادانہ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ مکاتبت یعنی آقا سے آزاد ہونے کا مطالبہ کریں تو آقا کا فرض ہے۔ کہ اسے اسی وقت سے آزاد کر دے۔ اور اسے موقعہ دے کہ وُہ کما کما کر آہستہ آہستہ اسکی رقم ادا کر دے۔ اس میں روک ڈالنے کا آقا کو کوئی اختیار نہ تھا۔ اگر آقا لیت و لعل کرے۔ تو وُہ حکومت کے ذریعہ اپنے آپکو آزاد کرا سکتا تھا۔ حکومت اتنا دیکھیگی۔ کہ آیا۔ وُہ سوسائٹی پر بوجھ تو نہیں۔ پس اس حکم کے ساتھ آپؐ نے یہ فیصلہ کر دیا۔ کہ آئندہ کے لئے غلامی دُنیا سے بالکل مٹ جائے۔ کیونکہ جب غلاموں کے اندر یہ احساس پیدا ہو جائیگا۔ کہ ہم غلام نہیں رہنا چاہتے تو وُہ خود بخود اپنے آپکو آزاد کرا لیں گے اگر اس قسم کے غلام کو مالی تنگی ہوتی۔ تو اس کیلئے بیت المال اور لوگوں پر فرض قرار دیا۔ کہ اسکی مدد کریں۔

اب صرف باقی سوال ان غلاموں کا رہجاتا ہے۔ جو غیر مسلموں کے قبضہ میں ہوں۔ چونکہ ان پر آپؐ مذہبی احکام جبری نہیں ٹھونس سکتے تھے۔ اس لئے ان کے متعلق آپؐ نے دو تدابیر کیں ایک تو مسلمانوں کو حکم دیا کہ وُہ اپنے مالوں سے غلام خرید کر آزاد کریں اور دوسرے یہ رکھدیا۔ کہ جو غلام مسلمان ہو کر مسلمانوں کی حکومت میں آ جائے۔ وُہ پھر واپس نہیں کیا جائے گا۔

آخری کلمات

آخر میں مَیں یہ بتا کر اپنے مضمون کو ختم کرتی ہوں۔ کہ وفات کے وقت جو الفاظ آپؐ کے دہن مبارک سے نکلے

خواہ تمام دُنیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توصیف و تعریف۔ لاانتہا زمانوں تک طرح طرح کے پیرایوں میں کرتی رہے۔ اور انسانی دماغ آپؐ کی نعت ومحامد میں قرنوں مصروف رہے۔ پھر بھی یہ ظاہر ہے کہ جو حقیقی تعریف اور اعلےٰ درجہ کی نعت خلاقِ دوجہاں اور واقفِ اسرارِ کون ومکاں بیان کرسکتا ہے۔ وُہ اور کوئی نہیں کرسکتا:۔

نہ تو کوئی انسان آپؐ کے محامد کے کُنہ تک پہونچ سکتا ہے۔ اور نہ کوئی پُورے طور پر بیان کرسکتا ہے۔ اس لئے جس قدر بھی محامد آں حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیان کئے گئے ہیں۔ وُہ محض آپؐ کے جُزوی کمالات ہیں۔ جن پر اپنے اپنے مذاق کے مطابق ہر طبقہ کے مادحین نے وقتاً فوقتاً اظہار خیالات کیا ہے۔ میں ایک طرف تو آج کل بسترِ علالت پر پڑا ہُوں۔ اور دُوسری طرف ایڈیٹر صاحب "الفضل" کی تاکید پر تاکید ہے کہ کوئی مضمون دو۔ جو خاتم النبیینؐ نمبر میں درج کیا جائے۔ اگرچہ اُن کی اس فرمائش کی تعمیل ان پر احسان نہیں۔ بلکہ خود لکھنے والے کے لئے عین سعادت ہے۔ تاہم بیماری بھی مجبور کر رہی ہے کہ دماغ پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ خود کوئی مضمون سوچکر ناقص اور ناتمام صُورت میں لکھتا مجھے اس میں بہت آسانی نظر آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعض اُن محامد پر ناظرین کو توجہ دلاؤں۔ جو خود خداوند تبارک وتعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں حضورؐ کے متعلق بیان فرمائے ہیں۔ اور جو گو الفاظ میں حد درجہ مختصر ہیں۔ لیکن تمام انسانی محامد کی اصل اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعلےٰ کیرکٹر۔ اور حقیقی قوتِ قدسی۔ اور تعلق باللہ۔ اور شفقت علےٰ خلق اللہ کو بہترین پیرایہ میں بیان کرنے والے ہیں:۔

یاد رہے کہ مندرجہ ذیل نعت صرف ایک حصہ ہے آپؐ کے اُن تمام محامد کا۔ جن سے کلامِ الٰہی بھرا پڑا ہے۔ مگر یہ چند آیات مخصوص طور پر مشہور و معروف ہیں۔ اس لئے تبرکاً وتیمناً ان کو لکھ دینے اور ان کا ترجمہ کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ تاکہ میں بھی امسال اس پرچہ کے ذریعہ سعادت اور ثواب میں شریک ہوسکوں۔ ورنہ ؎

اُو چہ مسید اور بمدحِ کس نیاز ۔۔۔ مدحِ او خود فخرِ ہر مدحت گرے
ہست اُو در روضۂ قدسِ جلال ۔۔۔ وز خیالِ مادحاں بالاترے

(۱)

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (توبہ)

یعنی اے ہر طبقہ کے انسانو! یہ عظیم الشان رسُول تم میں سے ہی تمہارے پاس مبعوث ہوکر آیا ہے۔ ایک طرف تو اس کی خیر خواہی کا یہ عالم ہے۔ کہ تمہیں تکلیف دینے والی باتیں اسے بہت ہی شاق گزرتی ہیں۔ دوسری طرف تمہارے فوائد کا نہایت ہی درجہ خواہشمند ہے۔ اور تیسری طرف مومنوں کے لئے حد درجہ کی شفقت اور رحم اپنے دل میں رکھتا ہے:۔

(۲)

اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ (اعراف)

یعنی میں اپنی رحمت کو ان لوگوں سے مخصُوص کرُوں گا۔ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں۔ جو "وُہ نبی" کے نام۔ اور امّی کے لقب سے پکارا گیا ہے۔ اور یہ پیشگوئی اہلِ کتاب کے پاس توراۃ اور انجیل دونوں میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ یہ نبی ہر اچھی بات کا حکم کرتا ہے۔ اور ہر بُری بات سے منع کرتا ہے۔ پاک اشیاء کو حلال ٹھیراتا ہے۔ اور ناپاک اشیاء کو حرام قرار دیتا ہے۔ اور مخلوقات کی تمام مصیبتوں کے بوجھ اور طوق جو ان پر لدے ہوئے تھے۔ اتارتا ہے۔ سو جو لوگ اس پر ایمان لائے۔ اور انہوں نے اس رسول کو قوت دی۔ اور اس کی مدد کی۔ اور اس نور کی پیروی کی۔ جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ وُہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ اے رسولؐ! تو یہی کہدے۔ کہ اے تمام لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس خدا کی بادشاہی آسمان وزمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وُہی زندہ کرتا ہے۔ اور وُہی مارتا ہے۔ پس اس خدا۔ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ جو وہ نبی جسکے نام اور امّی کے لقب سے مذکور ہے۔ اور جو خود اللہ پر اور اس کے کلام پر ایمان رکھتا ہے۔ اور اُس کی پیروی کرو۔ تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

(۳)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ (انبیا)

یعنی اے رسولؐ! ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا۔ مگر رحمت بنا کر تمام عالمین کے لئے:۔

(۴)

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ۔ (فتح)

یعنی ہم نے تجھ کو مخلوقات کے لئے نمونہ بنا کر بھیجا ہے۔ تو ماننے والوں کو خوشخبری دینے والا۔ اور منکرین کو عذاب سے ڈرانے والا ہے تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسُول پر ایمان لے آؤ۔ اس کے رسول کو قوت دو۔ اور اس کی تعظیم کرو۔ اور اللہ کی صبح وشام تسبیح کرو۔ اے رسول! وُہ سب لوگ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ وُہ دراصل خود اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں۔ گویا تیرا ہاتھ نہیں۔ بلکہ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے:۔

(۵)

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا۔ مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔

یعنی اللہ تعالےٰ نے یہ اپنا رسول ہدایت۔ اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ تمام اور دینوں پر دینِ اسلام کو غالب کرکے دکھائے اور خدا کافی ہے۔ اس کا مددگار۔ محمدؐ اللہ کا رسُول ہے۔ اور جو لوگ اُس کی جماعت میں ہیں۔ وُہ کافروں پر رعب رکھتے ہیں۔ اور آپس میں ایک دُوسرے پر شفقت کرتے ہیں۔ تو ان کو دیکھتا ہے۔ کہ وُہ رکوع اور سجدہ میں پڑے ہوئے خدا کا فضل۔ اور اس کی رضامندی طلب کرتے رہتے ہیں۔ اور اُن کے چہروں پر عبودیت الٰہی کے آثار چمکتے ہیں۔۔۔۔۔۔:۔

(۶)

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ (آل عمران)

یعنی اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ ان میں سے ہی ایک رسول ان کے لئے مبعوث کیا۔ جو خدا کے کلام کی آیتیں ان کو سناتا ہے۔ ان کو ہر قسم کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی گندگیوں سے پاک کرتا ہے۔ اور انہیں کتاب اللہ اور حکمت کی باتوں کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس کے آنے سے پہلے یہی لوگ سخت گمراہی میں مبتلا تھے۔

(۷)

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۔ (آل عمران)

یعنی یہ بھی خدا کی ایک بڑی رحمت ہے۔ کہ اے رسول! تو ان لوگوں کے لئے نرم دل اور رقیق القلب ہے۔ اگر تو ذرا بھی سخت زبان۔ یا سنگدل ہوتا۔ تو یہ سب لوگ تیرے پاس سے بھاگ جاتے۔

(۸)

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (احزاب) یعنی یہ نبی بہت ہی شفقت کرنے والا ہے مسلمانوں پر۔ ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ۔ اور اس کی بی بیاں ان کی مائیں ہیں۔

(۹)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا۔

یعنی اے لوگو! تمہارے لئے یہ رسول بہترین نمونہ ہے پیروی کرنے کے لئے۔ اس شخص کے واسطے جو خدا کی رحمت اور آخرت میں کامیابی چاہتا ہے۔ اور اللہ کو بہت یاد رکھتا ہے۔

(۱۰)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (احزاب)

یعنی اے نبی ہم نے تجھ کو گواہ۔ خوشخبری دینے والا۔ عذاب الٰہی سے ڈرانے والا۔ خدا کے حکم سے اس کی طرف لوگوں کو بلانے والا۔ اور ہدایت کا چمکتا ہوا سورج بنا کر دنیا کی طرف بھیجا ہے۔

(۱۱)

إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

یعنی اللہ۔ اور اس کے فرشتے اس نبی پر خاص رحمتیں۔ اور برکتیں بھیجتے ہیں۔ سو اے مسلمانو! تم بھی اس پر [illegible] سلام بھیجا کرو۔

(۱۲)

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (کوثر)

یعنی اے محمد! ہم نے تجھ کو اولاد۔ اور ہر نعمت کثرت اور بے انتہا عطا کی ہے۔ پس تو بھی اپنے رب کے حضور نماز پڑھ۔ اور قربانی کر۔ تیرا دشمن ہمیشہ نامراد اور لاولد رہے گا۔

(۱۳)

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

کیا ہم نے تیرے سینے کو کھول نہیں دیا۔ اور تیرے اس بوجھ کو جس نے تیری کمر توڑ دی تھی۔ تجھ پر سے ہٹا نہیں دیا۔ بلکہ تیرے ذکر کو خوب بلند کیا۔ (جس کا ایک نمونہ سیرت النبیؐ کے جلسے بھی ہیں۔)

(۱۴)

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ .... ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ۔

یعنی یہ رسول۔ کوئی کلام خواہشِ نفسانی کے ماتحت نہیں کرتا۔ بلکہ وحی الٰہی کے ماتحت اس کے جملہ اقوال و افعال ہیں۔ ...... اسی طرح یہ مخلوق اور خالق کے درمیان شفیع ہے۔ اور جس طرح دو کمانوں کی تاریں درمیان میں مل جاتی ہیں۔ اسی طرح الوہیت انسانیت کی کمانوں کے درمیان بطور خطِ مستقیم کے ہے۔ اور ان دونوں کے آپس کے تعلق کا ذریعہ ہے۔

(۱۵)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔ (احزاب)

یعنی کہ محمد صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تم لوگوں میں سے کسی مرد کا جسمانی باپ نہیں ہے۔ لیکن رسول اللہ ہے۔ اور اس حیثیت سے سب مسلمانوں کا روحانی باپ ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اس کا درجہ ہے۔ کہ یہ خاتم النبیینؐ ہے۔ یعنی تمام انبیاء کے سب کمالات کو اپنے اندر جمع کرنے والا ہے۔ اور ان کا فیضان آئندہ اپنی امت میں جاری کرنے والا ہے۔ اس لئے تمام انبیاء سے اس کا درجہ افضل اور بزرگتر ہے (۱۶) اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ۔ تو عظیم الشان اخلاق والا انسان ہے (۱۷) قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ یعنی اے رسول لوگوں میں اعلان کر دے۔ کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو۔ تو آؤ میری پیروی کرو۔ پھر خدا بھی [illegible]

* پیارا دامن الفت بڑھاتی ہے۔ آقا اس کے تمام لغزش سے [illegible] ہیں اور اس کی ہستی دنیا کی مسرتوں کا ذریعہ۔ اسلام کی طرف فطرت کے لئے ایک [illegible] اور نوع انسان کا نقشہ بہترین بن کر درخشاں ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہ [illegible] دلکش انداز میں حرمت و وحدت کا خزینہ بن جاتا ہے۔ اُمت مرحوم [illegible] الکرام کے سب بلند مقام پر [illegible]

خواتین سے خطاب

[illegible] کیا یہ اصلاحات [illegible]

ہمارا پیارا محسن صلعم

(از محترمہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ چوکے برہما)

بانی اسلام روحی فداہ کی دیگر عظیم الشان خصوصیات میں سے ایک یہ بھی نہایت معجزانہ خصوصیت ہے۔ کہ آپ نے پامال کو نہال۔ ہر پژمردہ کو سرسبز اور ہر گرے ہوئے کو بلند و بالا مرتبہ عنایت فرمایا۔ نہ صرف یہ کہ خود حضورؐ کی ذات نے ہر بےکس کو سربلند فرمایا۔ بلکہ اپنے پیرؤوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا ارشاد فرمایا کمزوروں۔ غلاموں اور عورتوں ایسے پسماندہ طبقوں کی ذلت نصیبیاں اپنے پیش نظر رکھئے۔ پھر اس ناموافق فضا میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے جود و سخا سے لبریز دامن پر نگاہ ڈالئے۔ بے اختیار آپ کا دل اس فخرِ کائنات پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لئے بے تاب ہو جائے گا۔ ان احسانوں کو یاد کر کے بارِ گراں سے گردن نہ اٹھ سکے گی۔ آپ سوچیئے۔ تو آپ کا تخیل آپ کو عجیب گہرائیوں میں لے جائیگا۔ اور آپ محسوس کریں گے۔ کہ اگر سرورِ کائناتؐ ان اصلاحات کے احسان ہم پر نہ فرماتے تو آج دنیا کی وہ بدتر حالت ہوتی جس کے خیال سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اگر یہ حسین اصلاحات آپ دنیا میں جاری نہ فرماتے۔ تو آج حریت کے نام سے کوئی واقف ہی نہ ہوتا۔ اور یہی یہ دگرگوں نظر آتے۔ خدا جانے اس وقت ہم انسان نما کیا چیز ہوتے۔

غلام

غریب اور لاچار غلام مصیبتوں کا شکار ہے۔ دکھوں میں مبتلا ہے بے حد از حد مصیبتوں میں جکڑا ہوا اپنی زندگی سے بیزار۔ مگر اس ابر کرم نے آتے ہی آقا و غلام کے حقوق مساوی کر دیئے۔ غلاموں کی مصیبتوں کی زنجیریں یکسر کاٹ دیں اور اب غلام برابر کا شریک الطعام ہو کر دیگر کاروبار میں مساوی لائین پر آ گیا۔

ماں

ضعیفہ ماں۔ آہ غم و ہم کی مجسم تصویر۔ ناقابلِ برداشت مشقتوں میں گرفتار۔ تمام جہان کے مصائب و آلام کا شکار۔ نڈھال اور مفلوک الحال۔ مگر اپنے لختِ جگر کے سامنے اپنی مصیبت کی داستان کا ایک لفظ زبان پر لانے کی ہمت نہ جرأت۔ اسی کشمکشِ حیات میں غوطے کھا کر آخر دم توڑ دیتی۔ اور دنیا کو ایک ڈراونا منظر دکھا کر رخصت ہو جاتی ہے لیکن رحمۃ للعالمین کی رحمت موجیں مارتی دکھیا ماں کی طرف بڑھتی ہے۔ جنت الفردوس جیسی نعمت رب اس کے قدموں میں ڈال دی جاتی ہے بیٹے۔ ماں مغرور و سرکش بیٹے کا سر انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنی ماں کے قدموں میں ہمیشہ ہمیش کیلئے جھکا دیا جاتا ہے۔ اور بیٹا اسے اپنے لئے باعثِ صد فخر سمجھنے لگتا ہے۔

بیوی

بیوی۔ ناچار و مجبور بیوی۔ آہ۔ نشانۂ جور و ستم بیوی۔ آہ جانور سے بھی کم حیثیت میں خس و خاشاک سے بدتر حالت میں۔ بالکل ادنےٰ ہستی۔ بے زبان۔ گرطاقت سے باہر کر خدمتگزار۔ مصائب میں لت پت۔ دنیا جہان کے رنج دکھوں میں غرق۔ مگر مجال اُف نہ کرتی۔ اپنی غم آلود زندگی نہایت کس مپرسی میں گزار کر دنیا کے سامنے عبرت انگیز مرقع پیش کر کے کالعدم ہو جاتی۔ مگر جب ایسی پست ہستیوں کے ٹوٹے ہوئے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت خاتم النبیینؐ جلوہ گر ہوتی ہے۔ تو اس ناشاد ہستی کی طرف

[illegible]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان عورتوں پر

از سیدہ امۃ السلام بیگم صاحبہ بنت حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے

بعثت نبوی کے وقت عورت کی حالت

اس وقت جبکہ دنیا میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ اور چاروں طرف تاریکی تھی۔ تمام بندگان خدا شرک کے جال میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے۔ لوگ نہ صرف اپنے خالق کو بھولے ہوئے تھے۔ بلکہ اس کے نام سے بھی ناواقف تھے۔ خصوصاً عرب کا ملک تو جہالت اور بد رسوم میں اول نمبر پر تھا۔ اس وقت ایک خدا کا بندہ اپنے خالق و مالک کی رحمت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ اور ضلالت کو دنیا سے ملیا میٹ کرنے کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ اس نے اس زمانہ میں اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ جبکہ ملک عرب عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا تھا اور ساکنان عرب شراب خوری اور قمار بازی وغیرہ کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ عورت کی حیثیت اس زمانہ میں جانوروں کی سی تھی۔ ان پر ہر قسم کا ظلم روا رکھا جاتا تھا۔ ان کا کوئی حق بھی محفوظ نہ تھا۔ ان کی ذلت انتہا تک پہنچ چکی تھی۔ ان کی ترقی کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا تھا۔ ورثہ میں ان کا کوئی حق نہ تھا۔ بلکہ وہ خود بطور ورثہ کے سمجھی جاتی تھی۔ اور جس طرح دوسری جائداد تقسیم کی جاتی تھی۔ اسی طرح ان کی بھی تقسیم ہوتی تھی۔ لڑکی کی پیدائش خاندان کے لئے موجب عار سمجھی جاتی۔ اسی لئے بعض قبائل میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی قبیح عادت جاری ہو گئی تھی۔ سوسائٹی میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اور ان کو کسی مشورہ وغیرہ میں رائے دینے کا حق نہیں تھا۔ غرضیکہ عورت تحت درجہ مظلومیت کی قید میں گرفتار تھی۔ اور اس قید سے آزاد کرنے والا اسے کوئی نظر نہ آتا تھا۔

رحمت الٰہی کا نزول

آخر جب یہ ذلت و تحقیر انتہا کو پہنچ گئی۔ تو رحمت خدا جوش میں آئی۔ اور اس نے اپنے ایک برگزیدہ بندے کے دل میں عورتوں کے لئے رحم کا جذبہ پیدا کیا۔ وہ ان کی حمایت میں کھڑا ہو گیا۔ اور دنیا کو ان کے حقوق کی طرف توجہ دلائی ہمارے محسن رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا انسان نہیں گذرا جو طبقۂ نسواں کے لئے اس قدر رحمت کا موجب بنا ہو۔ آپ کی تعلیم کے مطابق انسانیت کے لحاظ سے عورت و مرد برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے۔ و لہن مثل الذی علیہن یعنے جیسے مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں۔ ویسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔

عورتوں پر شفقت

آپ عورتوں کے ساتھ نہایت مربیانہ سلوک فرماتے۔ عورتیں آپکی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تکالیف اور ضروریات کے متعلق آزادی کے ساتھ گفتگو کر لیتی تھیں۔ اور بعض وقت کسی ام المومنین رضی کے ذریعے مسائل وغیرہ پوچھ لیتی تھیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ عورتوں کی بڑھتی ہوئی جرأت کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کہ اسلام کے شفق و کرم نے عورتوں کو بہت دلیر بنا دیا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ کہ حببت الی من دنیاکم النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یعنے تمہاری دنیا میں سے دو چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈال دی گئی ہے۔ ایک خوشبو اور دوسرے طبقۂ نسواں کی۔ مگر میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ کو عورتوں کی بہبودی کا کسقدر خیال تھا۔

اہل سے حسن سلوک کا ارشاد

آپ عورتوں کے لئے ایک فرشتۂ رحمت تھے۔ آپ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا۔ کہ آپ عورتوں کی بہت قدر کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کا سلوک اپنی بیویوں سے نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ بعض مذاہب کہتے ہیں۔ کہ تم اپنے عزیزوں کو چھوڑ دو۔ اور دنیا کے تمام تعلقات کو قطع کر دو۔ تب تم خدا کو پا سکو گے۔ مگر محمد رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا! یہ طریق فطرت کے خلاف ہے۔ تم دنیوی تعلقات سے وابستہ رہتے ہوئے بھی خدا کو پا سکتے ہو۔ دنیا کا ہر ایک ذرہ خدا تعالےٰ کی پیدائش ہے۔ اور اگر تمہاری نیت درست ہے۔ تو دنیا کی کوئی چیز تمہارے لئے خدا تک پہنچنے میں روک نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بعض جہات سے دنیا کے تعلقات قرب الٰہی کے لئے ممد اور معاون ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا خیرکم خیرکم لاھلہٖ یعنے تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے بہتر وہ شخص ہے۔ جو اپنے بیوی اور بچوں کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرتا ہے۔ اس طرح آپ نے یہ تعلیم دی۔ کہ اپنے اہل سے محبت کر کے خدا تعالےٰ تک پہنچو۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے بیوی سے حسن سلوک کو اپنے قرب کا ذریعہ بتایا ہے۔

بیویوں کے احساسات کا خیال

آپ اپنی بیویوں کے احساسات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ گھر کے کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ ان کی دلداری کے لئے باریک سے باریک راہیں تلاش کرتے۔ ایک دفعہ آپکی ایک بیوی کو جو نسلاً یہود میں سے تھی کسی دوسری نے غصہ میں تحقیر کے طور پر یہودن کہدیا۔ اس کا اسے ملال ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کا علم ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ تم نے اسے یہ کیوں نہ جواب دیا۔ کہ میں ذلیل کس طرح ہوئی میں تو خدا تعالےٰ کے نبیوں کی اولاد میں سے ہوں۔ اگر آپ کی بیویوں میں سے کوئی بیمار ہوتی تو آپ نہایت توجہ کے ساتھ اسکی تیمارداری کرتے۔ آپ اپنی بیویوں کی خاطر اس کے رشتہ داروں سے بھی تعلق بڑھاتے۔ غرضیکہ آپ ہر رنگ میں عورتوں کے لئے باعث راحت و کرم ثابت ہوئے۔ اور اپنے اقوال و افعال سے ثابت کر دیا۔ کہ عورت ایک قابل نفرت چیز نہیں۔ بلکہ ایک قابل عزت اور قابل محبت ہستی ہے۔

دعا

آخر میں میں دعا کرتی ہوں۔ کہ وہ قابل احترام ہستی کہ جس نے ہماری صنف پر اس قدر احسان کئے۔ اور ہمیں قعر ذلت سے نکال کر اوج سعادت پر پہنچا دیا۔ ہمیں ہمارے جائز حقوق دلائے۔ خدا تعالےٰ ہمارے دلوں کو اس محسن کی محبت سے لبریز کر دے۔ اور ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ کہ ہم اس کے بتائے ہوئے طریق پر چلکر خدا تعالےٰ کی رضا حاصل کر سکیں۔ اور اسکی تعلیم کو خدا تعالےٰ کی اس مخلوق تک پہنچا سکیں۔ جو ابھی تک قعر ذلت میں پڑی ہوئی ہے۔ آمین ثم آمین

عورتوں سے حسن سلوک

عبد اللہ بن زمعہ رضی سے روایت ہے۔ کہ میں نے سنا۔ کہ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ میں بہت سی باتیں بیان فرمانے کے بعد عورتوں کا ذکر کیا۔ اور لوگوں کو ان کے حق میں بہت سی نصیحتیں کیں۔ اور پھر فرمایا۔ کہ دیکھو کیسی بری بات ہے کہ ایک شخص صبح کے وقت اپنی بیوی کو غصہ میں آکر اس طرح مارتا ہے جس طرح لوگ نوکروں کو مارتے ہیں۔ اور پھر شام کے وقت اس سے بستر ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح اور باتوں کی نصیحت کرتے فرمایا کہ کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو لوگ ہنس پڑتے ہیں۔ مگر لوگو یہ بات خود تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ وہی امر جو خود تم سے سرزد ہو۔ تو کیوں ہنستے ہو۔ (بخاری)

انجیل میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت

از جناب سید محمد اسحاق صاحب فاضل پروفیسر مدرسہ احمدیہ قادیان

ہر نبی اپنے سے پہلے نبیوں کا (اگر کوئی ہوں) مصدق اور اپنے بعد میں آنے والے نبی کا (اگر کسی نے آنا ہو) مبشر ہوا کرتا ہے حضرت مسیح ابن مریم بھی چونکہ خدا کے نبی تھے۔ اس لئے آپ بھی اپنے سے پہلے نبیوں کے مصدق تھے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔ ومصدقا لما بين يدي من التوراة یعنے میں اپنے سے پیشتر شریعت کی کتاب تورات اور اس کے شارع موسے علیہ السلام کا مصدق ہوں۔ اور اپنے سے بعد میں آنے والے یعنی رسول مقبول صلعم کے مبشر ہیں جیسا کہ حضور کا دعویٰ ہے انا بشارت عیسےٰ یعنے میں عیسےٰ علیہ السلام کی بشارت کے مطابق دنیا میں آیا ہوں۔ اس دعویٰ کی دلیل ہمارے ذمہ ہے کہ واقعہ میں مسیح علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی انجیل میں بشارت دی ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے ہم انجیل کا ایک حوالہ درج کرتے ہیں جو یہ ہے:۔

انجیل کا ایک حوالہ

"ایک اور تمثیل سنو۔ ایک گھر کا مالک تھا۔ جس نے انگوری باغ لگایا۔ اور اس کے چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور برج بنایا۔ اور اسے باغبانوں کو ٹھیکہ پر دے کر پردیس چلا گیا۔ اور جب پھل کا موسم قریب آیا۔ تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا۔ اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کیا اور کسی کو سنگسار کیا۔ پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا۔ جو پہلے سے زیادہ تھے۔ اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ کہکر بھیجا۔ کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا۔ تو آپس میں کہا۔ کہ یہی وارث ہے۔ آؤ اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کر لیں۔ اور اسے پکڑ کر باغ سے باہر نکالا۔ اور قتل کر دیا۔ پس جب باغ کا مالک آئے گا۔ تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا۔ انہوں نے اس سے کہا۔ کہ ان برے آدمیوں کو بری طرح ہلاک کرے گا۔ اور باغ کا ٹھیکہ اور باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اسکو پھل دیں گے۔ یسوع نے ان سے کہا۔ کہ کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔ اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی۔ اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جس پر وہ گرے گا۔ اسے پیس ڈالے گا" (متی ۲۱/۳۳-۴۴)

تمثیل کا مطلب

یہ تمثیل نہایت صاف ہے ٹھیکہ دینے والا خدا ہے۔ باغبان بنی اسرائیل قوم ہے۔ بیٹے سے مراد مسیح علیہ السلام ہیں۔ اور نوکروں سے مراد بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ جو مسیح سے پیشتر ان میں مبعوث ہوئے پس جب یہودیوں نے حضرت مسیح سے پہلے نبیوں کو قتل کیا پیٹا اور سنگسار کیا۔ تو سب سے آخر مسیح علیہ السلام آئے۔ یہود نے ان کو بھی قتل کر دیا۔ تمثیل کہتی ہے۔ کہ پھر خدا خود آئے گا۔ اور یہ ٹھیکہ کسی اور قوم کو دیدیگا۔ اور وہ قوم خدا کے نوکروں کو باغ کا پھل دیدیگی

تمثیل کا متنازعہ فیہ حصہ

تمثیل کا یہ حصہ متنازعہ فیہ ہے عیسائیوں کے نزدیک اس سے مراد مسیح کی آمد ثانی ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنی اسمٰعیل میں سے مبعوث ہونا ہے۔ ان دو متضاد خیالات میں فیصلہ کرنے کے لئے میں چند امور عرض کرتا ہوں۔ جن سے انشاء اللہ ناظرین صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں گے۔

امر اوّل

اس حوالہ میں لکھا ہے۔ کہ مارا جانے والا مالک کا بیٹا ہے اور سزا کے لئے آنے والا خود مالک ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ جو مارا گیا ہے۔ وہی دوبارہ نہیں آئے گا۔ اور چونکہ اس حوالہ کی رو سے مسیح علیہ السلام مارے گئے۔ اس لئے وہ خود دوبارہ نہیں آ سکتے۔

امر ثانی

اگر مسیح علیہ السلام ہی دوبارہ آئیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ بادشاہت اور ٹھیکہ یہود ہی میں رہے گا۔ کیونکہ حضرت مسیح خود یہودی ہیں۔ پس حضرت مسیح کے دوبارہ آنے سے تو باغ کا ٹھیکہ یہودیوں ہی میں قائم رہا۔ حالانکہ حوالہ کہتا ہے۔ کہ میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ آنے والا نبی بنی اسرائیل میں سے نہیں ہو سکتا۔

امر ثالث

یہ آنے والا نبی اسی قوم میں سے آئے گا جس میں نبوت مفقود ہو۔ اس لئے مسیح علیہ السلام اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام سے حضرت مسیح تک ہزاروں نبی بنی اسرائیل میں آئے۔ حوالہ یہ کہتا ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یعنے آنے والا نبی اس قوم کا فرد ہے۔ جو ہزاروں سال سے نبوت کے مکان کی اینٹوں کی جگہ نہیں لگائی جا سکی۔ اور وہ عرب ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسمٰعیل نبی کی اولاد ہیں۔ جن میں سے ہزاروں سال تک ایک شخص بھی نبی نہ بن سکا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ لتنذر قوما ما انذر آباؤهم

امر رابع

حوالہ میں لکھا ہے۔ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ اس میں آنے والے نبی اور اس کی قوم کو پتھر سے تمثیل دی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ موعود نبی اور آپکی قوم کو پتھر سے کوئی خصوصیت حاصل ہے۔ ورنہ تمثیل بے معنی ٹھہرتی ہے اور خدا کے کلام پر حرف آتا ہے۔ بنی اسرائیل کی تمام تاریخ پر نظر ڈالو۔ انہیں بحیثیت قوم پتھر سے کوئی واسطہ نہیں۔ نہ کوئی خصوصیت حاصل ہے۔ نہ خود مسیح علیہ السلام کی زندگی میں پتھر کا کوئی خاص اور اہم واقعہ پایا جاتا ہے لیکن برخلاف اس کے بنی اسمٰعیل کے لاکھوں افراد اور سینکڑوں قبیلوں میں ہزاروں اختلاف تھے۔ وہ آپس میں قتل و غارت تک کے مرتکب ہو جاتے تھے۔ مگر اتفاق تھا۔ تو ایک پتھر کے ارد گرد والہانہ طور پر پھرنے اور اسے بوسہ دینے میں۔ اور وہ حجر اسود ہے۔ جو پتھر بھی ہے۔ اور طرفہ یہ کہ وہ کونے کے سرے کا پتھر ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہزاروں سال سے بنی اسمٰعیل ایک پتھر یعنی کونے کے سرے کے پتھر کے ارد گرد گھومتے رہے کیونکہ وہ پتھر درحقیقت آنے والے نبی کا نشان ہے۔ یہ تو پتھر کی قومی حیثیت تھی۔ اب نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کو دیکھو۔ آپ کی انفرادی زندگی میں بھی اس پتھر سے آپکو کوئی خصوصیت حاصل ہے یا نہیں۔ سو جاننے والے جانتے ہیں۔ اور جو نہیں جانتے وہ جان لیں۔ کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ اور خانہ کعبہ ایک دفعہ جبکہ دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ تو حجر اسود کو کونے کے سرے پر رکھنے کے لئے عرب کے تمام قبائل میں سخت جھگڑا برپا ہوا۔ اور قریب تھا کہ سارا عرب خانہ جنگی کی آگ سے مشتعل ہو جاتا۔ کہ قدرت خداوندی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام قرعہ پڑا۔ اور آپ ہی کی عقلمندی اور دانائی سے اس پتھر کا جھگڑا ختم ہو گیا۔ اور اسی کونے کے سرے کے پتھر کو خود اس حقیقی کونے کے پتھر نے اپنے ہاتھ سے کونے کے سرے پر رکھدیا۔

امر خامس

حوالہ کہتا ہے۔ کہ جو اس پتھر پر گرے گا۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے

ہو جائیں گے یعنی آنے والے نبی پر جو لوگ حملہ آور ہوں گے وہ ہلاک کئے جائیں گے۔ ناظرین یہ علامت ایسی بین طور پر ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پائی جاتی ہے۔ کہ عیسائیوں کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کس شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کیا۔ کہ وہ ہلاک نہیں ہوا؟ اور کونسی قوم آپ پر چڑھ کر آئی کہ تباہ نہیں ہوئی۔ اور کس بادشاہ نے آپ پر لشکر کشی کی۔ کہ وہ ناکام و برباد نہ ہوا ✦

امر سادس

اس حوالہ میں لکھا ہے جس پر وہ گرے گا۔ اسے پیس ڈالے گا۔ یعنی آنے والا نبی جب کسی قوم پر چڑھائی کرے گا۔ تو دشمن مغلوب ہوگا یہ علامت بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باجود میں سورج سے زیادہ روشن طور پر پوری ہوتی نظر آتی ہے۔ کونسی مہم ہے جو حضور نے سر نہیں کی؟ کونسی فوج کشی ہے جو فیل ہوئی؟ کس حملہ میں حضور ناکام رہے۔ اور کونسا اقدام ہے جو نتیجہ خیز نہ ہوا۔ کیا مکہ کے حملہ میں دس ہزار قدوسیوں کے بادشاہ کا کوئی مقابلہ کر سکا؟ کیا خیبر کے حملہ میں جو بالخصوص یہودیوں پر تھا۔ آپ کامیاب و مظفر ہو کر انجیل کی اس علامت کو عربی زبان میں ادا نہیں فرمایا۔ کہ انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین یعنے جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔

امر سابع

حضرت مسیح فرماتے ہیں "جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔ اور ہماری نظر میں عجیب ہے" یعنے آنے والا کا نبی ہونا۔ اور اسکی قوم میں نبوت کا پایا جانا نہایت تعجب انگیز ہے۔ اس لئے اس پیشگوئی کا مصداق مسیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مسیح کی قوم تو ہزاروں سال سے نبوت کا گھر تھی۔ اس میں کسی نبی کے پیدا ہونے میں تعجب ہی کیا۔ ہاں بنی اسمٰعیل میں سے کسی نبی کا ہونا بے شک اس پیشگوئی کا مصداق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جس قوم میں ہزاروں سال سے کوئی نبی نہ ہو۔ اسمیں کوئی نبی برپا ہو۔ اور کوئی مقدس یہ دعوےٰ کرے۔ کہ میں نبی ہوں۔ تو ضرور یہ امر باعث تعجب ہوگا۔ چنانچہ جب ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعویٰ کیا۔ تو تمام عرب ششدر رہ گیا۔ اور تعجب سے بھر گیا تبھی خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ اعجبوا ان جاءھم منذر منھم نیز وقال الکافرون ان ھذا لشیء عجاب اس تعجب کا جواب بھی قرآن نے وہی دیا جو انجیل نے دیا ہے چنانچہ دونوں حوالے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ انجیل کہتی ہے۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا ان دونوں حوالوں کا ماحصل ایک ہی ہے۔ کہ نبی بنانا اللہ کا کام ہے۔ جسے چاہے بنائے۔ اگر ہزاروں نبی اسرائیل میں سے ہوئے اور ایک بنی اسمٰعیل میں سے تو تعجب کیا

امر ثامن

حوالہ بتاتا ہے۔ کہ میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ خدا کی بادشاہت تم سے لی جائیگی

اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائیگی۔

اس آنے والے نبی کی یہ علامت قرار دی گئی ہے۔ کہ اس کے متبع اور پیرو اس نبی کی تعلیم پر چلکر عمدہ عمدہ پھل دیں گے۔ سو یہ علامت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود میں ایسے نفیس طور پر پوری ہوئی ہے۔ کہ کوئی نبی بھی آپ کے مقابل کامیاب ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیا دنیا اس امر کو فراموش کر سکتی ہے۔ کہ آپ جس قوم میں تشریف لائے۔ وہ جاہل تھی۔ مگر کیا آپ نے ان کو عالم اور دنیا کا استاد اور تمام علوم کا حامل نہیں بنا دیا۔ کیا وہ لوگ درندوں کی طرح ایک دوسرے کو پھاڑے نہیں کھاتے تھے۔ اور کیا پھر آپ نے ان کو فاصبحتم بنعمتہ اخوانا کا مصداق نہیں بنا دیا۔ سب لوگ لڑکیوں کو قتل کرنے جوا کھیلنے شراب پینے زنا کرنے اور دوسروں پر بہتان باندھنے کے خوگر و عادی نہ تھے اور مزدور تھے۔ کون اس کا انکار کر سکتا ہے مگر کیا اس سردار دوجہاں نے یہ عیب یکسر عرب سے مٹا نہیں دیئے۔ اور کیا وہ لوگ لڑکیوں کو لخت جگر سمجھنے والے جوئے سے متنفر شراب کے تارک عصمت کے پابند دوسروں کے عیوب سے چشم پوشی کرنے والے نہیں بن گئے؟ نہ صرف وہ خود عالم ہوئے بلکہ انہوں نے ساری دنیا کو علم پڑھایا۔ یورپ میں بھی انہیں سے علم کی روشنی پہنچی۔ اسی طرح نہ صرف وہ خود پاک بنے ہو۔ بلکہ انہوں نے اقوام عالم کو پاک کر دیا۔ پس یہ علامت کہ آنے والے نبی کی قوم آسمانی بادشاہت کے پھل لاوے گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود میں یقینی پوری اترتی ہے۔

امر تاسع

یوحنا ۱۶ میں آنے والے کی علامت یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ وہ دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ اس حوالہ سے ظاہر ہے۔ کہ آنے والا مسیح کی آمد اول کی طرح محض جمالی نبی نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ جلالی نبی یعنے صاحب شکوہ و سلطنت ہوگا تبھی تو وہ دنیا کو قصوروار ٹھہرا سکیگا۔ ورنہ ایک بے در بے گھر درویش وعظ تو ضرور کر سکتا ہے لیکن اسے دنیا کو قصوروار ٹھہرانے کی حیثیت کہاں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آنے والا جلالی نبی ہو۔ تاکہ وہ خود گناہوں سے پاک اور راستبازی سے متصف ہو۔ اور اس طرح دنیا کو گناہوں اور ناراستی پر قصوروار ٹھہرانے کا اسے حق ہو۔ اسی طرح ضروری ہے۔ کہ وہ نہایت عادل بادشاہ بھی ہو۔ تاکہ اپنی عدالت سے تمام گناہ گاروں کو ان کے قصوروں کی خوب ملامت کر سکے۔ یہ علامت بھی آنحضرت صلعم کے وجود اقدس میں صفائی سے پوری ہوتی ہے۔ آپ نبی بھی تھے۔ اس لئے تمام گناہگاروں کو مخاطب کر کے فرمایا فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون کہ کون ہے جو میری زندگی میں کوئی دھبہ لگا سکے۔ نیز آپ بادشاہ بھی تھے۔ تو مجرم کی قومیں آپ کی عدالت عالیہ میں پیش کر کے قصوروار ٹھہرائی گئیں۔ کیا دنیا اس واقعہ کو بھول سکتی ہے۔ کہ تیرہ برس تک اسماعیلی دنیا آپکو اور آپکے ساتھیوں کو ظلم کا تختہ مشق بنانے کے لئے جب مکے میں آپکی شاندار واپسی کے وقت جبکہ آپ دس ہزار قدوسیوں کے جھرمٹ میں انا فتحنا لک فتحا مبینا کا نعرہ لگاتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ کے سامنے پیش کی گئی۔ تو کیا آپنے اسے قصوروار

شبیہِ پاک جب دیکھی خدا جلوہ نما دیکھا

از مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل مدیر معاون الفضل

نزا اچشم انجم نے زمیں پر ماجرا دیکھا
شب ظلمت میں جب روشن چراغ حق نما دیکھا

ہوا غرق خجالت آسماں پر نیر اعظم
جہاں میں چار سو جب ضو فشاں نور ہدیٰ دیکھا

بہت دیکھا کئے ہم ماہرو اس بزم عالم میں
مگر سب ہیچ نکلے جب محمد مصطفیٰ دیکھا

بتائیں شان کیا اس سید الکونین کی ہمدم
شبیہِ پاک جب دیکھی خدا جلوہ نما دیکھا

پجاری لات و عزیٰ کے بنے وحدت کے شیدائی
بدلتا ہم نے یوں پل بھر میں یہ ارض و سما دیکھا

حصول عزت و رفعت میں شاہوں سے بڑھا آخر
محمد کی گلی کا ہم نے جس کو بھی گدا دیکھا

مقابل ماہِ کامل کے مہ نخشب نہیں سکتا
مہ کنعاں کو ہم بھولے جو یہ بدر الدجیٰ دیکھا

تعالیٰ اللہ۔ مولیٰ سے ملاقاتیں ہی رہتی تھیں
عبادت کے لئے جب گوشہ غار حرا دیکھا

دلوں کو متحد کر کے اخوت کی بنا ڈالی
یہ وہ اعجاز ہے قوموں نے جسکو برملا دیکھا

خدا شاہد ہے ان آنکھوں کو حسرت دیکھنے کی تھی
خدا کا شکر دیکھا اس کو جب سے میرزا دیکھا

سلام شوق طاھر کا بصد آداب کہنا تم
اگر موقع رسائی کا کوئی باد صبا دیکھا

خدا نما زندہ نبی

از جناب سید تاج حسین صاحب بخاری بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر لالہ روا

روحانیت کا اعلیٰ طبقہ

ہر ایک شے کا علم اور احساس انسان کو حواس خمسہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ مگر کائنات عالم کی تمام اشیاء محدود فانی محقق الزمان اور محقق المکان ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی شان لیس کمثلہ شیء ہے جب وہ کسی شے کی مانند نہیں۔ تو اس کا علم اور معرفت ہمیں کیسے حاصل ہو۔ ہاں بعض انسانوں میں سے خاص برگزیدہ انسان ایسے ہوئے ہیں۔ کہ ان کو اسی لا تدرکہ الابصار ہستی کی طرف سے حواس باطنی عطا کئے گئے جن سے انہوں نے اس وراء الورا ہستی کو دیکھ لیا۔ چونکہ وہ ہستی کسی شے کی مانند نہیں۔ لہٰذا ہم اسکی ہستی کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ سوائے اس مخصوص گروہ انبیاء کے جنکو اس سے ہمکلامی کا فخر حاصل ہوتا ہے اور جو نہایت تحدی کے ساتھ اپنے اس سے ہمکلامی کے دعاوی کی نشر و اشاعت میں بلا خوف و خطر اس کا انا الموجود ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ یہی روحانیت کا اعلےٰ و ارفع طبقہ ہے۔ جس نے زندیقوں اور ملحدوں کے فاسد خیالات کو پاش پاش کر دیا۔

روحانی زندگی پیش کرنیوالا مذہب

اس میں قطعاً شبہ نہیں۔ کہ اس وقت تمام مذاہب کے نام لیوا محض لفظی طور پر ہستی باری تعالےٰ کو تمام صفات کاملہ کا مظہر تسلیم کرنے کے مدعی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ ہمیں خدا تعالےٰ کی ہستی کو پانے والا کوئی مقرب انسان ان میں نظر نہیں آتا۔ جس سے ایسے مذاہب کی زندگی کا عدم ثابت ہوتی ہے۔ جس مذہب کا خدا زندہ نہیں۔ اس کے ماننے والے بھی روحانی زندگی سے محروم ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا مذہب ہے۔ جو روحانی زندگی کا ہمیشہ ہمیش کے لئے ماننے والا ہے۔ ہاں صرف اسلام ہی ہے۔ اسی کے ماننے والے وہ لوگ ہیں جو خدا کو زندہ خدا، نبی کو زندہ نبی۔ اور کلام مجید کو زندہ کتاب مانتے ہیں

خدا کی ہستی کا ثبوت

نبی کا وجود ہی خدا کی ہستی کا اعتراف کرانے والا ہوتا ہے۔ اور نبی دو باتوں پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اول یہ کہ لوگ خدا پر علی وجہ البصیرت ایمان لائیں۔ دوم اس کی نبوت تسلیم کریں۔ اول الذکر اس کے مشن کا اصل مقصد اور ثانی الذکر اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ زندہ خدا پر ایمان بجز نبی پر ایمان لانے کے حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا خاتم الرسل افضل الانبیاء کی نبوت ہی سے خدا کی زندہ ہستی کا ثبوت پیش کیا جائیگا

خدا کی صفات کا ظہور نبی کے ذریعہ

خدا تعالےٰ الحیی زندہ کرنیوالا الممیت مارنے والا البصیر دیکھنے والا السمیع سننے والا الکلیم بولنے والا المجیب دعائیں قبول کرنیوالا القادر قدرت والا المعز عزت دینے والا المذل ذلت دینے والا المهیمن نگہبان ہے۔ اور ان تمام صفات کاملہ کا ظہور اور مشاہدہ نبی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ نبی بھی ایک انسان ہی ہوتا ہے۔ مگر دوسرے انسانوں سے اس میں فرق یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کی زندگی اور موت بھی ایک نشان ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق دشمنوں نے بارہا قتل کے منصوبے کئے۔ مگر خدا نے اپنے وعدے اور پیشگوئی واللہ یعصمک من الناس کے مطابق آپ کی حفاظت فرمائی۔ حالانکہ آپ کے صحابہؓ حضرت عمر اور حضرت علی کرم اللہ وجہ قتل ہونے سے نہ بچ سکے۔ اب بھی جبکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بروزی رنگ ہوگا۔ وہ واللہ یعصمک من الناس کا مصداق ہوگا۔ اور اس کا مصداق ہونا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زندہ نبی اور خدا کو زندہ خدا ثابت کر دیگا۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ وہ نہایت تحدی کے ساتھ انہی الفاظ واللہ یعصمک من الناس کو پیش گوئی کے طور پر پیش کرتا ہوا نہایت مامون زندگی گزار کر وقت مقررہ پر اپنے مالک حقیقی کا مشن پورا کر کے اس سے جا ملتا ہے۔ کیا کوئی دہریہ اس لحیی اور المهیمن زندہ ہستی کا انکار کر سکتا ہے۔ اور قیاسات سے اسکی کوئی نظیر پیش کر سکتا ہے

انبیاء کی کامیابی

خدا تعالےٰ نے اپنے انبیاء کی کامیابی اور ان کی مدد اور نصرت کے متعلق فرمایا۔ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا (۲۴) کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی (۲۸) ان‌العباد نا المرسلین انھم لھم المنصورون (۲۳) و کان حقاً علینا نصر المومنین (۲۱) ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ (۲۶)

کتنا زبردست دعویٰ ہے۔ کہ میرے مامور مغلوب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ میری زندہ ہستی کے مظہر اتم ہیں۔ فرمایا میں احکم الحاکمین ہوں۔ میری روحانی بادشاہت میں کوئی جعلی حاکم فروغ نہیں پا سکتا۔ چنانچہ فرمایا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی میری طرف سے مامور نہ ہوتا۔ تو میں از خود اسے ہلاک کر دیتا۔ ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین (۲۹) جعلی حاکموں کے متعلق فرمایا۔ سینالھم غضب و ذلۃ فی الحیوٰۃ الدنیا و کذالک نجزی المفترین (۹) ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او کذب بایٰتہ انہ لا یفلح الظالمون (۷) وقد خاب من افتریٰ (۱۶) فقطع دابر القوم الذین ظلموا (۷) پرمیاہ ۱۴/۱۵ میں آتا ہے: "جھوٹے نبی تلوار اور کال سے ہلاک کئے جاتے ہیں" مورخین اور مفسرین اس بات میں ہم آہنگ ہیں۔ کہ جعلی حاکم اور مامور جنہوں نے وحی والہام کا دعویٰ کیا۔ تباہ اور ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب تفسیر ثنائی ص۲۲ پر رقمطراز ہیں:" نظام عالم میں جہاں اور قوانین خداوندی ہیں۔ پس یہ بھی ہے۔ کہ کاذب مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔ دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر ہے۔ جو کوئی زہر کھائے گا ہلاک ہو جائیگا۔ کیا کوئی مخالف امتوں میں جھوٹے نبی کی امت دکھلانے کا دعویٰ کر سکتا ہے ہرگز نہیں۔ علیہ اللہ عنسی اور مسیلمہ کذاب کے واقعات تاریخ دانوں سے پوشیدہ نہیں۔" مولوی ثناء اللہ صاحب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دعویٰ نبوت کو صادق ثابت کرنے کے لئے تواریخی شواہد بیان کئے ہیں۔ کہ جن کو خدا رسول بنا کر اپنے وحی والہام سے سرفراز فرماتا ہے۔ وہ اپنے مقصد اور مشن میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ان کی توانا اور قادر ہستی مدد اور نصرت کرتی ہے بلکہ ان کی تائید اور ترقیات اور فتوحات کا دستور العمل (پروگرام) ان کے دعویٰ نبوت سے پیشتر مرتب کر کے دنیا میں اعلان کر دیتی ہے۔ کہ اب دنیا نے اس کو مامور کیا ہے۔ مخالفین خواہ کتنا زور لگا لیں۔ میرا مامور ضرور کامیاب ہوگا۔ اور مخالفین پر اپنے مذہب اور مشن کو غالب کر دیگا۔ آؤ محمدی زمانہ میں کسی ایسے وجود کی تلاش کریں۔ جو آج بھی اسی تحدی کے ساتھ اپنا مشن پروگرام قبل از وقت خدا تعالےٰ کی طرف سے دنیا کو سنائے۔ پھر دیکھیں وہ واقعی مامور من اللہ تھا۔ اور اسکا مشن حسب وعدہ الٰہی کامیاب رہا۔ یا صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ اگر واقعی کوئی ایسا شخص اب بھی موجود ہے۔ تو مبارک ہو زندہ اسلام کے ماننے والو تمہارا محمد رسول اللہ بھی زندہ نبی ہے۔ اور اس کا خدا بھی زندہ خدا ہے۔ اور اس کی کتاب زندہ کتاب ہے جسکا فیض یافتہ آج دہریت کے زمانہ میں بھی خدا کی زندہ اور قادر ہستی کا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے کیا فی الواقعہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زندہ نبی نہیں جن کا کوئی نہ کوئی غلام ہر صدی کے سر پر تجدید دین کے لئے مبعوث ہوا کرتا۔ اگر پہلے ہوتا آیا ہے تو اس زمانہ کا مجدد پیش کرو۔ ورنہ آؤ قادیان میں اسکی تلاش کریں

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی

از محترمہ سیدہ محمودہ خاتون صاحبہ ہتک

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے متعلق قلم اُٹھانا میرے لئے چھوٹا منہ اور بڑی بات کا مصداق بنتا ہے۔ تاہم اس کے تذکرہ سے میں باز نہیں رہ سکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے کسی بھی پہلو کو دیکھو۔ اس میں خوبیاں ہی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ اور انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کہ کیا بیان کرے۔ اور کس پہلو کو منتخب کرے۔

نسبی پاکیزگی

سب سے پہلے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی پاکیزگی کا ذکر کرتی ہوں کیونکہ اخلاق کے بہت بڑے حصہ کے لئے خاندانی شرافت بھی بہت بڑا درجہ رکھتی ہے۔ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد موعود تھے۔ حضور علیہ السلام کا خاندان تمام عرب میں معزز اور شریف سمجھا جاتا تھا۔

فطرتی پاکیزگی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ملک میں پیدا ہوئے۔ جہاں کی فضا نہایت گندی اور طرح طرح کے زہریلے مادوں سے بھری ہوئی تھی۔ مگر حضورؐ بچپن سے ہی ہر قسم کی برائیوں سے دُور رہے۔ باوجودیکہ حضور علیہ السلام یتیم تھے۔ باوجودیکہ جاہل لوگوں کا حضور سے واسطہ پڑتا تھا۔ مگر ان تمام بد اثرات کے ہوتے ہوئے آپؐ ہر بدائی سے محفوظ رہے۔ کیونکہ آپؐ اللہ تعالےٰ کی گود میں تھے۔ اور اللہ تعالےٰ آپؐ کا خود حافظ و ناصر تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ الم یجدك یتیمًا فاوٰی یعنی جب تجھکو یتیم پایا۔ تو تمہیں پناہ دی۔

زمانۂ بچپن

بچپن میں اکثر بچوں کو بے صبری کی عادت ہوتی ہے۔ مگر حضور علیہ السلام کی طبیعت میں بچپن سے ہی وقار ضبط نفس اور سوال سے نفرت تھی۔ چنانچہ ابوطالب جو کہ آپؐ کے چچا تھے اور جن کے ہاں آپ نے پرورش پائی۔ ان کی آپ کے متعلق یہ شہادت ہے۔ لما رأیتہ کذبۃ ولا ضحکۃ ولا جاھلیۃ ولا وقفۃ مع الصبیان یعنی نہیں دیکھا میں نے آپکو کبھی جھوٹ بولتے نہ ہنسی مذاق کرتے نہ جاہلیت کا کوئی کام کرتے نہ آوارہ لونڈوں کے ساتھ میل جول رکھتے۔ ابو طالب کی لونڈی کا بیان ہے۔ جب آپؐ اپنے چچا کے گھر آئے۔ تو سارے بچے آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ مگر آپؐ کبھی ایسی باتوں میں حصہ نہ لیتے۔ کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھکر اور بچے لپک پڑتے۔ مگر آپؐ نے کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا۔

زمانۂ جوانی قبل از بعثت

آپؐ کی جوانی کی زندگی بھی ایسی پاکیزہ تھی۔ کہ جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ آپؐ غار حرا میں جا کر یاد خدا کرتے۔ اور لوگوں میں اعلےٰ سے اعلےٰ اخلاق دکھاتے۔ حتٰی کہ عرب کے لوگوں نے آپؐ کو صدوق اور امین کا خطاب دیدیا۔ وُہ یہ بھی کہتے۔ کہ عشق محمد علےٰ ربہٖ یعنی محمدؐ تو اپنے رب کا عاشق ہو گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب آپؐ کی امانت و دیانت دیکھی۔ تو باوجود اور درخواستوں کے حضورؐ کو اپنی شادی کا پیغام خود ہی دیا۔

زندگی بعد از بعثت

حضور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے سونیکے وقت جاگنے کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے۔ اور ایک دم بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہوتے۔ حضورؐ کی اس پاکیزہ زندگی کا ہی اثر تھا۔ کہ آپ کے قریبی رشتہ دار آپؐ کا دعویٰ نبوت سنتے ہی فورًا ایمان لے آئے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ جو کہ آپؐ کے بچپن کے دوست تھے آپؐ کا دعویٰ نبوت سنتے ہی ایمان لے آئے۔ یہ آپ کی سچائی صداقت اور پاکیزگی کی زبردست شہادت ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یعنی نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے حضورؐ کو عبادت الٰہی میں اس قدر لطف آتا تھا۔ کہ دن میں پانچ وقت باجماعت نماز ادا کرنیکے باوجود رات کو اس قدر اللہ تعالےٰ کی عبادت فرماتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کم عبادت کرنیکا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے یاایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا نصفہ اوانقص منہ قلیلا او زد علیہ ورتل القرآن ترتیلا ۔ اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑا رہا کر رات کو مگر تھوڑا نصف یا کم کرلے اس میں سے قرآن کو آہستہ پڑھ۔ حضور اس قدر عبادت فرماتے تھے۔ کہ پاؤں مبارک متورم ہو جاتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کا ہی یہ اثر تھا۔ کہ حضور کے غریب

اسلام اور مسئلہ اچھوت

(از ماسٹر محمد ابراہیم صاحب بی۔ اے۔ قادیان)

سیاسیات حاضرہ میں ہندو لیڈر ایک عجیب کشمکش میں سے گذر رہے ہیں۔ اپنے ماحول کے لحاظ سے حکمت عملی کے ماتحت وُہ اس امر پر مجبور ہیں۔ کہ اپنے سیاسی اقتدار کے پیش نظر وُہ اپنی تعداد میں جس طرح بھی ممکن ہو۔ اضافہ کریں۔ لیکن مذہب کی رُو سے اس امر کے پابند ہیں۔ کہ "نیچ اقوام" سے راہ و ربط نہ رکھیں۔ سیاستدان جن کا مذہب ہی سیاست ہے۔ مذہبی پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا دامن اچھوتوں تک دراز کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ وقتی طور پر ان کی طاقت بڑھ جائے۔ "اچھوت" اقوام خود اس امر کو محسوس کر رہی ہیں۔ کہ وُہ نام نہاد مراعات جو اب عطا کی جا رہی ہیں۔ اپنی ضرورت اور مصلحت کے ماتحت ہیں۔ ورنہ ان لوگوں کا ہم سے کیا تعلق۔ ان کا مذہب الگ قومیت الگ۔ طرز معاشرت الگ اور پھر سب سے بڑھکر چھوت کی حد فاصل۔ ہمارے اور ان کے درمیان حائل ہے۔ اگر وُہ آج نفسانی اغراض سے مجبور ہو کر ہمیں اپنے ساتھ ملا بھی لیں۔ تو کل ان کا ایک بہت بڑا (مذہبی) عنصر اس امر پر مجبور ہوگا۔ کہ وُہ ہم سے علیحدگی اختیار کرلے۔ کیونکہ ان کی سرشت میں ہی ہم سے عداوت اور دوری رکھی ہے۔ یہ تو محض ہاتھی کے دانت ہیں جو دکھانے کے اور۔ اور کھانے کے اور ہوتے ہیں

مذاہب عالم میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ کہ جس کی تعلیم اور جس کے پیروؤں کے طرز عمل نے اونچ نیچ کے امتیاز کو مٹا دیا ہے قرآن کریم بہ بانگ دہل کہتا ہے۔ وجعلنٰکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ یعنی سب سے زیادہ عزت اور تعظیم کے لائق اللہ کے نزدیک وہی لوگ ہیں۔ جو سب سے زیادہ نیک ہوں۔ اس میں ذات پات کی کوئی تمیز نہیں۔ اور مسلمانوں نے اس تعلیم پر عمل کر کے دکھا دیا کہ

نہ تھا عہد دگر میں تفاوت نمایاں

کتنی ہی پست قومیں تھیں جنکو اسلام نے بلند کیا۔ اور کتنے ہی غلام تھے جنکو اسلام نے بادشاہ بنایا۔ اور ایسی مساوات قائم کی کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ سے پانی پینے لگے۔ یہ بھی اسی مذہب کا طغرائے امتیاز ہے کہ اس نے عبادت کا ایک ایسا طریق رائج کیا جس میں اونچ اور نیچ کی کوئی تمیز نہیں ایک دوسرے سے قطعًا کوئی دوری اور بعد نہ رہا۔

عبادت ہی میں نہیں۔ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں وُہ ایک دوسرے کے ساتھ مساوی ہو گئے۔ ہر ایک کے حقوق مساوی ... کی وجہ سے بھائی بھائی بن گئے۔ ... خدا کے نبی نے انہیں حکمت اور دانائی کی باتیں سکھلائیں۔ ان کو گمراہی ...

رسول کریمؐ کی بعثت سے دنیا میں علمی ترقی

از ماسٹر عبدالمجید صاحب بی۔ ایس سی۔ بی۔ ٹی۔ آئی۔ ہائی سکول قادیان

ان تمام شخصیتوں میں سے جو دنیا میں کسی نہ کسی رنگ میں معلم کے طور پر ظہور پذیر ہوئیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ ممتاز اور نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اور آپؐ کی تعلیم کے اثرات نہایت گہرے اور مستحکم ہیں۔ اگر دنیا کی برگزیدہ ہستیوں کی تعلیم کا جائزہ لیا جائے۔ تو ان میں سے بہت سے ایسے ملیں گے۔ جن کی تعلیم وقتی ضروریات کے متعلق ہوگی۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہوں گے۔ کہ ان کی تعلیم انسان کی ضرورتوں کے لئے کافی نہ ہوگی ؂

حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کی تعلیم

دنیا پر یہ بات خوب واضح ہے۔ کہ حضرت موسیٰ کی تعلیم میں نرمی کا پہلو مفقود تھا۔ وہ اس بات کے قائل تھے۔ کہ "دانت کے بدلے دانت" اور "آنکھ کے بدلے آنکھ" دوسری طرف حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی تعلیم کے متعلق اس زمانہ میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ایک انگریز ادیب انجیل کی تعلیم کے متعلق لکھتا ہے۔ انسانی نسل انجیل کے دس احکام سے زیادہ قدیم چیز ہے۔ اگر بفرض محال یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ مندرجہ بالا تعلیمیں فی زمانہ بھی قابل قبول ہیں تو بھی ایک بہت بڑی کمی ان میں نظر آئے گی۔ اور وہ یہ کہ ان تعلیموں نے نہ تو انسان میں علمی مذاق پیدا کیا اور نہ سائنٹیفک تحقیقات کا دروازہ کھولا۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک انسان نے اپنے علم اور معلومات میں بہت سا اضافہ کیا ہے۔ جس کے تاثرات سے انسانی زندگی پہلے سے بہت مختلف ہوتی چلی گئی ہے ؂

رسول عربیؐ کی تعلیم

اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ رسول عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم نہ صرف اس بات کی متحمل ہے کہ ہر زمانہ کی ترقیوں کو اپنے ساتھ جذب کرتی چلی جائے۔ بلکہ اس کی یہ خصوصیت بھی ہے۔ کہ انسان کو قدرت کے رازوں کا اور ذیادہ انکشاف کرنے کی طرف متوجہ کرے۔ یہ وہ پہلو ہے جو باقی تعلیموں میں بالکل مفقود ہے ؂

دنیا کا سب کچھ انسان کے لئے

قرآن مجید کے شروع میں ہی ان جامع الفاظ میں انسان کو توجہ دلائی گئی ہے۔ ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ یعنے وہ خدا ہی ہے۔ جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا۔ جو کہ زمین میں ہے۔ قرآن مجید میں بار بار آتا ہے۔ کہ تم قدرت کا مشاہدہ کرو۔ فکر اور تدبر سے کام لو۔ ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنھار لاٰیٰت لاولی الالباب۔ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لئے بہت نشانات ہیں (عمران ۱۸۹) وتصریف الریٰح والسحاب المسخر بین السماء والارض لاٰیٰت لقوم یعقلون۔ ان ہواؤں کے چلنے میں اور اس بادل میں جو آسمانوں اور زمین کے درمیان قابو کر کے رکھا ہوا ہے۔ ان لوگوں کے لئے نشان ہیں۔ جو سمجھتے ہیں۔ (البقرہ ۱۶۴)

استقرائی فلسفہ کی بنیاد

رسول عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی دنیا میں وہ عظیم الشان انسان تھے۔ جنہوں نے انسان کی توجہ مشاہدہ قدرت کی طرف مبذول کی۔ اور آپ نے اس زمانہ میں جبکہ تمام یورپ کی قوت مشاہدہ بوجہ تعلیم انجیل کے سلب ہو چکی تھی۔ یہ تعلیم دی۔ کہ انسان کو اپنے ماحول پر غور کرنا چاہیئے۔ قرون وسطیٰ کے متعلق ایک سائنسدان لکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرون وسطیٰ کا مصنف شاذ ہی قوت مشاہدہ کو استعمال میں لاتا تھا۔ وہ لغو سے لغو باتوں کو بغیر تصدیق کئے قبول کر لیتا تھا۔ جب کہ معمولی سے معمولی عینی تجربہ کی مدد بھی اس کی تردید کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ پس رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات میں سے ایک بہت بڑا احسان یہ بھی ہے۔ کہ آپ نے دنیا میں استقرائی فلسفہ کی بنیاد ڈالی۔ اور آپ کی تعلیم سے اس طرح علمی تحقیق اور اضافہ معلومات کا دور دورہ شروع ہوا۔ کہ دنیا پر جو علمی لحاظ سے تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ دور ہو گئی ؂

مسلمانوں کے فراہم کردہ مفید معلومات

پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف یہی نہیں کیا۔ بلکہ جو ضروری اور مفید معلومات تھیں۔ ان کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ مثلاً دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے یہ تعلیم دی۔ کہ زمین گول اور متحرک ہے۔ نہ کہ ساکن۔ جیسا کہ عام لوگ اور انجیل کے ماننے والوں کا عقیدہ تھا۔ چنانچہ ایک مصنف لکھتا ہے۔ "امریکہ درحقیقت عیسائیوں نے نہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے دریافت کیا تھا۔ کیونکہ کولمبس جس نے امریکہ دریافت کیا تھا۔ اس نے سپین کی مسلم یونیورسٹیوں کی تعلیم سے استفادہ کیا تھا۔ جہاں جغرافیہ کی تعلیم گلوب پر دی جاتی تھی" پھر یہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ "اندلس کے طبیب ابن ادمیہ نے ایسی نباتات کے حالات دریافت کرنے کے لئے جو مغرب میں پیدا نہیں ہوتیں۔ مدتوں سیاحت کی۔ اسپین سے مصر آئے۔ اور مصر سے شام عراق کا سفر کیا۔ ان ممالک کی تمام نباتات کو اس کی روئیدگی کے مقامات پر جا کر مشاہدہ کیا۔ اور ان کے افعال وخواص کی تحقیقات کی۔ اسی طرح علم نباتات کے بے نظیر عالم ضیاء الدین ابن بیطار نے خاص نباتات کی تحقیقات کی غرض سے ممالک روم یونان اور اسپین کو چھان ڈالا۔ ان ملکوں کی تمام بوٹیاں اُن کی پیدائش کی جگہ پر جا کر دیکھیں۔ اور ان کے حالات تحقیق کر کے قلمبند کئے۔ ابو المنظور نے بہت سی نئی نباتات ایسی دریافت کیں جن کا ذکر متقدمین کی کتابوں میں نہ تھا۔ ان کا طریق یہ تھا۔ کہ ایک مصور ہر رنگ کی روشنائی لئے ان کے ہمراہ رہتا۔ نباتات کا خود مشاہدہ کرنے کے بعد مصور کو دکھاتے۔ اور وہ اس کا رنگ شاخ اور برگ و بیخ کا اندازہ کر کے ہو بہو اس کی تصویر کھینچتا۔ یہ محقق ایک بار کے مشاہدہ پر ہی قانع نہ ہوتا۔ بلکہ نشوونما کے مختلف مدارج میں نباتات کا معاینہ کرتا۔ ایام نمو و تازگی کی علیحدہ تصویر کھنچواتا۔ اور زمانہ کمال کی جُدا۔ اور جب وہ بوٹی خشک ہو جاتی۔ تو ایک تیسرا نقشہ کھینچ لیا جاتا۔ اس طرح ہر بوٹی کی تصویر اس نے اپنی کتاب میں جو ادویہ مفردہ کے متعلق تھی، درج کی۔ کیا تاریخ دنیا میں کسی اور شخص کی مثال موجود ہے جس نے ایسی حیرت انگیز تبدیلی انسانوں میں کر دی ہو ؂

مسلمانوں کی علمی ترقی

یہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ مسلمانوں نے دنیا کے علوم میں اضافہ کرنے کے لئے سینکڑوں نہیں ہزاروں لاکھوں میلوں کا پاپیادہ سفر کیا۔ فاقہ کشی کی سخت سے سخت مصیبتیں جھیلیں اور اپنے آپ کو بڑے سے بڑے خطرہ میں ڈال کر بھی دنیا کو فائدہ پہنچانے کی کوششیں کیں ؂

یہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا ہی اثر تھا۔ کہ "اسلام کے سیاح اور جغرافیہ دان۔ اس کے تاریخ دان۔ ادب لغت دان۔ اس کے ملاح اور جہاز ران اس کے سوداگر

اور محقق دنیا پر چھا گئے۔ اور قدرت کے رازوں کا اور انسان کے اخلاقی مدارج کا انکشاف کیا۔ اس کے سائینسدانوں نے زمین کا محیط معلوم کیا۔ اس کے حساب دانوں نے الجبرا اور لاگ رتھمز کو ایجاد کیا۔ اس کے کیمیا دانوں نے علم کیمسٹری کی ابتدا کی۔ اس کے ہیئت دانوں نے ستاروں کی فہرستیں تیار کیں۔ اس کے انجنیروں نے فنِ تعمیر کے نئے نئے طریقے نکالے اس کے کاریگروں نے صنعت وحرفت کو فروغ دیا۔ اس کے پیمائش کرنے والوں نے دریائے نیل کا جائزہ لیا۔ اور مصر کی زراعت کو ترقی دینے کے لئے اس کے پانی کو محفوظ کرنے کے طریقے نکالے اس کے زراعت کے ماہروں نے زمین کو سیراب کرنے کے نئے نئے ذرائع معلوم کئے۔"

اس طرح سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے دنیا میں علمی ترقی کا وہ دَور دورہ ہوا۔ کہ آج تک دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

جامع اور انسانیت کے لیے مفید تعلیم

آپ کی تعلیم اس قدر ہمہ گیر ہے۔ کہ برنڈ شا نے جو آج کل دنیا کے بہترین مصنفوں میں سے شمار کئے جاتے ہیں۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا۔ کہا کہ انگلینڈ کو ایک صدی بلکہ اس سے بھی قریب عرصہ میں اور مغربی دنیا کو عام طور پر اسلام اختیار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس کی تعلیم میں سائنس کی ترقیات اور تحقیقات کو اپنے اندر جذب کرنے کی بے شمار طاقت ہے ؞

غرض رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو احسانات دنیا پر کئے۔ ان کا شکریہ قیامت تک بھی ادا نہیں ہوسکتا۔

معرفت خدا ہی کا تصور

ڈاکٹر اسپرنگر ایک متعصب عیسائی اپنی کتاب لائف آف محمدؐ کے ۹۹ پر لکھتا ہے:۔

"جس کے خیال میں ہمیشہ خدا کا تصور رہتا تھا۔ اور جس کو نکلتے ہوئے آفتاب اور برستے ہوئے پانی۔ اور اُگتی ہوئی روئیدگی میں خدا ہی کا یدِ قدرت نظر آتا تھا۔ اور غرش رعد و آواز آب اور طیور کے نغمہ حمد الٰہی میں خدا ہی کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اور سنسان جنگلوں اور پرانے شہروں کے کھنڈروں میں خدا ہی کے قہر کے آثار دکھائی دیتے تھے" ؞

حضرت نبی کریمؐ ایک سوشلسٹ کی حیثیت میں

از عبدالرحیم صاحب شبلی بی کام کلاس ہیلی کالج آف کامرس لاہور

سرمایہ دار اور مزدور

سرمایہ داروں اور مزدوروں کے تعلقات کا سوال موجودہ نظام اقتصادی میں بڑا پیچیدہ ہو رہا ہے۔ جو پہلے ہی امیر تھے۔ وہ اور زیادہ امیر ہو رہے ہیں۔ اور جو پہلے ہی غریب تھے۔ وہ اور زیادہ خستہ حال ہو رہے ہیں۔ دولت چند نفوس کے ہاتھوں میں جمع ہو رہی ہے۔ اور مزدور پیشہ لوگوں کو خون کے آخری قطرہ تک چوسا جارہا ہے۔ وہ سرمایہ داروں کے ہاتھ بھی بک چکے ہیں ؞

تاریخ معاشیات کے طالب علم جانتے ہیں۔ کہ مزدوروں اور سرمایہ داروں کی یہ باہمی تگ ودو کیسی کیسی ہولناک جنگوں کا سبب بنی۔ انقلاب فرانس اسی جھگڑے کا شاخسانہ تھا۔ جب فرانس کے استعمار پسندوں نے مزدوروں اور کسانوں پر انسانیت سوز مظالم روا رکھنے شروع کئے۔ اور ان کے صبر کا پیالہ لبریز ہوچکا۔ تو وہ شعلہ کی مانند بھڑک اٹھے۔ اور آزادی۔ اخوت۔ مساوات کا والہانہ مظاہرہ کرتے ہوئے سرمایہ داروں پر کود پڑے۔ اسی طرح روس میں جو اشتراکیہ جمہوریہ قائم ہوئی ہے۔ وہ بھی مزدوروں اور سرمایہ داروں کی باہمی جنگ کا ہی نتیجہ ہے ؞

سوشلزم کیا ہے؟

دولت کی اس غلط تقسیم کا ازالہ کرنے کے لئے اشتراکیت یا سوشلزم کی بنیاد رکھی گئی۔ اور بتایا جاتا ہے۔ کہ اس طرح اخوت مساوات اور آزادی کے اصول کا احیا کیا گیا ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ سرمایہ داری کو مکمل طور پر اڑا دیا جائے۔ ضروریات معیشت پورا کرنے والی حکومت ہو۔ اور مزدور پیشہ لوگوں کو سرمایہ داروں کے دوش بدوش یکساں حقوق تفویض کر دیئے جائیں ؞

اس یوٹوپیا (utopia) کو کچھ ایسے دلآویز انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ کہ بہت سے ناتجربہ کار نوجوان اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ اور وہ اس سراب پر لٹو ہوئے جارہے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے۔ کہ آج ہندوستان ایک میدان کارزار بنا ہوا ہے۔ بنگال میں دہشت انگیزی کی تحریک روز بروز زور پکڑ رہی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ ان انارکسٹوں اور بولشویکوں کے مدنظر ملک کی اصلاح نہیں۔ بلکہ نظام حکومت کو اپنے زہریلے تیروں کا نشانہ بنانا ہے ؞

میں اس مضمون میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ سوشلزم کی بنیاد غلط اصول پر رکھی گئی ہے۔ اور صحیح اصول وہی ہیں جنکی بنیاد آج سے چودہ سو برس قبل حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھی۔ موجودہ سوشلزم یا اس کی انتہائی شکل یعنی انارکزم اور بولشوزم ایک زہر ہے۔ جو سرسی (Circe) کے زہر کی طرح انسانوں کو جنگلی درندے بنا دیتا ہے ؞

اخوت مساوات اور آزادی کا بانی

بعض یورپین مصنفین اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کہ جمہوریت اور اس کے تین اہم اصول کی ترویج انقلاب فرانس کی زیر منت احسان ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ جمہوریت اور اس کے اصول ثلاثہ یعنے Equality, Fraternity & Brother hood. اپنی حقیقی اور اصلی شکل میں آج سے چودہ سو برس پہلے قائم کئے گئے تھے۔ اور ان کے قائم کرنے والے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ اور یورپ اور امریکہ کے لوگ جن کی زبان پر جمہوریت اور اس کے اصول کا چرچا ہے کبھی ان اصول کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے۔ برخلاف اس کے جیسا کہ پروفیسر لیک (Leake) نے لکھا:۔

"جس زمانہ میں ایک دنیا غلامی کی لعنت میں گرفتار تھی اسلام میں آزادی۔ اخوت۔ اور مساوات کا پرچم لہرا رہا تھا"

اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے۔ جس نے انسان کی "انسانیت" کو تسلیم کیا ہے۔ اور غلاموں کو یہ کہکر آزادی دلائی۔ کہ جو مالک کھائے وہی غلام کو بھی کھلائے۔ اور اس کے لئے وہی پسند کرے۔ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (حدیث نبوی) پھر یہ کہہ کر کہ انما المومنون اخوۃ ان کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کردیا۔ سرمایہ داروں کے غرور اور گھمنڈ کو اس طرح توڑا۔ کہ فرمایا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم تم میں سے معزز وہی ہے۔ جو دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے ؞

پس یہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے جنہوں نے اخوت۔ مساوات۔ اور آزادی کے اصول مدوّن فرمائے۔ اور حقیقی سوشلزم کی داغ بیل ڈالی ؛

آنحضرت صلعم نے سوشلزم کو کمیونزم بنادیا

آپ نے نہ صرف سوشلزم کی بنیاد ڈالی۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ایک قدم آگے بڑھ کر کمیونزم بنادیا۔ پروفیسر نولڈیکی لکھتا ہے :-

"مسلمانوں کا خلیفہ ایک سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ حتیٰ کہ حاکم و محکوم میں کوئی امتیاز دکھائی نہ دیتا۔ ٹیکس اور مال غنیمت کی بدولت جو رقم حاصل ہوتی تھی۔ وہ عربوں کی تنخواہوں پر صرف ہوجاتی۔ نہ صرف مرد ہی اس مشاہرہ پر گزارا کرتے۔ بلکہ اُن کی عورتوں اور بچوں کی بھی اسی رقم سے امداد کی جاتی۔ مالیہ میں جس نسبت کے لحاظ سے اضافہ ہوتا اسی نسبت کے لحاظ سے وظائف بھی زیادہ کردیئے جاتے تھے عام اصول یہ تھا۔ کہ غنیمت کے مال پر ہر فرد مملکت کا یکساں حق ہے۔ اور مزدوری اخراجات کے بعد جو کچھ پس انداز ہو۔ وہ جملہ افراد میں مساوی طور پر تقسیم ہونا چاہیئے"۔

سوشلزم کے صحیح اصول

اب میں یہ بتاتا ہوں۔ کہ موجودہ سوشلزم اور اس کے طریق میں کیا نقائص ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا دفعیہ کس طرح پر فرمایا ہے ؛

تمام لوگوں کی ترقی کا یکساں خیال

روس کے اشتراکی ایک خاص جماعت یعنے صرف مزدوروں اور کسانوں کو قعر مذلت سے نکال کر ترقی کی بلند چوٹیوں پر پہنچانا چاہتے ہیں۔ اور دوسرے تمام طبقات کو بالکل کچل دینا چاہتے ہیں۔ جوزف اسٹالین موجودہ رئیس جمہوریہ اشتراکیہ روس لکھتا ہے :-

"لینن ازم کیا ہے ؟ لینن ازم درحقیقت ملوکیت اور "مزدور انقلاب" کے زمانہ کی مارکسزم ہے۔ یا یوں سمجھئے۔ کہ لینن ازم "مزدور انقلاب عامہ" کے نظریہ اور طریق عمل کا نام ہے۔ یا علی الخصوص مزدور جماعت کی قیادت کو کہتے ہیں"

لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے۔ آپ کسی ایک طبقہ کی ترقی اور دوسروں کی تباہی نہیں چاہتے تھے بلکہ سب کی یکساں ترقی ان کے پیش نظر تھی۔ اس طرح نہیں۔ کہ ایک کی دولت چھین کر دوسرے کو دیدی جائے۔ بلکہ اس کا ایک ہی نصب العین مقرر کرکے اس کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اصل پیش فرمایا۔ کہ ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ سب چھوٹے بڑے انسانوں کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے۔ اور وہ یہ کہ اپنے خالق کی عبادت کریں۔ اس طرح پر باہمی خلفشار کو آپ نے مٹادیا ؛

اسلام فولادی نظام کا مخالف ہے

پھر سوشلزم عام مزدوروں کی قیادت" کو امن اور آشتی سے قائم نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس کے لئے اس کو "فولادی نظام" قائم کرنا پڑتا ہے۔ جس سے مقصود سرمایہ داروں کی مکمل تباہی و بربادی ہے لینن خود اپنی تصنیف رائٹ ونگ کمیونزم میں لکھتا ہے :-

"جو شخص کسان یا مزدور پارٹی کے آہنی نظام کو کمزور کرتا ہے۔ وہ دراصل مزدوروں کے مقابلہ میں سرمایہ داروں کی حمایت کرتا ہے" ؛

اسی "آہنی نظام" کا ثبوت ہمیں روس کے تازہ واقعات سے مل سکتا ہے۔ ایک شخص نے جو حکومت روس کے بے پناہ مظالم سے تنگ آکر افغانستان میں پناہ گزین ہوگیا تھا۔ اس نے یہ لرزہ خیز مضمون شائع کرایا ہے۔ کہ

"تاشقند کے شہر میں اس وقت تین سو ساٹھ مسجدیں ویران پڑی ہیں۔ ملاؤں کو مجبور کیا جاتا ہے۔ کہ وہ مشقت کا کام کریں اور گراں ٹیکس دیں۔ اگر وہ اس سے انکار کریں۔ تو وہ جلاوطن کردیئے جاتے ہیں۔ مساجد کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ سب کی سب خالی پڑی ہیں۔ اور کوئی شخص ان میں نماز ادا کرنے کے لئے نہیں جاتا۔ کچھ عرصہ کے بعد حکومت ان پر قبضہ کرے گی۔ اور غلہ کے گوداموں کے طور پر استعمال کرے گی"

"مالکان اراضی کو مجبور کیا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنی آمدنی سے بھی زیادہ مالیہ ادا کریں۔ اور جب وہ ادا نہیں کرسکتے۔ تو وہ اراضی چھوڑ دیتے ہیں۔ اور حکومت ان پر قابض ہوجاتی ہے۔ حکومت خود ان کی کاشت کرتی ہے۔ اور مزارعین کو ان کی مزدوری کے عوض صرف معمولی کھانا اور جنس دیدی جاتی ہے۔ خور و نوش کا سامان اس قدر گراں ہے۔ کہ ایک روٹی بعض اوقات ایک روپیہ میں بھی میسر نہیں آتی" (انقلاب ۲۶ ستمبر)

اس کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم ملاحظہ ہو فرمایا۔ اسلام امن اور سلامتی کا مذہب ہے فرمایا اذ اخذنا میثاقکم لا تسفکون دماءکم ولا تخرجون انفسکم من دیارکم یعنے آپس میں خونریزی نہ کرو۔ اور نہ ہی اپنے لوگوں کو ملک بدر کرو کیونکہ والظالمون مالھم من ولی ولا نصیر یعنے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ اسلام اصولاً فولادی نظام کا مخالف ہے۔

پھر اسلام دوسروں کی دولت کو جبر اور ظلم سے چھین لینے کے خلاف ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق ربک خیر وابقی۔ یعنے تم دوسروں کے مال کو حسد اور لالچ کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ تم اپنی قسمت پر قانع رہو۔ ہم نے دوسروں کو دولت اس لئے عطا کی ہے۔ تاکہ ہم ان کو آزمائیں۔ البتہ غریبوں اور یتیموں کی پرورش کے لئے فرمایا واتوا الزکوٰۃ زکوٰۃ دیا کرو۔ اسی طرح مذہبی رواداری اور معبدوں کی حفاظت کے لئے سختی سے ہدایات جاری کیں ؛

غرضیکہ اسلام "فولادی نظام" کے خلاف ہے۔ اور امن و اتحاد کے ساتھ سوشلزم کا قیام کرنا چاہتا ہے۔ وہ سرمایہ داری کے خلاف ہے لیکن سرمایہ داروں کو تلوار کے گھاٹ نہیں اتارنا چاہتا۔ وہ ان کی سرمایہ داری کی روح کو حکیمانہ انداز سے کچلنا چاہتا ہے۔ وہ "خونی انقلابات" کا قائل نہیں۔ بلکہ تدریجی ارتقا کا حامی ہے۔

مطلق العنانی کا قلع قمع

پھر موجودہ سوشلزم کے متعلق اس بات کی کیا ضمانت ہے۔ کہ جب مزدوروں کی حکومت قائم ہوجائے گی۔ تو وہی مشکلات پیدا نہ ہوں گی جو سرمایہ داروں کی وجہ سے پیش آرہی ہیں۔ اور آج کے مزدور کل خود سرمایہ دار بن جائیں گے۔ خود لینن جو مزدوروں کا سب سے بڑا حامی اور سرمایہ داروں کا بڑا دشمن تھا۔ اور اس کا جانشین دنیا کے بدترین مطلق العنان حکمرانوں میں سے ہیں۔ بلکہ ان کی استبدادیت کے آگے شخصی حکمرانوں کے مظالم بھی ہیچ ہیں۔

اس کے برعکس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شخصی مطلق العنانی کا قلع قمع کردیا۔ اور جمہوریت کی بنیاد رکھ کر فرمایا۔ شاورھم فی الامر آپس میں مشورہ کرلیا کرو۔ نیز یہ حکم دیا۔ ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان عدل اور احسان سے پیش آیا کرو پھر فرمایا یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط یعنے انصاف سے برتا کرو ؛

شخصی اصلاح کی ضرورت

سوشلزم ایک Socialistic Republic (اشتراکیہ جمہوریہ) تو قائم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن افراد کے کیریکٹر کو بلند کرنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے غلط طریق کار کی وجہ سے اس پہلو کو بالکل تباہ کر رہا ہے۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے افراد کے کیریکٹر کو درست کیا پھر سوشلزم کی بنیاد رکھی۔ بلکہ یہ بات خود بخود ان میں پیدا ہوگئی۔ آنحضرت صلعم نے اپنے متبعین کو قرآن جیسی مکمل اور جامع شریعت عطا فرمائی جس میں وہ تمام باتیں درج ہیں۔ جو افراد کے کیریکٹر کو بلند کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ پس افراد کے کیریکٹر کو بلند کرنا دولت کی غلط تقسیم کا صحیح علاج ہے۔ نہ کہ موجودہ سوشلزم

خاتمہ سخن

پس وہ سوشلزم جس کی بنیاد Karl Marx (کارل مارکس) نے رکھی جسے لینن اور Voltaire (والٹیئر) جیسے انقلاب پسندوں نے فروغ دیا۔ اور جس پر عمل کرکے آج ہندوستان کے ہندو نوجوان اسے "ملک کی سیوا" کہہ رہے ہیں۔ بالکل غلط اصول پر قائم ہے۔ اور اس کا خمیر بد امنی ظلم اور تعدی فتنہ و فساد اور کشت و خون سے اٹھایا گیا ہے۔ حقیقی سوشلزم وہی ہے۔ جس کی بنیاد فخر موجودات سرور کائنات رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو برس قبل اسلام کی صورت میں رکھی۔ اور ہمارا دعویٰ ہے کہ جبتک اسلامی اصول [illegible] کی گہری [illegible] شاخیں [illegible] اس وقت تک موجودہ "اقتصادی بیماریوں" کا دور ہونا ناممکن ہے ؛

تمام شان میں بے نظیر نبی

(از شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر۔ مدیر معاون الفضل)

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ

اگر کوئی مخالف ضد اور تعصب کی وجہ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر ایمان نہ لائے۔ تو اور بات ہے۔ وگرنہ حقیقت یہ ہے۔ کہ آپ کی حیات مبارک۔ آپ کی صداقت اور ہر شان سے آپکے بے نظیر ہونے کی دلیل ہے۔ آپ کی زندگی کا کوئی معمولی سے معمولی واقعہ لے لیا جائے۔ اور پھر بے جا ضد اور مخالفت کے جذبات سے علحدہ ہو کر اس پر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ آپ واقعی بے نظیر نبی اور بے نظیر انسان ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے ابتدائی حالات۔ بعثت سے قبل کی زندگی۔ بعثت کے بعد کی مشکلات و مصائب۔ آپ کی کامیابی۔ اور اس عظیم الشان انقلاب کے متعلق جو آپ کے ذریعہ دنیا میں پیدا ہوا۔ اور اپنے ماننے والوں کے اندر آپ نے جو زندگی بخش تبدیلی پیدا کی۔ اس کے واقعات سے تاریخ اسلامی بھری پڑی ہے۔ اور اس پرچہ میں اس کی متعدد امثلہ آپ کو نظر آئیں گی۔ اس لئے بخوف طوالت انہیں نظر انداز کر کے میں صرف ان سے نتائج اخذ کرنے پر اکتفا کرونگا۔

ایک تن تنہا کا عظیم الشان مشن

ذرا غور تو کیجئے۔ ایک یتیم اور بے کس بچہ جو پیدا ہوتے ہی شفقت پدری اور محبت مادری سے محروم ہو۔ دنیوی مال و دولت۔ جاہ و حشمت سے کلیتہً محروم ہو۔ جس کے ساتھ کوئی جتھہ یا ہم خیالوں کی جماعت نہ ہو۔ جو ہر طرف سے ظالم اور جابر لوگوں سے گھرا ہوا ہو۔ تمام ملک کے عقائد اور خیالات کے خلاف آواز بلند کرتا ہے۔ ان کے مذہبی معتقدات۔ ان کے تمدن و معاشرت اور رسم و رواج یکقلم موقوف کر کے ایک نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کر دینے کے عزم کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور اہل ملک سے ان کی آبائی عادات اور صدیوں کے اختیار کردہ اوضاع و اطوار بدل کر انہیں نئے انسان بنانا چاہتا ہے۔ اور ایسی حالت میں کہ ظاہری ساز و سامان اور حالات پر نظر رکھنے والے اسے ایک مجنون خیال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

انتہائی مشکلات

اس کے رستہ میں بے حد مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔ اسے عام انسانی حقوق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ جسمانی لحاظ سے اسے ایسی ایسی اذیتیں پہونچائی جاتی ہیں۔ جنہیں یاد کر کے آج بھی انسانیت کی پیشانی خجالت سے عرق آلود ہو جاتی ہے۔ اس کی جان لینے کے منصوبے کئے جاتے ہیں۔ حتے کہ اُسے رات کی تاریکی میں اپنا پیارا وطن اور خدا کا برکت دیا ہوا مقام چھوڑنا پڑتا ہے

عدیم النظیر کامیابی

مگر انجام کار وُہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ وُہ اپنے اہل ملک کے دلوں سے شرک نکال کر اس کی جگہ توحید خالص قائم کر دیتا ہے۔ ان کے تمدن و معاشرت کو اپنے حسب منشا تبدیل کر دیتا ہے۔ ان کی سیاسیات کو اپنے ڈھب پر لے آتا ہے۔ ان کی عادات و اطوار کو ان سے چھڑانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور بالفاظ صحیح تر انہیں ایک نیا انسان بنا دیتا ہے۔

بے نظیر انسان اور رسول

مخالفین اس کے متعلق جو چاہیں کہیں لیکن انصاف پسند لوگوں سے ہم درخواست کریں گے۔ کہ وُہ اس عظیم الشان انقلاب پر غور کریں۔ اور خدارا بتائیں۔ اگر اس کمزور۔ بے کس و بے بس۔ بے یار و مددگار۔ اور غریب انسان کی پشت پناہ خدا تعالےٰ کی نصرت اور تائید نہ تھی۔ اگر وُہ سراسر اس کی حفاظت میں نہ تھا۔ تو اس قدر بے نظیر انقلاب پیدا کرنے میں کیونکر کامیاب ہو گیا۔ ایسے ہزاروں لوگ تاریخ عالم پیش کر سکتی ہے۔ جنہوں نے معمولی حالت سے ترقی کر کے دُنیوی لحاظ سے انتہائی عروج حاصل کر لیا۔ لیکن کیا کوئی ایسا شخص بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ جس نے اس قدر بے سر و سامانی اور شدید مخالفت کے باوجود اپنے اشد ترین مخالفوں کے قلوب کو فتح کیا ہو۔ اور ان کی کایا پلٹ کر رکھدی ہو۔ ان کے مذہب کو بدل ڈالا ہو۔ ان کے تمدن کو تبدیل کر دیا ہو۔ ان کے عادات اور طریق بود و باش کو الٹ دیا ہو۔ اور انہیں اپنے رنگ میں ایسا رنگین کر دیا ہو۔ کہ وُہ اپنے سابقہ خیالات اور اوضاع و اطوار کو صمیم قلب سے نفرت کرنے۔ اور اس کے مشن کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دینے لگے ہوں۔ کیا تاریخ عالم میں کوئی ایسی مثال ملتی ہے۔ کہ ایک شخص کے جانی دشمن صدق دل سے اس کے جاں نثار بن گئے ہوں۔ طاقت اور رعب سے کسی مخالف کو زیر کر لینا علیحدہ بات ہے علاوہ یہ کوئی مشکل نہیں لیکن ان لوگوں کے دلوں میں جو آپ کی جان لینا ہی اپنی زندگی کا مقصد قرار دے چکے تھے۔ اپنی ایسی محبت و عقیدت قائم کر دینا۔ کہ وُہ آپ کے پسینہ کی جگہ اپنا لہو بہانا سعادت دارین سمجھنے لگے۔ صرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی حصہ ہے۔ اور اس لحاظ سے آپ کی ذات ہی آپ کی صداقت کی زبردست دلیل ہے

انتہائی تکالیف اور بے مثل استقلال

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مشن کی تکمیل کے رستہ میں جو مشکلات اور تکالیف برداشت کیں۔ وُہ دوست و دشمن سب پر واضح ہیں۔ جو جو مصائب آپ پر آئے۔ اور جو خوفناک مظالم آپ اور آپ پر ایمان لانے والوں پر ڈھائے گئے۔ وُہ کم از کم اس زمانہ میں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان مصائب و آلام کو ایک طرف رکھئے اور دوسری طرف یہ دیکھئے کہ آپ کس استقلال اور پامردی کے ساتھ یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ اور ساتھ ہی اس پر غور کیجئے کہ یہ سب قربانیاں کس لئے تھیں۔

دنیاوی لذات سے بیزاری

دُنیوی فوائد اور عزّ و جاہ کے حصول کے لئے لوگ قربانیاں کرتے ہیں۔ اگرچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانیوں کے مقابلہ میں ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں لیکن آپ کے سامنے یہ مقصد بھی نہ تھا۔ قریش مکہ آپ کو دُنیوی عزت کا انتہائی مقام دینے پر رضامند تھے۔ اور ان کی طرف سے یہ پیش کش ایک نمائندہ وفد کے ذریعہ کی جا چکی تھی۔ لذات اور حظ نفسانی کے جملہ لوازمات بہ احسن طریق پر آپ کے لئے مہیا کرنے پر آمادہ تھے۔ لیکن ان سب چیزوں کو پائے استغنا سے ٹھکرا کر اشد ترین آلام و مصائب پر رضامند ہونا۔ دنیا میں کسی دوسری جگہ آپ کو نظر نہ آئے گا۔ اس پیش کش کے جواب میں آپ نے جو کچھ فرمایا۔ ایک انصاف پسند اور عدل پرور شخص کے لئے آپ کی صداقت کے لئے وُہ ایک نہایت زبردست ثبوت ہے۔ اللہ۔ اللہ۔ کس شان سے آپ نے فرمایا۔ کہ اگر میرے دائیں ہاتھ پر آفتاب اور بائیں پر ماہتاب رکھ دیا جائے۔ تو بھی میں اپنے مشن کو ترک نہیں کر سکتا۔

دنیوی اموال سے استغنا

اسی پر بس نہیں۔ قریش جو کچھ آپ کو پیش کرتے تھے۔ وُہ اپنی زندگی میں آپ کو حاصل ہو گیا۔ بلکہ اس سے بہت زیادہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو دیا۔ لیکن کیا آپ اس کی طرف مائل ہو گئے۔ تاریخ گواہ ہے۔ کہ آپ نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اموال آپ کے قبضہ میں آئے۔ اور ڈھیروں ڈھیر آئے۔ مگر آپ کی اپنی یہ حالت تھی۔ کہ مہینوں گھر میں آگ نہ سلگتی تھی۔ کبھی آپ کے متعلقین نے پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا۔ اور جس وقت آپ نے وفات پائی۔ آپ کی زرہ چند صاع جو کے عوض ایک یہودی کے ہاں رہن تھی۔

قابل غور امر

مخالفین جو چاہیں آپ کے متعلق کہیں لیکن خدارا اتنا بتائیں آخر کیا بات تھی جس کے لئے آپ اس قدر مصائب برداشت کرتے۔ اور تکالیف اٹھاتے رہے۔ دنیا میں لوگ ہمیشہ عزّ و جاہ اور مال و دولت

گو میں نے بہت زیادہ اسلامی کتب کا مطالعہ نہیں کیا۔ تاہم چند ایک کتابیں جو کہ حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری کے متعلق تھیں۔ میری نظر سے گذری ہیں۔ ان کو پڑھ کر میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ کہ حضور کوئی معمولی انسان نہ تھے۔ بلکہ ایک زبردست ریفارمر ہونے کے علاوہ اللہ کے پیارے بھی تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ دنیا میں اور بھی بڑے بڑے ریفارمر اور پوتر ہستیاں گذری ہیں۔ اور انہوں نے بہت کچھ کر کے دکھایا۔ لیکن حضرت محمد صاحب نے جو کچھ کیا۔ اس کی مثال دنیا کی کوئی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

عربوں کی اصلاح کا کام

یہ آپ کا ہی کام تھا۔ کہ عربوں جیسی وحشی قوموں کو جن کے سدھارنے کے لئے کئی صدیاں بھی کافی نہ تھیں۔ چند سالوں میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ تمام قبائل کے باہمی جھگڑوں کو مٹا کر ہر فرد بشر کو مساوات کا سبق پڑھایا۔ بت پرستی کو دور کر کے صرف خدا تعالےٰ کے آگے سجدہ کرنے کی تعلیم دی۔ ان میں سے چوری بدکاری شراب نوشی اور قمار بازی وغیرہ بد عادات رفع کیں۔ عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی علاوہ حضور نے غلاموں کو آزاد کیا۔ اور دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دی۔

حضرت محمد صاحب نے بڑی بڑی تکالیف اٹھائیں۔ مگر ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ملک عرب کا روحانی اور تمدنی ہر پہلو مکمل سدھار کیا۔ کہ تمام دنیا عش عش کر اٹھی۔ آپ کی تعلیم ہر ایک کے دل میں اس قدر گھر کر گئی۔ کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے ... دنیا پر شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب اسلامی جھنڈا لہرا رہا ہے۔ اس وقت میں ... السلام کی ...

[illegible]

کے گرجے الگ اور گورے عیسائیوں کے گرجے الگ بنے ہوتے ہیں۔ مگر حضرت محمد صاحب نے تو یہ تفرقہ ہی اڑا دیا۔

حب الوطنی

اپنے دیش اور قوم کی خاطر حضور نے اپنی جان و مال حتیٰ کہ سب کچھ نچھاور کر دیا۔ اپنے دیش کی بری رسمیں اور خانہ جنگیاں دور کرنے کے وقت بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر آپ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ اور جس مقصد کو لے کر کھڑے ہوئے تھے اس میں کامیاب ہو گئے۔

کمال درجہ کی بہادری

آپ ایک لاثانی بہادر اور جودھا تھے۔ دشمن خواہ ٹڈی دل کی مانند ہوتا۔ حضور کبھی نہ گھبراتے۔ اور مردانہ وار مقابلہ کرتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ آپ جنگل میں کسی درخت کے نیچے سو رہے تھے۔ اُن کا ایک جانی دشمن وہاں پر آ نکلا۔ اس نے ہاتھ میں تلوار لے کر کہا۔ کہ اے محمدؐ! اب تجھے موت کے منہ سے بچانیوالا کوئی ہے؟ حضور گھبرائے نہیں۔ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا۔ ہاں ہے۔ اور وہ میرا خدا ہے۔ دشمن کا یہ سُننا تھا۔ کہ اس کے ہاتھ سے تلوار نیچے گر پڑی۔ حضور نے جھٹ تلوار پکڑ لی۔ اور کہا کہ اب بتا۔ تجھے کوئی موت سے بچا سکتا ہے؟ اس نے کہا۔ کہ آپؐ کے سوا اور کوئی نہیں بچا سکتا۔ حضور نے اس کی عقل پر افسوس کیا۔ اور فرمایا۔ کہ کیا ہی اچھا ہوتا۔ اگر تو یہ کہتا۔ کہ جس خدا نے تجھے بچایا ہے۔ وہی مجھے بچائیگا۔ اور اُسے معاف کر دیا۔ اس نے جب دیکھا کہ آپ کا خدا پر کتنا اٹل وشواس ہے۔ اور انتقام لینے کا خیال تک ہی نہیں رکھتے۔ تو فوراً مسلمان ہو گیا۔

عورتوں کے حقوق کی حفاظت

اس زمانہ میں جو برا سلوک عورتوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ وُہ بیان سے باہر ہے۔ عورتیں گھر کی جائیداد میں ... ہوتی تھیں۔ ... سسرال عورتوں کو کسی چیز ... ایک مرد جتنی شادیاں چاہتا کر لیتا۔ جب حضرت ... تو ... کوحق تھا۔ کہ بغیر کچھ دیئے لئے ... ور گور کرنا وُہ لوگ اپنا فخر سمجھتے ... سوائے رسول اللہ ... کو مارنا گناہ عظیم قرار دیا ... اور عورتوں کے حق ... ممنوع قرار دیا۔ اور صد ہا صد شادیاں کرنے سے منع فرمایا۔ شادیوں کی تعداد مقرر کی۔ طلاق کی رسم جاری رکھی۔ مگر وُہ بھی ایک قانون کے اندر۔ طلاق کی رسم نہایت ہی ضروری ہے۔ جو کہ حضور نے جاری رکھی۔ جس مذہب میں یہ رسم نہیں۔ میرے خیال میں وُہ مذہب مکمل نہیں کہلا سکتا۔ جس گھر میں میاں بیوی کی آپس میں نہ بنتی ہو۔ وُہ گھر نہیں۔ بلکہ دوزخ کا نمونہ ہوتا ہے۔ اگر طلاق کی رسم ہو۔ تو ایک دوسرے سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔ بصورت دیگر یہ ضروری ہے۔ کہ یا تو ان میں سے ایک خودکشی کر لے۔ یا دونوں ساری عمر دوزخ کی آگ میں جلتے رہیں۔

بچوں سے محبت

حضور نے بچوں کی خاص طور پر تربیت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ جو مومن بچوں سے لاپرواہی کرتا ہے۔ وُہ خدا کے حضور گنہگار ٹھہرتا ہے۔ حضور بچوں سے بڑی محبت رکھتے۔ ان کو چومتے اور سر پر ہاتھ پھیرتے۔ ان سے محبت اور پیار کی باتیں کرتے۔ حضور کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی کوئی نیا میوہ یا پھل آپ کے پاس آتا۔ تو اس وقت حاضرین میں جو سب سے چھوٹا بچہ ہوتا۔ اُسے دیتے۔ آنحضور جب کبھی کسی گلی کوچہ میں سے گذرتے۔ تو چھوٹے چھوٹے بچے حضور کے گرد جمع ہو جاتے۔ اور حضور ان کو پیار کرتے۔ یا جب کہیں راستہ میں بچے کھیلتے ہوئے ملتے۔ تو آپ ان کو السّلام علیکم کہتے۔

صبر و استقلال

شروع شروع میں جب آپ نے لوگوں کو بُت پرستی سے ہٹا کر ایک خدا کی طرف لانا چاہا۔ تو مکہ کے بُت پرستوں نے حضور پر بڑے بڑے ظلم ڈھائے۔ اس وقت خاص خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت تھے۔ اور ہر گھر میں ہر ایک کا جدا جدا (بُت) خدا تھا۔ اس وقت جو شخص آپؐ پر ایمان لایا۔ اُس کو بھی بڑی بڑی اذیتیں پہونچائی گئیں۔ گرم گرم ریت پر لٹایا جاتا فاقہ کشی کرائی جاتی۔ ان کی ٹانگوں میں رسیاں ڈال کر گھسیٹا جاتا۔ ایک دفعہ آپؐ طائف شہر کے لوگوں کو پیغام الٰہی پہونچانے کے لئے گئے۔ لیکن وُہ لوگ مکہ والوں سے بڑھ کر ظالم ثابت ہوئے۔ انہوں نے آپؐ کو شہر سے نکال کر پیچھے بدمعاش اور کتے لگا دیئے۔ اور چاروں طرف سے پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ آپ اس وقت خون میں تربتر ہو رہے تھے۔ مگر اُن ظالموں کی نسبت آپ خداوند کریم کے آگے یوں التجا کر رہے تھے۔ اے خدا! ان لوگوں کو معلوم نہیں۔ کہ میں ان لوگوں کو جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ وُہ درست اور سچ ہے۔ اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں۔ اچھا سمجھ کر کر رہے ہیں۔ اس لئے تو ان پر ناراض نہ ہو۔ اور ان پر عذاب نازل نہ کر۔ بلکہ ان کو سچائی کے قبول کرنے کی توفیق دے۔ ناظرین! ایسی مصیبتوں کے وقت اپنے دشمنوں کے بارے میں خدا کے آگے دُعا کرنی کہ ان کی زندگیاں سدھر جائیں اور برا نہ کہنا کوئی معمولی بات ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ حضرت محمد صاحب کا ہی کام تھا۔ جو آپؐ نے مصائب پر بھی صبر و استقلال کا ثبوت دکھا۔

عرق نور (رجسٹرڈ)

سوفیصدی خون صالح پیدا کرنے کی واحد دوا ہے۔ اس کا استعمال بفضل خدا تعالےٰ ضعف جگر عظم طحال۔ دائمی قبض۔ دھڑکہ۔ خرابی خون۔ یرقان۔ کمزوری اعصاب۔ . . . بدہضمی۔ کثرت پیشاب۔ دائمی بخار۔ پرانی کھانسی۔ دردکمر۔ تھوڑا چلنے سے دم پھولنا۔ طبیعت کی گھبراہٹ۔ اور سستی وکاہلی کو دور کرنے کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ عورتوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ بانجھ پن سایام ماہواری کے دوران کے درد۔ اور خون کی کمی وبیشی کو شرطیہ طور پر دور کرکے بچہ دانی کو قابل تولید بناتا ہے۔ ایک بار کی آزمائش شرط ہے۔ قیمت فی پیکٹ ایک روپیہ چار آنے (۱عہ)

عرق نور اسپری (رجسٹرڈ) درد شقیقہ۔ دردِ اعصابیہ سیل اور شیر خوار بچوں کے تشنج کیلئے جادو اثر دوا ہے۔ شدید اور ناقابل برداشت درد کو صرف ۵ منٹ میں شرطیہ طور پر دور کرتا ہے۔ ایک بار کی آزمائش اس کی تعریف ہے۔ صرف تین روز کے استعمال سے اگر عمر بھر کے لئے نہیں تو کم از کم چودہ سال تک پھر درد نہ ہوگا۔ (درد اعصابیہ کیلئے اس کا ۱۵ روز استعمال کرنا چاہئے) قیمت بڑی شیشی ۸ر چھوٹی ۴ر

نور بال سیرپ (رجسٹرڈ) بچوں کے لئے نہایت خوش ذائقہ اور میٹھا شربت ہے۔ ان کی ہر قسم کی کمزوریوں کو دور کرتا ہے۔ نور بال سیرپ بچوں کو موٹا تازہ اور خوبصورت بناتا ہے۔ تھوڑے عرصہ کے استعمال سے بچوں کا چہرہ مثل گلاب کھل جاتا ہے۔ ملائیذ ہونے کے سبب بچے شوق سے پیتے ہیں۔ قیمت فی شیشی ۱عہ

امرت نور (رجسٹرڈ) اعلیٰ درجہ کا جیبی ڈاکٹر ہے۔ جو بغیر فیس کے ہر مرد وزن۔ پیر وجوان اور امیر وغریب کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ سینکڑوں بیماریوں کی ایک لاثانی دوا ہے۔ ہر شخص کے پاس ہونا ضروری ہے۔ آزمائش شرط ہے۔ قیمت بڑی شیشی عہ ر نصف عہ۔ قیمت نمونہ شیشی جو کئی ماہ کیلئے کافی ہے۔ صرف ۷ر

نور ڈیسنٹری پوڈر: پیچش کی شرطیہ دوا ہے۔ اس کی پہلی ہی خوراک فوراً اثر دکھاتی ہے۔ قیمت فی شیشی ۸ر

نور لواسیر پلز بواسیر خونی ہو یا ریحی۔ نئی ہو یا پرانی ان گولیوں کے استعمال سے کلی طور پر دور ہو جاتی ہے۔ مرض کی اقسام کے لحاظ سے تین قسم کی دوائی دی جاتی ہے مفصل حال سے مطلع کریں۔ قیمت نمبر ا۔ تین روپے۔ نمبر ۲۔ پانچ روپے۔ نمبر ۳ دس روپے۔

نور اسہال پوڈر:۔ خواہ اسہال کیسے ہی تکلیف دہ آتے ہوں۔ صرف ۱۵ منٹ کے اندر روکنے کا حتمی علاج ہے۔ قیمت پوری خوراک ۸ر

نور کڈنیز پوڈر درد گردہ کے لئے اکسیر ہے۔ ایک ہی خوراک سے مریض کو درد سے آرام ملتا ہے۔ ہمیں آج تک دوسری خوراک دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ قیمت پوری خوراک ایک روپیہ (عسہ)

نور خناق پوڈر صرف دس پندرہ منٹ میں ہی پھوڑے کو تحلیل کرکے مریض کو آدھ گھنٹے کے اندر اندر کھانے کے قابل بنا دیتا ہے۔ قیمت پوری خوراک دو روپے

نور پتھری پوڈر۔ صرف تین روز میں پتھری کو ریزہ ریزہ کرکے پیشاب کے ساتھ خارج کر دیتا ہے۔ قیمت ۱۲ خوراک تین روپے۔

نور خضاب خوشبودار ہے۔ جلد کو قطعاً داغ یا دھبہ نہیں دیتا۔ بالوں کو چمکدار سیاہ بناتا ہے اپنا اثر ۲۰ روز تک قائم رکھتا ہے۔ قیمت فی پیکٹ ۸ر

نور ہیر آئل (رجسٹرڈ) بہت سی قیمتی ادویات اور مفید بوٹیوں کا مرکب ہے۔ اس کا استعمال دائمی نزلہ اور زکام کو دور کرتا ہے۔ بالوں کو لمبا ملائم اور سیاہ کرکے گرنے سے بچاتا ہے۔ دماغ کو طاقت اور تروتازگی دیتا ہے۔ نوٹ:۔ پرچہ ترکیب استعمال ہمراہ ہوگا۔ مفصل فہرست مفت طلب کریں۔

المشتہران۔ ڈاکٹر نور بخش اینڈ سنز عرق نور بلڈنگ قادیان پنجاب

اکثر دوست

دریافت کرتے ہیں۔ کہ تجارتی سٹیشنری کس پریس سے چھپوائی جائے ان کی واقفیت کے لئے مشتہر کیا جاتا ہے۔ کہ لائن پریس ہسپتال روڈ لاہور نہ صرف ہر قسم کی بہترین چھپائی کے لئے پنجاب بھر میں مشہور ہے۔ بلکہ نرخ ارزاں اور کام حسب وعدہ دیا جاتا ہے۔ خواہشمند اصحاب مینیجر سے خط وکتابت کریں۔ یا پتہ نوٹ کر لیں:۔ ٹیلیفون نمبر ۳۰۸۷:۔ تار کا پتہ لائن پریس لاہور

احمدیہ واچ ایجنسی

شاہجہانپور سے ہمیشہ گھڑیاں خریدنا چاہئے!

کیوں؟ اس لئے کہ اس کے معاملات میں انتہائی ہمدردی ہے۔
۲۔ گھڑیاں ہر لحاظ سے ٹسٹ کرکے بحفاظت بھیجتی ہے۔
۳۔ خریداران کی مخلصانہ خدمت کیلئے ہر وقت تیار رہتی ہے۔
۴۔ گھڑی کے ہمراہ نہایت ضروری و مفید ہدایات دیتی ہے۔

نوٹ:۔ ایجنسی کو اپنی لمبے گھڑیوں پر کافی تجربہ و اعتماد ہے۔ ان کی موجودگی میں بہت زیادہ قیمت گھڑیوں پر صرف کرنا مناسب نہیں۔ بعض احباب کی خواہش پر درمیانہ قیمت کی جنیوا کمپنی والی گھڑیاں بھی درست کی جاتی ہیں۔ ان کے متعلق خرید نا فضول ہماری یہ رائے ہے۔ کہ تھرڈ کلاس گھڑیوں سے یہ بہت اچھی چلتی ہیں گھڑیوں کے نقشے دیکھ کر حسب ضرورت آرڈر دیں۔ گھڑی کا حوالہ اور اپنا پتہ صاف لکھیں۔ نیز یہ چیز ذہن میں محفوظ رکھیں۔

موٹا شیشہ معہ سیکنڈ وکیس ۔/۶

جنیوا فینسی مختلف ڈیزائن قیمت ۔/۶ معہ طور تحفے کے

جنیوا گول کیس معہ مکمل قیمت ۔/۸ مع ربیہ تشریح

جنیوا جیبی خوش رفتار مضبوط قسم کیس قیمت ۔/۴ تین چار روپے

لیور شین جیبی گھڑی پندرہ جیول۔ بہت مدت تک کام دینے والی قیمت چودہ روپے

رسٹ واچ لیور شین نہایت مضبوط پندرہ جیول بہت درست صحیح چلنے والی قیمت چودہ روپے۔ ... گولڈ ہوگی۔ تو تین روپے زائد ...

المشتہر حافظ سعادت علی پروپرائٹر احمدیہ واچ ایجنسی شاہجہانپور یو پی

مفت!! مفت!! مفت!!

پیام شفاء

مردوں اور عورتوں کے امراض و نیز ہسٹیریا۔ بواسیر ذیابیطس وغیرہ جو فی زمانہ ایک حد تک شدید اور مہلک ثابت ہو رہے ہیں۔ ان کے مستقل دفعیہ کی بالکل بے ضرر اور تیر بہدف ادویہ ہمارے دواخانہ پیام شفاء میں موجود ہیں۔ مجرب اور زود اثر ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے مشہور و معروف اطباء اور ڈاکٹروں کے مطب میں استعمال ہو رہی ہیں۔ اطباء کی تصدیق اور ہر مرض کی تفصیل اور علامات فہرست ہذا میں درج ہے۔ جس کے مطالعہ کے بعد ہر ایک مریض اپنے مرض کے مطابق دوا خود تجویز کر سکتا ہے۔ اور ہم یہ ظاہر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ کہ ہمارا معیار ایمانداری اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانا ہے۔ حسب ذیل پتہ پر ایک کارڈ تحریر فرما کر فہرست پیام شفاء مفت طلب کریں۔ بعد ملاحظہ ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائیگی ؛

صحت خواہ

مینجر دواخانہ پیام شفاء فراشخانہ دہلی

پتہ بدل لیا

چند وجوہات کی بناء پر اب میں کانپور سے لکھنؤ آگیا ہوں۔ لہذا جس کسی بھائی کو ہومیوپیتھک علاج کے متعلق مشورہ کرنا ہو وہ ۱ کا ٹکٹ روانہ کر کے مفت مشورہ کر سکتے ہیں۔ خط چونکہ کانپور ہو کر یہاں آتے ہیں۔ اس لئے دیر ہو جاتی ہے۔ احباب کو خط کی تکلیف کو ادا کرنا پڑتی ہے اس لئے اب یہاں کے پتہ پر خط لکھیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں ایک عرصہ سے پریکٹس کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ایک ہومیوپیتھک بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس سے وہ وہ مرض دور ہو جاتے ہیں۔ جن کو ڈاکٹر لاعلاج کہدیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے کاربنکل اور ناسور تک صرف دوا کھلا کر اور لگا کر اچھے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل اور معالج کا تجربہ کار ہونا ضروری ہے۔ ہسٹری چارٹ اور سسٹم رجسٹر دوبارہ چھپ گئے ہیں۔ ضرورتمند احباب ۲ کے ٹکٹ روانہ کر کے طلب کریں۔ جواب کے لئے ٹکٹ آنا ضروری ہے خاکسار ڈاکٹر بشیر احمد احمدی ایم۔ [illegible]

[illegible] حسین گنج لکھنؤ

ہومیوپیتھک علاج

ہومیوپیتھک علاج میں اللہ تعالےٰ نے مخلوق کے لئے بے انتہا فوائد رکھے ہیں۔ قلیل دوا۔ زیادہ فائدہ۔ روپوں کا کام پیسوں۔ سالوں کا کام دنوں اور گھنٹوں میں ان ہی دواؤں سے ہوتا ہے۔ سینکڑوں ڈاکٹروں کی مجربات۔ ہزاروں مریضوں پر تجربہ کر کے ایک ایک دوا کا جسم کے ہر عضو پر اثر اور علامات معلوم کرنے کے بعد عوام کے فائدے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔ کھانے میں مزیدار۔ زود اثر۔ بے ضرر۔ بیماری کو جڑھ سے کاٹنے والی چیر پھاڑ اور نشتر کی تکلیف سے بچانے والی۔ پھوڑے اور بیرونی تکالیف کو بلا تکلیف اور بلا اپریشن صرف مرہم سے ٹھیک کرتی ہے۔ دنیا میں مقبول۔ مایوس العلاج بفضل خدا صحتیاب ہوئے ہیں۔ شافی خدا ہے۔ امراض مخصوصہ مردمان کیلئے بہترین ادویات موجود ہیں۔ مستورات کے لئے ان دواؤں سے افضل دوسری ادویات ہو ہی نہیں سکتیں۔ بچوں کے لئے تو عموماً دوسرے ڈاکٹر بھی یہی دوائیں دیتے ہیں۔ کیسا ہی مرض ہو۔ مختلف علاج سے اور پیٹنٹ دوائیں کھا کر مرض کو پیچیدہ نہ بنایئے۔ ضرورتمند آج ہی پوری پوری کیفیت مرض کی ارسال کریں۔ انشاء اللہ مفید اور قابل تعریف پائینگے ؛ پتہ :۔ ایم۔ ایچ احمدی بیری اکبر پور کانپور

بواسیر اور نواسیر

کے علاج کے لئے تازہ مجرب دوا آگئی ہے۔ جہاں بہت سی ادویات استعمال کر کے پشیمان ہوئے اس کو استعمال کر کے انشاء اللہ خوش ہونگے مجرب ہے۔ ہزاروں تعریف کرتے ہیں۔ قیمت تین روپے آدھی شیشی عہ

ڈاکٹر ایم۔ ایچ۔ احمدی۔ بیری اکبر پور کانپور

انیس عالم

یہ دوا عجیب ٹانک ہے۔ خون کی کمی سکتوری سے دم پھولنا۔ چکر آنا۔ دل دھڑکنا۔ بدن کا سُس ہو جانا۔ کام سے نفرت۔ دماغ مضمحل۔ کمی بھوک ضعف جگر ضعف معدہ۔ ضعف دماغ۔ سوتی۔ بے خوابی۔ بدخوابی۔ وغیرہ کو دور کر کے انشاء اللہ اعضاء میں نئی زندگی اور نیا خون پیدا کردیگی۔ دانستہ و نادانستہ بے اعتدالیوں کا مجرب علاج ہے مستورات کے امراض میں بھی بے حد زود اثر ثابت ہوا ہے

قیمت رعایتی عہ

ڈاکٹر ایم۔ ایچ۔ احمدی۔ بیری اکبر پور کانپور

عیسائیت کا جال

یہ اعتراضوں کا افسانہ جس کا نام عیسائیت کا جال ہے اب تک ۲۵ پچیس ہزار فروخت ہو چکا ہے۔ منگوا کر آپ بھی ملاحظہ کریں۔ قیمت معہ محصول ڈاک ڈیڑھ آنہ مینجر اخبار سلطنت دہلی سے منگوایئے ؛

ڈھائی سو مدعیان نبوت کے حالات

رسول کریم کے بعد پیدا ہونیوالے مدعیان نبوت جن کی تعداد ڈھائی سو سے زیادہ ہے کے حالات جمع کر کے فاضل مؤلف نے یہ ثابت کیا ہے کہ جھوٹا نبی ۲۳ سال کی مہلت نہیں پاتا ثبوت میں ڈھائی سو سے زیادہ مدعیوں کے حالات لکھے ہیں۔ کہ اگر کوئی ایک بھی ایسا مدعی دکھا سکے جو قتل سے بچا ہو تو دس ہزار روپیہ انعام۔ اس کتاب کے ۱۰ صفحے ہر ہفتہ اخبار سلطنت میں اگلے مہینہ سے شایع ہونے شروع ہو جائینگے۔ اس لئے آج ہی آپ سلطنت کے خریدار ہو جایئے سلطنت باتصویر ہفتہ وار اخبار ہے یا اپنے شہر کے ایجنٹ اخبارات کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرا دیجئے۔ سالانہ چندہ تین روپے ؛ مینجر اخبار سلطنت دہلی۔

یقیناً دگنا منافع ہوگا

بذریعہ تحریر صابون سازی سکھانیکے دو حصہ کر دیئے ہیں۔ پہلا حصہ دس روپیہ میں معہ ایک پیتل کا عمدہ بنا ہوا سانچہ جس میں گلیسرین یا ٹیرسوپ بن سکتا ہے۔ اور مروجہ بازاری گرم ٹھنڈے ۱۳ قسم کے مروجہ صابون کی مکمل ترکیب بذریعہ تحریر نہ سکھا سکے۔ یا اس میں دگنا منافع نہ ہوا۔ یا مرسلہ سانچے میں ایک اونس سے چار اونس تک وزن کی ٹکیہ نہ بن سکی یا پانچسو روپیہ ماہوار کا مال تیار نہ ہو سکا۔ تو بذریعہ عدالت آپ ہم پانسو روپیہ جرمانہ وصول کر سکتے ہیں۔ تحریر لکھدی ہے۔ کہ سند رہے العبد :۔ ڈاکٹر شفیع احمد پی۔ ایچ۔ ڈی ایڈیٹر رسالہ دستکاری دہلی دوسرا حصہ میں ۴۸ قسم کے صابون اور کاسٹک سوڈا کرسٹل سوڈا اور کور کھدر کو ڈیون کے لٹھے کے مانند سفید کرنیوالا مصالحہ کلورین گیس بلیچنگ پوڈر بنانا سلفیٹ کے برابر دو ٹکیہ بنانیوالا ایک پیتل کا عمدہ سانچہ اور ایک ایڈ رجسٹر اور مذکورہ بالا اقرار نامہ روانہ کیا جائیگا۔ بیکاری کو دور کر کے مالا مال ہونیکا اس سے بہتر بغیر سرمایہ کے چلنے والا دوسرا کام نہیں ہو سکتا۔ اس کی فیس بیس روپیہ ریلوے سٹیشن کا نام ضرور تحریر کیجئے اگر سانچہ پر اپنا نام یا پھول بیل کندہ کرائینگے۔ تو تین روپیہ پہلے سانچہ کی اور پانچ روپیہ سلفیٹ کی اجرت علیحدہ ہوگی۔ پانچ روپیہ پیشگی وصول ہوئے بغیر تعمیل نہ ہوگی۔ خط و کتابت بنام

مینجر رسالہ دستکاری دہلی فرمائش کے ہمراہ عہ آنا چاہئے ؛

گود بھری حب اٹھرا رجسٹرڈ

مولانا حکیم نور الدین شاہی طبیب کی ستر سالہ مجربہ مشہور عام رجسٹرڈ حب اٹھرا یہی ہے اگر آپ کو اولاد کی خواہش ہے۔ تو حب اٹھرا رجسٹرڈ اپنے گھر میں استعمال کرادیں اگر آپ نے اپنی بے اولادی کا اندھیرا دور کرنا ہے۔ تو حب اٹھرا رجسٹرڈ استعمال کرادیں۔ اگر آپکو اپنی بے اولادی کی پیاس بجھانی منظور ہے۔ تو اپنے گھر میں حب اٹھرا رجسٹرڈ استعمال کرادیں اگر آپ کو بفضل خدا ذہین خوبصورت تندرست با عمر بچوں کی خواہش ہے۔ تو حب اٹھرا رجسٹرڈ کے سوا اور کوئی دوائی استعمال نہ کروائیں۔ حب اٹھرا اس بیماری کے واسطے تریاق ہے۔ اس کے استعمال سے ہزاروں گھر صاحب اولاد ہو چکے ہیں۔ کثرت سے سارٹیفیکیٹ اور شکریہ کے خطوط آتے ہیں (اٹھرا کیا ہے) حمل گر جاتے ہیں مردہ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ پیدا ہو کر مر جاتے ہیں۔ اصل میں یہ کمزوری رحم کا نتیجہ ہے۔ حب اٹھرا رحم کی تمام کمزوریاں دور کرتی ہے۔ رحم کو طاقتور بناتی ہے۔ اور بچہ کو رحم میں پوری طاقت دیتی ہے۔ حب اٹھرا حمل گرنے سے روکتی ہے۔ اور پیدائش میں بھی آسانی ہوتی ہے بچہ خوبصورت۔ مضبوط تندرست ذہین اٹھرا سے محفوظ پیدا ہوتا ہے بچہ اور والدہ کیلئے تریاق ہے۔ خیال رکھیں۔ اور دوسرے بچیں حب اٹھرا رجسٹرڈ مولانا حکیم نور الدین شاہی طبیب کا مجرب نسخہ اس دواخانہ کے سوا نہیں مل سکتا۔ رجسٹرڈ ہو چکا ہے قیمت فی تولہ عہ مکمل خوراک ۱۱ تولہ یکدم منگوانے پر ۱۱ روپیہ نصف پر صرف محصول معاف

المشتہر۔ نظام جان اینڈ سنز دواخانہ معین الصحت قادیان

محبوب عنبری رجسٹرڈ

یہ گولیاں۔ عنبر۔ مشک۔ موتی۔ زعفران۔ اور دیگر قیمتی ادویہ سے مرکب ہیں۔ انکا استعمال ان لوگوں کے لئے ہے جن کی قوت رجولیت کم ہو چکی ہو۔ اعصاب سرد ہو گئے ہوں۔ دل ضعیف ہو گیا۔ سرور مٹ گیا ہو۔ چہرہ بے رونق۔ حافظہ کمزور۔ اعضاء رئیسہ سرد پڑ گئے ہوں۔ کمر درد کرتا ہو۔ کام کرنے کو جی نہ چاہتا ہو۔ طبیعت میں طاقت نہیں۔ محبوب عنبری کا استعمال بجلی کا اثر دکھاتا ہے گئی ہوئی قوت واپس آجاتی ہے۔ حرارت غریزی تیز ہو جاتی ہے۔ دل میں خوشی و سرور پیدا ہوتا ہے۔ اعصاب نئے پٹھے طاقت ور ہو جاتے ہیں۔ اعضائے رئیسہ و شریفہ۔ دل و دماغ طاقتور ہو جاتے ہیں۔ جسم فربہ اور چست و چالاک ہو جاتا ہے۔ گویا ضعیفی کی دشمن ہے۔ جوانی کی محافظ ہے۔ جائز حاجت مند آرڈر روانہ کریں۔ محبوب عنبری کے ایک ٹارکے کھانے سے چالیس سال تک مقوی ادویات سے چھٹی ہوتی ہے قیمت یکماہ کی خوراک ۶۰ گولی پندرہ روپیہ

المشتہر

نظام جان اینڈ سنز دواخانہ معین الصحت قادیان

تریاق ریگ گردہ مثانہ

درد گردہ ایک ایسی موذی بلا ہے۔ جن لوگوں کو یہ درد ہوتا ہے وہی اس کی تکلیف کو جانتے ہیں۔ درد کے وقت ان کی حالت نہایت ہی قابل رحم ہوتی ہے۔ گویا موت اور زندگی کا سوال پیش ہوتا ہے ریگ یا کنکری کی وجہ سے درد کبھی دورہ سے ہوتا ہے اور کبھی لگاتار ہوتا ہے کبھی پہلو میں محسوس ہوتا ہے۔ کبھی ران میں کبھی پیٹ میں کبھی کمر میں اسکی تشخیص میں اکثر مغالطہ ہو جاتا ہے۔ جو دوست ریگ گردہ درد گردہ ریگ یا کنکری مثانہ میں مبتلا ہوں۔ وہ تریاق گردہ و مثانہ ضرور استعمال کریں بفضل خدا اس کے استعمال سے کنکری ریگ سب باریک ہو کر بذریعہ پیشاب خارج ہو جاتی ہے قیمت پندرہ یوم کی خوراک عہ

المشتہر۔ نظام جان اینڈ سنز دواخانہ معین الصحت قادیان

مقوی دانت منجن

موہنہ کی بدبو کو دور کرتا ہے۔ دانتوں کی جڑیں کیسی ہی کمزور ہوں۔ دانت ہلتے ہوں گوشت خورے سے مسوڑے کتنے ہی گل سڑ گئے ہوں۔ دانتوں کی جڑیں ننگی ہو گئی ہوں۔ مسوڑوں سے خون یا پیپ آتی ہو۔ دانتوں میں کیڑا لگ گیا ہو۔ دانتوں میں میل جمتی ہو۔ زرد رنگ ہو گئے ہوں۔ موہنہ میں پانی آتا ہو۔ بفضل خدا اس منجن کے استعمال سے دانتوں کی تمام بیماریاں مذکورہ بالا جاتی رہتی ہیں۔ دانت موتی کی طرح چمکتے ہیں۔ موہنہ خوشبودار رہتا ہے۔ قیمت فی شیشی مذا ڈسٹ ۱۲/

المشتہر۔ نظام جان اینڈ سنز دواخانہ معین الصحت قادیان

بے نظیر آرٹ

میں احباب سلسلہ کو خوشخبری دیتا ہوں۔ کہ میں نے سالہا سال کی متواتر کوشش سے رنگسازی شیشہ پر چاندی کا پانی چڑھانا اور کمندی کلام نقاشی کا کام۔ عربی۔ انگریزی غرضیکہ ہر زبان میں سیکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ جماعت احمدیہ کے شوق مند دوست بذریعہ خط و کتابت میرے سے کام سیکھیں۔ اور روپیہ کمائیں۔ ایک ہفتہ کی خط و کتابت کے بعد پورے کام سے واقفیت ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی دوست مجھے بلا کر سیکھنا چاہیں۔ تو صرف دو دن میں اس کے ہاتھوں سے کام کرا کر ٹرینڈ کر دیا جاتا ہے خط و کتابت کے لئے جوابی کارڈ آنا چاہیئے۔

اکسیر طاقت

موجودہ امراض جو اس زمانہ میں بچوں اور جوان احباب کو ہو جاتی ہیں۔ اس اکسیر طاقت کے ۱۲ روز ہر پانی یا ایک وقت دودھ استعمال کرنے سے گئی ہوئی طاقت دوبارہ واپس آجاتی ہے۔ یہ ایک عجیب التاثیر دوا ہے۔ غربا کے لئے نصف دام پر دی جاتی ہے ہر عمر میں مفید اور با اثر دوا ہے۔ سینکڑوں ایسی دوائی مرکب نہیں کی گئی جس کے خرچ میں تکلیف ہو۔ اس کا اثر معدہ پر ہوتا ہے۔ بھوک خوب لگتی ہے۔ پژمردہ چہرہ کو رونق دیتی ہے۔ باقی حالات بذریعہ خط و کتابت دریافت فرمائیں۔ ڈاکٹری کی صورت میں جو کتب شائع ہوئی ہے۔ ہیں میرا نام ہے۔ خاکسار فقیر احمد لدھیانوی حکیم حاذق آفس ڈاکخانہ [illegible]

احمدیوں کے لئے خاص رعایت

فائدہ مند تجارت

تازہ کوٹوں کا چالان آگیا ہے!

اگر آپ موسم سرما میں امریکن استعمال شدہ گرم کوٹوں کی سر بند گانٹھیں۔ یا ولایتی۔ امریکی جاپانی کٹ پیس کے مال یعنی نمونہ کی گانٹھ مالیتی ۲۵ صد پچیس روپیہ (۱۲۵) یکمشت روپیہ بطور تجارت بھو کے نرخ پر ہم سے منگوا کر فروخت کریں گے۔ تو یقیناً معقول فائدہ اٹھائیں گے اپنی ضروریات کے لئے پچاس روپیہ کا بنڈل منگوائیے جہاں قسم ہمارا مال ہر حال بہتر [illegible] مفصل لسٹ طلب کر کے دوسروں سے مال اور قیمت کا مقابلہ کریں۔ [illegible]

[illegible] شفیق بھائی منزل سپلائر ہیک [illegible] گنج

خدا تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ اس نے اپنے فضل سے اس سال بھی "الفضل" کا خاتم النبیین نمبر شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ جن بزرگانِ سلسلہ احباب کرام۔ اور قابلِ احترام خواتین نے ازراہِ نوازش میری درخواست منظور فرماتے ہوئے قیمتی مضامین عنائت کئے۔ ان کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔ خدا تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔:

افسوس ہے۔ کہ اس دفعہ خواتین کے مضامین بہت کم آئے۔ حالانکہ جس رفتار سے ہماری جماعت کی خواتین تعلیم میں ترقی کر رہی ہیں۔ اس سے توقع تھی۔ کہ مضامین گزشتہ سالوں کی نسبت زیادہ موصول ہونگے۔ البتہ یہ بات قابلِ مسرت ہے۔ کہ پہلے کی نسبت اب کے زیادہ ہمارے نوجوانوں نے مضامین لکھے۔ اور ماشاءاللہ بہت اچھے لکھے۔ خاکسار (ایڈیٹر)

عبدالرحمن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپا اور قادیان سے ہی شائع کیا۔ ایڈیٹر غلام نبی

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

نمبر (۸۳۵)

رجسٹرڈ ایل

خاتم النبیین نمبر

الفضل قادیان

ایڈیٹر:- غلام نبی

The ALFAZL QADIAN.
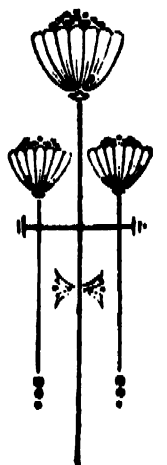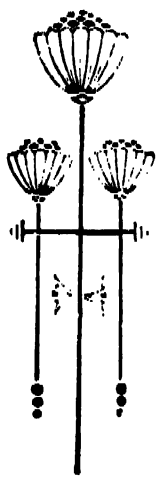
مرکز انگلستان میں خدائے واحد کی پہلی عبادت گاہ — مسجد احمدیہ لندن

قیمت فی پرچہ ۵ آنہ

ال روڈ لاہور میں چھپا

قیمت سالانہ ۲ نو روپیہ

سرورق رنگین پرنٹس

تار کا پتہ
الفضل۔ قادیان

قیمت
فی پرچہ پانچ آنے

الفضل کا خاتم النبیین نمبر

فہرست مضامین

مردوں کے مضامین

خواتین کے مضامین

مسلم و غیر مسلم اصحاب کی نظمیں

ذیل کی نظمیں جو "خاتم النبیین نمبر" کے اوراق کی زیب و زینت ہیں ساری کی ساری ایسی ہیں جو شعراء عظام نے بڑے لطف و نوازش سے الفضل کے خاص نمبر کے لئے خاص طور پر لکھکر مرحمت فرمائیں

(عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپ کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا۔)

قادیان دارالامان مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۲۹ء

نبوت کمالات انسانی میں سے ایک کمال ہے

بظاہر یہ ایک عجیب بات معلوم دیتی ہے کہ وہ شخص جسے دنیا کے سردار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسے ایک انسان کی حیثیت میں بھی پیش کرنیکی ضرورت محسوس ہو۔ لیکن حق یہ ہے کہ باوجود نبوت کے دعویٰ کے کوئی شخص اس بات سے بالا نہیں ہو سکتا کہ اسکی انسانیت پر بحث کیجائے کیونکہ نبوت کمالات انسانی میں سے ایک کمال ہے اور انسانیت ہی کے کمالات کے ظہور کے لئے اس کا وجود پیدا کیا گیا ہے ؞

میرے نزدیک یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ نبوت ایک بارش ہے جو فطرت انسانی کی مخفی طاقتوں کو ابھار کر باہر نکال دیتی ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ جس زمین پر وہ بارش خدا تعالیٰ کے انتخاب کے ماتحت نازل ہوگی۔ وہ زمین اس بارش کے اثر کو قبول کرنیکی سب سے زیادہ قابلیت رکھتی ہوگی۔ اور انسانی کمالات کو سب سے زیادہ ظاہر کرے گی +

کامل نبی کامل انسان ہوتا ہے

اوپر کی بات کو پوری طرح واضح کرنیکے لئے میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسلام کے نزدیک انسانی فطرت گندی نہیں ہے جسکی اصلاح نبوت کرتی ہے بلکہ اسلام کے نزدیک فطرت انسانی ان تمام قابلیتوں کو بیج کے طور پر اپنے اندر رکھتی ہے جن کا حصول انسان کے لئے ممکن ہے ہاں وہ اسی طرح بیرونی مدد کی محتاج ہے جس طرح آنکھ روشنی اور زمین بارش کی۔ پس نبوت کا یہ کام نہیں کہ وہ فطرت انسانی کے بعض خواص کو کاٹے بلکہ اس کا یہ کام ہے کہ وہ تمام خواص انسانی کو صحیح طور پر ابھارے۔ پس کامل نبی کا کامل انسان ہونا ضروری ہے جبتک انسانیت کے تمام لطیف خواص کسی انسان میں صحیح طور پر نشوونما نہ پائیں۔ وہ نبی نہیں ہو سکتا اور جبتک وہ خواص اپنے اپنے دائرہ میں کمال کو نہ پہنچ جائیں وہ شخص نبی نہیں کہلا سکتا +

خاص دائرہ میں خاص قابلیت

یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ بعض لوگ کسی خاص بات میں غیر معمولی قابلیت رکھتے ہیں اور دنیا انکی لیاقت کو دیکھکر حیران ہو جاتی ہے لیکن آخرکار وہ پاگل اور مجنون ہو کر مرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص دائرہ میں قابلیت کا ظہور انسانی کمال پر دلالت نہیں کرتا بلکہ صرف بعض خواص انسانی کے ایک محدود دائرہ میں حد سے زیادہ ترقی کر جانے پر دلالت کرتا ہے۔ یہ امر بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص جس کے اندر عشق کا مادہ ایسا غالب آگیا ہو کہ دوسرے تمام جذبات پر وہ غالب ہوگیا ہو۔ بجائے کسی انسان پر عاشق ہونیکے خدا تعالیٰ ہی کی محبت کیطرف متوجہ ہو جائے اور دنیا و ما فیہا کو بھلا دے۔ مگر ایسا شخص کبھی بھی ان کمالات روحانیہ کو حاصل نہ کر سکے گا جو دوسرے لوگ حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کا جذبۂ محبت بگڑی ہوئی نفسی حالت کا نتیجہ ہے تندرست اور صحیح نشوونما کا نتیجہ نہیں ہے۔ اس شخص کی حالت بالکل اس بیج کی سی ہوگی جو نہایت طاقتور زمین میں بویا جاتا ہے اور اس قدر جلد نشوونما پا کر بڑا ہو جاتا ہے کہ اسکی بالیں دانوں سے محروم رہ جاتی ہیں وہ بھوسہ تو بہت کچھ دیدیتا ہے مگر دانہ اس سے بہت کم نکلتا ہے۔ اسکے مقابلہ میں جو شخص تمام انسانی کمالات کو ظاہر کرنیوالا ہوگا۔ اسکی نشوونما تمام خواص فطرت پر مشتمل ہوگی اور انکے اندر ایک خاص تناسب ہوگا۔ ہر ایک خاصۂ فطرت اس نسبت سے ترقی کریگا۔ جس نسبت سے کہ اسے ترقی کرنی چاہیئے۔ مثلاً سزا دینے کی طاقت بھی اسکی نشوونما پائیگی اور رحم کی بھی اور عفو کی بھی اور برداشت کی بھی اور موازنہ کی بھی۔ کہ یہ پانچوں جذبات جرائم کے متعلق فیصلہ کرتے وقت ضروری ہوتے ہیں۔ انہیں سے ایک جذبہ بھی اپنی حد مناسب سے کم ہو جائے تو انسانیت ناقص ہو جائیگی اور کمالات انسانیہ کا ظہور ناممکن رہ جائے گا +

چونکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے اور علم النفس کے باریک مطالعہ کے بغیر اس کا سمجھ میں آنا بغیر تفصیل کے مشکل ہے اور وہ چند کالم جنمیں میں اس مضمون کو ختم کرنا ہے اسکے لئے کافی نہیں۔ اسلئے میں ایک دو مثالوں کے ذریعے اس امر پر روشنی ڈالکر اصل مضمون کیطرف آتا ہوں۔

وفاداری کا جذبہ

مثال کے طور پر میں وفاداری کے جذبہ کو لیتا ہوں ہر شخص اسے پسند کرتا ہے لیکن یہی جذبہ اگر بد صحبت کے متعلق استعمال ہو تو کیسا سخت مضر ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔ وہ شخص ایک جرم میں شریک ہوتے ہیں ایک کی ضمیر ایک وقت میں اسے ملامت کرنے لگتی ہے لیکن اس کی وفاداری کی روح جو موازنہ نیک و بد کی طاقت سے بڑھی ہوئی تھی۔ اسکی اس اندرونی آواز کو خاموش کرا دیتی ہے اور اسکے کان میں کہہ دیتی ہے کہ بے وفا نہیں ہونا چاہیئے جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اب مجھے اپنے دوست کا ساتھ دینا چاہیئے۔

اولاد کی محبت کا جذبہ

یا مثلاً اولاد کی محبت ایک اچھا جذبہ ہے اور بقائے عالم کے زبردست اسباب میں سے ہے لیکن اگر کسی شخص کے اندر یہی جذبہ ترقی کر جائے اور باقی جذبات کو دبا دے تو یہی ایک گناہ بنجاتا ہے اور اولاد کو بھی گناہ کا عادی بنا دیتا ہے۔ غرض کسی ایک یا بعض خواص فطرت انسانی کا کمال حقیقی کمال نہیں ہوتا بلکہ بالکل ممکن ہے کہ بعض حالتوں میں وہ ایک خطرناک نقص کی صورت بنجائے۔ اور نہ ایسا کمال بنی نوع انسان کے لئے نمونہ بن سکتا ہے کیونکہ نمونہ وہی بن سکتا ہے جو طبعی ترقی کا مظہر ہو غیر طبعی ترقی دوسرے کے لئے نمونہ نہیں بن سکتی کیونکہ اس کا حاصل کرنا دوسروں کے لئے ناممکن ہوتا ہے اور نمونہ کے لئے شرط ہے کہ اس کی نقل کرنا ہماری طاقت میں ہو +

رسول کریم کا رتبہ بحیثیت انسان

اس تمہید کے بعد میں اصل مضمون کیطرف آتا ہوں اس امر کے متعلق اپنی تحقیق کو پیش کرتا ہوں کہ رسول کریم صلعم بحیثیت انسان کے کیا رتبہ رکھتے تھے +

انسانی تقاضے نبوت کے منافی نہیں

جو کچھ میں اوپر لکھ آیا ہوں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ (۱) نبوت کمالات انسانیہ کے صحیح ظہور کا نمونہ پیش کرنیکے لئے آتی ہے (۲) پس کامل نبی کے لئے کامل انسان ہونا ضروری ہے (۳) اگر کوئی شخص بعض خواص انسانی کو انکی انتہائی صورت میں دکھاتا ہے تو یہ اسکے کامل انسان ہونے کی علامت نہیں بلکہ بسا اوقات یہ امر اسکے نظام عصبی کی ظاہری یا مخفی خرابی کی علامت ہو سکتا ہے۔ ان امور کو سمجھ لینے کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ انسانی تقاضوں کے پورا کرنے کو نبوت کے منافی سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ نبوت ایک ذہنی کیفیت ہے اور انسانی تقاضوں کا صحیح اور متناسب طور پر پورا کرنا اس کیفیت کا عملی ظہور ہے

جس کے بغیر نمونہ کامل نہیں ہو سکتا یعنی ہماری فطرت کو بدلنے کیلئے نہیں آتا بلکہ فطرت کے تقاضوں کو صحیح اور مناسب طور پر پورا کرنیکے لئے ہمیں عملی سبق دینے کے لئے آتا ہے پس فطرت کے تقاضوں کا کلی ترک اگر بعض دوسرے شخصوں کے لئے جائز بھی ہو سکتا ہے تو نبی کے لئے نہیں کیونکہ وہ نمونہ ہے امت کے لئے۔ اور جسقدر تقاضوں کو وہ ترک کرتا ہے اسی قدر وہ اپنے نمونہ کو ناکمل کر دیتا ہے ؛

انسانوں کیلئے کامل نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جس طرح کامل نبی تھے کامل انسان بھی تھے۔ اور آپ کے اہم کاموں نے آپ کو انسانی جذبات سے غافل نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ ان کے ساتھ ہی ساتھ آپ انسانی تقاضوں کو بھی ایسے رنگ میں پورا کرتے تھے کہ تمام انسانوں کے لئے ایک کامل نمونہ قائم ہو رہا تھا ؛

اچھا کھانا

فطرت انسانی کے کمالات سے ناواقف لوگوں میں یہ عام خیال ہے کہ اچھا کھانا ایک حیوانی فعل ہے اور اعلیٰ روحانی مقامات کے منافی لیکن وہ فطرت انسانی جسے خدا نے پیدا کیا ہے اسکے بالکل برخلاف ہے۔ کھانوں کا انسانی اخلاق سے ایک گہرا تعلق ہے اور مختلف کھانے اپنے تبائی احساسات کو انسانی جسم میں جا کر اخلاقی ہیولانوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کھانے میں میانہ روی کی تو بیشک تعلیم دیتے تھے لیکن عمدہ کھانے سے آپ نے کبھی نہیں روکا۔ بلکہ جب کبھی کسی نے عمدہ کھانا دعوت میں پیش کیا آپ نے اسے استعمال فرمایا۔ ہاں یہ شرط لگا دی کہ کھانے کے متعلق ان امور کو مدنظر رکھو (۱) ایسی طرح کھاؤ کہ چیز ضائع نہ کرو کہ غرباء کو تکلیف ہو (۲) جسوقت ملک میں قحط ہو اور لوگ تکلیف میں ہوں غذا سادہ کر دو تاکہ تمہارے بہت سے کھانوں میں غرباء کا ایک کھانا بھی ضائع نہ ہو جائے (۳) سوائے حقیقی ضرورت کے کھانوں کا ذخیرہ جمع نہ کرو تا غرباء اپنے حصہ سے محروم نہ رہ جائیں

خوش طبعی

انسانی تقاضوں میں سے ایک تقاضا خوش طبعی بھی ہے یعنی ہنسی انسان کے طبعی جذبات میں سے ہے۔ ایک اچھا انسان جو اپنے مجلسوں کے لئے وبال جان نہ بننا چاہتا ہو۔ اسکے لئے خوش مذاق ہونا بھی شرط ہے۔ لیکن دنیا کو یہ ایک وہم ہے کہ جو شخص خدا رسیدہ ہو اس کے لئے نہایت سنجیدہ مزاج اور خاموش رہنے والا ہونا ضروری ہے مسکرانا اس کے درجہ کو گراتی ہے اور ہنسی اس کے تقویٰ کو برباد کر دیتی ہے۔ لیکن انسانیت پر غور کرنیوالا انسان جانتا ہے کہ ہنسی اور خوش طبعی کو انسانی تمدن سے خارج کر کے وہ ایک ایسا ڈھانچ رہ جاتا ہے جو تمام خوشنمائیوں سے معرا ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اپنی تمام سنجیدگیوں کے اور عارضی خوشیوں سے بالا ہونیکے اور باوجود اپنے اس عظیم الشان دعویٰ کے جو آپکے درجہ کو معمولی انسان سے غیر محدود طور پر اونچا کر دیتا تھا اس طبعی جذبہ کو دبانے کی کبھی کوشش نہ کرتے تھے۔ آپ کے درجہ کی بلندی اور رفعت میں کوئی پھوٹ پھوٹ کر خوش طبعی کا انسانی جذبہ ایسے خوشنما طور پر نکل رہا تھا کہ دیکھنے والے کو حیرت ہوتی تھی۔ ایک ایسا شخص جو ایک عظیم الشان دعویٰ کر رہا ہے نہ ماتھے پر تیوری تھی نہ تندخو اور سخت مزاج حاکم کو دیکھنے کی امید رکھتا تھا۔ ایک خوش مذاق اور مسکرانے ہوئے چہرہ کو دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا مجلس اصحاب میں جو جہاں اعلیٰ تعلیمات کا درس دیا جاتا تھا لوگوں کی کوفت کو دور کرنے اور ملال کو کم کرنیکے لئے لطائف بھی بیان ہوتے چلے جاتے تھے کبھی اپنے اصحاب سے پاکیزہ ہنسی بھی ہوتی جاتی تھی بچے آ جاتے تو انکو بہلانیکے لئے کوئی چڑیا چڑے کا قصہ بھی بیان ہو جاتا تھا کبھی بچہ کو خوش کرنے کے لئے اس کے منہ پہ پانی کا باریک چھینٹا دیا جاتا تو اہل خانہ کی دلجوئی کے لئے عرب کی مروجہ کہانیوں میں سے کوئی کہانی بھی سُنا دی جاتی تھی مگر ہاں ان سب امور کے ساتھ ساتھ یہ تعلیم بھی دی جاتی تھی کہ (۱) ہنسی اس رنگ میں نہ کرو کہ دوسرے کی تحقیر یا دل شکنی ہو (۲) ہنسی کو پیشہ یا عادت نہ بناؤ اور اس غرض سے ہنسی نہ کرو کہ لوگ ہنسیں بلکہ جس وقت طبیعت خود بخود اپنے آپ کو پر کیف رنگ میں ظاہر کرنا چاہے آپ ایسا کرنے دو (۳) ہنسی اور مذاق میں جھوٹ نہ ہو بلکہ صداقت کا پہلو محفوظ ہو تا ادنیٰ طبعی جذبات کے ظہور کے وقت اعلیٰ طبعی جذبات کا خون نہ ہوتا چلا جائے ؛

صفائی پسندی

انسانی تقاضوں میں سے ایک تقاضا صفائی پسندی کا ہے جسم کو صاف رکھنا منہ کو صاف رکھنا۔ کپڑوں کو صاف رکھنا۔ اور ایسی اشیاء کا استعمال کرنا جو ناک کی قوت کو صدمہ نہ پہنچانے والی ہوں بلکہ اس کے لئے موجب راحت ہوں۔ اس تقاضا کو بھی لوگوں نے غلطی سے تقویٰ اور نیکی کی اعلیٰ راہوں پر چلنے والوں کے طریق کے خلاف سمجھا ہے اور ایک ایسی راہ اختیار کر لی ہے کہ گویا تو خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ طیب اشیاء فضول جائیں یا خدا کے بندے جو ان طیب اشیاء کو استعمال کریں گنہ گار ٹھہریں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بناوٹی نیکی اور جھوٹے تقویٰ کی چادر کو بھی چاک کر دیا اور حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اور پاک رہنے کو پسند کرتا ہے۔ آپ جہاں رہتے اکثر غسل فرماتے کئی امور کے ساتھ غسل کو آپ نے واجب قرار دیدیا۔ چونکہ انسان اپنے گھر کے اشغال کیوجہ سے صفائی میں سستی کر بیٹھتا ہے اس لئے آپ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے میاں بیوی کے تعلقات کے ساتھ غسل کو واجب قرار دیا۔ پانچوں نمازوں سے پہلے آپ ان اعضا کو دھوتے جو عام طور پر گرد و غبار کا محل بنتے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس امر پر عمل پیرا ہونیکا حکم دیتے۔ کپڑوں کی صفائی کو آپ پسند فرماتے جمعہ کے دن دھلے ہوئے کپڑے پہن کر آنے کا حکم دیتے اور خوشبو کو خود بھی پسند فرماتے۔ اور اجتماع کے مواقع کے لئے خوشبو کا لگانا پسند فرماتے جہاں اجتماع ہوتا ہو چونکہ مختلف قسم کے لوگ جمع ہوتے ہیں متعدی بیماریوں کے اثرات کے پھیلنے کا خطرہ ہوتا۔ آپ وہاں خوشبو از قسم مصالح جات اور ان جگہوں کو صاف رکھنے کا حکم دیتے۔ بدبودار اشیاء سے پرہیز فرماتے اور دوسروں کو بھی اس سے روکتے کہ بدبودار اشیاء کھا کر اجتماع کی جگہوں میں آئیں۔ غرض جسم کی صفائی۔ لباس کی پاکیزگی اور ناک کے احساس کا آپ پورا خیال رکھتے۔ اور دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنیکا حکم دیتے۔ ہاں یہ ضرور فرماتے کہ جسم کی صفائی میں اسقدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ روح کی صفائی کا خیال ہی نہ رہے اور لباس کی پاکیزگی کا اسقدر خیال نہ رکھو کہ ملک و ملت کی خدمت سے محروم ہو جاؤ۔ اور غریب لوگوں کی صحبت سے احتراز کرنے لگو اور کھانے میں اسقدر احتیاط نہ کرو کہ ضروری غذائیں ترک ہو جائیں ہاں یہ خیال رکھو کہ اہل مجلس کو تکلیف نہ ہو تاکہ اچھے شہری مذاق کے لوگ تمہاری صحبت کو ناگوار نہ سمجھیں بلکہ اسے پسند کریں اور اس کی جستجو کریں لوگوں نے کہا کہ صفائی اور خوشبو سے بچو کہ وہ جسم کو پاک مگر دل کو ناپاک کرتی ہے مگر رسول اللہ صلعم نے کہا کہ حبب الیّ الطیب اور ان اللّٰہ یحب المتطھرین مجھے خوشبو کی محبت بخشی گئی ہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ ظاہری اور باطنی صفائی رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے ؛

مرد و عورت کا تعلق

عورت و مرد کا تعلق بھی ایک ایسا طبعی تقاضا ہے کہ دنیا کا تمدن اسی پر مبنی ہے اور وہ گویا دنیا کی ترقی کے لئے بمنزلہ بنیاد کے ہے مگر عجیب بات ہے کہ دنیا کے ایک کثیر حصہ نے اسے بھی روحانیت کے خلاف سمجھ رکھا ہے۔ وہ عورت جو نسل انسانی کے چلانیکی ذمہ وار ہے جس کے بغیر انسان ایک کٹا ہوا جسم معلوم ہوتا ہے جو کسی کام کا نہیں جو مرد کے لئے بطور لباس کے ہے اور جس کے لئے مرد بطور لباس کے ہے اس عورت کو ہاں اس عورت کو ایک ناپاک شے قرار دیا جاتا تھا اور خدا رسیدہ انسان کے لئے جائے اجتناب سمجھا جاتا تھا۔ اور اس طرح گویا پاکیزگی کو انسانیت کے مخالف قرار دیکر خود پاکیزگی کے درخت پر ہی تبر رکھا جاتا تھا۔ کیا یہ واقع نہیں کہ انسان ہی حقیقی پاکیزگی کا مرتفق ہے اور برتن کے بغیر لطیف اشیاء محفوظ رہ ہی نہیں سکتیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو پا کر انسان کو نہیں بھلایا۔ آپ نے شادیاں کیں اور اپنے ملک کے فائدہ اور مسلمانوں کے فائدہ اور بعض دفعہ خود بیویوں کے فائدہ کے لئے ایک سے زیادہ شادیاں کیں اور نہ صرف شادیاں کیں بلکہ جذبات محبت سے اپنی بیویوں کو محروم نہیں کیا۔ اور ان سے اس طرح معاملہ کیا کہ انہیں سے ہر اک نے یہ سمجھا کہ گویا آپ اسی کیلئے ہیں آپ خدا کے تھے اور خدا آپ کا تھا۔ مگر آپ نے کہیں یہ ظاہر نہیں کیا کہ گویا خدا تعالیٰ نے آپ کو دنیا سے نرالا پا کر چن لیا بلکہ آپ نے بتایا کہ خدا تعالیٰ بہتر انسان کو اپنے لئے چنتا ہے چونکہ آپ بہتر انسان تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے آپکو اختیار کر لیا ؛

بیوی کی محبت خدا کی رحمت ہے

دنیا نے کہا کہ تم اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو چھوڑ دو اہلی تعلقات کی بنیاد کو اکھاڑ کر پھینک دو تب تم خدا سے ملو گے مگر محمد رسول اللہ صلعم نے کہا نہیں بلکہ تم اپنے اہل ہی کے ذریعہ سے خدا سے مل سکتے ہو دنیا کا ہر اک ذرہ خدا کی پیدائش ہے اور ہر اک ذرہ تم کو خدا تعالیٰ تک پہنچاتا ہے اور جس چیز کو اس نے جس قدر خوبصورت بنایا ہے اسی قدر واضح طور پر وہ خدا تعالیٰ کے رستہ کیلئے دلیل ہے اور خدا تعالیٰ کی اعلیٰ مخلوقات میں سے عورتیں بھی ہیں اسی وجہ سے حبب الیّ من دنیاکم النساء مجھے دنیوی چیزوں میں سے بیویوں کی محبت خدا تعالیٰ کیطرف سے بطور تحفہ کے ملی ہے اور خیرکم خیرکم لاھلہ یعنی تم میں سے بہتر لوگ وہی ہو سکتے ہیں جو اپنی بیویوں اور بچوں سے زیادہ نیک سلوک کریں۔ اور انکے احساسات کا خیال رکھیں کیا ہی عجیب فرق ہے دنیا نے کہا کہ خدا نے عورت کو ایک خوبصورت سانپ بنا کر پیدا کیا ہے اور انسان کو ہوشیار کیا ہے

کہ اسکی خوبصورتی کیطرف نہ دیکھے بلکہ اس کے زہد سے۔ پھر محمد رسول اللہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالے نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بیویوں سے محبت کروں اور جو رحمتیں اس نے مجھ پر کی ہیں ان میں سے ایک رحمت یہ ہے کہ میرے دلمیں اپنی بیویوں کی محبت پیدا کردیگئی ہے لوگوں نے کہا کہ عورتوں سے دور بھاگو اور انکے فریبوں سے بچو۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں سے محبت کرو۔ اور ان سے محبت کرکے خدا تعالیٰ تک پہنچو کیونکہ جس طرح خدا تعالیٰ نے ماں کے قدموں کے نیچے جنت بنائی ہے اسی طرح بیوی کی دُعا کو بھی اپنے قرب کا ذریعہ بنایا ہے پس اسکے دلکو خوش کرو خدا تعالیٰ تم سے خوش ہوگا +

بیویوں کے احساسات کا خیال رکھو

آپ عملاً اس حکم پر عمل کرتے۔ اپنی بیویوں کے سب احساسات کا خیال رکھتے۔ گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ ان سے پیار کرتے انکی دلدہی کے لئے باریک در باریک راہیں تلاش کرتے ایک بیوی نے ایک گلاس سے پانی پیا تو اسی جگہ پر منہ رکھکر خود پانی پی لیا۔ ایک بیوی کو جو یہودیوں سے تھی دوسری نے غصہ میں یہودن کہہ دیا تو آپنے فرمایا کیوں نہیں کہتیں کہ میں یہودن نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے نبیوں کی اولاد ہوں۔ اگر کوئی بیمار ہوتی تو آپ اسکی بیماری کو اپنی بیماری سمجھتے اور اس سے بھی زیادہ اسکے درد کو محسوس کرتے انکے جذبات کا خیال رکھتے۔ اور انہیں اپنے عزیزوں سے جُدا نہ کرتے بلکہ تعلق بڑھانے میں مدد کرتے۔ اپنی ایک بیوی اُم حبیبہؓ کے گھر میں آپ داخل ہوئے وہ اپنے بھائی معاویہؓ کو جو بعد میں بادشاہ اسلام ہوئے پیار کر رہی تھیں۔ آپنے اس امر کو ناپسند نہیں فرمایا بلکہ محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور بہن بھائی کی محبت کو طبعی تقاضوں کا ایک خوبصورت جلوہ تصور فرماتے ہوئے پاس بیٹھ گئے اور پوچھا اُم حبیبہ کیا معاویہ تمہیں پیارا ہے ام حبیبہ نے جواب دیا۔ ہاں فرمایا اگر یہ تمہیں پیارا ہے تو مجھے بھی پیارا ہے۔ بیوی کا دل اس جواب کو سنکر کس قدر خوشی سے اچھلا ہوگا کہ میرے رشتہ داروں کو یہ غیریت کی نگہ سے نہیں بلکہ میری نگہ سے دیکھتے ہیں اور مجھ سے اسقدر محبت رکھتے ہیں کہ جو مجھے جس قدر پیارا ہو اسی قدر انکو بھی پیارا ہوتا ہے گویا وہی نظارہ ہے کہ

ع من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

مگر باوجود انسانیت کے اس کامل اور اتم نظارہ کے محمد صلعم کلی طور پر اور سر سے پا تک خدا کے تھے۔ اور اپنی بیویوں کو بھی اسی کا اور خالص اسی کا بنانا چاہتے تھے +

بقائے نسل کا جذبہ

انسانی فطرت بقائے نسل کے جذبہ سے نہایت ہی گہرے طور پر رنگین ہے جونہی ایک عورت کامل جوان ہوتی ہے اولاد کی خواہش خواہ الفاظ میں پیدا نہ ہو مگر تاثیرات کے ذریعہ سے ظاہر ہونے لگتی ہے صحیح القویٰ مرد خواہ کس قدر ہی آزاد کیوں نہ ہو اپنی علیحدگی کی گھڑیوں میں اسکی طرف ایک زبردست رغبت پاتا ہے مگر باوجود اس کے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ خدا رسیدوں کو اولاد سے کیا تعلق۔ وہ نہیں سمجھتے کہ اگر اولاد سے انکو تعلق نہیں تو اولاد کی تربیت جو نسل انسانی کا ایک اہم ترین فرض ہے اس میں دنیا کا رہنما کون ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولاد ہوئی اور آپنے اس اولاد پر فخر کیا اسکی محبت کو چھپایا نہیں اسے خدا کی ایک رحمت قرار دیا۔ اولاد سے بے تعلقی کا اظہار نہیں کیا اسکی طرف توجہ کی اور اسکی تربیت کا خیال رکھا۔ اس سے بے اعتنائی نہیں ظاہر کی بلکہ اس سے محبت کرنے کو خدا تعالے کے مقدس فرائض میں سے قرار دیا جب وہ ناسمجھ تھی اسکی پرورش کی جب وہ چھوٹی تھی اسکی تربیت کی جب وہ بڑی ہوئی اسے تعلیم دلائی اور جب وہ اپنے گھر بار کی مالک ہو گئی اس کا ادب کیا اور اپنی محبت کا مقر اسے بنایا ایک دفعہ آپ کا ایک نواسہ بیمار ہوا اس کے دیکھنے کے لئے آپکی صاحبزادی نے آپکو بلایا اسکی حالت اسوقت سخت تکلیف کی تھی اور زندگی کی آخری گھڑیوں کو نہایت اضطراب اور دکھ کے ساتھ وہ طے کر رہا تھا۔ آپنے اسے ہاتھوں میں لیا اور اسکے اضطراب کو دیکھا آنکھیں فرط محبت اور وفور رحمت سے پُرنم ہو گئیں۔ ایک شخص جو اس حقیقت سے ناواقف تھا کہ نبی کے لئے یہی ضروری نہیں کہ ہمیں خدا کی باتیں سکھائے بلکہ اس کا یہ بھی کام ہے کہ وہ ہمارے لئے کامل نمونہ ہو انسانیت کا مکمل نقشہ ہو بشریت کا۔ اس امر کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور بے اختیار ہو کر بولا یا رسول اللہ آپ تو ہمیں صبر کا سبق دیتے ہیں اور آج خود آپکی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں آپنے اسکی طرف دیکھا اور فرمایا تمہارا دل شاید رحم سے خالی ہوگا مجھے تو اللہ تعالے نے رحمدل بنایا ہے۔ کیا لطیف سبق ایک ہی فقرہ میں دیدیا کہ اولاد کی محبت اور انکی تکلیف کا احساس تو انسانیت کے اعلے جذبات میں سے ہے خدا کا نبی ان جذبات سے خالی کیونکر ہو سکتا ہے وہ دوسروں کے لئے [illegible] نمونہ ہوتا ہے جس طرح اور اعلے درجہ کے اخلاق میں نمونہ ہے +

اولاد کی تکریم

آپ کی اولاد میں سے آخر عمر میں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زندہ رہ گئی تھیں جب کبھی وہ آپکی خدمت میں حاضر ہوتیں آپ کھڑے ہو جاتے بوسہ دیتے اور اپنے پاس بٹھا لیتے۔ آپ کی اولاد کھیلتی ہوئی پاس آجاتی تو گود میں اٹھا لیتے پیار کرتے اور انکی عمر کے مطابق نصیحت کرتے اور اخلاق کا کوئی عمدہ سبق دیتے۔ غرض آپ نے اس جذبۂ انسانیت میں بھی ایک اعلیٰ نمونہ ہمارے لئے قائم کیا ہے۔ ہاں اولاد کی محبت کے ساتھ ساتھ آپ یہ تعلیم بھی دیتے تھے اور اسپر عمل بھی کرتے تھے کہ اولاد کی محبت انسان کو اسکے ان فرائض سے غافل نہ کرے جو خدا تعالیٰ کیطرف سے اسپر عائد ہیں اور نہ خود اولاد کی اصل ذمہ داری کو جو اعلیٰ پرورش اعلیٰ تربیت اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ رہنمائی پر مشتمل ہے اسکی نظروں سے اوجھل کرے +

صحت کی درستی اور ورزش کا خیال

انسانی روح اور جسم کا ایسا جوڑ ہے کہ ایک کی خرابی دوسرے پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں بھی ہمارے لئے ایک عمدہ مثال قائم کی ہے اور نیکی و تقویٰ کو صحت کی درستی اور ورزش کا خیال رکھنے کے خلاف نہیں قرار دیا ہے تاریخ بتاتی ہے کہ آپ اکثر شہر سے باہر باغات میں جا کر بیٹھتے تھے۔ گھوڑے کی سواری کرتے تھے اپنے صحابہ کو کھیلوں وغیرہ میں مشغول دیکھ کر بجائے انپر ناراضگی کا اظہار کرنیکے انکی ہمت بڑھاتے تھے ایک دفعہ آپ نے اپنے احباب کو تیر اندازی کا مقابلہ کرتے دیکھا تو خود بھی اس مقابلہ میں شامل ہونیکی خواہش ظاہر کی۔ مرد تو مرد ہے۔ آپ عورتوں کو بھی ورزش کرنے کی ترغیب دیتے تھے چنانچہ کئی دفعہ آپ اپنی بیویوں کے ساتھ مقابلہ پر دوڑے اور اس طرح عملاً عورتوں اور مردوں کو ورزش جسمانی کی تحریک کی۔ ہاں آپ اس امر کا خیال ضرور رکھتے تھے کہ انسان کھیل ہی کی طرف راغب نہ ہو جائے اور اس امر کی تعلیم دیتے تھے کہ ورزش مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہونا چاہیئے نہ کہ خود مقصد +

دنیا کے لئے اُسوۂ حسنہ

غرض انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعلےٰ نمونہ دکھا کر اور بے نظیر مثال قائم کرکے اس امر کو ثابت کر دیا کہ آپ کی زندگی دنیا کے لئے ایک اُسوۂ حسنہ تھی کیونکہ اگر آپ صرف خدا تعالیٰ کی عبادت یا اعلیٰ فلسفیانہ تعلیمات کی اشاعت کیطرف متوجہ ہوتے تو ہر اک سمجھدار انسان کے دلمیں یہ خیال پیدا ہوتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غیر معمولی دل و دماغ کے انسان تھے اور ان جذبات سے عاری تھے جو عام انسان کے دلمیں موجود رہتے ہیں اور اس وجہ سے باوجود اپنے اعلیٰ تقویٰ کے وہ بنی نوع انسان کے لئے نمونہ نہیں بن سکتے لیکن آپکی ساری زندگی اس شبہ کا ازالہ کرتی ہے۔ آپ ہماری ہی طرح کے جذبات رکھتے تھے اور ہماری ہی طرح کی ذمہ واریاں اور پھر آپ ان ذمہ واریوں سے بزدلانہ طور پر آنکھیں نہیں بند کر لیتے تھے بلکہ آپ ان ذمہ واریوں کی اہمیت کو محسوس کرتے تھے اور انکے ادا کرنے کو اپنا اہم فرض سمجھتے تھے اور ان ذمہ واریوں کو ادا کرتے ہوئے ایسا اعلے درجہ کا نمونہ دکھاتے تھے کہ ہر ایک انسان محسوس کرتا تھا اور کرتا ہے اور کرتا رہیگا کہ اس نمونہ کی تقلید سے وہ کسی عذر اور بہانے سے بچ نہیں سکتا یہاں ایک ایسا شخص ہے جو اسی کی طرح کے جذبات اور اسی کیطرح کے احساسات لیکر پیدا ہوا ہے اور اپنے جذبات اور احساسات کو کچلتا نہیں بلکہ انہیں ایک بہادر آدمی کیطرح پورا کرنیکی کوشش کرتا ہے۔ ایک ایسا انسان ہے جس کے راستہ میں وہ سب مشکلات ہیں جو دوسرے انسانوں کے راستہ میں حائل ہوتی ہیں اور وہ ان سب مشکلات کو دُور کرتا ہوا اپنا بوجھ خود اٹھائے ہوئے تقوٰے اور طہارت کے اس پل پر سے جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے نڈر اور بیخوف گذر جاتا ہے اور ایک آنچ ہاں ایک خفیف سی آنچ بھی اسے نہیں آتی۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اسکا قدم نہیں لڑکھڑاتا۔ پس جب وہ انسان ہمارے جیسا انسان اس کام کو جسے لوگ ناممکن خیال کرتے تھے اور کرتے ہیں اس خوبی سے سرانجام دے سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم اسکے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کام کو نہ کر سکیں +

رسول کریم کی انسانیت کیطرف کلام الہٰی میں اشارہ

خدا تعالےٰ کس لطیف پیرایہ میں محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانیت کیطرف اشارہ کرتا ہے جب وہ فرماتا ہے کہ اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منہم ان انذر الناس وبشر الذین اٰمنوا ان لھم قدم صدق عند ربھم (یونس ع) کیا لوگوں کو اس پر تعجب آتا ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص پر یہ جانتے ہوئے وحی نازل کی کہ لوگوں کو ہوشیار کرے۔ اور ان لوگوں کو جو مان لیں خوشخبری دے کہ ان کے رب کے

حضور میں انہیں ایک ہمیشہ قائم رہنے والا درجہ حاصل ہے محمد رسول اللہ ہم میں سے ایک انسان ہے اسی لئے اس کے نقش قدم پہ چلنے میں ہمیں کوئی عذر نہیں ہو سکتا جو امر اس کے لئے ممکن ہے وہ دوسرے انسانوں کے لئے بھی ممکن ہے وہ ایسا نبی نہیں جو انسانیت کو نظر انداز کرکے اپنے مقام کو حاصل کرتا ہے بلکہ ایسا نبی ہے جو انسانیت کو کامل کرتے ہوئے اور اس کے دروازہ میں سے گزرتے ہوئے نبی بنتا ہے اس کا ایک ہاتھ خدا کی طرف ہے جو اس کا پیدا کرنے والا اور اسے ترقیات عطا فرمانیوالا ہے اور وہ اسکی برکتوں اور اس کے فضلوں کو مانگتا ہے اور دوسرا ہاتھ اپنے ہم جنسوں اور بھائیوں کی طرف ہے جنہیں وہ ہمت کرنے اور اپنے پیچھے پیچھے چلے آنے اور خدا تعالیٰ کی جنت میں داخل ہونے کا وعدہ دے رہا ہے اور کیوں نہ ہو کہ وہ کان قاب قوسین او ادنیٰ کا مظہر ہے۔ خدا کی لاکھوں کروڑوں برکتیں نازل ہوں تجھ پر اے کامل انسان جس نے ہمیں کشمکش و پیچ کی زندگی سے نجات دلا کر اس یقین پر قائم کیا کہ انسانیت تقویٰ کے خلاف نہیں بلکہ وہ تقویٰ کے حصول کا ایک ذریعہ اور خدا تعالیٰ کے وصال کا ایک موجب ہے۔ تیرا درجہ بلند ہو کہ تو جسقدر خدا کے قریب ہوا۔ اسی قدر ہمارے نزدیک ہوا۔ یقیناً تو ہمارا ہے اور ہم تیرے ہیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

شکریہ اور معذرت

محض خدا تعالیٰ کے فضل اور حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کی توجہ عالی کا نتیجہ ہے کہ "الفضل" کا مختصر عملہ معمولی اخبار کو باقاعدہ شائع کرنے کے ساتھ "خاتم النبیین" نمبر تیار کرکے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے "الفضل" کا یہ خاص نمبر کیا بلحاظ مضامین اور نظموں کے اور کیا بلحاظ لکھائی چھپائی اور کاغذ جو حیثیت رکھتا ہے وہ ناظرین کے سامنے ہے اور وہی اس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ پرچہ مرتب کرنے میں بفضل ایزدی کتنی عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ میں تمام ان اصحاب کا جنہوں نے کسی نہ کسی رنگ میں امداد فرمائی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ افسوس میرے لئے اتنی بھی گنجائش نہیں کہ ان کرم فرما اصحاب کا نام بنام شکریہ ادا کر سکوں اور اگر یہ تھوڑی سی جگہ میسر نہ آجاتی تو شائد میں اتنا بھی نہ لکھ سکتا ✦

مجھے جس بات کا بہت رنج اور صدمہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ کئی ایک نہایت قیمتی اور اعلیٰ پایہ کے مضامین بوجہ اس کے کہ دیر سے پہنچے۔ شائع نہ ہو سکے۔ اور کئی ایک مضامین عدم گنجائش کی وجہ سے روکنے پڑے۔ میں تمام ان حضرات اور خواتین ... مضامین شائع کرنے سے معذور رہا۔ معافی خواہ ہوں ✦

ایڈیٹر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ جوانی

از سیدہ مریم بیگم صاحبہ حرم حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ

کہتے ہیں جوانی دیوانی۔ جب آدمی جوان ہوتا ہے۔ تو اسے سوائے اپنے آرام کے اور کسی چیز کا خیال نہیں ہوتا۔ بچپن کی عمر کی غفلت سے نکل کر دنیا کے مزے اُٹھانے کا خیال اسے آرام سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ اور موت اور بڑھاپے کے خیال کو وہ پاس نہیں آنے دیتا۔ بس پھر کیا ہے جس قدر ہو سکے۔ دنیا کے مزے لوٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور سمجھتا ہے۔ ایک ایک دن جو عیش و آرام میں نہیں کٹتا۔ ضائع ہو رہا ہے ✦

رسول کریمؐ کی جوانی

یہی جوانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی آئی۔ بلکہ بہت سے لوگوں سے زیادہ آئی۔ کیونکہ عام طور پر لوگوں پر جوانی کا زمانہ اپنے ماں باپ کی زندگی میں آتا ہے۔ اور ان کے دباؤ کے نیچے وہ بہت سی ایسی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ جن میں اگر ماں باپ کا دباؤ نہ ہو۔ تو وہ ضرور مبتلا ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔ والدہ تھیں۔ سو وہ بھی آپ کے بچپن ہی میں خدا کے گھر سدھار گئیں۔ پہلے دو سال دادا نے پالا پھر چچا کے گھر میں پلے۔ پس ماں باپ کا دباؤ آپؐ پر نہ تھا۔ چچا تھے مگر کہاں ماں باپ کا دباؤ کہاں چچا کا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ دباؤ بھی نہ تھا جو اکثر نوجوانوں پر ہوتا ہے۔

رسول کریمؐ کی صحت

ایک دباؤ بعض نوجوانوں پر ان کی صحت کی خرابی کا ہوتا ہے۔ نوجوانی تو آتی ہے۔ مگر نہ آنے کے برابر۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے دل میں کوئی اُمنگ نہیں ہوتی۔ ہنسنے کھیلنے کو دل تو چاہتا ہے۔ شوخی و شرارت کی تڑپ تو ہوتی ہے۔ مگر نہ وہ جوش و خروش ہوتا ہے جو کھیل کود کو مزیدار بناتا ہے۔ اور نہ وہ طاقت اور قوت ہوتی ہے۔ جو اس خواہش کو پورا کرنے کے سامان مہیا کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں یہ روک بھی نہ تھی۔ آپؐ خدا تعالیٰ کے فضل سے نہایت ہی تندرست اور قوی جوان تھے۔ صحت خاص طور پر درست تھی بجوانی توانگر ہی۔ بڑھاپے میں بھی آپؐ کم بیمار ہوتے تھے۔ بلکہ کہتے ہیں۔ ۶۳ سال کی عمر میں صرف چند سفید بال تھے۔ جو آپ کی کنپٹیوں کے اوپر کے بالوں میں ظاہر ہوئے تھے۔ کوئی چیز نہ تھی۔ جو آپؐ کو دوسرے نوجوانوں کی طرح لااُبالی زندگی بسر کرنے سے روکتی مگر باوجود ماں باپ کے نہ موجود ہونے کے اور تندرستی اور صحت کے آپؐ نے کبھی اپنا وقت لغویات میں ضائع نہیں کیا۔ اور اپنے ہم عمروں کے ساتھ بیٹھ کر بیہودہ باتوں میں نہیں خرچ کیا۔ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے ایک عورت ہونے کی حیثیت میں ایک عورت ہی کی شہادت کو پیش کرتی ہوں جس سے زیادہ زبردست شہادت اور کوئی نہیں ہو سکتی ✦

حضرت خدیجہؓ کی پاکیزہ زندگی

جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوان تھے۔ اور اپنی عمر کے بائیسویں سال سے گذر رہے تھے۔ اس وقت مکہ میں ایک نیک خاتون رہتی تھیں۔ ان کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اور وہ بیوہ تھیں۔ دو دفعہ نکاح کر چکی تھیں۔ پہلے ابوہالہ سے اور پھر عتیق سے۔ اور دونوں دفعہ خدا تعالیٰ کی مرضی سے انہیں چند ہی سال میں بیوہ ہونا پڑا۔ خاندان کے لحاظ سے بہت معزز تھیں۔ اور مال کے لحاظ سے مکہ کے اچھے مالدار لوگوں کے برابر ان کے پاس دولت تھی جس کو وہ عیش و آرام میں خرچ نہیں کرتی تھیں۔ ان کے غلام تجارت کا مال لے کر شام تک جاتے تھے۔ اور ہزاروں روپیہ کما کر لاتے تھے نیکی اور تقویٰ میں ایسی مشہور تھیں۔ کہ اسلام سے پہلے بھی انہیں مکہ کے لوگ طاہرہ کہہ کر پکارتے تھے۔ کیونکہ وہ ہر قسم کی فضول باتوں سے بچتی تھیں۔ اور گندی باتوں سے پرہیز کرتی تھیں۔ ان نیک بی بی کا نام خدیجہؓ تھا ✦

حضرت خدیجہؓ کا تجارتی کاروبار

ان کو اپنے تجارتی کاروبار کے لئے ہوشیار اور دیانتدار کام کرنے والوں کی ضرورت رہتی تھی۔ وہ بڑے بڑے واقف اور تجربہ کار رشتیوں کے ذریعہ سے تجارت کا کاروبار کراتی تھیں۔ ایک دفعہ مکہ کا قافلہ تجارت کے لئے شام کو روانہ ہونے لگا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے آپؐ سے کہا۔ کہ میں غریب آدمی ہوں۔ اور آپؐ کی اس قدر مدد نہیں کر سکتا جس قدر کہ کرنی چاہیئے۔ خدیجہؓ ایک مالدار عورت ہے۔ اور بہت سے لوگوں کو نفع کا حصہ مقرر کرکے تجارت کے لئے مال دیتی ہے۔ اگر آپؐ بھی اس سے پوچھیں۔ تو شائد وہ کچھ مال آپ کو بھی تجارت کے لئے دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا غیرت و شرم والا انسان بھلا اس امر کو کب برداشت کر سکتا تھا۔ کہ خود سوال کرے۔ آپؐ نے جواب دیا۔ کہ خود درخواست کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ شاید خود ہی خدیجہؓ کو اس امر کا خیال آجائے۔ اور وہ خود ہی کہلا بھیجیں ✦

رسول اللہ کا تجارت کیلئے جانا

اس گفتگو کو کسی نے خدیجہؓ تک پہنچا دیا۔ انہوں نے سنکر جواب دیا کہ مجھے خیال نہ تھا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کام کو منظور کریں گے اس لئے میں نے ان سے نہیں کہا تھا۔ اور فوراً آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میری طرف سے تجارت کے لئے جائیں۔ اور میں چونکہ آپ کی دیانت پر پورا بھروسہ رکھتی ہوں۔ اگر آپ جائیں۔ تو جو حصہ نفع کا میں دوسروں کو دیا کرتی ہوں۔ اس سے دُگنا آپؐ کو دونگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے مشورہ سے اس بات کو منظور کر لیا۔ اور خدیجہؓ نے بجائے مختلف لوگوں کو مال دینے کے سب مال آپؐ ہی کو دیا۔ اور نفع بھی دُگنا مقرر کیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں۔ کہ دوسرے لوگ خیانت کرتے ہیں۔

آپ خیانت نہیں کرینگے۔ اور سب نفع انہی کے ہاتھ میں آئے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس سے پہلے کبھی اس قسم کا تجارتی کام کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اور ابھی آپ کی عمر بھی کیا تھی۔ صرف پچیس سال کا سن تھا۔ جو کہ عام طور پر بڑے کاموں کے قابل نہیں سمجھی جاتی۔ اس وقت خدیجہؓ کا آپ کو اپنے کام کے لئے چننا۔ اور پرانے اور تجربہ کار تاجروں کی موجودگی میں چننا۔ اور پھر مکہ ہی میں نہیں۔ بلکہ مکہ سے دور شام کے ملک میں سینکڑوں کوس فاصلہ پر انہیں تجارت کے لئے بھیجنا۔ اور پھر نفع بھی دوگنا مقرر کرنا ثابت کرتا ہے۔ کہ اس عین جوانی کے عہد میں بھی آپ کی دانشمندی اور پارسائی کی شہرت اس قدر ہو چکی تھی۔ کہ اپنے ہم مجلسوں سے نکلکر اور محلہ سے گذر کر تمام شہر میں پھیل گئی تھی۔ اور مرد تو مرد گوشہ نشین عورتیں تک واقف ہو گئی تھیں خیر تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت خدیجہ رضؓ نے بہت سا مال دے کر شام تجارت کے لئے بھیجا۔ اور ساتھ اپنے ایک ہوشیار غلام کو جس کا نام میسرہ تھا۔ روانہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہوشیاری سے کام کیا۔ کہ جسقدر نفع پہلے آیا کرتا تھا۔ اس سے بہت زیادہ آیا۔ باوجود اس کے دیانتداری کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اگر حضرت خدیجہؓ کے مال کی حفاظت کی۔ تو ساتھ ہی ان لوگوں کے حق کا بھی خیال رکھا۔ جو آپ سے لین دین کرتے تھے۔ اس بات کا اثر میسرہ پر بہت ہوا۔ انہوں نے واپس آکر حضرت خدیجہؓ کو سب حال سنایا۔

شادی کا پیغام

حضرت خدیجہ کو میسرہ پر بہت اعتبار تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف تو پہلے ہی سن چکی تھیں۔ اور ذاتی نیکی کا حال تو انہیں پہلے ہی معلوم تھا۔ اب جو میسرہ نے یہ سنایا۔ کہ آپ کا دوسروں کے ساتھ معاملہ بھی بےنظیر ہے۔ تو آپ کے دل نے محسوس کیا۔ کہ وہ جوان جو نیکی اور تقویٰ اور عقل میں بوڑھوں سے بھی آگے نکلا ہوا ہے۔ ضرور کچھ ہو کر رہیگا۔ انہوں نے حضرت اپنی ایک سہیلی نفیسہ کے ذریعہ آپ کو شادی کا پیغام بھیج دیا۔ اس کے بعد آپ کو بلوا کر بھی اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

پاکیزہ جوانی

ایک چالیس سالہ عورت کا جو کہ صاحب اولاد بھی تھیں۔ ایک اکیس یا پچیس سالہ نوجوان کو جس کے پاس کوئی جائداد نہ تھی۔ اس طرح شادی کا پیغام دینا۔ ایک زبردست شہادت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جوانی نہایت ہی پاک جوانی تھی۔ جس کے حالات سے جس قدر کوئی واقف ہوتا۔ اسی قدر آپ کی صحبت کو دوسری سب چیزوں پر ترجیح دیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ جو خود طاہرہ یعنی پاکیزہ کے نام سے مشہور تھیں۔ اور جن کی نیکی کی مکہ بھر میں دھوم تھی اور بڑے بڑے رئیس جن سے شادی کی درخواستیں کر کے محروم رہ چکے تھے۔ باوجود عمر کے بہت بڑے فرق کے لوگوں کے طعن وتشنیع کی بالکل پرواہ نہ کر کے آپ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہو گئیں۔ اور خود ہی اپنی ایک سہیلی کے ذریعہ پیغام بھی بھجوا دیا۔ اور باوجود اس کے کہ بعض نہایت ہی قریبی رشتہ دار سخت مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے ان کی پرواہ نہ کی۔ اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے مشورہ سے شادی پر رضامندی ظاہر کی۔ تو جھٹ آپ سے نکاح کر لیا۔

شادی کی غرض کیا تھی

یہ شادی تو ہو گئی۔ مگر کئی دفعہ شادیاں بے سوچے سمجھے ہو جاتی ہیں پس اب ہمیں دیکھنا چاہئے۔ کہ کیا اس شادی سے وہ امیدیں پوری ہوئیں۔ جو خدیجہؓ کو تھیں؟ آخر چالیس سال کی عمر میں ایک غریب نوجوان سے شادی کرنا بلاوجہ تو نہ تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ شادی نفسانی خواہشات کے ماتحت تھی۔ کیونکہ شادی کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضؓ کے مال کو غرباء میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ اور حضرت خدیجہؓ نے بجائے اس پر خفا ہونے کے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور سب مال آپ کے سپرد کر دیا۔ کہ جس طرح چاہیں۔ خرچ کریں۔ پھر آپ نے گھر کی زندگی کو ترک کر دیا۔ اور عبادت کے لئے شہر سے دور ایک جگہ پر جانا شروع کیا۔ اگر نفسانی خواہشات کے لئے شادی ہوتی تو حضرت خدیجہؓ برا مناتیں۔ اور آپس میں جھگڑا پیدا ہو جاتا۔ مگر خدیجہؓ نے بجائے ناراض ہونے کے اس میں بھی آپ کی مدد کی۔ اور محبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے کھانا پکا دیا کرتی تھیں۔ تاکہ آپ کئی کئی دن پہاڑ میں جا کر خدا کی عبادت کر سکیں۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت خدیجہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل اعتبار رہتا۔ اور وہ جانتی تھیں۔ کہ آپ کا دنوں گھر سے غائب رہنا کسی نفسانی غرض سے نہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ کی عبادت کے لئے ہے۔

حضرت خدیجہؓ کا ایمان لانا

ان ایام جوانی میں آپ نے جیسی پاک زندگی بسر کی۔ اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے۔ کہ سب سے پہلے آپ کے دعوے کے موقعہ پر آپ کی بیوی ایمان لائیں۔ اور جب آپ پر ایک عظیم الشان کام کا بوجھ ڈالا گیا۔ تو حضرت خدیجہؓ نے ان الفاظ میں آپ کو تسلی دی۔ کہ خدا کی قسم آپ کو خدا تعالےٰ ضائع نہیں کریگا۔ کیونکہ آپ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں مصیبتوں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور تاریخ میں لکھا ہے جب بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمن آپ کی باتوں کو جھٹلاتے تھے حضرت خدیجہؓ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتیں۔ آپ کو تسلی دیتیں اور لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ کرنے سے روکتی تھیں۔ اور فرمایا کرتی تھیں۔ لوگ خوب جانتے ہیں۔ کہ آپ سچے ہیں۔ صرف حسد کے مارے ایسی باتیں کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کی پہلی اولاد کا ایمان لانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاکیزہ جوانی کی اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو میں نے اوپر بیان کی ہے۔ مگر میں ایک اور بات بھی بیان کرنے سے نہیں رک سکتی۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شادی سے پہلے حضرت خدیجہؓ صاحب اولاد تھیں اس اولاد سے جو سلوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس سے بھی آپ کی جوانی کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ اس سلوک کی تفصیل میں پڑنے کی بجائے اس کے نتیجہ کو ہمیں دیکھ لینا چاہیئے۔ جو یہ ہے۔ کہ حضرت خدیجہ رضؓ کی پہلی اولاد بھی آپ پر ایمان لائی۔ اور آپ کی خاطر انہوں نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ کا سب سے بڑا بیٹا ہند برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جنگوں میں شریک رہا۔ اور آخر حضرت علیؓ کے زمانہ میں ایک لڑائی میں مارا گیا۔

اسی طرح آپ کا دوسرا بیٹا ہالہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لایا۔ آپ کا جو سلوک ان بچوں سے تھا۔ اس کا پتہ حضرت عائشہ رضؓ کی اس روایت سے بھی ملتا ہے۔ کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سو رہے تھے۔ کہ ہالہ کہیں باہر سے آئے۔ سوتے ہی میں ان کی آواز آپ کے کان میں پڑ گئی۔ آپ بے اختیار اٹھ بیٹھے۔ اور فرمایا ہالہ آ گئے۔ ہالہ آ گئے۔ اور اٹھ کر انہیں گلے سے لگا لیا۔

پس حضرت خدیجہ رضؓ کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوتیلے بیٹوں کی عملی شہادت بھی بتا رہی ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی ایک بےنظیر جوانی تھی۔ اور دنیا کے لئے نمونہ۔

اپنے ملک کو رسول کریمؐ نے کس حالت میں پایا

(از محترمہ اہلیہ صاحبہ چوہدری علی اکبر صاحب اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس صاحب)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزول سے قبل دنیا کی حالت تمام پہلی امتوں سے زیادہ خراب ہو چکی تھی۔ ملک عرب میں ایک وحشی قوم آباد رہتی۔ جو تعصب اور نافرمانیوں میں حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی۔ حیوانوں کی طرح اپنی زندگی بسر کرتی تھی۔ نہ باپ کی عزت نہ ماں کی حرمت کا خیال تھا۔ باپ کی عورتوں یعنی اپنی ماؤں کو ورثہ میں تقسیم کر لیتے تھے۔ شراب اور قمار بازی توان کا روزانہ شغل تھا۔ بت پرستی۔ دیوانگی تعصب اور نافرمانیاں ان کا شیوہ تھا۔ گلی کوچوں میں نہایت گندے شعر پڑھتے پھرتے تھے۔ دختر کشی پر بہت عمل کرتے تھے۔ لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اسے زندہ گاڑ دیتے تھے۔ اپنی عورتوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے۔ عورت ایک ناپاک ہستی تصور کی جاتی تھی۔ سخت سے سخت تکلیفیں اسے دیجاتی تھیں۔ جب چاہتے۔ طلاق دیدیتے۔ اور جب چاہتے تغیر کر لیتے ذرا سی بات پر ایک دوسرے کو قتل کر ڈالتے تھے۔ خدائے واحد کے نام سے بالکل بےخبر تھے۔ اپنے حقیقی معبود کو بھول کر ہر ایک قبیلہ نے جدا جدا معبود بنا لئے تھے۔ کوئی لات اور عزیٰ کو پوجتا تھا۔ یہاں تک کہ خدا کی محبوب ترین چیز یعنی حرم کعبہ میں تین سو ساٹھ بت بنا کر رکھے ہوئے تھے۔ وہی کعبہ جسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا۔ جس کے معمار خدا کے برگزیدہ نبی تھے وہاں بت رکھے تھے۔ زمین عرب کے ریگستان میں ایک وحشی قوم آباد تھی۔ جو دین اور دنیا دونوں لحاظ سے تاریکی میں غرق تھی۔ ان کی زندگی نہایت لغو کاموں میں بسر ہوتی تھی۔ جب سیل کفر وضلالت میں توحید کی ناؤ اس طرح ڈگمگا رہی تھی۔ تو یکایک غیرت حق نے جوش مارا اور ناگہاں فاران کی چوٹیوں سے ابر رحمت نمودار ہوا۔ رحمت کی گھٹائیں موسلا دھار برسنے لگیں۔ جن سے ویرانے آباد ہو گئے۔ اور تاریک دلوں نے نور توحید سے اپنے سینوں کو منور کیا۔ وہی عرب جو اپنی وحشیانہ حرکتوں میں بےنظیر تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم سے ایسے مہذب اور باخدا انسان بن گئے۔ کہ انہوں نے اپنے مال اور جان تک خدا کی راہ میں دینے سے دریغ نہ کیا۔ اور دین اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا۔ طرح طرح کے دکھ اور تکلیفیں دین کے پھیلانے میں سہیں۔ اور آج ان کے نام ستاروں کی طرح روشن ہیں۔

اہم مضامین پر اخبار میں قلم اٹھانیکے یہی معنی ہوا کرتے ہیں کہ انکے کسی ایک پہلو پر روشنی ڈالی جائے ورنہ جو مضامین کہ سینکڑوں صفحات کے محتاج ہیں انہیں ایک دو صفحات میں لے آنا یقیناً انسانی طاقت سے بالا ہے میں بھی مذکورہ بالا مضمون کے متعلق جو اپنی تفصیلات کے لئے بیسیوں جلدات کا محتاج ہے بلکہ پھر بھی ختم نہیں ہو سکتا یہی طریق اختیار کرونگا ✦

خدا تعالےٰ کا کلمہ

انبیاء خدا تعالیٰ کا کلمہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً (کہف) تو کہدے کہ اگر سمندر سیاہی بنجائیں اور ان سے میرے کلمات کی توضیح اور تشریح کیجائے تو سمندر ختم ہو جائینگے مگر میرے کلمات کے کمالات کا بیان ختم نہ ہوگا خواہ ویسے سمندر سیاہی کا ہم اور بھی کیوں نہ پیدا کر دیں غرض نبوت کا مضمون وہ ایک نہ ختم ہونیوالا مضمون ہے مگر موقعہ کے لحاظ سے اس کا ایک قطرہ پیش کیا جا سکتا ہے ✦

نبی کے کام

قرآن کریم نے نبی کے چند کام مقرر فرمائے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں اس کا اشارہ ہے انکی دعا قرآن کریم میں یوں نقل ہے ربنا وابعث فیہم رسولاً منہم یتلوا علیہم آیاتک ویعلمہم الکتب والحکمۃ ویزکیہم انک انت العزیز الحکیم (بقرہ ع ۱۵) اے ہمارے رب اہل مکہ میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرما جو انہیں میں سے ہو اور ان کو تیرے نشانات سنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی باتیں سکھائے اور انہیں پاک کرے ✦

ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نبی کے کاموں کا ایک بہترین نقشہ ہے جو اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھینچ دیا ہے۔ نبی کا کام (۱) اللہ تعالیٰ کی آیات کا سنانا (۲) کتاب کا سکھانا (۳) حکمت کی باتوں کی تعلیم دینا اور (۴) لوگوں کے نفوس کو پاک کرنا ہے۔ کیا اس سے زیادہ مختصر الفاظ میں کوئی اور نقشہ نبی کے کاموں کا کھینچا جا سکتا ہے؟ آؤ اب ہم دیکھیں کہ ان کاموں کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ثابت ہوتے ہیں ✦

نبی کا پہلا کام آیات سنانا

پہلا کام نبی کا آیات کا سنانا بتایا گیا ہے۔ آیت کے معنے عربی زبان میں عبرت اور دلیل کے ہوتے ہیں۔ جو چیز کسی اور چیز کی طرف رہنمائی کرے وہ آیۃ ہے پس آیات کے سنانے کا یہ مطلب ہوا کہ ایسی باتیں بتائیں جو امور غیبیہ پر ایمان لانے کا موجب ہوں کیونکہ امور غیبیہ ایسے امور ہیں کہ انسان ان تک خود نہیں رسائی پا سکتا خدا تعالیٰ کا وجود سب سے مقدم ہے بلکہ ایک ہی حقیقی وجود ہے مگر وہ اسقدر وراء الوراء ہے کہ اس تک پہنچنا انسانی طاقت سے بالا ہے اس تک پہنچنے کا ذریعہ محض وہ دلائل اور براہین اور وہ عرفان اور مشاہدہ ظہور صفات الٰہیہ ہو سکتا ہے جو ہمیں اسکے قریب کر دے اور اس کے وجود کے متعلق ہمارے دلوں میں کوئی شک باقی نہ چھوڑے یہی حال قانون قدرت کے ظہور کا اور ملائکہ کا اور رسالت کا اور کلام الٰہی کا اور بعث بعد الموت کا ہے ان میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں کہ جسکی سمجھ انسان کو براہ راست ہو سکتی ہو۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک شئے ایسے دلائل کی محتاج ہے جو ہمیں روحانی اور عقلی طور پر ان کے قریب کر دیں اور ان سے ہمیں ایسا اتصال بخش دیں کہ گویا ہم نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ✦

امور مذکورہ بالا کی اہمیت اس امر سے ثابت ہے کہ جسقدر بھی مذاہب ہیں وہ کسی نہ کسی رنگ میں ان امور پر ایمان لانیکو ضروری سمجھتے ہیں اور کسی نہ کسی نام کے نیچے ان امور کو اپنے معتقدات میں شامل رکھتے ہیں خواہ تشریحات میں کس قدر ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔ پس جو شخص بھی ان امور پر ایمان لانے کو ہمارے لئے آسان کر دیتا ہے اور پھر ایسے مقام پر کھڑا کر دیتا ہے کہ جس جگہ کھڑے ہو کر ان امور کا گویا ایسا مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ انکے بعد کسی شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی وہ نبوت کے کام کو اپنے کمال تک پہنچا دیتا ہے ✦

صفات الٰہی کا بیان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر جب ہم غور کرتے ہیں اور آپکے کلام کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ مذکورہ بالا کام کو آپ نے ایسے بے نظیر طریق پر کیا ہے کہ اسکی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ خدا تعالیٰ کے وجود کے متعلق سب سے پہلی چیز اسکی صفات کا بیان ہے ایک غیر محدود ہستی ہونیکے لحاظ سے وہ اپنی صفات ہی کے ذریعہ سے سمجھا جا سکتا ہے اگر کوئی شخص صفات الٰہیہ کو اس طرح بیان نہیں کرتا کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی عظمت دلنشین ہو اور دوسری طرف عقل ان کا اس حد تک ادراک کر سکے جس حد تک کہ ان کا سمجھنا انسانی عقل کیلئے ممکن ہو وہ ہرگز خدا تعالیٰ تک بندوں کو پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا ✦

توحید الٰہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صفات خدا تعالیٰ کی بیان کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ ایک طرف تو عقل انسانی ان سے تسلی پا جاتی ہے دوسری طرف وہ ایک غیر محدود اور قادر اور خالق ہستی کے بالکل شایان شان ہیں آپ ایک طرف تو خدا تعالیٰ کو تمام مادی قیدوں اور ظہوروں اور جلووں سے پاک ثابت کرتے ہیں اور اسکی توحید پر اسقدر زور دیتے ہیں کہ تمام آلائشوں اور نقصوں سے اسے پاک قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف اسکی محبت اور اپنی مخلوق کو اعلیٰ درجہ کے مقامات تک پہنچانے کی خواہش کو ایسے واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ انسانی دل محبت سے بھر جاتا ہے اور عقل مطمئن ہو جاتی ہے مگر آپ اسی پر بس نہیں کرتے آپ اس اصل کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ امور جن پر ایمان لانا انسان کی نجات کے لئے ضروری ہو ان پر ایمان انکی بنیاد صرف عقلی دلیل پر نہیں ہونی چاہئے بلکہ مشاہدہ پر ہونی چاہئے تاکہ دل شک شبہ کے احتمال سے بھی پاک ہو جائے اور آپ اس امر پر زور دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات اسکے خاص بندوں کے لئے ایسے خاص رنگ میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں کہ ان کے معجزانہ ظہور کو دیکھ کر انسان کا دل یقین کی آخری کیفیات سے لبریز ہو جاتا ہے

ملائکہ کی حقیقت

ملائکہ کے متعلق جہاں ایک طرف آپ نے ان لوگوں کے خیالات کو رد کیا ہے جو انکے وجود ہی کے منکر ہیں وہاں ان لوگوں کے خیالات کو بھی رد کیا ہے جو انہیں بادشاہی درباریوں کی حیثیت میں پیش کرتے ہیں اور بتایا ہے کہ ملائکہ نظام عالم کے روحانی اور جسمانی سلسلہ میں اسی طرح ضروری وجود ہیں کہ جس طرح دوسرے نظر آنیوالے اسباب۔ وہ ایک مادی خدا کے دربار کی رونق نہیں ہیں بلکہ ایک غیر مادی خدا کے احکام تکوین کی پہلی کڑیاں ہیں اور روحانی اور جسمانی سلسلے پوری طرح ان پر قائم ہیں اور جس طرح بنیاد کے بغیر عمارت نہیں ہو سکتی اسی طرح ملائکہ کے بغیر کائنات کا وجود ناممکن ہے ✦

قانون قدرت کیا ہے؟

آپنے قانون قدرت کو ایسا قریب الفہم کر دیا کہ مادی علل و اسباب کا دیکھنے والا سائنسدان اور عقلی موجبات کی موشگافی کرنیوالا فلسفی اور روحانی اثرات پر نگاہ رکھنے والا صوفی اور صوفی اور موٹی موٹی باتوں سے نتیجہ نکالنے والا عامی یکساں طور پر تسلی پا گیا ہر ایک نے اسے اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے دیکھا غور کیا اور اطمینان کا سانس لیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی تصدیق کر دی کیونکہ مختلف پہلوؤں سے غور کرنیکے بعد جب ایک ہی نتیجہ نکلے تو اس نتیجہ کی صحت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا ✦

رسالت اور کلام الٰہی کی ضرورت

آپنے رسالت اور کلام الٰہی کی ضرورت کو قانون قدرت کی شہادت

سے ثابت کیا وہ خدا جس نے جسمانی آنکھ کیلئے سورج کو پیدا کیا ہے کس طرح ممکن ہے کہ روحانی آنکھ کو کام کے قابل بنانے کے لئے تو اس نے روحانی سورج روحانی نور پیدا کیا ہو۔ حالانکہ جسمانی آنکھ کا تعلق تو ایک محدود عرصہ تک ہے لیکن روحانی بینائی کا اثر انسان کی تمام آئندہ زندگی پر ہے خواہ اس دنیا کی ہو خواہ اگلے جہان کی +

بعث مابعد الموت

بعث مابعد الموت کے متعلق بھی آپ نے مختلف پیرایوں سے بحث کی اور ایسے رنگ میں اسے پیش کیا کہ وہ ایک خالص علمی مسئلہ کی بجائے ایک عملی مسئلہ بن گیا۔ انسانی اعمال ایک زبردست جزاء کے طالب ہیں اور وہ جزاء اس امر کی مقتضی ہے کہ اسے دوسروں کی نگہ سے مخفی رکھا جائے کیونکہ اس عظیم الشان جزاء کے ظاہر ہو جانے پر انسانی اعمال اختیاری نہیں رہیں گے بلکہ ایک رنگ میں غیر اختیاری ہو جائیں گے۔ عالم آخرت ایک نئی دنیا نہیں ہے بلکہ اسی دنیا کا ایک تسلسل ہے جس میں مادیات کے اثر سے آزاد ہو کر انسانی روح اسی راستہ پر بلا روک ٹوک چلنا شروع کر دیتی ہے جو اس نے اپنے اعمال کی داغ بیل ڈال کر اپنے لئے تیار کیا تھا خدا تعالیٰ ایک غم و غصہ سے پُر بادشاہ نہیں اسکی صفات کے تقاضے نے انسان کو پیدا کیا تھا اور وہی صفات اس امر کی متقاضی ہیں کہ انسان آخر کار اپنے مقصد کو پا جائے اور کوئی پہلے اور کوئی پیچھے آخر اس وجود سے پیوست ہو جائے جس وجود کی رحمت اسے عالم وجود میں لائی تھی +

غرض ہر ایک مخفی مسئلہ کو جسے ایمان کی بنیاد تھی وہم اور شک کے بادلوں سے نکال کر ایک چمکتے ہوئے سورج کی روشنی کے نیچے آپ نے رکھ دیا تاکہ ہر شخص اپنی عقل کی آنکھ سے اسے دیکھ سکے اور اپنے روحانی ادراک سے اسے سمجھ سکے اور وہم اور وسوسہ سے نکل کر یقین اور اطمینان حاصل کر سکے

نبی کا دوسرا کام۔ تعلیم کتاب

دوسرا کام نبی کا تعلیم کتاب ہے اس کام کو بھی آپ نے ایسے رنگ میں پورا کیا ہے کہ کسی اور وجود میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ آپ نے سب سے اول تو یہ بتایا کہ شریعت ایک فضل ہے انسان اپنی دنیوی اور اخروی زندگی کی بہتری کیلئے اس امر کا محتاج ہے کہ خدا تعالیٰ خود اس پر اپنی مرضی کا اظہار کرے تاکہ اس روحانی سفر میں جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اسکے کاموں کی بنیاد شک اور وہم پر نہ ہو بلکہ یقین اور وثوق پر ہو شریعت ایک بوجھ نہیں جو آگے ہی بوجھ سے دبے ہوئے انسان کو کچلنے کے لئے اسکے سر پر رکھ دیا گیا ہے وہ کسی سزا کا نتیجہ نہیں بلکہ محبت کے تقاضے کے ماتحت اس کا نزول ہوا ہے اور ان مخفی گڑھوں اور یکدم چکر کھا جانے والے موڑوں اور سربلند اور سیدھی پہاڑیوں اور تیز اور سرعت سے بہنے والی ندیوں اور حد سے جھکی ہوئی شاخوں اور کانٹے دار جھاڑیوں اور گندگی اور میل کے ڈھیروں سے مطلع کرنے کے لئے اتاری گئی ہے جو اس لمبے سفر میں انسان کے لئے تکلیف کا موجب اور اسے اس سفر کو با آرام طے کرنے سے محروم کر دینے کا باعث ہو سکتی ہیں وہ نہ سزا ہے نہ امتحان بلکہ رہنما ہے اور ہادی۔ اس کا کوئی حکم خدا تعالیٰ کی شان کو بڑھانے والا نہیں بلکہ ہر ایک حکم انسان کی اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہے +

عالمگیر شریعت

آپ نے دنیا کے سامنے یہ ایک نیا طریق پیش کیا کہ شریعت عالمگیر ہونی چاہیئے اور اس میں مختلف طبائع اور مختلف طاقتوں کا لحاظ رکھا جانا چاہیئے جو کتاب کہ مختلف طبائع اور مختلف طاقتوں کا لحاظ نہیں کرتی وہ گویا دنیا کے ایک حصہ کو نجات پانے سے بالکل محروم کر دیتی ہے اور اس طرح خود اس غرض کو معدوم کر دیتی ہے جس کے لئے اسے دنیا میں بھیجا گیا تھا +

شریعت کے دو اہم امور

تیسرا اصل کتاب کی تعلیم میں آپ نے یہ مدنظر رکھا کہ شریعت کیلئے ضروری ہے کہ وہ دو اہم ضرورتوں کو پورا کرے ایک طرف تو اس میں ان تمام ضروری امور کے متعلق ہدایت ہو جنکا مذہبی روحانی اور اخلاقی ترقی کے ساتھ تعلق ہے اور دوسری طرف انسان کی ذہنی ترقی کیلئے اس میں گنجائش ہو اور وہ انسانی دماغ کو بالکل جامد بنا کر اس میں سڑاند نہ پیدا کر دے۔ ان دو اصول کے ماتحت آپ نے ان دو خطرناک رستوں کو بند کر دیا جو حقیقی روحانیت کو تباہ کرنیکا باعث بنا کرتے ہیں یعنی اباحت کے راستہ کو بھی جو انسان کے روحانی مفاد کو مادی لذات کی قربانگاہ پر قربان کروا دیا کرتا ہے اور تقلید جامد کے راستہ کو بھی جو انسانی دماغ کو ایک سڑے ہوئے تالاب کی طرح بنا کر ان بدبوؤں کا مرکز بنا دیتا ہے جو نشوونما کی تمام قابلیتوں کو جلا کر رکھ دیتی ہیں +

نبی کا تیسرا کام۔ تعلیم حکمت

تیسرا کام نبی کا تعلیم حکمت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام میں بھی ایک بے نظیر مثال قائم کی ہے آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے باوجود خدا تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کے بے نظیر اظہار کے اس امر پر بھی زور دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے قادر ہونیکے یہ معنی نہیں کہ وہ جو چاہے حکم دے اور کسی کو اسکی وجہ دریافت کرنیکی مجال نہ ہو وہ اگر قادر ہے تو غنی بھی ہے کسی حکم میں خود اس کا اپنا فائدہ مدنظر نہیں ہوتا۔ اور پھر وہ حکیم بھی ہے وہ کوئی حکم نہیں دیتا جس میں کہ کوئی حکمت نہ ہو پس کسی تعلیم کے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہونیکے یہ معنے نہیں کہ اسکی جزئیات تمام حکمتوں سے اور اسکے احکام تمام علتوں سے خالی ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف کسی بات کا منسوب ہونا ہی اس امر کا ضامن ہے کہ وہ بات ضرور حکمتوں سے پُر اور مقاصد عالیہ سے وابستہ ہے ورنہ وہ حکیم اور غنی ہستی اس کا حکم کیوں دیتی۔ اس اصل کے ماتحت آپ نے اپنی تمام تعلیم کی حکمتیں ساتھ ساتھ بیان فرمائی ہیں ہر ایک بات جس کا حکم دیا ہے اسکے ساتھ بتایا ہے کہ اسکے کرنے کے کیا فوائد ہیں اور اس کے نہ کرنیکے کیا نقصانات ہیں اور ہر ایک بات جس سے روکا ہے اسکے ساتھ ہی یہ بتایا ہے کہ اسکے کرنے سے کیا نقصانات ہیں اور اسکے نہ کرنے میں کیا فوائد ہیں پس آپ کی تعلیم پر عمل کرنیوالا اپنے دل میں انقباض نہیں محسوس کرتا بلکہ ایک جوش اور خوشی محسوس کرتا ہے اور خوب سمجھتا ہے کہ مجھے جو حکم دیا گیا ہے اس میں بھی میرا خصوصاً اور دنیا کا عموماً فائدہ ہے اور جس امر سے مجھے روکا گیا ہے اس میں بھی میرا خصوصاً اور دنیا کا عموماً نفع ہے اور یہ بات اسکے اندر ایک ایسی خوشگوار تبدیلی پیدا کر دیتی ہے کہ شریعت پر عمل کرنا اسے ناگوار نہیں گزرتا بلکہ وہ اسپر عمل کرنے کو ایک ضروری فرض سمجھتا ہے اور اسے ایک چٹی نہیں خیال کرتا بلکہ ایک عظیم الشان رحمت خیال کرتا ہے +

نبی کا چوتھا کام۔ تزکیہ نفوس

چوتھا کام ایک نبی کا تزکیہ نفوس ہے یعنے لوگوں کے دلوں کو پاک کر کے انکے اندر ایسی قابلیت پیدا کرنا کہ وہ خدا تعالیٰ سے اتصال تام حاصل کر سکیں اور اسکے فیوض کو اپنے نفس میں جذب کر کے بقیہ دنیا کیلئے اسکے مظہر اور اسکی قدرتوں کی جلوہ گاہ بن سکیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو اس احسن طریق پر پورا کیا ہے کہ دوست تو دوست آپکے دشمن بھی اس کام کے قائل ہیں جس ملک میں آپ پیدا ہوئے اور جس قوم کے آپ ایک فرد تھے۔ اسکی جو حالت تھی وہ دنیا سے پوشیدہ نہیں خود اس زمانہ کی عام حالت بھی اچھی نہ تھی عرب جو آپ کا ملک تھا اسکے سوا دوسرے ممالک بھی مذہبی اخلاقی علمی اور تمدنی حالت میں پیچھے نہ تھے گویا ایک رات تھی جو سب دنیا پر چھائی ہوئی تھی۔ اول تو پہلے مذاہب کی پاک تعلیموں کو ہی لوگوں نے بگاڑ دیا تھا دوم جو کچھ پہلی تعلیموں میں سے موجود تھا اسپر بھی عمل نہ تھا۔ مذہب تو ایک بالا چیز ہے معمولی انسانیت بھی مردہ ہو چکی تھی اور شرافت مفقود ہو رہی تھی شرک بدعت اور گندی رسوم ایک دوسرے کا حق مارنا فسق و فجور ظلم قتل و غارت بے شرمی اور بے حیائی جہالت پست ہمتی تفرقہ شراب خوری۔ جوئے بازی کبر۔ خود پسندی۔ غرض ہر ایک عیب اسوقت موجود تھا اور اسکے مقابل کی ہر ایک نیکی مفقود تھی یہاں تک کہ بدی کا احساس بھی مٹ گیا تھا اور اسکے ارتکاب پر بجائے شرمندگی محسوس کرنیکے فخر کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں پیدا ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کو اپنی تربیت کے لئے چنا جو اس تاریک زمانہ میں بھی سب قوموں سے گندہ اور بدی میں بڑھی ہوئی تھی۔ نظام حکومت اسکے اندر اسقدر مفقود تھا کہ اسے سب سے زیادہ فخر اپنی لامرکزیت پر تھا۔ اس قوم کے اندر اپنی پاکیزگی کی روح آپ نے پھونکنی شروع کی۔ جیسا کہ قاعدہ ہے جس چیز کو جی نہ چاہے انسان اس کا مقابلہ کرتا ہے لوگوں نے آپ کا مقابلہ شروع کیا اور سخت ہی مقابلہ کیا مگر آپ استقلال اور صبر سے اپنا کام کرتے چلے گئے اور لوگوں کی مخالفت کی کچھ بھی پرواہ نہ کی ماریں کھائیں گالیاں سنیں طعنے سہے سب کچھ برداشت کیا۔ مگر دنیا کی گمراہی کو برداشت نہ کیا۔ آخر ایک ایک کر کے لوگوں کے دلوں پر فتح پانی شروع کی سالہاسال تک یہ مقابلہ جاری رہا مگر بڑے بڑے قوی دل۔ دل ہار گئے مگر آپ نے دل نہ ہارا جس طرح پانی پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے بہتے بہتے نرمی سے ملائمت سے اپنا راستہ نکال لیتا ہے اور آخر ایسی نشیب والی جگہیں پیدا کر لیتا ہے جن پر سے وہ آسانی کے ساتھ بہ سکے۔ اسی طرح آپ نے اپنے نیک نمونہ سے اور موثر وعظ سے دنیا کی اصلاح کا کام جاری رکھا یہاں تک کہ وہ دن آ گیا کہ پاکیزگی اور طہارت کی خوبی کے دل قائل ہو گئے۔ روحانی مردوں نے اپنے اندر ایک نئی روح۔ سوئے ہوؤں نے تمازت آفتاب بیماروں نے صحت کے آثار اور کمزوروں نے ایک طاقت کی لہر اپنے اندر محسوس کرنی شروع کی دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا جہاں ظلم اور تعدی کی حکومت تھی وہاں عدل اور انصاف کا دور دورہ ہو گیا جہاں جہالت کے بادل چھائے ہوئے تھے وہاں علم کا سورج چمکنے لگا۔ جہاں برودت اور جمود چھائے بیٹھے تھے وہاں عمل اور تیزی کی گرم بازاری ہو گئی۔ نسل انسانی نے سانس لیا کروٹ بدلی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس معجزانہ تغیر پر نظر ڈالی جو محمد رسول اللہ کی بے نفس جدوجہد نے پیدا کر دیا تھا۔ اور بے اختیار ہو کر چلا اٹھی کہ بیشک تو نبی ہے بلکہ نبیوں کا سردار۔ اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ...

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(از جناب ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن کیمل پور)

مشرق سے مغرب تلک آپ کی ہیبت طاری — عرش سے فرش تلک آپ کا سکہ جاری

نیرِ راہِ ہدیٰ۔ شافعِ روزِ محشر — یاں ہے دنیا کو ہدایت تو وہاں غمخواری

ہاتھ کو جس کے کہیں حضرتِ حق اپنا ہاتھ — جان کی جس کی قسم کھائیں حضورِ باری

جس کے احسان کے بوجھوں سے دبے جاتے ہیں — جن و حیوان و ملک۔ آدمی۔ نوری ناری

جس کی پاکیزہ توجہ نے مٹا دی بالکل — قوم کی قوم سے اک آن میں ہر بدکاری

جس نے اخلاق کی تکمیل دکھا دی کر کے — جملہ ادیان تھے اتمام سے جس کے عاری

جس کی اک جنبشِ لب نے وہ دکھایا اعجاز — پشتہا پشت کے رندوں کی چھٹی میخواری

صحبتِ پاک کا ادنیٰ سا کرشمہ یہ تھا — بزمِ افلاک میں داخل ہوئے سب بے باری

ہو گئی خلقِ خدا مدح سے اس کی عاجز — قابِ قوسین کے درجے پہ بڑھی جب یاری

ملک کا قوم کا اور رنگ کا قضیہ نپٹا — آ گئی حلقۂ تبلیغ میں دنیا ساری

اس کے آنے سے ہوئیں نسخ شرائع پہلی — آگے سورج کے چمکتی ہے کہاں چنگاری

علم و عرفان و حقائق کا وہ بحرِ ذخار — ہر بُنِ مُو سے ہوا چشمۂ حکمت جاری

اس کے صدقے میں وہ قرآں ملا جس سے ہم — رزم اور بزم میں اپنا رہا پلہ بھاری

جس کے فیضان سے اب تک ہیں ہمیشہ دائم — چشمۂ وحی و کرامات و نبوت جاری

جذبۂ توحید و توکل ہو کہ ہو قلبِ سلیم — عقلِ صافی ہو کہ اعجاز کی قدرت کاری

حسنِ سیمائی ہو کہ ہو قوتِ قدسی کا ظہور — دفعِ نقصان و ضرر رغبتِ نیکوکاری

خوبیٔ احسان و فتوحات و کمالِ تعلیم — خدمتِ خلق ہو یا عشقِ جنابِ باری

الغرض جو بھی ہوں معیارِ کمالاتِ بشر — تیرے آقا کی مسلم ہے وہاں سرداری

تیری ایک ایک ادا پر صلِ علیٰ صلِ علیٰ — تیری ہر آن پہ سو جان سے جاؤں واری

حسنِ یوسف۔ دمِ عیسیٰ۔ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

قصیدہ نعتیہ

از جناب ذوالفقار علیخان صاحب گوہر تلمیذ جناب نواب فصیح الملک داغ دہلوی

محمد آئینہ تھا جلوہ ہائے نورِ وحدت کا
دماغ اس کا خزانہ تھا رموزِ عقل و حکمت کا
وہی تھا کفر کا ماحی وہی مخلوق کا حاشر
وہی احمد لوائے حمد کا حامل قیامت میں
اسی کا دینِ حق نسخہ نجات العالمین کا ہے
سبق آموز تھا انساں کا ہر گامِ ترقی میں
فرشتوں سے بڑھایا اتباعِ دیں سے انساں کو
نکالے گردنوں سے شرک اور تثلیث کے پھندے
بتوں کی طاقتیں پامال کر دیں زورِ وحدت سے
حبیب اللہ بن کر ہو گیا محبوبِ ربانی
مسخر کر لئے دل اپنے عالم صدق و رحمت سے
خدا نے پیروی اس کی ہر اک پر فرض ٹھہرائی
یہ فیضانِ الٰہی خاص ہے۔ اس کی نبوت سے
بغیر اس کے نہیں کھل سکتے ابوابِ السما ہرگز
وہ تھا اخلاق کا کامل نمونہ نسلِ انساں میں
رعایا اس پہ پروانوں کی طرح جان دیتی تھی
نرالی حکمرانی تھی۔ کہ تھا مخلوق کا خادم
غریب و بے کس و آفت زدہ مظلوم کی خاطر
رعیت بن کے وہ جب تک رہا۔ تھا امن کا حامی
وہ عہدِ دوستی میں باوفا و بامروت تھا
اعزا کا عزیزِ دل تھا۔ وہ آنکھوں کا تارا تھا
کریمانہ روش تھی۔ اس کی ہر انساں سے ملنے میں
وہ تھا بے مثل شوہر اپنی ازواجِ مطہر کا
سراپا شفقت و رحمت تھی اس کی زندگی گھر میں
وہ صادق اور امیں تھا لین دین اس کا تھا بے کھٹکے
وہ فوجی زندگی میں قائدِ اعظم تھا لشکر میں
وہ اک بے مثل حاکم تھا نظامِ حکمرانی میں
وزیر اس نے بنایا اہلِ شوریٰ کو حکومت میں
حقوقِ عبد و آقا اس کی نظروں میں برابر تھے
وہ پاکیزہ طبیعت تھی۔ کہ نفرت تھی کثافت سے
مگر پھر بھی تکلف سے بری تھی زندگی اس کی
حکیمانہ مزاج اس کا کریمانہ روش اس کی
ترحم اور ہمدردی تھی۔ غالب اس کی عادتیں
ہر اک پہلو سے اس کی زندگی کامل نمونہ تھی

وہی اک ہادیٔ کامل تھا منزل ہائے فطرت کا
دلِ پُر نور گنجینہ تھا اسرارِ حقیقت کا
وہی اول نبوت میں وہی خاتم نبوت کا
امام و خاتم و قائد رسولوں کی جماعت کا
معلم بھی تھا وہ عامل بھی تھا اپنی شریعت کا
مربی تھا تمدن میں مربی تھا طریقت کا
شریعت کے گلے سے طوق اتارا اس نے لعنت کا
کیا پابند انسانوں کو اک زنجیرِ وحدت کا
مٹایا دبدبہ لات و منات و عزیٰ کی طاقت کا
نہ وہ خود بلکہ ہر اک فردِ کامل اس کی امت کا
زمانہ کو ہے اب تک اعتراف اس کی صداقت کا
کیا ہے حصر اسی پر اس نے خود اپنی محبت کا
سمجھا ہے وہ اگر دعوےٰ کرے اپنی فضیلت کا
کہ یہ ثمرہ ہے صرف اسکے ہی فیضانِ اطاعت کا
اسی کے سر رہا سہرا ہر اک نوعِ شرافت کا
نمونہ ہے کہاں دنیا میں اس طرزِ حکومت کا
انوکھی تھی جہانبانی کہ چاکر تھا رعیت کا
کھلا رہتا تھا دروازہ ہمیشہ اسکی شفقت کا
تحمل صبر سے اس نے کیا ظلم و شقاوت کا
سبق اس نے دیا دنیا کو ہمدردی و الفت کا
شریکِ حال تھا ان کے ہر اک رنج و مصیبت کا
ہر اک سائل تھا شاہد اس کے الطاف و سخاوت کا
ہر اک کے دل میں گھر تھا اسکے انصاف و محبت کا
مربی تھا وہ بچوں کا نگہباں ان کی راحت کا
تجارت اس کی عاشق تھی وہ حامی تھا تجارت کا
سپاہی جاں نثار اس کے وہ حافظ انکی عزت کا
ہے دنیا بھر میں لاثانی نظام اس کی حکومت کا
رعیت کو کیا پابند قانونِ حکومت کا
غریبوں کا تھا حامی اور ماحی تھا امارت کا
ہر اک حالت میں شیدا تھا صفائی و طہارت کا
حیا و سادگی تھا خاصہ اس کی طبیعت کا
تکلم پہ تھا قبضہ خندہ روئی کا بشاشت کا
کہ فیضِ عام و احساں تھا تقاضا اس کی فطرت کا
وہ تھا اک پیکرِ عالی ہر اک خلق و شرافت کا

الٰہی عمر گوہر کی کٹے اس مدح خوانی میں
کفن بن جائے خلعت آلِ احمد کی رفاقت کا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تمام تحریروں اور تقریروں میں خدائے یگانہ کی حمد وثنا ۔ اس کی وحدانیت ۔ اس کی بے مثال صفات اور اپنی مخلوق سے رحم وشفقت کے ذکر کے بعد سب سے زیادہ زور جس بات پر ہے ۔ وہ سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات کا تذکرہ ہے ۔ اس کے متعلق ایک ایک لفظ جو آپ کے قلم اور زبان سے نکلا ۔ اس قدر سوز وگداز اور الفت ومحبت سے پُر ہے ۔ کہ اس نے لاکھوں انسانوں کو اس کی حلاوت سے شیریں کام کر رکھا ہے اور ہر سعید الفطرت کو لذت اندوز کرنے کے لئے تیار ہے ۔ جو اصحاب اس امر کی خواہش رکھتے ہوں ۔ (اور ہر مسلمان کے دل میں یہ خواہش ہونی چاہیئے) وہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی کتب کا مطالعہ فرمائیں ۔ اس پرچہ میں بطور تبرک ایک تحریر درج کی جاتی ہے ۔

(ایڈیٹر)

اللہ جلشانہ نے جب احسان کرنا چاہا ۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ۔ آپ کا نام محمدؐ تھا ۔ جس کے معنے ہیں ۔ نہایت ہی تعریف کیا گیا ۔ جو باب تفعیل سے آتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے ۔ کہ کوئی اسی قدر قابل تعریف ٹھیرتا ہے ۔ جس قدر کام کرتا ہے ۔ پہلے نبی خاص قوموں کے لئے آتے تھے ۔ اور ایک نقص یہ تھا ۔ کہ ایک عظیم الشان اصلاح کی ضرورت نہ ہوتی تھی ۔

حضرت مسیح کی آمد

مثلاً حضرت مسیح علیہ السّلام جب آئے ۔ تو وہ صرف بنی اسرائیل ہی کی گمشدہ بھیڑوں کو اکٹھا کرنے کے واسطے آئے ۔ اور یہودیوں کے پاس اس وقت توراۃ موجود تھی ۔ وہی توراۃ کی تعلیمات علاوہ آمد کے لئے کافی سمجھی گئی تھیں ۔ اور یہودی توریت کے احکام وتعلیمات کے قائل اور ان پر قائم تھے ۔ ہاں بعض اخلاقی کمزوریاں تھیں ۔ جو ان میں پیدا ہو گئی تھیں ۔ اور یہ صاف بات ہے ۔ کہ صرف اخلاقی کمزوریوں کا دور کرنا ان کے نقصانات کو بتلا دینا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے ۔ ایک معمولی درجہ کا آدمی بھی کر سکتا ہے ۔ اور واعظ اخلاق ہو سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ مسیح کا نام محمدؐ نہ رکھا گیا ۔ کیونکہ ان کی خدمات ایسی اعلیٰ درجہ کی نہ تھیں ۔

حضرت موسیٰ کی بعثت

اور اسی طرح پر موسیٰ علیہ السّلام جب آئے ۔ گو وُہ ایک شریعت لے کر آئے ۔ مگر ان کا بڑا کام بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا ہی تھا ۔ حالانکہ وہ قوم چار سو برس کی تلخیوں اور مصیبتوں کی وجہ سے بجائے خود اس بات پر آمادہ اور طیار تھی ۔ کہ کوئی ایسی تحریک ہو ۔ تو وہاں سے نکل کھڑے ہوں ۔ مادہ تیار تھا ۔ صرف تحریک اور محرک کی ضرورت تھی .... اور ان کی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی بڑی بھاری غرض یہی تھی ۔ کہ وہ فرعون کی غلامی سے نکلیں ۔ چنانچہ روحانی امور اور خدا پرستی کے متعلق وہ ہمیشہ ٹھوکر کھاتے رہے ۔ اور بے جا گستاخیوں اور شوخیوں سے کام لیتے رہے ۔ یہاں تک کہ لن نؤمن لک حتیٰ نری اللّٰہ جھرۃً کہا اور اذہب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون جیسے کلمات کہے اور ذرا سی غیر حاضری میں گوسالہ پرستی کرنے سے باز نہ آئے ۔ اور بات بات پر ضد اور اعتراض سے کام لیتے ۔ ان کے حالات پر پوری نظر کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے ۔ کہ وہ صرف فرعون کی غلامی ہی سے آزاد ہونا چاہتے تھے ..... غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت محنت اور مشقت کرنے کی ضرورت نہ پڑی ۔ قوم زندان غلامی میں گرفتار تھی ۔ اور طیار تھی ۔ کہ کوئی آئے ۔ تو اسے قبول کریں (پس موسےٰؑ نے بسہولت) ان کو مصر سے نکال لیا ۔ اور یہ کوئی بڑا کام نہ تھا ۔ اصلاح کا زمانہ جب آیا ۔ اور موسےٰؑ نے جب چاہا ۔ کہ ان کو خدا پرست قوم بنا کر وعدہ کی سرزمین میں داخل کریں ۔ وُہ ان کی شوخیوں اور گستاخیوں اور اندرونی بداعمالیوں میں گذرا یہاں تک کہ خود حضرت موسےٰؑ بھی اس سرزمین میں داخل نہ ہو سکے اس لئے ان کا نام بھی محمدؐ نہ ہوا ۔

محمدؐ نام کا مستحق

غرض جہاں تک غور کرتے جاؤ ۔ یہ پتہ ملے گا ۔ کہ کوئی نبی اس مبارک نام کا مستحق نہ تھا ۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی کا زمانہ آگیا ۔ وہ ایک خارستان تھا جس میں نبی کریمؐ نے قدم رکھا ۔ اور ظلمت کی انتہا ہو چکی تھی ۔ میرا مذہب یہ ہے ۔ کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کل نبی جو اس وقت تک گذر چکے تھے ۔ سب کے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے ۔ جو رسول اللہ صلعم نے کی ۔ ہرگز نہ کر سکتے ۔ ان میں وہ دل اور وہ قوت نہ تھی ۔ جو ہمارے نبی کو ملی تھی اگر کوئی کہے ۔ کہ یہ نبیوں کی معاذ اللہ سوء ادبی ہے ۔ تو وہ نادان مجھ پر افترا کرے گا ۔ میں نبیوں کی عزت وحرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں ۔ لیکن نبی کریم صلعم کی فضیلت کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزو اعظم اور میرے رگ وریشہ میں ملی ہوئی بات ہے ۔ یہ میرے اختیار میں نہیں ۔ کہ اس کو نکال دوں ۔ بدنصیب اور آنکھ نہ رکھنے والا مخالف جو چاہے سو کرے ۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام کیا ہے ۔ جو نہ الگ الگ اور نہ مل مل کر کسی سے ہو سکتا تھا اور یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے ۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء رسول اللہ صلعم کے واقعات پیش آمدہ کی اگر معرفت ہو ۔ اور اس بات پر پوری اطلاع ملے ۔ کہ اس وقت دنیا کی کیا حالت تھی ۔ اور آپؐ نے آکر کیا کیا ۔ تو انسان وجد میں آکر اللّٰھم صل علیٰ محمدؐ کہہ اٹھتا ہے میں سچ سچ کہتا ہوں ۔ کہ یہ خیالی اور فرضی بات نہیں ہے ۔ قرآن شریف اور دنیا کی تاریخ اس امر کی پوری شہادت دیتی ہیں ۔ کہ نبی کریمؐ نے کیا کیا ۔ ورنہ وہ کیا بات تھی ۔ جو آپ کے لئے مخصوصاً فرمایا گیا ۔ ان اللّٰہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ۔ کسی دوسرے نبی کے لئے یہ صدا نہ آئی ۔ پوری کامیابی پوری تعریف کے ساتھ یہی ایک انسان دنیا میں آیا ۔ جو محمدؐ کہلایا ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

خاتم النبیین کا زمانہ

عادت اللہ اسی طرح پر ہے ۔ زمانہ ترقی کرتا ہے ۔ آخر وہ زمانہ آگیا ۔ جو خاتم النبیین کا زمانہ تھا ۔ جو ایک ہی شخص تھا جس نے یہ کہا ۔ یا ایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا ۔ کہنے کو تو چند لفظ ہیں ۔ اور ایک اندھا کہہ سکتا ہے ۔ کہ معمولی بات ہے ۔ مگر جو دل رکھتا ہے ۔ وہ سمجھتا ہے ۔ اور جو کان رکھتا ہے وہ سنتا ہے ۔ جو آنکھیں رکھتا ہے ۔ وہ دیکھتا ہے ۔ کہ یہ الفاظ معمولی الفاظ نہیں ہیں ۔ میں کہتا ہوں ۔ کہ اگر یہ معمولی لفظ تھے ۔ تو بتاؤ ۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کو یا مسیح علیہ السلام یا کسی اور نبی کو بھی یہ طاقت کیوں نہ ہوئی ۔ کہ وہ یہ لفظ کہہ دیتا ۔ اصل یہی ہے ۔ کہ جس کو یہ قوت یہ منصب نہیں ملا ۔ وہ کیونکر کہہ سکتا ہے ۔ میں پھر کہتا ہوں ۔ کہ کسی نبی کو یہ شوکت یہ جلال نہ ملا ۔ جو ہمارے نبی کریمؐ کو ملا ۔ بکری کو ہر روز گوشت کھلاؤ ۔ تو وُہ گوشت کھانے سے شیر نہ بن سکے گی ۔ شیر کا بچہ ہی شیر ہوگا ۔ پس یاد رکھو ۔ یہی بات سچ ہے ۔ کہ اس نام کا مستحق اور واقعی حقدار ایک تھا ۔ جو محمدؐ کہلایا ۔ یہ داد الٰہی ہے جس کے دل ودماغ میں چاہے یہ قوتیں رکھ دیتا ہے ۔ اور خدا خوب جانتا ہے ۔ کہ ان قوتوں کا محل اور موقعہ کون ہے ؟

مکمل قوتیں

ہر ایک کا کام نہیں ۔ کہ اس راز کو سمجھ سکے ۔ اور ہر ایک کے منہ میں وُہ زبان نہیں ۔ جو یہ کہہ سکے ۔ کہ انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا جب تک روح القدس کی خاص تائید نہ ہو ۔ یہ کام نہیں نکل سکتا ۔ رسول اللہ میں وُہ ساری قوتیں اور طاقتیں رکھی گئی ہیں ۔ جو محمدؐ بنا دیتی ہیں ۔ تاکہ بالقوہ باتیں بالفعل میں بھی آجائیں ۔ اس لئے آپؐ نے یہ دعوےٰ کیا ۔ انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا ۔ ایک قوم کے ساتھ جو مشقت کرنی پڑتی ہے ۔ تو کس قدر مشکلات پیش آتی ہیں ۔ ایک خدمتگار شریر ہو ۔ تو اس کا درست کرنا مشکل ہو جاتا ہے ۔ آخر تنگ اور عاجز آکر بھی نکال دیتا ہے ۔ لیکن وہ کس قدر قابل تعریف ہوگا ۔ جو اُسے درست کرلے ۔ اور پھر وہ تو بڑا ہی مرد میدان ہے ۔ جو اپنی قوم کو درست کرسکے ۔ حالانکہ یہ بھی کوئی بڑی بات نہیں ۔ مگر وہ جو مختلف قوموں کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا ۔ سوچو ۔ تو اسی قدر کامل اور زبردست قویٰ کا مالک ہوگا مختلف طبیعت کے لوگ مختلف عمروں ۔ مختلف ملکوں مختلف خیال ۔ مختلف قویٰ کی مخلوق کو ایک ہی تعلیم کے نیچے رکھنا اور پھر ان سب کی تربیت کرکے دکھلا دینا اور وہ تربیت بھی کوئی جسمانی نہیں ۔ بلکہ روحانی تربیت ۔ خداشناسی اور معرفت کی باریک باریک

باتوں اور اسرار سے پورا واقف بنا دیا۔ اور نری تعلیم ہی نہیں بلکہ عامل بھی بنا دینا یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ دنیا کے لئے اجتماع بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں ذاتی مفاد اور دنیوی لالچ کی ایک تحریک ہوتی ہے۔ مگر کوئی یہ تبلائے۔ کہ محض اللہ کے لئے پھر ایسے وقت میں کہ اس جلالی نام سے کل دنیا ناواقف ہو۔ اور پھر ایسی حالت میں کہ اس کا اقرار کرنا دنیا کی تمام مصیبتوں کو اپنے سر پر اٹھا لینا ہو۔ کون کسی کے پاس آ سکتا ہے۔ جب تک اللہ کی طرف بلانے والے میں عظیم الشان قوت جذب کی نہ ہو۔ کہ بے اختیار ہو ہو کر دل اس طرف کھنچے آئیں۔ اور وہ تمام تکلیفیں اور بلائیں ان کے لئے محسوس اللذات اور مدرک الحلاوت ہو جائیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ اس وقت دنیا میں آئے۔ جب دین کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اور عالمگیر تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اور گئے اس وقت جب اس نظارہ کو بخوبی دیکھ لیا۔ کہ یدخلون فی دین اللہ افواجا۔ جب تک اس کو پورا نہ کر لیا۔ نہ تھکے نہ ماندہ ہوئے۔ مخالفوں کی مخالفتیں یا عداء کی سازشیں اور منصوبے قتل کرنے کے مشورے قوم کی تکلیفیں آپ کے حوصلہ اور ہمت کے سامنے سب ہیچ اور بیکار تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس وقت تک زندہ رکھا۔ کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کی آواز آپ کو نہ آ گئی اور فوجوں کی فوجیں اسلام میں داخل ہوتی ہوئیں آپ نے دیکھ لیں۔ غرض اس قسم کی بہت سی وجوہ ہیں۔ جن سے آپ کا نام محمدؐ رکھا گیا۔

احمدؐ نام

پھر آپ کا ایک نام احمدؐ بھی رکھا گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان دونوں ناموں محمدؐ اور احمدؐ میں دو جُدا جُدا کمال ہیں۔ محمدؐ کا نام جلال اور کبریائی کو چاہتا ہے۔ جو نہایت درجہ تعریف کیا گیا ہے۔ اور اس میں ایک معشوقانہ رنگ ہے۔ کیونکہ معشوق کی تعریف کی جاتی ہے۔ پس اس میں جلالی رنگ ہونا ضروری ہے۔ مگر احمدؐ کا نام اپنے اندر ایک عاشقانہ رنگ رکھتا ہے کیونکہ تعریف کرنا عاشق کا کام ہے۔ وہ اپنے محبوب و معشوق کی تعریف کرتا رہتا ہے۔ اس لئے جیسے محمدؐ محبوبانہ شان میں جلال اور کبریائی کو چاہتا ہے اسی طرح پر احمدؐ عاشقانہ شان میں ہو کر عزت اور انکساری کو چاہتا ہے۔ اس میں ایک سِر یہ تھا۔ کہ آپؐ کی زندگی کی تقسیم دو حصوں پر کر دی گئی۔ ایک تو مکی زندگی جو تیرہ برس کے زمانہ کی ہے۔ اور دوسری وہ زندگی ہے۔ جو مدنی زندگی ہے۔ اور وُہ دس برس کی ہے۔ مکہ کی زندگی میں تجلی اسم احمدؐ کی تھی۔ اس وقت آپؐ کے دن رات خدا تعالےٰ کے حضور گریہ و بکا اور طلب استعانت اور دعا میں گذرتے تھے۔ اگر کوئی شخص آپ کی اس زندگی کے بسر اوقات پر پوری اطلاع رکھتا ہو۔ تو اُسے معلوم ہو جائے گا۔ کہ جو تضرع اور زاری آپؐ نے اس مکی زندگی میں کی ہے۔ وہ کبھی کسی عاشق نے اپنے محبوب و معشوق کی تلاش میں نہیں کی۔ اور نہ کر سکے گا۔ پھر آپؐ کی تضرع اپنے لئے نہ تھی۔ بلکہ یہ تضرع دنیا کی حالت کی پوری واقفیت کی وجہ سے تھی۔ خدا پرستی کا نام و نشان چونکہ مٹ چکا تھا۔ اور آپؐ کی رُوح اور ضمیر میں اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھ کر ایک لذت اور سرور آ چکا تھا اور فطرتاً اس کُل دنیا کو اس لذت اور محبت سے سرشار کرنا چاہتے تھے۔ ادھر دنیا کی حالت دیکھتے تھے۔ تو ان کی استعدادیں اور فطرتیں عجیب طرز پر واقع ہو چکی تھیں۔ اور بڑے مشکلات و مصائب کا سامنا تھا۔ غرض دنیا کی اس حالت پر آپؐ گریہ و زاری کرتے تھے۔ اور یہاں تک کرتے تھے۔ کہ قریب تھا۔ کہ جان نکل جاتی۔ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین۔ یہ آپؐ کی متضرعانہ زندگی تھی۔ اور اسم احمدؐ کا ظہور تھا۔ اس وقت آپ ایک عظیم الشان توجہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اس توجہ کا ظہور مدنی زندگی اور اسم محمدؐ کی تجلی کے وقت ہوا۔ جیسا کہ اس آیت سے پتہ لگتا ہے۔ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید یہ سنت اللہ ہے۔ کہ مامورمن اللہ ستائے جاتے ہیں۔ دکھ دیئے جاتے ہیں مشکل پر مشکل ان کے سامنے آتی ہے۔ نہ اس لئے کہ وہ ہلاک ہو جائیں بلکہ اس لئے کہ نصرت الٰہی کو جذب کریں۔ یہی وجہ تھی۔ کہ آپ کی مکی زندگی کا زمانہ مدنی زندگی کے بالمقابل دراز ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مکہ کی زندگی میں حضرت احدیت کے حضور گرنا اور چلانا تھا۔ اور وہ اس حالت تک پہونچ چکا تھا۔ کہ دیکھنے والوں اور سننے والوں کے بدن پر لرزہ پڑ جاتا ہے۔ مگر آخر مدنی زندگی کے جلال کو دیکھو۔ کہ وہ جو شرارتوں میں سرگرم اور قتل اور اخراج کے منصوبوں میں مصروف رہتے تھے۔ سب کے سب ہلاک ہوئے۔ اور باقیوں کو اس کے حضورؐ عاجزی اور منت کے ساتھ اپنی خطاؤں کا اقرار کر کے معافی مانگنی پڑی ۔

حضرت عمرؓ کا اسلام

حضرت عمرؓ سے دیکھو۔ کس قدر فائدہ پہونچا۔ ایک زمانہ میں یہ ایمان نہ لائے تھے۔ اور چار برس کا توقف ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ خوب مصلحت سمجھتا ہے۔ کہ اس میں کیا سِر تھا۔ ابوجہل نے تلاش کی۔ کہ کوئی ایسا شخص تلاش کیا جائے۔ جو رسول اللہؐ کو قتل کر دے۔ اس وقت حضرت عمرؓ بڑے بہادر اور دلیر مشہور تھے۔ اور شوکت رکھتے تھے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے رسول اللہ صلعم کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور معاہدہ پر حضرت عمرؓ اور ابوجہل کے دستخط ہو گئے۔ اور قرار پایا۔ کہ اگر عمرؓ قتل کر آئیں۔ تو اس قدر روپیہ دیا جائے گا۔ اللہ تعالےٰ کی قدرت ہے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ جو ایک وقت رسول اللہ صلعم کو شہید کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ دوسرے وقت وہی عمرؓ اسلام میں ہو کر خود شہید ہوتے ہیں۔ وہ کیا عجیب زمانہ تھا۔ غرض اس وقت یہ معاہدہ ہوا۔ کہ میں قتل کرتا ہوں۔ اس تحریر کے بعد آپ کی تلاش اور تجسس میں لگے۔ راتوں کو پھرتے تھے۔ کہ کہیں تنہائی میں ہوں۔ تو قتل کر دوں۔ لوگوں سے دریافت کیا۔ کہ آپؐ تنہا کہاں ہوتے ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ کہ نصف رات گذرنے کے بعد خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھتے ہیں حضرت عمرؓ یہ سُن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ چنانچہ خانہ کعبہ میں آ کر چھپ رہے جب تھوڑی دیر گذری۔ تو جنگل سے لا الٰہ الا اللہ کی آواز آتی ہوئی معلوم ہوئی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی آواز تھی اس آواز کو سُن کر اور یہ معلوم کر کے کہ وُہ ادھر ہی کو آ رہی ہے حضرت عمرؓ اور بھی احتیاط کر کے چھپے۔ اور یہ ارادہ کر لیا۔ کہ جب سجدہ میں جائیں گے۔ تو تلوار مار کر سر مبارک تن سے جُدا کر دوں گا۔ آپؐ نے آتے ہی نماز شروع کر دی۔ پھر اس کے آگے کے واقعات خود حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ میں اس قدر رو رو کر دعائیں کیں۔ کہ مجھ پر لرزہ پڑنے لگا۔ یہاں تک آنحضرتؐ نے یہ بھی کہا۔ کہ سجد لک روحی وجنانی۔ یعنی اے میرے مولیٰ میری روح اور میرے دل نے بھی تجھے سجدہ کیا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔ ان دعاؤں کو سُن سُن کر جگر پاش پاش ہوتا تھا۔ آخر میرے ہاتھ سے ہیبت حق کی وجہ سے تلوار گر پڑی۔ میں نے آنحضرت کی اس حالت سے سمجھ لیا۔ کہ یہ سچا ہے۔ اور کامیاب ہو جائے گا۔ مگر نفس امّارہ بُرا ہوتا ہے۔ جب آپؐ نماز پڑھ کر نکلے۔ میں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ پاؤں کی آہٹ جو آپ کو معلوم ہوئی۔ رات اندھیری تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کہ کون ہے۔ میں نے کہا۔ کہ عمر۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ اے عمر نہ تو رات کو پیچھا چھوڑتا ہے۔ اور نہ دن کو۔ اس وقت مجھے رسول اللہ صلعم کی رُوح کی خوشبو آئی۔ اور میری رُوح نے محسوس کیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بد دعا کریں گے۔ میں نے عرض کیا یا حضرتؐ بد دُعا نہ کریں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ وُہ وقت اور گھڑی میرے اسلام کی تھی۔ یہاں تک کہ خُدا نے مجھے توفیق دی۔ کہ میں مسلمان ہو گیا۔ اب سوچو۔ کہ اس تضرع اور بکا میں کیسی تلوار مخفی تھی۔ کہ جس نے عمرؓ جیسے انسان کو جو قتل کے لئے معاہدہ کر کے آتا ہے۔ اپنی اداکا شہید کر لیا۔ اس توجہ اور زاری میں ایسی تلوار ہوتی ہے جو سیف و سنان سے بڑھ کر کام کرتی ہے ۔

قوتِ قدسی

غرض وہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا اسم احمدؐ کے ظہور کا زمانہ تھا۔ اس لئے مکہ میں عاشقانہ رنگ کا جلوہ دکھایا۔ اپنے آپ کو خاک میں ملا دیا۔ اور ہزاروں موتیں اپنے اوپر وارد کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس جوش وفا تضرع اور دعاؤں کا اندازہ نہیں کر سکتا ان موتوں کے بعد وہ قوت اور زندگی آپ کو ملی۔ کہ ہزاروں لاکھوں مردوں کے زندہ کرنے والے آپ ٹھیرے۔ اور حاشر الناس کہلائے اور اب تک اپنی قوت قدسی کے زور سے کروڑہا مردوں کو زندہ کر رہے ہیں۔ اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ پس اس زندگی اور عاشقانہ ظہور کے بعد اسم احمدؐ کی تجلی تھی۔ دوسرا اور آپ کی جلالی زندگی اسم محمدؐ کا ظہور معشوقانہ شان میں ہوا۔ جبکہ مکہ والوں کی دشمنی کی انتہا ہو چکی۔ اور دعاؤں اور توجہ کی حد ہو گئی۔ نابکار مخالفوں کی عداوت حد سے بڑھ کر بیت اللہ سے نکال دینے کا باعث ہوئی۔ اور اس پر بھی بس نہ کی۔ بلکہ تعاقب کیا۔ اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ تکلیف دہی اور ایذا رسانی کا باقی نہ رکھا۔ تو آپؐ مدینہ تشریف لائے۔ اور پھر حکم ہوا۔ کہ مدافعت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے جوش مارا۔ اور جلال الٰہی نے اسم محمدؐ کا جلوہ دکھانے کا ارادہ فرمایا۔ جس کا ظہور مدنی زندگی میں ہوا ۔

زندگی بخش جامِ احمدؐ ہے۔ | کیا ہی پیارا یہ نام احمدؐ ہے۔
لاکھ ہوں انبیا مگر بخدا | سب سے بڑھ کر مقامِ احمدؐ ہے۔
باغِ احمدؐ سے ہم نے پھل کھایا | میرا بستاں کلامِ احمدؐ ہے۔
ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو | اس سے بہتر غلامِ احمدؐ ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

از جناب حافظ مختار احمد صاحب حسینی احمدی شاہجہانپوری شاگرد حضرت امیر مینائی

اللہ اللہ ! شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
پیشِ نظر ہی شانِ محمدؐ ذہن میں ہی احسانِ محمدؐ
دل شیدائے آنِ محمدؐ روح فدائے شانِ محمدؐ
بے تعداد احسانِ محمدؐ بے پایاں فیضانِ محمدؐ
از آدم تا حضرتِ عیسیٰ سب عالی رتبہ ہیں لیکن!
سب سے بہتر سب سے اعلیٰ سب اعجازِ رسل سے بالا
عاقل پر کرتا ہے ہویدا ان ھوالا وحی یوحیٰ
لے برساں شانِ محمدؐ جو پائے فیضانِ محمدؐ
عین عنایت چشمۂ رحمت بحرِ حقیقت حسنِ رسالت
آدم و نوح و ابراہیم و داؤد و موسیٰ و عیسیٰ
صدیوں کے مُردوں کو ہی جلایا پیغامِ توحید سنایا
لرزاں تھے شاہانِ زمانہ حیرت میں اک اک فرزانہ
امن جہاں قائم فرمایا جو جسکا حق تھا دلوایا
سارے بد افعال چھڑائے سب ہی اخلاق سکھائے
راحت پر راحت دیتا ہے کیا دلکش موجیں لیتا ہے
صبحِ روزِ ازل سے لیکر ختم نہیں تا شامِ محشر
سبحان اللہ کیا کہنا ہے سینوں سے دل کھینچ رہا ہے
گو کیسا ہی سحر زباں ہو لیکن ناممکن جو بیاں ہو
آپ کا ثانی ہو نہ ہوا ہے ڈھنگ ہے جس نے دیکھ لیا ہے
مشرقِ وحدت مہرِ رسالت آیۂ قدرت سایۂ رحمت
اپنے ہوں یا بیگانے مسلم ہوں یا نا مسلم

عرشِ عظیم ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کیوں نہوں پھر قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
وجد میں ہیں مستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
رحمتِ حق قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اور ہی کچھ ہے شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
معجزۂ قرآنِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
تو قسمِ فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
دیکھ ذرا قرآنِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خُلقِ عالی شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سب ہیں ثنا گویانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
روحِ رواں قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کیا تھی شوکت و شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
قربانِ فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
جانِ جہاں قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
دریائے فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سلسلۂ احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
جذب سے بے پایانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
تفصیلِ فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کچھ حسن و احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ذاتِ عالی شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سب پر ہے احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا صدیقِ مکرمؓ سیدنا فاروقِ اعظمؓ
سیدنا عثمانِ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت اسد اللہ الغالب سیدنا ابن ابو طالبؓ
جامعِ درویشی و شاہی نافعِ مخلوقاتِ الٰہی
حامیٔ مہر و صدق و صفا تھے ماحیٔ ظلم و جور و جفا تھے
کانِ صفا تھے باغِ وفا تھے ابرِ سخا تھے بحرِ عطا تھے
خوش اطوار و نیک طبیعت پاک دل و پاکیزہ فطرت
سیدنا حسینؓ کی حالت کر دیتی ہے محوِ حیرت
کامل تھے تسلیم و رضا میں جانیں دیدیں راہِ خدا میں
کس درجہ رکھتے تھے لطافت کیسی نکہت کیسی نگہت
حضرتِ موسیٰ ہوں یا عیسیٰ ایک کے یار نے بھی نہ پایا

سرِ خیل یارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خواہانِ رضوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سرتاجِ اخوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کون؟ یہی یارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اصحابِ ذی شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
انصار و اعوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
جملہ مقبولانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
یہ ہیں فرزندانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
لیکن رکھ لی آنِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
گلہائے بستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اخلاصِ یارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

لوگو اس درجہ حق پوشی یہ حق ہی یہ ناحق کوشی!
اے اہلِ انصاف بتاؤ منصف ہو تم صاف بتاؤ
لوگو شرم و حیا بھی کچھ ہے آخر خوفِ خدا بھی کچھ ہے
کون محمدؐ! ہادیٔ اعظم کون محمدؐ محسنِ عالم
کون محمدؐ! ماہِ مروت کون محمدؐ چشمۂ رحمت
پھر اس جور و جفا کی حد بھی ظلم زن زاکی حد بھی
زہریلی گفتار کہاں تک اور اس کی تکرار کہاں تک
یہ آزار رسانی تاکے۔ تاکے تلخ بیانی تاکے
پارۂ دل تیرِ جور و ستم نے سینے کر دیئے چھلنی لیکن
وہ متجاوز ہو نہیں سکتے دائرۂ آئینِ وفا سے
گو باقی نہ ہو ضبط کا یارا لیکن مقصد کیا ہے تمہارا
فرمانِ آنحضرتؐ کیا ہے۔ کیا ہی حکمِ شریعت کیا ہے
جو دستے احکامِ شریعت جو نہ کرے قانون کی عزت

یہ تو ہیں شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کیا یہی ہے شایانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
یہ تحقیرِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہر مسلم قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
فہم سے برتر شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اے بدخواہِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
حیف! اے بدخواہانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
شرم! اے بدگویانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ضبط! اے جانبازانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
جو ہیں رضا جویانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
تعمیلِ فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
غور کر اے خواہانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
وہ ہے نافرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

لگی یاں ڈھونڈنے والے کانٹوں سے دامن کو بچا
نفسِ دنی پر غالب آجا۔ آجا حق کے طالب آجا
نقشِ دوئی کو دل سے مٹادے نعرۂ الا اللہ لگا دے
آپ سا ہادی آپ سا محسن ناممکن بالکل ناممکن
آپ ہیں آقا آپ ہیں مولا آپ ہیں ملجا آپ ہیں ہادی
نکہتِ گل ہیں شمعِ سبل ہیں ہادیٔ کل ہیں ختمِ رسل ہیں
سب سے مکرم سب سے معظم ہادیٔ اعظم محسنِ عالم
آپ ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل
حدِ شرک سے باہر ہے پھر جو کچھ بھی چاہے کہہ!

کر سیرِ بستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
وا ہے درِ فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آ ذیلِ مستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سب سے اعلیٰ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
قربانِ ہر شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کیا ہو بیانِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سبحان اللہ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
موجبِ حیرت شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سب شایانِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اے کہ جسے لاحق ہی سراسر خوفِ تابِ مہرِ محشر
آپ فدائے خلقِ خدا ہیں آپ شفیعِ روزِ جزا ہیں
جملہ اصولوں سے ہو نرالا فہمِ بشر سے ارفع و اعلیٰ
آپنے سب پر شفقت کی ہے سب کو دین کی دعوت دی ہے
اے جویائے ہدایت آجا طالبِ حق آجا

آ زیرِ دامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
مژدہ اے خواہانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہر ہر جلوہ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
عالم ہے مہمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
جنت ہے بستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہمت والو نیک جوانو شمعِ رسالت کے پروانو
بیداری کا وقت یہی ہے تیاری کا وقت یہی ہے
خود جاگو اوروں کو جگا دو عالم میں اک دھوم مچا دو
دشت و جبل میں بحر و فضا میں سارے عرض و طول جہاں میں
مشرق کو مغرب سے ملا دو کونے کونے میں پہنچا دو
ہو جو مقابل سارا جہاں تو کہہ دو گوئے یہ چوگاں ہے
کچھ ہو لیکن آن نجاتی ہاتھ سے یہ میدان نجاتی
بات تو جب ہے دیکھ لیں یکسر دنیا کے سب اسود و احمر
یہ عالم کو سرست بنا دو سکوتِ امکان چکھا دو
ناممکن ہے ناممکن ہے مجھ سے ادا ہو کیا ممکن ہے
میں ہوں اور احسانِ محمدؐ لطف ہے پایانِ محمد
شور جبل علیٰ ہر شے ہے کیوں نہ ہو اے مختار کرتو ہے

دیکھو تو فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہشیار اے شیرانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اے غیرت مندانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
پہنچا دو فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
تذکرۂ احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اور یہ ہے میدانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہمت اے مردانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
جلوۂ حسنِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
صہبائے عرفانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کچھ شکرِ احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
دستِ من و دامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نغمہ خوانِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

گرد و غبارِ حرص و ہوا سے صاف ہے بالکل فضلِ خدا سے
ہر شجر آخر اپنے پھلوں ہی سے پہچانا جاتا ہے

آئینہ دامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
دیکھ شوئے غلمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہے بخت رسا پہ نازاں ہوں میں فضلِ خدا پہ نازاں ہوں میں۔ پایا ہے فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خاوند کی حیثیت میں

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے۔ قادیان کے قلم سے

سب سے بہتر شخص

مقدس بانئے اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ خیرکم خیرکم لاھلہ یعنی تم میں سے سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ کرنے میں سب سے بہتر ہے۔ آپ کے ان الفاظ کو اگر اس بارہ میں آپ کی تعلیم اور آپ کے تعامل کا خلاصہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ آپ کی خانگی زندگی یقیناً ان الفاظ کی بہترین تفسیر تھی۔

رسول کریم اور تعدد ازدواج

قومی اور ملکی اور سیاسی اور دینی ضروریات نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ ایک وقت میں ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کریں۔ اور یہ ایک قربانی تھی جو آپ کو ایک غیر نفسی ضرورت کے ماتحت کرنی پڑی۔ مگر آپ نے اس قربانی کی رُوح کو اس خوبی اور کمال کے ساتھ نبا ہا . . . .

. . . اور باوجود اپنی خانگی ذمہ داری کی پیچیدگیوں کے معاشرت کا ایک ایسا اعلیٰ نمونہ قائم کیا۔ جو دنیا کے لئے ہمیشہ کے واسطے ایک شمع ہدایت کا کام دیگا۔ میرے یہ الفاظ میری قلبی خوش عقیدگی کی گونج نہیں ہیں بلکہ انکی بنیاد ٹھوس تاریخی واقعات پر قائم ہے جنہیں کسی شخص کی خوش عقیدگی یا کسی دشمن کا تعصب اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتے +

معاشرت کا کامل نمونہ

کثرت ازدواج کی وجہ سے جو اضافہ آپ کی خانگی ذمہ داریوں میں ہوا۔ اس کو آپ کی ان گوناگون اور بھاری ذمہ واریوں نے اور بھی بہت زیادہ کر دیا تھا جو ایک مصلح ایک امام جماعت۔ ایک انتظامی حاکم۔ ایک جوڈیشل قاضی۔ ایک سیاسی لیڈر۔ ایک فوجی جرنیل اور ایک بین الاقوام نظام جمہوریت کے صدر کی حیثیت میں آپ پر عائد ہوتی تھیں اور ہر شخص جو آپ کی خانگی زندگی اور گھر کی معاشرت کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کا یہ پہلا فرض ہے کہ ان حالات کو پورے طور پر مدنظر رکھے۔ جو آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں نے آپ کے لئے پیدا کر رکھے تھے۔ میں نے یہ الفاظ اس لئے تحریر نہیں کئے کہ میں آپ کی زندگی کے حالات کو آپ کی خانگی معاشرت پر رائے لگانے وقت ایک موجب رعایت کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ میں نے یہ الفاظ اس لئے لکھے ہیں کہ تا یہ ظاہر ہو۔ باوجود ان عظیم الشان ذمہ واریوں کے جو عام اسباب کے ماتحت یقیناً آپ کے خانگی فرائض کی ادائگی کے رستہ میں روک ہو سکتی تھیں۔ آپ نے معاشرت کا وہ کامل نمونہ دکھایا جو دنیا کے ہر شخص کو خواہ وہ کیسے ہی حالات زندگی کے ماتحت رہا ہو۔ شرماتا ہے +

مگر یہ مضمون اس قدر وسیع ہے اور اس پر روشنی ڈالتے ہوئے اس قدر مختلف پہلو انسان کے سامنے آتے ہیں کہ اس مختصر گنجایش کو دیکھتے ہوئے جو ایڈیٹر صاحب الفضل نے (جنکی تحریک پر میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں) اس کے لئے مقرر کی ہے۔ اس مضمون پر زیادہ بسط کے ساتھ لکھنا تو درکنار معمولی اور واجبی تفصیل میں جانا بھی ناممکن ہے۔ پس میں نہایت اختصار کے ساتھ صرف چند موٹی موٹی باتوں کے تحریر کرنے پر اکتفا کرونگا

وما توفیقی الا باللہ

رسول کریم کی پہلی شادی

سب سے پہلی شادی جو آنحضرت صلعم نے کی وہ حضرت خدیجہ سے تھی۔ اس وقت آپکی عمر صرف پچیس سال تھی۔ اور حضرت خدیجہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ چکی تھیں۔ اور بیوہ تھیں گویا آپ نے عین عنفوان شباب میں ایک ادھیڑ عمر کی عورت سے شادی کی۔ بظاہر حالات یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید یہ شادی کسی وقتی مصلحت کے ماتحت ہو گئی ہوگی۔ اور بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی کوئی خوشی کی زندگی نہیں گذری ہوگی کیونکہ جہاں بیوی کی عمر خاوند کی عمر سے اتنی زیادہ ہو۔ کہ ایک کی جوانی کا عالم اور دوسرے کے بڑھاپے کا آغاز ہو تو وہاں عام حالات میں ایسا جوڑا کوئی خوشی کا جوڑا نہیں سمجھا جاتا۔ مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا خوشی کا اتحاد ہوا ہو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ کی خانگی زندگی میں نظر آتا ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ کامل محبت ایک دوسرے پر کامل اعتماد۔ ایک دوسرے کے لئے کامل قربانی کا نظارہ اگر کسی نے کسی ازدواجی جوڑے میں دیکھنا ہو۔ تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ میں نظر آئے گا۔ کیا ہی بہشتی زندگی تھی جو اس رشتہ کے نتیجے میں دونو کو نصیب ہوئی

پاکیزہ خانگی زندگی کا اثر

مجھے اس رشتہ کے کمال اتحاد کا احساس سب سے بڑھکر اس وقت ہوتا ہے جبکہ میں اس تاریخی واقعہ کا مطالعہ کرتا ہوں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ اس غیر مانوس اور غیر متوقع جلال الٰہی سے مرعوب ہو کر سخت گھبرائے ہوئے اپنے گھر میں آئے اور ایک سہمی ہوئی آواز میں اپنی رفیق حیات سے فرمایا کہ مجھ پر آج یہ حالت گذری ہے اور مجھے اپنے نفس کی طرف سے ڈر پیدا ہو گیا ہے۔ اس وقت گھر میں بظاہر حالات صرف یہی میاں بیوی تھے۔ خاوند ادھیڑ عمر کو پہنچا ہوا۔ اور بیوی بوڑھی۔ گھر کی چار دیواری میں دوست و دشمن کی نظروں سے دور تکلف کا طریق بیرون از سوال تھا۔ دونو پندرہ سال کے لمبے عرصہ سے ایک دوسرے کے رفیق زندگی تھے۔ ایک دوسرے کی خوبیاں۔ ایک دوسرے کے سامنے تھیں۔ اگر کوئی کمزوری تھی۔ تو وہ بھی ایک دوسرے پر مخفی نہ تھی۔ ایسی حالت میں جس سادگی کے ساتھ خاوند نے اپنی پریشانی اپنی بیوی سے بیان کی اور جس بے ساختگی کے عالم میں بیوی نے سامنے سے جواب دیا وہ اس مقدس جوڑے کے کمال اتحاد کا ایک بہترین آئینہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ کو دیکھ کر حضرت خدیجہ کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ تاریخ میں اس طرح بیان ہوئے ہیں

كلا والله لا يخزيك الله ابدا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقرى الضيف وتعين على نوائب الحق (بخاری) "سبے ہے ایسا نہیں خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں ہونے دے گا۔ آپ رشتوں کی پاسداری کرتے ہیں اور لوگوں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں اور وہ اخلاق جو دنیا سے معدوم ہو چکے تھے۔ ان کو آپ نے اپنے اندر پیدا کیا ہے اور آپ مہمان نواز ہیں اور حق و انصاف کے رستہ میں جو مصائب لوگوں پر آتے ہیں ان میں آپ انکی اعانت فرماتے ہیں"

حضرت خدیجہ کے یہ الفاظ اپنے اندر ایک نہایت وسیع مضمون رکھتے ہیں جسکی پوری گہرائی تک وہی شخص پہنچ سکتا ہے جو دل و دماغ کے نازک احساسات سے اچھی طرح آشنا ہو۔ ان الفاظ میں اس مجموعی اثر کا نچوڑ مخفی ہے جو پندرہ سالہ خانگی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کے قلب پر پیدا کیا۔ جو خاوند اپنی روزمرہ زندگی کے واقعات سے اپنی بیوی کے دل و دماغ میں وہ اثرات پیدا کر سکتا ہے جن کا ایک چھوٹے پیمانہ کا فوٹو ان الفاظ میں نظر آتا ہے اسکی پاکیزہ خانگی زندگی اور حسن معاشرت کا اندازہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

حضرت خدیجہ کے انتقال کا صدمہ

حضرت خدیجہ ہجرت سے کچھ عرصہ قبل انتقال فرما گئیں اور انکی وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ اور لکھا ہے کہ ایک عرصہ تک آپ کے چہرہ پر غم کے آثار نظر آتے رہے اور آپنے اس سال کا نام عام الحزن رکھا۔ انکی وفات کے بعد جب کبھی ان کا ذکر آتا تھا۔ آپ کی آنکھیں پُرنم ہو جاتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہ کی بہن آپ سے ملنے کے لئے آئی۔ اور دروازہ پر آکر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ انکی آواز مرحومہ خدیجہ سے بہت ملتی تھی۔ یہ آواز سُنکر آپ بے چین ہو کر اپنی جگہ سے اٹھے۔ اور جلدی سے دروازہ کھولدیا۔ اور بڑی محبت سے ان کا استقبال کیا۔ جب کبھی باہر سے کوئی چیز تحفۃً آتی تھی۔ آپ لازماً حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کو اس میں سے حصہ بھیجتے تھے۔ اور اپنی وفات تک آپ نے کبھی اس طریق کو نہیں

چھٹا۔ بدر میں جب مشرکین کے قریب کفار مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے تو ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد یعنی زینب بنت خدیجہ کے خاوند ابو العاص بھی تھے۔ جو ابھی تک مشرک تھے۔ زینب نے انکے فدیہ کے طور پر مکہ سے ایک ہار بھیجا۔ یہ وہ ہار تھا جو مرحومہ خدیجہ نے اپنی لڑکی کو جہیز میں دیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے اس ہار کو دیکھا تو فوراً پہچان لیا اور حضرت خدیجہ کی یاد میں آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ آپ نے رقت بھری آواز میں صحابہ سے فرمایا یہ ہار خدیجہ نے زینب کو جہیز میں دیا تھا۔ تم اگر پسند کرو۔ تو خدیجہ کی یہ یادگار اسکی بیٹی کو واپس کر دو۔ صحابہ کو اشارہ کی دیر تھی۔ انہوں نے فوراً واپس کر دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کی جگہ ابو العاص کا یہ فدیہ مقرر فرمایا کہ وہ مکہ جا کر زینب کو فوراً مدینہ بھجوا دیں۔ اور اس طرح ایک مسلمان خاتون (اور خاتون بھی وہ جو سرور کائنات کی لخت جگر تھی) دار کفر سے نجات پا گئی۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زندہ بیوی کے متعلق کبھی جذبات رقابت نہیں پیدا ہوئے لیکن مرحومہ خدیجہ کے متعلق میرے دل میں بعض اوقات رقابت کا احساس پیدا ہونے لگتا تھا کیونکہ میں دیکھتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی۔ اور انکی یاد آپ کے دل کی گہرائیوں میں جگہ لئے ہوئے تھی ٭

دوسری شادیاں

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ نے حضرت عائشہ اور حضرت سودہ کے ساتھ شادی کی اور ہجرت کے بعد تو حالات کی مجبوری کے ماتحت آپ کو بہت سی شادیاں کرنا پڑیں۔ اور آپکی خانگی ذمہ داریاں بہت نازک اور پیچیدہ ہوگئیں مگر با ایں ہمہ آپ نے عدل و انصاف کا ایک نہایت کامل نمونہ دکھایا اور کسی ذرا سی بات میں بھی انصاف کے میزان کو ادھر اُدھر جھکنے نہیں دیا۔ آپ کا وقت آپ کی توجہ آپ کا مال آپ کا گھر اس طرح آپ کی مختلف بیویوں میں تقسیم شدہ تھے کہ جیسے کسی مجسم چیز کو ترازو میں تول کر تقسیم کیا گیا ہو۔ اور اس خانگی بانٹ کے نتیجہ میں آپ کی زندگی حقیقتہً ایک مسافرانہ زندگی تھی اور آپ کا پروگرام حیات آپ کے اس قول کی ایک زندہ تفسیر تھا۔ جو آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کن فی الدنیا کعابر سبیل یعنی انسان کو دنیا میں ایک مسافر کیطرح زندگی گذارنی چاہیئے ٭

بیویوں میں کامل عدل

مگر باوجود اس کامل عدل و انصاف کے آپ فرماتے تھے کہ اے میرے خدا میں اپنی طاقت کے مطابق اپنی بیویوں میں برابری اور مساوات کا سلوک کرتا ہوں لیکن اگر تیری نظر میں کوئی ایسا حق و انصاف ہے جس سے میں کوتاہ رہا ہوں اور جو میری طاقت سے باہر ہے۔ تو تو مجھے معاف فرما۔ آپ کا یہ عدیم المثال انصاف اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ کے دل میں اپنی ساری بیویوں کی ایک ہی قدر اور ایک سی ہی محبت تھی۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے اور خود آپ کے اپنے اقوال سے بھی پتہ لگتا ہے کہ آپ کو اپنی بعض بیویوں سے انکی ممتاز خوبیوں اور محاسن کی وجہ سے دوسری بیویوں کی نسبت زیادہ محبت تھی۔ پس آپ کا یہ انصاف محض انصاف کی خاطر تھا جسے آپکی قلبی محبت کا فرق اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکا۔ مرض الموت میں جب کہ آپ کو سخت تکلیف تھی اور غشیوں تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ آپ دوسروں کے کندھوں پر سہارا لیکر اور اپنے قدم مبارک کو ضعف و نقاہت کیوجہ سے زمین کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے اپنی باری پوری کرنیکے خیال سے اپنی بیویوں کے گھروں میں دورہ فرماتے تھے حتیٰ کہ بالآخر خود آپکی ازواج نے آپکی تکلیف کو دیکھ کر اصرار کے ساتھ عرض کیا کہ آپ عائشہ کے گھر میں آرام فرمائیں ہم اپنی باری خوشی سے چھوڑتی ہیں۔ اس عدل و انصاف کے توازن کو قائم رکھنے کا آپ کو اس قدر خیال تھا کہ ایک دفعہ آپکی موجودگی میں آپکی بعض بیویوں کا کسی بات پر آپس میں کچھ اختلاف ہو گیا حضرت عائشہ ایک طرف تھیں اور بعض دوسری بیویاں دوسری طرف۔ دوسری بیویوں نے غصہ میں آکر حضرت عائشہ کے ساتھ کسی قدر سختی کی باتیں کیں۔ مگر حضرت عائشہ نے صبر سے کام لیا اور خاموش رہیں۔ انکی خاموشی سے دلیر ہو کر ان بیگمات نے ذرا زیادہ سختی سے کام لینا شروع کیا۔ جس پر حضرت عائشہ کو بھی غصہ آگیا۔ اور انہوں نے فصاحت سے جواب دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت موجود تھے اور آپ خوب جانتے تھے کہ اس معاملہ میں حضرت عائشہ حق پر ہیں اور حضرت عائشہ سے آپ کو دوسری بیویوں کی نسبت محبت بھی زیادہ تھی۔ مگر چونکہ ان اختلافات کا کوئی عملی اثر نہیں تھا۔ آپ بالکل خاموش رہے۔ تاکہ دوسری بیویوں کے دلمیں یہ احساس نہ پیدا ہو کہ آپ عائشہ کی پاسداری فرماتے ہیں۔ البتہ جب یہ نظارہ بدل گیا تو آپ نے حضرت عائشہ سے ازراہ نصیحت فرمایا چونکہ تم حق بجانب تھیں جب تک تم خاموش رہیں تمہاری طرف سے خدا کے فرشتے جواب دیتے رہے۔ لیکن جب تم نے خود جواب دینے شروع کئے تو فرشتے چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے ٭

تعلیم و تادیب کا خیال

تعلیم و تادیب کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے گھر میں ایک بہترین مصلح اور معلم کی حیثیت رکھتے تھے اور کوئی موقعہ اصلاح اور تعلیم کا ضائع نہیں جانے دیتے تھے۔ قرآن شریف کی ایک مشہور آیت ہے قوا انفسکم و اھلیکم نارًا یعنی اے مسلمانو اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال کو بھی ہر قسم کی معصیت اور گناہ اور دوسرے ضرر رساں رستوں سے بچاؤ۔ آپ اس آیت پر نہایت پابندی کے ساتھ مگر نہایت خوبی سے عمل پیرا تھے۔ اور یہ آپکی تعلیم و تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ آپکی ازواج مطہرات اسلامی اخلاق و عادات اور اسلامی شعار کا بہت اعلیٰ نمونہ تھیں۔ بشریت کے ماتحت ان سے بعض اوقات غلطی بھی ہو جاتی تھی لیکن انکی غلطیوں میں بھی اسلام کی بو آتی تھی ٭

حضرت عائشہ پر بہتان کا واقعہ

جب بعض شریر فتنہ پرداز [illegible] لوگوں نے حضرت عائشہ پر بہتان باندھا تو آنحضرت صلعم کو اس کا سخت صدمہ ہوا اور آپکی زندگی بے چین ہو گئی۔ اس بے [illegible] کے عالم میں آپ نے ایک دن حضرت عائشہ سے فرمایا۔ عائشہ اگر تم [illegible] پاک ہو تو خدا عنقریب تمہاری [illegible] ظاہر فرما دے گا لیکن دیکھو انسان بعض اوقات ٹھوکر بھی کھا جاتا ہے لیکن اگر اس ٹھوکر کے بعد وہ سنبھل جائے۔ اور خدا کی طرف جھکے تو خدا ارحم الراحمین ہے۔ وہ اپنے بندے کو ضائع نہیں کرتا۔ تم سے اگر کوئی لغزش ہو گئی ہے تو تمہیں چاہیئے کہ خدا کیطرف جھکو اور اسکی رحم کی طالب بنو۔ حضرت عائشہ کا دل پہلے سے بھرا ہوا تھا۔ اس خیال نے انکے جذبات کو مزید ٹھیس لگائی کہ میرا رفیق زندگی۔ اور میرا سرتاج بھی میرے متعلق اس قسم کی لغزش کا امکان تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ وہ تھوڑی دیر تو بالکل خاموش رہیں۔ اور پھر یہ الفاظ کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئیں کہ صبرٌ جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ یعنی میرے لئے صبر ہی بہتر ہے اور میں اس بات کے متعلق جو کہی جا رہی ہے خدا کے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتی اور نہ میں اپنے دکھ کی کہانی خدا کے سوا کسی سے کہتی ہوں۔ یہ حضرت عائشہ کی غلطی تھی۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ ان پر کوئی بدظنی نہیں کی تھی بلکہ محض ایک اصولی نصیحت فرمائی تھی۔ مگر آپ کے الفاظ نے حضرت عائشہ کے حساس دل کو چوٹ لگائی اور وہ اس غم میں اندر ہی اندر گھلنے لگ گئیں لیکن اسپر کوئی زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ حضرت عائشہ کی بریت میں وحی الٰہی نازل ہوئی جسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش خوش ان کے قریب گئے اور انہیں مبارکباد دی۔ حضرت عائشہ نے رقت بھری آواز میں جس میں کسی قدر رنج کی آمیزش بھی تھی۔ جواب دیا کہ میں اس معاملہ میں کسی کی شکرگذار نہیں ہوں بلکہ صرف اپنے خدا کی شکرگذار ہوں جس نے خود میری بریت فرمائی۔ سرور کائنات کے سامنے اس رنگ میں یہ الفاظ کہنا بھی ایک غلطی تھی مگر دیکھو تو یہ غلطیاں کیسی پیاری غلطیاں ہیں جنسے ایمان و اخلاص کی لپٹیں اٹھ اٹھ کر دماغ کو معطر کر رہی ہیں اور یہ سب باغ و بہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا نتیجہ تھا ٭

امہات المومنین کو نصیحت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم گھر میں عموماً یہ نصیحت فرماتے تھے کہ تمہاری حیثیت عام مومنات کی سی نہیں ہے۔ بلکہ میرے تعلق کیوجہ سے تمہیں ایک بہت بڑی خصوصیت حاصل ہو گئی ہے اور تمہیں اسکے مطابق اپنے آپ کو بنانا چاہیئے۔ بلکہ آپنے فرمایا۔ کہ تم مومنوں کی روحانی مائیں ہو۔ جیسا کہ میں روحانی باپ ہوں۔ پس تمہیں ہر رنگ میں دوسروں کے واسطے ایک نمونہ بننا چاہیئے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ اگر تم کوئی غلط طریق اختیار کرو گی۔ تو خدا کیطرف سے تمہیں دوہری سزا ہوگی کیونکہ تمہارے خراب نمونہ سے دوسروں پر بھی بُرا اثر پڑے گا ٭

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب جب کثرت کے ساتھ اموال آئے تو دوسرے صحابیوں کیطرح آپ کی ازواج نے بھی اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق حصہ مانگا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تمہیں دنیا کے اموال کی تمنا ہے تو میں تمہیں مال دے دیتا ہوں لیکن اس صورت میں تم میری بیویاں نہیں رہ سکتیں (کیونکہ میں اپنی زندگی کو دنیا کے مال و متاع کی آلائش سے ملوث نہیں کرنا چاہتا) اور اگر تم میری بیویاں رہنا چاہتی ہو۔ تو دنیا کے اموال کا خیال دل سے نکال دو۔ سب نے یکزبان ہو کر عرض کیا کہ ہمیں خدا کے رسول کا تعلق بس ہے۔ مال نہیں چاہیئے۔ اور جب انہوں نے خدا کی خاطر دنیا کو

ہم ممنون ہیں کہ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے ہماری درخواست پر الفضل کے خاتم النبیین نمبر کیلئے ذیل کے اشعار لکھ کر ارسال فرمائے۔ ایڈیٹر

با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
یا رسول اللہ او پنہان و تو پیدائے من!

تیغ لا در پنجۂ ایں کافر دیرینہ دہ
باز بنگر در جہاں ہنگامہ الّائے من!

بہر دہلیز تو از ہندوستاں آوردہ ام
سجدۂ شوقے کہ خوں گردید در سیمائے من!

غزل نعتیہ

(جناب مولانا مولوی عبدالماجد صاحب پروفیسر جوبلی کالج بھاگلپور)

چہ محبوب خدا نام محمدؐ
عیاں کونین در جام محمدؐ

شب او چو روز او منور
فروغ صبح در شام محمدؐ

بیا بنگر تماشائے دو عالم
چہ گویم رفعت بام محمدؐ

نظیرش نیست در دنیائے تاریخ
ببیں آغاز و انجام محمدؐ

چہ دین او کہ جملہ اہل دنیا
نہند اقدام بر گام محمدؐ

کنند امروز اہل جملہ ادیان
قبول حکم و احکام محمدؐ

پس از صد سال ہی آید مطابق
چہ قوت دارد الہام محمدؐ

بہر دوراں زبہر حفظ قرآں
امام آید بانعام محمدؐ

کنوں آمد بہ دہر از سعی محمودؐ
ظہور وقت اکرام محمدؐ

بہ دنیا ایں امام وقت محمودؐ
کند تبلیغ اسلام محمدؐ

احوال کو ٹھکرا دو یا تو خدا نے اپنے وقت پر انکو دنیا کے احوال بھی دیدیئے۔

محبت و دلداری

مگر اس تعلیم و تادیب کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت و دلداری کے طریق کو بھی کبھی نہیں چھوڑا حتی الوسع آپ ہر بات میں اپنی بیویوں کے احساسات اور انکی خوشی کا خیال رکھتے تھے۔ ہمیشہ ان کے ساتھ نہایت بے تکلفی اور تلطف سے بات کرتے۔ اور باوجود اپنی بہت سی مصروفیتوں کے اپنے وقت کا کچھ حصہ لازماً انکے پاس گذارتے حتی کہ سفروں میں بھی باری باری اپنی بیویوں کو اپنے ساتھ رکھتے اور آپکی عادت تھی کہ اپنی بیویوں کی عمر اور حالات کے مناسب ان سے سلوک فرماتے تھے حضرت عائشہ جب بیاہی ہوئی آئیں تو انکی عمر بہت چھوٹی تھی۔ انہی دنوں میں چند حبشی لوگ تلوار کا کرتب دکھانے کیلئے مدینہ میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو اپنی مسجد میں کرتب دکھانے کی اجازت دی۔ اور آپ خود حضرت عائشہ کو اپنی اوٹ میں لیکر اپنے حجرہ کی دیوار کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اور جبتک حضرت عائشہ اس تماشے سے (جو درحقیقت ایک فوجی تربیت کے خیال سے کرایا گیا تھا) سیر نہیں ہو گئیں۔ آپ اسی طرح کھڑے رہے۔

ایک اور موقعہ پر جبکہ حضرت عائشہ ایک سفر میں آپ کے ساتھ تھیں۔ آپنے انکے ساتھ دوڑنے کا مقابلہ کیا جس میں حضرت عائشہ آگے نکل گئیں۔ پھر ایک دوسرے موقعہ پر جبکہ عائشہ کا جسم کسی قدر بھاری ہو گیا تھا۔ آپ دوڑے تو حضرت عائشہ پیچھے رہ گئیں جس پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ھذہ بتلک یعنی لو عائشہ اب اس دن کا بدلا اتر گیا ہے۔

ایکدن حضرت عائشہ اور حفصہ بنت عمر نے صفیہ کے متعلق مذاق مذاق میں کچھ طعن کیا کہ وہ ہمارا مقابلہ کسطرح کر سکتی ہے ہم رسول اللہ کی صرف بیوی ہی نہیں بلکہ آپکی برادری میں سے آپکی ہم پلہ ہیں اور وہ ایک غیر قوم سے ایک یہودی رئیس کی لڑکی ہے۔ صفیہ کے دل کو چوٹ لگی اور وہ رونے لگ گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو صفیہ کو روتے دیکھ کر وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا عائشہ اور حفصہ نے آج مجھ پر یہ چوٹ کی ہے۔ آپنے فرمایا واہ یہ رونے کی کیا بات تھی تم نے یہ کیوں نہ جواب دیا کہ میرا باپ تو خدا کا ایک نبی ہارون اور میرا چچا خدا کا ایک بزرگ نبی موسٰی۔ اور میرا خاوند محمد (صلعم) خاتم النبیین۔ پھر مجھ سے بڑھکر کون ہو سکتا ہے۔ بس اتنی سی بات سے صفیہ کا دل خوش ہو گیا۔

نوجوانی کی حالت میں طبعاً محبت کے جذبات زیادہ تیز ہوتے ہیں اور ایسا شخص دوسرے کیطرف سے بھی محبت کا زیادہ مظاہرہ چاہتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو علم النفس کے کامل ترین ماہر تھے۔ اس جہت سے بھی اپنی بیویوں کے مزاج کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ نے (جو آپکی ساری بیویوں میں سے خورد سال تھیں) کسی برتن سے منہ لگا کر پانی پیا۔ جب وہ پانی پی چکیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن کو اٹھایا اور اسی جگہ منہ لگا کر پانی پیا جہاں سے حضرت عائشہ نے پیا تھا۔ اس قسم کی باتیں خواہ اپنے اندر کوئی زیادہ وقعت نہ رکھتی ہوں مگر ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت پر ایک ایسی روشنی پڑتی ہے جسکو کوئی وقائع نگار نظر انداز نہیں کر سکتا۔ الغرض محبت و تلطف میں، دلداری میں، وفاداری میں، تعلیم و تربیت میں، تادیب و اصلاح میں اور پھر

زمانۂ طفولیت کی اہمیت

کسی شخص کے کیرکٹر کا اندازہ لگانے کے واسطے اس کے بچپن کا زمانہ کوئی کم اہمیت نہیں رکھتا۔ انسان میں دو قسم کی خوبصورتی پائی جاتی ہے۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی اُسکی ظاہری خوبصورتی کا اندازہ اسکے ظاہری خط و خال سے کیا جاتا ہے۔ اور باطنی خوبصورتی کا اندازہ اُسکے اخلاق و اطوار سے۔ اور جیسا کہ ایک انسان کی ظاہری خوبصورتی کا اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ ہم اس وقت تک انتظار کریں جب کہ وہ جوانی تک پہونچ جائے۔ اسی طرح اس کی اخلاقی خوبصورتی کا اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ ہم اس کے بڑے ہونے کا انتظار کریں۔ بلکہ بچپن میں ہی اس کے اطوار اور عادات سے اس کی اخلاقی خوبصورتی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جس طرح ایک خوبصورت انسان پیدا ہوتے ہی چھوٹے پیمانہ پر ایک خوبصورت سانچہ میں ڈھلے ہوئے خط و خال اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اسی طرح اس کے اخلاق بھی باریک خط و خال کی طرح اس کی ہستی میں موجود ہوتے ہیں۔ جن کو ایک اخلاق کا اندازہ کرنے والی آنکھ اسی طرح دیکھ لیتی ہے۔ جس طرح ایک حسن کو پہچاننے والی آنکھ ایک بچہ کی ظاہری شکل کو دیکھ کر اس کے حسن کا اندازہ لگا سکتی ہے۔ پس آؤ۔ ہم اس نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے زمانہ پر غور کریں۔ اور دیکھیں۔ کہ اس زمانے میں طبعی طور پر آپ سے کس قسم کے اخلاق ظہور پذیر ہوئے ۔

جب ہم اس نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات کو جو ہم تک پہونچے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ تو بچپن میں بھی ہمیں آپ کی وہی پاکیزہ اور دلربا تصویر نظر آتی ہے۔ جو بعد میں زیادہ مکمل صورت میں دنیا کے سامنے ظاہر ہوئی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش

آپ پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو گئے۔ ابھی آپ اپنی والدہ مطہرہ آمنہ کے بطن میں ہی تھے۔ کہ آپ کے والد عبداللہ غریب الوطنی کی حالت میں یثرب (مدینہ) میں اس عالم فانی سے رحلت فرما گئے۔ اس سے جو صدمہ آمنہ کے دل کو جو ابھی کم عمر تھیں۔ اور جن کی شادی کو ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے۔ پہونچا ہوگا۔ اس کا ناظرین خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ لیکن خدا کی تسلی جلد ہی حضرت آمنہ کے سہارے کا موجب بن گئی۔ انہی ایام میں انہوں نے خواب دیکھا۔ کہ ان کے اندر سے ایک چمکتا ہوا نور نکلا ہے۔ اور دور دراز ملکوں میں پھیل گیا ہے۔ چنانچہ ۱۲۔ ربیع الاول مطابق ۲۰۔ اگست ۵۷۰ء کو دو شنبہ کے دن بوقت صبح اس موعود نور کا طلوع ہوا ۔

آپ کی رضاعت

شروع شروع میں چند یوم آپ کی والدہ نے اور ان کے بعد ثوبیہ نے جو ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی تھی۔ آپ کو دودھ پلایا۔

آپ کی ولادت کے چند روز بعد عرب کے دستور کے مطابق بدوی عورتیں شہر مکہ میں آئیں۔ تا وہاں کے شرفاء کے بچوں کو پرورش کے لئے اپنے ساتھ لے جائیں۔ آپ کی والدہ نے آپ کو بھی ان دایوں کے سامنے پیش کیا۔ لیکن چونکہ آپ یتیم تھے۔ اور دایوں کو آپ کی پرورش کے عوض کسی بڑے انعام واکرام کی امید نہ تھی۔ اس لئے کسی عورت نے آپ کو ساتھ لے جانا منظور نہ کیا۔ آخر ہوازن قوم کے قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت حلیمہ نامی آپ کو اپنے ساتھ لے گئی۔ اور وہ بھی اس لئے کہ اسے کوئی اور بچہ دودھ پلانے کے لئے نہ ملا۔ اس لئے خالی ہاتھ واپس جانے کی نسبت اُس نے یہی بہتر سمجھا۔ کہ اس یتیم بچہ کو ہی اپنے ساتھ لے جائے۔ لیکن اس کو کیا معلوم تھا۔ کہ یہی یتیم بچہ ایک دن دین و دنیا کا بادشاہ ہوگا ۔

حلیمہ اور اس کے قبیلہ کی آپ سے محبت

۵۔ سال تک آپ نے عرب کے صحرا میں بدوؤں کے درمیان پرورش پائی۔ لیکن بچپن میں ہی آپ کے اخلاق ایسے دلربا اور پاکیزہ تھے کہ آپ کے پیارے اخلاق کو دیکھکر نہ صرف آپ کی دایہ حلیمہ بلکہ قبیلہ بنو سعد کے تمام لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ اور سب آپ کو نہایت عزیز رکھتے تھے ۔

آپ کے دعوئے نبوت کے بعد آپ کی رضاعی ماں حلیمہ اور اُس کا شوہر حارث بن عبد العزیٰ اور آپ کا ایک رضاعی بھائی اور ایک رضاعی بہن آپ پر ایمان لائے۔ ان کا یہ ایمان بھی آپ کے اُنہی پاکیزہ اور پیارے اخلاق کا نتیجہ تھا۔ جو اُنہوں نے آپ کے بچپن کے ابتدائی زمانہ میں آپ سے مشاہدہ کئے۔ جس کی وجہ سے وُہ آپ کے مداح ہو گئے۔ اور آپ کے دعوئے نبوت پر بلاتامل ایمان لے آئے ۔

آپ کی والدہ کا سفر یثرب اور وفات

جب آپ پانچ سال کے ہوئے۔ تو حلیمہ آپ کو مکہ میں واپس لے آئیں۔ اور آپ کو آپ کی والدہ کے سپرد کر دیا۔ لیکن مشیت ایزدی نے بہت دیر تک آپ کو اپنی والدہ کے کنار عاطفت میں پرورش پانے کا موقعہ نہ دیا۔ جب آپ کی عمر قریباً چھ سال کی ہوئی۔ تو آپ کی والدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ میں اپنے رشتہ داروں بنو نجار سے ملنے کی غرض سے آئیں اور یہاں ایک ماہ تک قیام کیا۔ اس کے بعد جب وہ واپس مکہ کی طرف لوٹیں۔ تو راستہ میں بیمار ہو گئیں۔ اور مقام ابوا میں اُن کا انتقال ہو گیا اور اس طرح وُہ ۶ سال کا بچہ جس کا باپ اس کی پیدائش سے پہلے ہی اس عالم سے رخصت ہو چکا تھا۔ اب اس کی ماں بھی اسے یتیم بچہ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی۔

آپ کا حیرت انگیز حافظہ

میں ابھی بیان کر چکا ہوں۔ کہ آپ اپنی عمر کے چھٹے سال میں تھے۔ جبکہ آپ کی والدہ آپ کو یثرب (مدینہ) میں لے گئیں۔ مگر آپ کا حافظہ ایسا حیرت انگیز تھا۔ کہ جب اس واقعہ سے پچاس سال بعد آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اور ایک دن بنو عدی کے منازل پر آپ گذرے۔ تو آپ نے اپنے صحابہ کو بتایا۔ کہ اسی مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں۔ یہی وُہ تالاب ہے۔ جس میں میں نے تیرنا سیکھا اور اسی میدان میں اُنیسہ نامی ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔

اس واقعہ سے جہاں آپ کے غیر معمولی حافظہ پر روشنی پڑتی ہے۔ کہ اپنی عمر کے چھٹے سال کا واقعہ زندگی کے آخری ایام میں بھی آپ کو نہایت صفائی سے یاد تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو اس لڑکی کا نام بھی یاد رہا جس کے ساتھ آپ مل کر کھیلتے رہے۔ وہاں آپ کی طبیعت کی افتاد کا بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس وقت آپ صرف چھ سال کی عمر کے تھے۔ پھر بھی تالاب دیکھکر آپ کے دل میں یہ امنگ پیدا ہوئی کہ آپ تیرنے کا فن سیکھیں۔ چنانچہ آپ نے اس تالاب میں تیرنے کی مشق کر کے اس فن میں مہارت حاصل کی۔ ایسی چھوٹی عمر میں ایسی امنگوں کا دل میں پیدا ہونا آپ کی علو ہمتی کی ایک دلیل ہے ۔

آپ کے اخلاق کا اثر آپکے سرپرستوں پر

جب ابواء کے مقام میں غریب الوطنی کی حالت میں آپ کی والدہ کا انتقال ہوا۔ اور آپ اکیلے رہ گئے۔ تو ایک عورت ام ایمن نامی جو آپ کے والد کی لونڈی تھی۔ آپ کو مکہ میں لے آئی۔ اور اس کے بعد دو سال تک وُہ اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں رہے۔ اس کے بعد اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں آ گئے۔ اس طرح اس یتیم بچہ کو ۸ سال کی عمر میں چار مختلف کفیلوں کی سرپرستی میں سے گذرنا پڑا۔ مگر جہاں آپ رہے۔ اس عمر میں ہی آپ کے اخلاق اور عادات ایسے پسندیدہ اور دلخوش کن تھے۔ کہ ہر ایک سرپرست آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ اور اپنے بچوں سے زیادہ آپ سے الفت اور محبت کرنے لگا۔ اگر آپ پہلے پانچ سال تک صحرا میں بدوؤں کے درمیان رہے۔ تو آپ کی بچپن کی میٹھی میٹھی باتوں نے ان بادیہ نشینوں کے دلوں کو لبھا لیا۔ اور وہ سب آپ سے محبت اور پیار کرنے لگے۔

جب آپ کی پیاری والدہ غریب الوطنی کی حالت میں آپ سے مکہ اور مدینہ کے راستہ میں ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گئیں۔ اور آپ اپنے دادا عبدالمطلب کے گھر میں آئے۔ تو وُہ بھی آپ کے پیارے اخلاق کو دیکھکر آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ تو آپ کو اپنے کندھے پر بٹھا لیتے۔ اور ان کی محبت کو دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے ساتھ بہت بے تکلف ہو گئے جب چاہتے ان کے پاس آتے جاتے۔ کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ صحن کعبہ میں عبدالمطلب فرش بچھا کر بیٹھتے تھے۔ اور کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ اس فرش پر اُن کے ساتھ بیٹھ سکے۔ حتےٰ کہ عبدالمطلب کے اپنے لڑکے بھی ہٹ کر بیٹھتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبدالمطلب کے پاس جا بیٹھتے تھے۔ اور وُہ آپ کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ آپ کے چچا بعض اوقات آپ کو فرش پر بیٹھنے سے منع کرتے۔ تو عبدالمطلب انہیں روک دیتے۔ اور کہتے۔ [illegible]

جب عبدالمطلب کی وفات کا وقت آیا۔ توان کو اپنے عزیز پوتے کے متعلق فکر پیدا ہوئی۔ کہ میرے بعد اس کا کیا انتظام ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے تمام بیٹوں میں سے ابوطالب کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ عبداللہ کے ماں جائے بھائی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت کے لئے منتخب کیا۔ اوران کو بلا کر آپ کو اپنی کفالت میں لینے اور محبت و پیار سے رکھنے کے متعلق وصیت کی۔ مگر ایسی تاکید کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی صفات ہی ایسے تھے۔ کہ وہ ہر ایک کے دل کو ایک بڑی زبردست کشش کے ساتھ اپنی طرف کھینچ لیتے تھے۔ چنانچہ آپؐ اپنے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں آئے۔ تو وہ بھی عبدالمطلب کی طرح آپؐ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اپنے بچوں سے بڑھ کر آپؐ کو عزیز رکھتے تھے۔ ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے تو اور رات کے وقت بھی اپنے ساتھ ہی سلاتے تھے۔

آپؐ کا محبت کرنے والا دل

بچپن میں آپؐ کے حسن اخلاق کی ایک شہادت اس امر سے بھی ملتی ہے۔ کہ جیسا آپؐ کے پیارے اطوار کو دیکھکر آپؐ کے سرپرست آپؐ سے غیر معمولی محبت کا اظہار کرتے تھے۔ ویسا ہی آپؐ بھی اپنے محسنوں کے احسان کی قدر کرتے ہوئے ان سے بہت درجہ کی محبت رکھتے تھے۔ جو اس امر کی دلیل ہے۔ کہ آپؐ اپنے پاک سینہ کے اندر ایک محبت کرنے والا دل رکھتے تھے۔ حلیمہ سے جو آپؐ کو محبت تھی۔ اس کا ثبوت تو اس واقعہ سے ملتا ہے۔ جس کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ کہ جب وہ زمانہ نبوت میں مکہ میں آپؐ کے پاس آئیں۔ تو آپؐ دیکھتے ہی میری اماں میری اماں کہکر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اپنی اوپر کی چادر اتار کر اس کے نیچے بچھادی۔

آپؐ کو جو اپنی والدہ سے محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ جب ایک دفعہ زمانہ نبوت میں آپؐ کا گذر مقام ابوا سے ہوا تو آپؐ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپؐ کے ساتھ تھے جب آپؐ کی نظر اپنی والدہ کی قبر پر پڑی۔ تو آپؐ رو پڑے۔ اور آپؐ کے رونے میں ایسا درد اور رقت تھی۔ کہ صحابہ بھی اس نظارہ کو دیکھ کر رو پڑے۔

آپؐ کے تیسرے سرپرست عبدالمطلب تھے۔ ان کی جب وفات ہوئی۔ تو تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ ان کا جنازہ اٹھایا گیا۔ تو آپؐ بھی جنازہ کے پیچھے پیچھے جاتے تھے۔ اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے۔ اس وقت آپؐ کی عمر صرف آٹھ برس کی تھی۔

آپؐ کے چوتھے سرپرست ابوطالب تھے۔ آپؐ کو جو محبت ابوطالب سے تھی۔ اس کے متعلق تاریخ مندرجہ ذیل شہادت دیتی ہے۔ لکھا ہے۔ جب آپؐ کی عمر ۱۲ سال کی ہوئی۔ تو ابوطالب کو ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کا سفر پیش آگیا۔ چونکہ سفر لمبا اور کٹھن تھا۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ آپؐ کو مکہ میں ہی چھوڑ جائیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوطالب کی جدائی نہایت شاق تھی۔ چنانچہ روانگی کے وقت جوش محبت میں آپؐ ابوطالب سے لپٹ گئے۔ اور رونے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر ابوطالب کا دل بھر آیا۔ اس لئے آپؐ کو بھی وہ اپنے ساتھ لے گئے۔

آپؐ کے بچپن کے اخلاق کے متعلق ابوطالب کی شہادت

آپؐ کے پسندیدہ اخلاق کا پتہ صرف اس غیر معمولی محبت سے ہی نہیں لگتا۔ جو ان تمام اشخاص کو آپؐ کے ساتھ تھی۔ جن کی کفالت میں آپؐ کو یکے بعد دیگرے رہنے کا اتفاق ہوا۔ اور جن میں صحرا کے بدو بھی تھے۔ جن کو آپؐ کے ساتھ کوئی قرابت کا تعلق نہیں تھا۔ اور جن کی آپؐ سے محبت محض آپؐ کے پیارے اطوار کی وجہ سے تھی۔ بلکہ اس کا پتہ ان شہادتوں سے بھی لگتا ہے۔ جو ان لوگوں سے ہم تک پہونچی ہیں۔ جن کے پاس آپؐ نے اپنے بچپن کے دن گذارے۔ اور جن کو آپؐ کے شب و روز کی زندگی کے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ آپؐ کے چچا ابوطالب آپؐ کے بچپن کے اخلاق کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں شہادت دیتے ہیں لما رأینا منہ کذبۃ ولا ضحکا ولا جاھلیۃ ولا وقفنا مع الصبیان۔ یعنی میں نے کبھی بچپن میں بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ نہ کبھی ہنسی مذاق کرتے دیکھا۔ نہ کبھی کوئی جاہلانہ بات آپؐ سے سرزد ہوئی۔ اور نہ کبھی آپؐ نے بازاری اور آوارہ لڑکوں کے ساتھ تعلقات رکھے۔

دیکھئے۔ اس شہادت سے آپؐ کے بچپن کے اخلاق و اطوار پر کیسی روشنی پڑتی ہے۔ اول تو بچپن کے زمانہ میں ہی آپ میں وہ خوبی پائی جاتی تھی۔ جو سب خوبیوں کی سردار اور سب کی جڑ ہے۔ یعنی راست بازی کی صفت جس شخص میں یہ صفت پائی جائے۔ اس کی نسبت یہ سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ وہ سب خوبیوں کا جامع ہے۔ اور بچپن کے زمانہ میں آپؐ میں اس خوبی کا پایا جانا اس بات کی قطعی دلیل ہے۔ کہ آپؐ کی فطرت نہایت ہی پاکیزہ اور مصفی تھی۔

دوسری صفت جس کا ذکر اس شہادت میں ہے۔ وہ ہنسی مذاق سے پرہیز ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بچپن میں ہی آپؐ کی طبیعت میں سنجیدگی۔ متانت اور وقار پایا جاتا تھا۔

تیسری صفت جس کے متعلق آپؐ کے چچا شہادت دیتے ہیں۔ یہ ہے کہ بچپن میں ہی آپؐ جاہلیت کے تمام طریقوں سے پرہیز رکھتے تھے جس سے معلوم ہوا۔ کہ آپؐ کی فطرت میں ہی ہر ایک قسم کی بدی اور عیب سے نفرت پائی جاتی تھی۔

چوتھی بات جس کا ذکر اوپر کی شہادت میں ہے۔ یہ کہ آپ آوارہ اور بازاری لڑکوں سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔ اور یہ بھی اس امر کی دلیل ہے۔ کہ بچپن میں ہی آپ کی طبیعت ایسی پاکیزہ واقعہ ہوئی تھی کہ آپؐ نہ صرف خود بدی سے پرہیز کرتے تھے۔ بلکہ آپؐ ادنےٰ اخلاق والے لوگوں کی صحبت سے بھی دور بھاگتے تھے بچپن میں اس صفت کا آپؐ کے اندر پایا جانا آپؐ کی پاکیزہ فطرت اور عقلمندی کی ایک روشن دلیل ہے۔ یہ وہ صفات ہیں۔ جو اعلےٰ طبقہ کے اولیاء اللہ میں پائی جاتی ہیں۔ اور بچپن میں ان صفات کا آپؐ کے اندر پایا جانا۔ اس بات کی ایک چمکتی ہوئی دلیل ہے۔ کہ آپؐ ایک نورانی فطرت کے انسان تھے۔ جو اس ظلمت اور تاریکی کے زمانہ میں مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔

اس جگہ اس غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہئے۔ کہ آپؐ کو مطلقاً بچوں کے ساتھ کھیلنے سے نفرت تھی۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ آپؐ خود فرماتے ہیں۔ کہ میں بچپن میں انیسہ نام ایک لڑکی کے ساتھ مدینہ کے قیام کے دنوں میں کھیلا کرتا تھا۔ ایسا ہی تاریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ صحرا میں جب آپؐ بنو سعد کے قبیلہ کے اندر پرورش پارہے تھے۔ وہاں بھی آپؐ بچوں کے ساتھ مل کر کھیلا کرتے تھے۔ خصوصاً اپنی رضاعی بہن کے ساتھ جس کو آپؐ کے ساتھ بہت انس پیدا ہوگیا تھا۔

ابوطالب کی لونڈی کی شہادت

بچپن کے زمانہ میں آپؐ کی اس بے نظیر پاکیزگی کے متعلق صرف ابوطالب کی ہی شہادت نہیں۔ جو ہمیں پہونچی ہے۔ بلکہ ایک اور شہادت بھی تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے جو اس پہلی شہادت سے کسی طرح کم پایہ کی نہیں۔ اور جس سے آپؐ کی مطہر اور پاکیزہ فطرت پر اسی طرح روشنی پڑتی ہے۔ جس طرح کہ ابوطالب کی شہادت سے۔

یہ شہادت ابوطالب کی لونڈی کی ہے۔ جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ آپؐ کی عمر اس وقت ۸ برس کی تھی۔ جب کہ آپ ابوطالب کی کفالت میں آئے۔ اور ابوطالب کی لونڈی اپنے تجربہ کی بنا پر شہادت دیتی ہے۔ کہ آپؐ نے گھر میں کبھی مانگ کر کھانا نہیں کھایا جب آپ کو کھانا دیا جاتا۔ تو آپ کھالیتے۔

آپ کی یہ عادت بھی آپ کی طبیعت پر ایک بہت بڑی روشنی ڈالتی ہے۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپؐ کی طبیعت میں بچپن میں ہی حد درجہ کا وقار۔ ضبط نفس۔ حیا۔ صبر اور سوال سے نفرت تھی۔ یہاں تک کہ آپؐ گھر میں بھی کوئی چیز خود مانگ کر نہیں لیتے۔ ناظرین خود ہی غور کریں۔ کہ وہ کیا ہی اعلےٰ صفات والا بچہ تھا جس کا نام اس کے دادا نے بیت اللہ میں کھڑے ہو کر اور رب بیت اللہ کے آگے سجدہ شکر بجالا کر محمدؐ رکھا۔ یہی وہ یتیم بچہ جس کا نام محمدؐ رکھا گیا۔ فی الواقعہ محمدؐ ہی ثابت ہوا۔

آپؐ کا بکریاں چرانا

آپؐ کے چچا ابوطالب جو عبدالمطلب کے بعد آپؐ کے سرپرست عیالدار اور غریب آدمی تھے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ بچپن میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ضرورت کو محسوس کیا۔ کہ چچا کی امداد کرنی چاہئے۔ چنانچہ آپؐ نے مکہ کے دستور کے موافق خود بکریاں چرانی شروع کردیں۔ اور صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے۔ جس میں آپؐ فرماتے ہیں کہ میں بچپن میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اس واقعہ سے ہمیں ایک طرف تو آپؐ کی شرافت طبع کا علم حاصل ہوتا ہے۔ کہ اپنے چچا کے تنگ گذارہ کو دیکھکر آپؐ کے دل میں بچپن میں ہی یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ اس کی امداد کرنی چاہئے۔ اور اس خیال سے آپ نے بکریاں چرانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ جو آپؐ کی علو ہمت کی ایک دلیل ہے۔ دوسرے آپؐ کے اس نمونہ سے یہ قیمتی سبق حاصل ہوتا ہے۔ کہ جب ضرورت پیش آئے۔ تو کسی جائز محنت سے عار نہیں ہونی چاہئے۔ اور نہ ایسی محنت کرنے والوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔

تعمیر کعبہ کے لئے آپؐ کا پتھر اٹھانا

ایک اور واقعہ جس سے آپؐ کے بچپن کے اخلاق کا پتہ لگتا ہے۔ یہ ہے کہ آپ کی صغر سنی کے زمانہ میں جب کعبہ کی تعمیر کی تیاری شروع ہوئی۔ تو آپؐ نے خود بخود اپنے ذاتی شوق سے اس میں حصہ لینا شروع کیا۔ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ملکر آپ بھی بیت اللہ کی تعمیر کے لئے اپنے ننگے کندھے پر پتھر اٹھا اٹھا کر جمع کرتے تھے۔ آپ نے صرف ایک تہبند باندھا ہوا تھا۔ بدن پر کوئی اور کپڑا نہ تھا۔ یہ دیکھکر آپؐ کے چچا عباس نے آپؐ سے کہا۔ اپنا تہ بند اتار کر اپنے شانہ پر رکھ لو۔ تا پتھروں کی رگڑ نہ پہونچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعمیل حکم کی۔ مگر حیا کا یہ عالم تھا۔ کہ ننگے ہوتے ہی شرم کے مارے غشی کی سی

حالت ہو گئی۔ اور آپ کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ اور آپ زمین پر گر گئے۔ حتیٰ کہ آپ نے پھر جلدی سے اپنا تہ بند باندھ لیا۔ اور پھر اسی طرح ننگے کندھے پر پتھر اُٹھا اُٹھا کر جمع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا کندھا پتھروں کی رگڑ سے چھل گیا۔ مگر آپ نے اس تکلیف کی کچھ پرواہ نہ کی۔

اس واقعہ سے اول تو یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُس وقت آپ کی عمر اتنی چھوٹی تھی۔ کہ اس عمر میں تہ بند اتارنا کوئی عیب کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ مگر اتنی چھوٹی سی عمر میں بھی آپ پر حیا اتنی غالب تھی۔ کہ آپ غش کھا کر گر پڑے۔ جن لوگوں نے نبوت کے زمانہ میں آپ کو دیکھا۔ وہ آپ کی نسبت شہادت دیتے ہیں۔ کہ آپ کنواری عورت سے بھی زیادہ شرمیلے اور باحیا تھے۔ آپ کی یہی حیا کی صفت تھی۔ جو ایام طفولیت میں اس واقعہ کے ذریعہ ظاہر ہوئی۔

دوسرا امر جو اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ یہ ہے۔ کہ آپ میں اپنے بزرگوں کی اطاعت کا مادہ فطری طور پر پایا جاتا تھا۔ اور اپنی طبیعت اور میلان کے خلاف بھی اُن کے احکام کی فرماں برداری سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

تیسرا نتیجہ اس واقعہ سے یہ نکلتا ہے۔ کہ آپ صغر سنی میں بھی پبلک کاموں میں یعنی ایسے کاموں میں جو کسی خاص فرد کے ذاتی کام نہ ہوں بلکہ تمام لوگوں کے مشترکہ کام ہوں۔ نہایت شوق اور جوش سے حصہ لیتے تھے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ ہر ایک شخص اپنے ذاتی کام میں تو دلچسپی لیتا ہے۔ لیکن ایسے کاموں کو جن کا عام پبلک سے تعلق ہو۔ دوسروں کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ مگر آپ کا بچپن سے ہی یہ حال تھا۔ کہ آپ پبلک کام کو غیروں کا کام نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس میں ایسی ہی دلچسپی لیتے تھے۔ جیسی کہ ذاتی کاموں میں۔ اور بچپن کے زمانہ میں آپ میں اس پبلک سپرٹ کا پایا جانا ایک نہایت ہی قابل تعریف صفت ہے۔

چوتھی بات جو آپ کے کیرکٹر کے متعلق اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ آپ کی ہمت و استقلال ہے۔ اول تو ایک بچہ کے لئے پتھروں کا اٹھانا کوئی آسان کام نہیں۔ مگر آپ نے اپنی خوشی سے یہ کام اپنے لئے قبول کیا۔ پھر کپڑا پاس نہیں جو کندھے پر رکھیں۔ ننگے کندھوں پر پتھر اٹھاتے ہیں۔ کندھے پتھروں کی رگڑ سے چھل گئے۔ لیکن آپ تھکتے نہیں۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بچپن میں ہی آپ کی طبیعت میں ہمت و استقلال نہایت نمایاں طور پر پائے جاتے تھے۔

پانچواں امر جو اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ آپ کی ابتدائی زندگی غربت کی حالت میں گذر رہی تھی۔ کیونکہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس وقت جبکہ آپ بیت اللہ کے لئے پتھر اپنے کندھوں پر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ آپ کے بدن پر صرف ایک تہ بند تھا۔ دوسرا کوئی کپڑا نہیں تھا۔ اگر آپ کے پاس کوئی دوسرا کپڑا ہوتا۔ تو آپ اس وقت ضرور اسے استعمال کرتے۔ اور بلاوجہ ننگے کندھوں پر پتھر اٹھا اٹھا کر اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالتے۔

مخالف حالات میں اعلیٰ اخلاق کا ظہور

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ طفولیت کے متعلق جو مختصر حالات اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ وہ میرے نزدیک آپ کے بچپن کے اخلاق و اطوار و عادات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن میں ہی آپ کے اطوار ایسے پسندیدہ اور دل خوش کن تھے۔ کہ ہر ایک شخص جس کو آپ سے واسطہ پڑتا۔ وہ آپ کے اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا۔ ایسا ہی ان حالات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ بچپن سے ہی آپ میں راست گفتاری۔ حیا۔ وقار۔ ضبط نفس۔ متانت۔ صبر۔ علو ہمت و استقلال۔ شرافت۔ بزرگوں کی فرماں برداری۔ بڑوں کا اعزاز۔ محسنوں کی قدردانی اور محبت۔ پبلک کاموں میں شمولیت کا شوق۔ سوال سے نفرت اور بُری صحبت سے پرہیز۔ غرض ہر ایک قسم کا نیک خلق جس کے اظہار کا آپ کو موقعہ پیش آیا۔ آپ میں نہایت ہی نمایاں طور پر پائے جاتے تھے۔ مگر ان اوصاف حمیدہ کی قدر ہمارے دل میں اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم اُن حالات پر غور کرتے ہیں۔ جن میں سے آپ کو گذرنا پڑا۔ کیونکہ ان میں سے اکثر حالات ایسے تھے جن سے آپ کے اخلاق پر بُرا اثر پڑنے کا خوف تھا۔ لیکن باوجود ان تمام مخالف حالات کے آپ نے طفولیت میں ہی ایک نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ نمونہ دُنیا کے آگے پیش کیا۔ اور کوئی ایسا عیب آپ میں نمودار نہ ہوا جس پر کوئی مخالف بلسان اُنگلی دھر سکے۔

ان مخالف حالات میں سے ایک تو آپ کا یتیم ہونا ہے۔ یتیم بچوں کے عموماً دو وجوہات سے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ یا تو وہ ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی حال پرساں نہیں ہوتا۔ اور وہ لوگوں کی عدم توجہی سے طرح طرح کی بداخلاقیوں میں پڑ جاتے ہیں۔ یا اُن کو یتیم دیکھکر اُن کے سرپرست ان سے اس رنگ میں محبت کرتے ہیں۔ کہ وہ اُن کی ہر ایک خواہش کو پورا کرتے ہیں اور نہایت ہی لاڈلا بنا کر رکھتے ہیں۔ اس سے بھی ان کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر پہلی حالت میں نہیں گذرے۔ تو کم از کم دوسری حالت میں سے ضرور گذرے۔ مگر اس حالت نے آپ کے اخلاق پر کوئی بُرا اثر نہیں ڈالا۔

دوسری مخالف حالت جس میں سے آپ گذرے۔ وہ غربت تھی۔ اور غربت بھی انسان کے بعض اخلاق پر بُرا اثر ڈالتی ہے۔ اور بعض اعلیٰ اخلاق کے نشو و نما کو روکتی ہے مثلاً غریبوں میں اکثر طمع خساست اور دنائت اور بخل کے اخلاق ذمیمہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور عالی حوصلگی۔ علو ہمت۔ شرافت۔ سخاوت اور ایثار کے اعلیٰ صفات مفقود ہو جاتے ہیں۔ لیکن آپ پر غربت نے کوئی بُرا اثر نہیں ڈالا۔ نہ ہی آپ میں کسی قسم کی خساست پیدا ہوئی۔ اور نہ ہی آپ کی علو ہمت میں کچھ فرق آیا۔

تیسری مخالف بات گرد و پیش کے حالات تھے۔ اوّل تو اس زمانہ کے عام حالات ہی جس میں آپ پیدا ہوئے سخت بگڑے ہوئے تھے۔ اور اس وقت کی سوسائٹی طرح طرح کی بدیوں سے آلودہ تھی۔ دوسرے آپ نے بچپن کے زمانہ میں بہت سا وقت بکریوں اور اونٹوں کے چرواہوں اور صحرا کے بدوؤں کے درمیان گزارا۔ جو عموماً اجڈ اور وحشی ہوتے ہیں۔ مگر آپ نے ان وحشیوں اور جنگل کے چرواہوں میں رہکر فرشتوں کی سی پاکیزہ زندگی بسر کی۔ جو اس بات کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ کہ دست قدرت نے ہی آپ کی فطرت کو ایسا پاکیزہ اور مطہر بنایا تھا۔ کہ کسی قسم کے مخالف حالات آپ پر کوئی بُرا اثر نہیں ڈال سکتے تھے۔ اور جس طرح کی پاکیزہ زندگی آپ نے بچپن میں بسر کی۔ اور جن اعلےٰ اور ارفع اطوار اور اخلاق کا باوجود مخالف حالات کے آپ سے ظہور ہوا۔ وہ اس بات کا ایک روشن ثبوت ہے۔ کہ یہ پاکیزہ بچہ دُنیا میں اس لئے آیا تھا۔ کہ وہ ابنائے عالم کے لئے ایک کامل نمونہ ہو اور لوگوں کو خدا کی راہ کی طرف بلائے۔

الغرض آپ کے بچپن کی زندگی ہی اگر کوئی راستی کا طالب غور کرے تو آپکی زندگی آپکی صداقت اور راستبازی کے لئے ایک کافی دلیل ہے۔

اللھم صل علی محمد و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم

آنحضرت صلعم کا سلوک بیماروں سے

(از جناب حافظ روشن علی صاحب قادیان)

بیمار کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عیادت سنت قرار دی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ سات چیزوں کا رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم دیا۔ ان میں سے پہلی چیز عیادت مریض ہے۔ پھر فرمایا جب مریض کے پاس جاؤ۔ تو اُسکی روحانی اور جسمانی حالت دونوں کے لئے بہتری کی کوشش کرو۔ پہلی بات جو بیمار کے پاس کرنی چاہئے۔ اور جس کی خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے۔ یہ ہے۔ کہ اسے کہا جائے۔ انشاء اللہ کوئی ڈر کی بات نہیں۔ اگر خدا چاہے تو یہ بیماری پاک کرنے والی ہے۔ جیسا کہ بیماری جسمانی زہروں کے دفع کرنے کا موجب ہوتی ہے۔ ویسے ہی گناہوں کے لئے بھی کفارہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ مومن کو کوئی تکلیف نہیں پہونچتی۔ یہاں تک کہ کانٹا بھی نہیں چبھتا۔ مگر اس کے گناہوں کے لئے کفارہ ہوتا ہے۔ اس کلام میں روحانی اور جسمانی دونوں فائدوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

دوسری بات جو بیمار کے پاس کرنے کا حکم رسول اللہ نے دیا۔ اور خود اپنی سنت سے اسے قائم کیا۔ وہ بیمار کے لئے دُعا ہے۔ چنانچہ یہ دعا آپ نے سکھائی ہے۔ اذھب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءک شفاء لا یغادر سقماً۔ بیماری کو دُور کر اے انسانوں کے مالک۔ تو شافی مطلق ہے تیری شفا ایسی شفا ہے۔ کہ کسی بیماری اور گناہ کو نہیں چھوڑتی۔

حضور علیہ السلام چھوٹے سے چھوٹے آدمیوں کی بھی عیادت کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ کہ ایک شخص جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ بیمار ہو گیا۔ اس کی آپ نے بہت دفعہ عیادت کی۔ جب وہ فوت ہوا تو آدھی رات کا وقت تھا۔ لوگوں نے اُس کا جنازہ پڑھکر رات کو ہی دفن کر دیا۔ صبح حضور علیہ السلام نے دریافت کیا۔ کہ اس کا کیا حال ہے تو لوگوں نے عرض کی۔ وہ تو فوت ہو گیا۔ رات کے وقت ہم نے آپ کو تکلیف دینی نہ چاہی۔ اور دفن کر دیا۔ آپ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور فرمایا۔ مجھے اُس کی قبر بتاؤ۔ پھر قبر پر جاکر اُس کا جنازہ پڑھا۔

حضور علیہ السلام جن بیماروں کی حالت نازک دیکھتے تھے۔ انہیں اپنے مکان کے قریب لے جاتے۔ تاکہ بار بار اُن کی عیادت کر سکیں۔ چنانچہ حضرت سعد جب غزوہ احزاب میں زخمی ہوئے۔ تو اُن کا خیمہ مسجد میں لگوایا تاکہ قریب سے ان کی عیادت کرتے رہیں۔

غرض بیمار جو ہمدردی کا مستحق ہے [illegible] حضور علیہ السلام نے پوری طرح کی۔ اسی طرح حضور [illegible] ظاہری تدبیر بھی [illegible] بتلاتے تھے چنانچہ ایک عورت بیمار [illegible] آپ نے فرمایا [illegible] سے وکلہ دو۔ عود ہندی کا سفوف دو [illegible] بھی بتلاتے تھے چنانچہ حضرت علی ایک دفعہ بیماری میں مبتلا رہ کر اچھے ہوئے [illegible]

ذیل کے مضمون میں واقعات تاریخ سے اور جذبات فطرت کی گہرائیوں سے لئے گئے ہیں۔ حامد المحمودؔ

دن کا وقت تھا۔ مجلس میں چاروں طرف خاموشی تھی۔ ایک بزرگ تھی جس کا چہرہ ایک بقعۂ نور تھا۔ اور جس کے پاکیزہ جسم سے نہایت نہ مقناطیسی شعاعیں نکل نکل کر اس کے ہم جلیسوں کے دلوں کو مسحور کر رہی تھیں۔ مجلس کے درمیان بیٹھا تھا۔ وہ مقناطیسی شعاعیں جو اس کے جسم سے نکل رہی تھیں۔ دو قسم کی تھیں۔ ایک محبت پیدا کرنیوالی اور دوسری رعب۔ جن لوگوں کے دلوں کی کھڑکیاں کھلی تھیں وہ شعاعیں ان کے اندر داخل ہو کر عجیب کیفیت پیدا کر رہی تھیں ایک طرف جذبۂ محبت تھا۔ جو بچہ کی ماں سے محبت کی نسبت بھی بڑھ کر وابستگی پیدا کر رہا تھا۔ دوسری طرف جذبۂ رعب تھا۔ جو سلاطین و ملوک سے بھی زیادہ ادب و نیاز کا احساس پیدا کر رہا تھا۔ محبت کہتی تھی۔ اس چہرے کو دیکھے جا۔ ادب کہتا تھا۔ آنکھیں نیچی رکھ۔ اور اصرار تھا۔ کہ باتیں کر۔ اور کرتا ہی جا۔ نیاز کہتا تھا۔ خاموش رہ اور کان رکھ ؛

یہ منور وجود اور مقدس ہستی سادگی اور بے نفسی میں اپنی مثال آپ تھی۔ بادشاہانہ رعب تھا۔ مگر فقیرانہ لباس۔ سلاطین سے بڑھ کر دبدبہ تھا۔ مگر مسند شاہی کی جگہ ایک معمولی سا کپڑا نیچے بچھا ہوا تھا۔ اس میں اور اس کے ساتھیوں میں کچھ فرق نہ تھا بلکہ ان میں سے کئی کے لباس اس کے لباس سے بہتر تھے ؛

خدا تعالیٰ نے جس طرح باطنی کمالات اس بزرگ کو دئیے تھے ظاہری خوبیاں بھی موجود تھیں۔ جسم کی بناوٹ میں کوئی ایسا نقص نہ تھا۔ کہ دیکھنے والے کو گھن آئے۔ بلکہ مردانہ حسن تو بصورتی کا وافر حصہ ملا تھا۔ جس کی وجہ سے انسان چہرہ کو دیکھتے ہی ادب و محبت محسوس کرنے لگتا تھا۔ سچ ہے۔ کہ خیالات انسان کے چہرہ پر بھی اثر ڈالنے لگتے ہیں۔ اس بزرگ کا چہرہ ان تمام قلبی سوزوں کا شاہد تھا۔ جو اس کے دل میں ایک وسیع سمندر کی طرح موجزن تھے۔ اس کا قد میانہ اور رنگ خوبصورت اور سفید تھا۔ اس کے بال نہ تو گھونگھر والے تھے۔ نہ بالکل سیدھے۔ رنگ کے لحاظ سے وہ کسی قدر سنہری تھے۔ اس کا جسم بہت ملائم تھا۔ اور اس میں سے خوشبو آتی تھی۔ اس کا سینہ چوڑا تھا۔ اور کندھوں کے درمیان بہت فاصلہ تھا جو وسعت حوصلہ اور سادگی طبیعت پر دلالت کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں موٹے موٹے تھے۔ اور ہتھیلیاں بہت چوڑی تھیں۔ جو ایک طرف شجاعت پر اور دوسری طرف سخاوت پر دلالت کرتی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ بات کرتا تھا۔ اور مخاطب کے احساسات کا بہت ہی لحاظ رکھتا تھا اس کے ماتھے پر شکن نہ تھے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ کبھی جوش میں آجانے کا عادی نہیں ہوا۔ وہ ہمیشہ مسکراتا تھا۔ مگر لاابالی متوالے انسان کی مسکراہٹ نہیں۔ جو اسے اچھا مجلسی تو ثابت کرتی ہے۔ مگر قابل اعتبار دوست نہیں۔ بلکہ اس کے ہونٹوں پر ایک سنجیدہ اور افسردہ مسکراہٹ کھیلتی تھی۔ جو اسے اور بھی پیارا بنا دیتی تھی۔ کیونکہ اس کی خفیف شکنوں پر صاف صاف طور پر لکھا ہوا نظر آتا۔ کہ اس مسکراہٹ کی غرض دوسروں کی دلداری اور دلجوئی ہے۔ ورنہ غم خواری اور ذمہ داری نے اس کے دل کو درد و الم کا مخزن بنا رکھا ہے۔ ابھی ابھی کا واقعہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے۔ وہ خانۂ خدا میں نہ جا سکا۔ اس کے اصحاب جو اس کی خفیف سی تکلیف کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اور اس کی تھوڑی سی جدائی کی بھی طاقت نہ رکھتے تھے۔ گھبرا گئے۔ ایک اور شخص عبادت کے لئے کھڑا ہوا۔ اس کا کھڑا ہونا تھا۔ کہ عبادت گھر آہ و بکا کے شور سے گونج اٹھا۔ مرغ بسمل اس طرح نہیں تڑپتا جس طرح میدان جنگ کے شیر اور صف شکن بہادر کرب و اضطراب سے بیتاب ہو رہے تھے۔ آنسو تھے۔ کہ ان کی تار نہ ٹوٹتی تھی سینے تھے۔ کہ ابلنے والی ہنڈیا کی طرح کھول رہے تھے۔ وہ بیمار اٹھا دوسروں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑکی تک آیا۔ حالانکہ اس میں کھڑا ہونے کی بھی طاقت نہ تھی۔ اس نے کھڑکی کا پردہ ایک طرف کیا۔ اور عبادت گھر کی طرف سر جھکا کر مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ نے لوگوں کو وارفتہ کر دیا۔ وہ بے اختیار ہو کر نعرہ ہائے مسرت بلند کرنے لگے۔ اس نے پھر اپنا سر اندر کر لیا۔ لوگ خوش تھے۔ مگر آہ! انہیں کیا معلوم تھا۔ کہ اس ذرا سی مسکراہٹ کے پیدا کرنے کے لئے اسے کس قدر جذبات درد و الم کو محسوس کرنا پڑا۔ اے مقدس وجود! میری جان تجھ پر قربان۔ میرا دل تجھ پر نثار ہو۔ تو نے موت کی آخری کشمکشوں میں بھی دوسروں کی ادنیٰ خوشی کو مقدم رکھا ؛

ہاں تو آج بھی لوگوں کے چہرے افسردہ نظر آتے تھے۔ مگر اس کے چہرہ کی بشاشت قائم تھی۔ وہ انہیں اپنی آنے والی جدائی کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اور جس طرح آہن گر تلوار کو مکمل کر کے اسے آخری دفعہ صیقل کرتا ہے۔ وہ بھی اپنے اصحاب کے دلوں کو آخری دفعہ جلا دے رہا تھا وہ ان کے سامنے سب ضروری سبق دہرا رہا تھا وہ خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کی یاد ان کے دلوں میں تازہ کر رہا تھا۔ اس کی محبت کا ولولہ ان کے دلوں میں پیدا کر رہا تھا۔ ثبات و استقلال کی تعلیم دے رہا تھا۔ عورتوں سے حسن سلوک۔ غریبوں کے حقوق کی نگہداشت۔ یتیموں کی امداد۔ غلاموں کی آزادی کی تحریک۔ شکستہ دلوں کی دلجوئی۔ قرضداروں کی اعانت۔ مسافروں کے ساتھ حسن سلوک۔ رعایا کی بہتری کی کوشش۔ غیر مذاہب والوں کے جذبات کا احترام۔ اخلاق فاضلہ کا قیام۔ عدل و انصاف کا اثبات۔ غرض دنیا کی ہر ایک نیکی کی تعلیم اور ہر ایک بدی سے بچنے کی ہدایت وہ دے رہا تھا۔ مگر اپنے اور اپنے بیوی بچوں کا ذکر وہ بالکل حذف کر جاتا۔ گویا اس وقت دنیا اپنی ساری تفاصیل کے ساتھ اس کے سامنے موجود تھی۔ مگر وہ اور اس کا گھرانہ بالکل غائب تھے۔ مگر نہیں۔ میں غلطی کرتا ہوں۔ وہ کبھی کبھی اپنا ذکر بھی کرتا تھا۔ مگر اس لئے نہیں کہ اپنے مخاطبوں سے اپنی قربانیوں کی داد طلب کرے۔ اپنی فدائیت کا صلہ مانگے۔ یا اپنے رشتہ داروں کی سفارش کرے۔ نہیں بلکہ اس کے بالکل مخالف وہ کبھی کبھی بات کہتے کہتے رک جاتا تھا۔ اور اس کے چہرہ پر انتہائی کرب و اضطراب کے آثار پائے جاتے تھے۔ اس کے دل سے ایک آہ نکلتی تھی۔ ایسی آہ جس کی گہرائیوں کا اندازہ لگانا انسانی طاقت سے بالا ہے۔ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولتا۔ اور اس کی آواز جذبات غم کا ایک ایسا ہیجان ظاہر کرتی جس کے مقابلہ میں سمندر کے تلاطم بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ وہ مضطربانہ طور پر کہتا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے۔ کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو ساجد بنا لیا۔ ان فقرات کے بولتے وقت اس کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ وہ حزن و غم کا مجسمہ بن جاتا۔ اور درد و الم کی تصویر۔ بالکل یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس کی آواز کی ایک ایک لہر کے ساتھ بے تعداد تمنائیں اور التجائیں لپٹی ہوئی ہیں۔ اور وہ اپنی تمام عمر کی... خدمات اور قربانیوں کا آخری بدلہ مانگتا ہے۔ کیا بدلہ؟ یہ کہ اس کی قبر کو شرک کی جگہ نہ بنا لیا جائے۔ اس کی آواز غم و الم میں اس طرح ڈوبی ہوئی نکلتی تھی۔ کہ گویا اس کی اور اس کے خاندان کی تمام بہبودی صرف اس سوال کے جواب میں پوشیدہ ہے۔ وہ اپنے لئے صرف یہ مانگتا تھا کہ اسے پیدا کرنے والے کی عزت چھین کر اسے نہ دے دی جائے۔ میری جان اس پر فدا اور میرا دل اس پر قربان ہو۔ وہ کیسا فاخشعار تھا ؛

میں پھر اپنے مطلب سے دور چلا گیا۔ میں کہہ رہا تھا۔ کہ ایک دن وہ اپنی آنے والی جدائی کے برداشت کرنے کے لئے اپنے احباب کو تیار کر رہا تھا۔ اور اپنی پاکیزہ تعلیم کے خوشنما آثار پر پھر ایک دفعہ تکرار کے خطوط کھینچ کر انہیں جلا دے رہا تھا۔ آخر اس نے سمجھا کہ اس کا کام ختم ہو گیا ہے۔ وہ اپنا مقصد پورا کر چکا ہے۔ اس وقت اس کے اصحاب کی عجیب کیفیت تھی۔ اگر کبھی بھی انسان کا گوشت اور پوست جذبات و احساسات کی شکل میں بدل گیا ہے تو اس وقت اس کے اصحاب کا یہی حال تھا۔ وہ مجسم احساس بن رہے تھے۔ ان کا گوشت بھی احساس بن رہا تھا اور پوست بھی۔ اور ہڈیاں بھی۔ اور ان کے اندر کا گودا بھی۔ وہ مغز بن گئے تھے۔ بغیر چھلکے کے۔ اور خوشبو بن گئے تھے بغیر پتیوں کے۔ وہ نفوس قدسیہ تھے۔ جو مادہ کی حد بندی کو توڑ چکے تھے۔ اور بلند پرواز طائر تھے

جو زمین کی کثافتوں سے بالا ہو چکے تھے۔ اس نے ان کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ کہ میں بھی ایک انسان ہوں۔ جس طرح تم انسان ہو۔ مجھے ہمیشہ تم سے معاملات پیش آتے رہتے تھے۔ بالکل ممکن ہے۔ کہ کبھی میرے ہاتھ سے کسی کو کوئی اذیت پہنچ گئی ہو۔ میں نہیں چاہتا۔ کہ قیامت کے دن خدائے قادر کے سامنے مجھے جواب دہ ہونا پڑے۔ پس جس کو میرے ہاتھ سے کوئی اذیت پہنچی ہو۔ وہ آج مجھ سے بدلہ لے ؛

یہ فقرے گویا اس کے اصحاب کی کمر توڑنے کے لئے آخری تکا تھے ان کے دل پگھل گئے۔ اور ان کی آنکھیں ساون کی جھڑی کی طرح برس پڑیں۔ ان کا پیارا جس نے اپنی عمر دنیا کو اذیت سے بچانے کے لئے اور فلاح پھیلانے کے لئے خرچ کردی۔ وہ! اُس کے ہاتھ سے کسی کو اذیت پہنچی ہو وہ اور اس کو کوئی شخص بدلہ لینے کا خیال کرے۔ اگرچہ چاند تک بچہ کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے یا اگر انسانی آنکھ عالم کی انتہاء تک پہنچ سکتی ہے تو بیشک اس سرتاپا نور وجود کا بھی عیب کسی کو نظر آسکتا ہے۔ مگر جب حقیقت یہ ہے کہ چاند میں داغ ہیں۔ مگر اس وجود کی مطہر زندگی داغوں سے پاک ہے۔ تو پھر اس سے بدلہ لینے کے معنے ہی کیا ہوتے ؛

سورج چمک رہا تھا۔ مگر اس کی شعاعیں دھندلی نظر آنے لگ گئیں۔ ہوائیں چل رہی تھیں۔ مگر ان پر ایک سکوت کا سا عالم طاری ہو گیا۔ درخت ہل رہے تھے۔ مگر ایسا معلوم دینے لگا۔ گویا وہ ٹھہر گئے ہیں۔ پرندے گا رہے تھے۔ مگر ایسا محسوس ہوتا تھا۔ گویا ان کے گانے میں سے خاموشی کی لہریں پیدا ہو رہی ہیں۔ سب لوگ محو حیرت ہی تھے۔ کہ ایک شخص بولا۔ حضور ایک جنگ کے موقع پر آپ صف بندی کرا رہے تھے۔ کہ ایک صف سے گذر کر آپ کو آگے جانے کی ضرورت پیش آئی۔ آپ جس وقت صف کو چیر کر نکلے گئے۔ تو آپ کی کہنی میری پیٹھ کو لگی ؛

ہر ایک جو محبت اور عشق کا مزا جانتا ہے۔ سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت مجلس کا کیا حال ہو گیا ہو گا۔ تمام حاضرین پر ایک سناٹا چھا گیا۔ کئی منچلوں کی تلواریں میانوں سے نکل نکل پڑتی تھیں۔ آنکھیں شرربار تھیں۔ مگر دم مارنے کا یارا نہ تھا۔ ہونٹ پھڑپھڑاتے تھے۔ مگر بولنے کی طاقت نہ تھی۔ دماغ پر جوش و غضب کا تسلط ہو رہا تھا۔ مگر اظہار کی جرأت نہ تھی۔ سورج اسی طرح چمک رہا تھا مگر محبت کی آنکھ سے دیکھنے والوں کو یوں نظر آیا۔ جیسے اس کی شعاعیں تیز ہو گئی ہیں اور اس کی دھوپ سرخ ہو رہی۔ اور دنیا کو جلانے کے لئے تیار ہے۔ ہوائیں اسی طرح چل رہی تھیں۔ مگر یوں معلوم دینے لگا۔ گویا ان کی رفتار میں تیزی پیدا ہو گئی ہے۔ اور وہ دنیا کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ درخت اسی طرح ہل رہے تھے۔ مگر نظر یوں آتا تھا۔ کہ گویا وہ ابھی زمین سے اکھڑ کر جا پڑیں گے۔ پرندے ویسی ہی میٹھی آواز سے گا رہے تھے۔ مگر محبت کے کان ایک کان پھاڑ دینے والا شور سُن رہے تھے۔ جو دوزخ کی چیخ کے مشابہ تھا۔ غرض سب مجلس میں کیا متکلم اور کیا سامع سب کے دلوں میں ایک ہیجان برپا تھا۔ اور ہر ایک کی قلبی کیفیت کے مطابق عالم میں بھی ایک تغیر نظر آرہا تھا۔ مگر ایک شخص ان سب ہیجانوں سے بالا تھا۔ اور وہ وہی بزرگ نفس انسان تھا جس نے ہر اس شخص کو بدلہ لینے کی دعوت دی تھی۔ جسے اس کے ہاتھوں سے کوئی نقصان پہنچا ہو۔ اس نے نہایت متانت اور خوشی سے جواب دیا کہ لو میں بیٹھا ہوں۔ میری پیٹھ پر کہنی مار لو عشاق مجلس کے دماغ جوش غضب سے ابل رہے تھے۔ مگر وہ کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ یقیناً خدا کے فرشتے اس وقت اس خدا کی حمد گا رہے تھے۔ جس نے اس رسولؐ کو پیدا کیا تھا ؛

وہ شخص جس نے بدلہ کا مطالبہ کیا تھا۔ اُٹھا۔ اور اس نے کہا کہ جناب جس وقت مجھے آپ کی کہنی لگی تھی۔ اس وقت میرا جسم ننگا تھا۔ پس بدلہ پورا نہیں ہو سکتا۔ جب تک آپؐ کے جسم پر سے بھی کرتہ نہ اُتارا جائے۔ اس بزرگ نے فوراً اپنی پیٹھ پر سے کرتہ اونچا کر دیا۔ کہ لو اب کہنی مار لو۔ اس وقت لوگوں کے دلوں کی حرکت بند ہو گئی۔ اور دنیا ایک عالم خموشاں نظر آنے لگی۔ ہر ایک شخص حیران تھا۔ کہ وہ شخص جو بدلہ کے لئے آمادہ تھا۔ کیا دیوانہ ہے۔ اگر اس بزرگ کا ڈر نہ ہوتا۔ تو اس وقت اس شخص کی ایک بوٹی بھی نظر نہ آتی۔ مگر اس کے ثبات میں بھی کچھ فرق نہ آیا۔ اس نے لوگوں کے غصہ کی بھی پرواہ نہ کی۔ وہ اُٹھ کے اس بزرگ کے پاس آیا۔ اور پیٹھ کی طرف جھکا۔ اس کے چہرہ کے اعصاب اس وقت پھڑک رہے۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس کے نتھنے پھول رہے تھے۔ وہ نیچے جھکا۔ اور اس بزرگ کی ننگی پیٹھ کو ادب سے اپنے ہونٹوں سے چھوا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اور خدا کی حمد بجا لاتا ہوا وہ کھڑا ہو گیا۔ وہ آنسو جذبۂ عشق کے آنسو تھے۔ اس نے کہا حضور کہاں بدلہ اور کہاں یہ خادم۔ جس وقت حضور سے معلوم ہوا کہ شاید وہ وقت قریب آپہنچا ہے۔ جس کے خیال سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو میں نے چاہا۔ کہ میرے ہونٹ ایک دفعہ اس بابرکت جسم کو مس کر لیں۔ جسے خدا تعالیٰ نے برکتوں کا مجموعہ بنایا ہے پس میں نے اس کہنی کو اپنے مقصد کے پورا کرنے کا ذریعہ بنایا جس کا لگنا اس وقت بھی میرے لئے موجب فخر تھا۔ اور آج بھی جماعت پر سے حیرت دور ہو گئی۔ تعجب کی سختی جاتی رہی۔ اور دل پھر نرمی سے حرکت کرنے لگے۔ کئی دماغ جو پہلے غصہ کے خیالات سے لبریز تھے۔ اب رشک کے جذبہ سے معمور ہو گئے۔ سورج اب بھی چمک رہا تھا۔ مگر اب اس کی روشنی بہت خوبصورتی اور محبت کی بجلی سے بھری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ ہوائیں اب بھی چل رہی تھیں۔ مگر اب ان میں دیار محبوب کی خوشبو ملی ہوئی معلوم دیتی تھی۔ درخت اب بھی ہل رہے تھے۔ مگر اب ان کی حرکات خوشی کے ناچ کے مشابہ لگتی تھیں۔ پرندے اب بھی گا رہے تھے۔ مگر یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا وہ حمد و ثنا کے گیت گا رہے ہیں۔ مجلس میں افسردگی کے باوجود خوشی کی ایک لہر دوڑ رہی تھی۔ اور اس کا سبب جذبۂ عشق کا وہ مظاہرہ تھا۔ جو اوپر بیان ہوا۔ اس بزرگ کے ہونٹوں پر اسی طرح مسکراہٹ تھی۔ اور مسکراہٹ کے پیچھے ایک بار الم و غم تھا۔ یہ بزرگ

میرا محمدؐ تھا۔ اور اہل مجلس اس کے صحابہؓ تھے۔

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم انک حمید مجید ۵

تضمین اشعار حضرت مسیح موعود علیہ السلام

از جناب محمد شرافت اللہ خان صاحب شرافت شاہجہانپوری

قرآنِ پاک شاہد حالِ محمدؐ است
شانِ خدا عیان ز جلالِ محمدؐ است
ورد زبان ثنائے کمال محمدؐ است
"جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است
خاکم نثار کوچۂ آلِ محمدؐ است"

حیرت فروش بود عجب ما جرائے دوش
می زد سروش نعرۂ الحق بہ صد خروش
من چوں شوم ز خواندن صلِ علیٰ خموش
"دیدم بعین قلب و شنیدم بگوش ہوش
در ہر مکاں ندائے جمال محمدؐ است"

تخیلاں در فشاں کہ بتخلیق خدا دہم
وصلِ ائے سگاں کہ بتخلیق خدا دہم
ایں آب صد نشان کہ بتخلیق خدا دہم
"ایں چشمۂ رواں کہ بتخلیق خدا دہم
یک قطرۂ ز بحر کمال محمدؐ است"

نطقم ز نطق آیۂ لوح زبر جد لیست
ذوقم ز ذوق بادۂ نایاب سرمد لیست
ایں جوشِ من ز جوشِ مئے عشق احمد لیست
"ایں آتشم ز آتش مہر محمدیست
ویں آبِ من ز آب زلال محمدؐ است"

نعت حضرت خاتم النبیین ختم المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(از جناب مولوی محمد نواب خان صاحب ثاقب میرزا خانی)

آج دل میں مدح ختم الانبیاء کا جوش ہے
مدحت خیر الورٰی نور الہدیٰ کا جوش ہے
فکر خوئے مصطفٰے بدر الدجیٰ کا جوش ہے
ذکر روئے مجتبیٰ صاحب لوا کا جوش ہے
کر کے بھیجا جس کو حق نے رحمۃ للعالمین
جس کی پابوسی کو دوڑا شوق سے عرش بریں

جلوہ گر تھا جس کے دل میں نور پاک کبریا
تذکرے کرتے آئے جس کے نور کا سب انبیاءؑ
سید الکونین ہے جس کا خطاب با صفا
فخر آدم فخر عالم شیخ توحید ہدیٰ
اس کے احمدؐ اور محمدؐ دونوں پیارے نام ہیں
نام میں ہیں خوبیاں اور خوب اس کے کام ہیں

وہ یتیموں کا سہارا صاحب خلق عظیم
جس کے خوئے پاک فرماتا ہے قرآن کریم
وہ یتیم اور درج علم و فیض کا در یتیم
چشمۂ لطف و کرم دریائے رحمت و رحیم
اپنے بیگانے کو جس نے اپنا شیدا کر لیا
خُلق عالمگیر سے دیوانہ اپنا کر لیا

صفحۂ دنیا میں تھا جب دورۂ فسق و فجور
کفر کی ظلمت تھی اور کافور تھا ایماں کا نور
ایسی حالت میں ہُوا یہ رحمت حق کا ظہور
نور پھیلا ہر طرف جب آئے دنیا میں حضورؐ
چار سوئے دہر میں پیدا اُجالا ہو گیا
اک صدا سے دین حق کا بول بالا ہو گیا

کیا عجم کا حال تھا۔ اور کیا عرب کا حال تھا
بدروی کا ہر طرف پھیلا ہُوا اک جال تھا
ساری دنیا میں غرض نیکی کا گویا کال تھا
بانوئے گیتی کا بگڑا حسن خط و خال تھا
آ کے دنیا کو سنوارا۔ بانیٔ اسلام نے
واہ کیا تاثیر پیدا کی خدا کے نام نے

جانتے بھی ہو عرب کہتے تھے دنیا کو عجم
اپنے جیسا بولنے والا سمجھتے تھے وہ کم
اپنی ہی شیریں زبانی کا بھرا کرتے تھے دم
کون میدان بلاغت میں تھا ان کا ہمقدم
قوم سے اک قوم کو دم میں لڑا دیتے تھے وہ
اک ذرا سی بات میں فتنہ اٹھا دیتے تھے وہ

اُن میں پیدا ہو گئے جب افصح عجم و عرب
وہ نبی ہاشمی وہ احمد امی لقب
کیا کہوں اُن کے سخن سنجوں پہ ٹوٹا کیا غضب
سُن کے قرآن مبین سر نگوں تھے سب کے سب
قافیہ تنگ اُن کی شعر و شاعری کا کر دیا
ناطقہ بند ان کی سحر و ساحری کا کر دیا

ان کی شعر و شاعری ان کی زبان ناپاک تھی
ان کا دل ناپاک اور روح و رواں ناپاک تھی
شاعری سے سیرت پیر و جواں ناپاک تھی
بدزبانی کی بدولت ان کی جاں ناپاک تھی
پڑھ کے قرآں اور ہی گفتار کا انداز تھا
چھوڑ بیٹھے بدزبانی جس پہ ان کو ناز تھا

اللہ اللہ صحبت عالی میں کیا تاثیر تھی
وحشیوں کے رام کرنے کو عجب تدبیر تھی
ان کی بداخلاقیوں کے واسطے اکسیر تھی
اُن کی تھی قسمت ہی اچھی اور بھلی تقدیر تھی
آتشیں خو صحبت والا سے نورانی ہوئے
خاک کے پُتلے تھے قرآں سُن کے روحانی ہوئے

غور سے دیکھو محمدؐ میں ہیں موسیٰؑ کے کمال
نوحؑ و ابراہیمؑ اور الیاسؑ و یحییٰؑ کے کمال
یونسؑ و ایوبؑ و ادریسؑ اور عیسیٰؑ کے کمال
اس میں اور اس کے غلاموں میں مسیحا کے کمال
مختصر یہ ہے۔ کہ ہیں وہ مظہر کل انبیاءؑ
فیضیاب ان کی نبوت سے ہیں سارے اولیاءؒ

دیکھتے ہیں ہم خدا کو اس نبوت کے طفیل
اس نبی ہاشمی کے بخت و دولت کے طفیل
چلتے ہیں سیدھے فقط ان کی ہدایت کے طفیل
پاتے ہیں راہ خدا ان کی شریعت کے طفیل
اس نبوت کا قیامت تک ہما بر فیض ہے
یہ نبوت غور سے دیکھیں سراسر فیض ہے

قوم خوش خو ہو گئی حضرت کی سیرت دیکھ کر
اچھی عادت دیکھ کر اور پیاری خصلت دیکھ کر
تلخ باتیں چھوڑ دیں ذوق و حلاوت دیکھ کر
وحشتیں سب اڑ گئیں اُنس و محبت دیکھ کر
ثاقبؔ اور منہ اُس کا ادا اُن کی خصائل کا بیاں
سیرت فخر جہاں میں گنگ ہے اُس کی زباں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابیات کا اخلاص

از بیگم صاحبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے قادیان

مردوں اور عورتوں کا حلقہ عمل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی اثر نے جو ایمان و اخلاص صحابہ میں پیدا کر دیا تھا۔ اس کے درخشندہ کارنامے تاریخ میں مذکور ہیں اور ہر شخص جو تھوڑا بہت اسلامی تاریخ کا مطالعہ رکھتا ہے۔ ان سے واقف ہے۔ مگر وہ جوش و اخلاص جو آپ کی تربیت میں صحابیات کے دلوں میں پیدا ہؤا۔ وہ بھی کوئی کم نہیں تھا۔ قدرت کی طرف سے مرد و عورت کے کاموں کا دائرہ الگ الگ مقرر ہے۔ اور عام حالات میں یہ غلطی ہوگی۔ اگر ہم مردوں کے دائرہ عمل میں عورتوں کے اخلاص کی مثالیں تلاش کریں۔ لیکن صحابیات کا اخلاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اس قدر ترقی کر گیا تھا اور ان کے دلوں میں خدمت اسلام اور حفاظت دین کی اتنی تڑپ پیدا ہوگئی تھی۔ کہ بعض اوقات وہ اپنے جوش ایمان کی بے ساختگی میں اپنے عام دائرہ عمل سے باہر قدم مار کر بھی اپنی محبت و اخلاص کا ثبوت دیتی تھیں۔ چنانچہ میں اس موقعہ پر اس قسم کی چند ایک مثالیں اپنی بہنوں کے فائدہ کے لئے پیش کرنا چاہتی ہوں۔ اور اختصار کے خیال سے میں صرف جنگ اُحد کے حالات تک اپنے آپ کو محدود رکھوں گی ؎

جہاد بالسیف اور صحابیات

یہ ایک ظاہر بات ہے۔ کہ عام حالات میں جہاد بالسیف کرنا عورتوں کا کام نہیں ہے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ عورت کا جہاد یہ ہے۔ کہ وہ اپنے گھر میں رہ کر ان فرائض کو سرانجام دے۔ جو قدرت نے بحیثیت ایک بیوی اور ایک ماں کے اس کے سپرد کئے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ہمیں صحابیات کی زندگیوں میں کئی ایسی مثالیں ملتی ہیں جبکہ وہ بعض حالات کے ماتحت اپنے گھر کی چار دیواری کو چھوڑ کر میدان جنگ میں پہنچی ہیں۔ اور مردوں کی طرح جہاد بالسیف میں حصہ لیکر اپنے ایمان و اخلاص کا ثبوت دیا ہے ؎

جنگ اُحد اور مسلم خواتین

چنانچہ لکھا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ اُحد کے موقعہ پر مدینہ سے نکلے۔ تو کئی صحابیات بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ ان میں حضرت عائشہ رضؓ اور اُم سلیم اور اُم سلیط کا نام خاص طور پر حدیث میں مذکور ہوا ہے۔ یہ خواتین جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتیں۔ ان کی مرہم پٹی کرتیں۔ اور اسی قسم کی دوسری خدمت سرانجام دیتی تھیں۔ چنانچہ بخاری میں آتا ہے کہ جب لڑائی کی شدت ہوئی۔ اور کئی صحابی زخمی ہو کر گرے۔ تو حضرت عائشہ رضؓ اور دوسری صحابیات نے میدان جنگ میں نہایت سرگرمی سے ادھر اُدھر بھاگ کر زخمیوں کی خبر گیری کی۔ اور ان کو پانی پلایا۔ اور اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اپنی جان تک کی بھی پرواہ نہ کی۔ جب جنگ نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کی۔ اور دشمن کے اچانک حملے سے مسلمانوں کی صفوں میں کچھ ابتری سی پیدا ہوگئی۔ اور ایک وقت تو ایسا آیا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے نرغے میں گھر گئے۔ تو اس وقت بعض صحابیات نے اپنے جوش اخلاص و ایمان میں بے تاب ہو کر تلوار ہاتھ میں لے لی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے دشمن کی صفوں میں گھس گئیں ؎

اُم عمارہ رضؓ

ان صحابیات میں اُم عمارہ رضؓ کا نام خاص طور پر مذکور ہؤا ہے اُم عمارہ رضؓ نے جب یہ دیکھا۔ کہ مسلمانوں کی صفوں میں ابتری کے آثار نمایاں ہیں۔ اور دشمن کے سپاہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ تو وہ بے تحاشہ مردوں کے اندر گھس گئیں۔ اور بڑی جدوجہد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ کر حملہ آوروں پر تلوار چلانی شروع کر دی۔ جب قریش کا ایک مشہور سپاہی ابن قمیہ آنحضرتؐ کی عداوت میں مجنون ہو کر اپنی تلوار سے چاروں طرف موت بکھیرتا ہوا آنحضرتؐ کے قریب پہنچا تو سب سے پہلے اُم عمارہ نے اس کا مقابلہ کیا۔ اور گو وہ اس مقابلہ میں سخت زخمی ہوگئیں مگر انہوں نے ابن قمیہ کو آنحضرتؐ کے قریب پہنچنے نہ دیا۔

ایک انصاری خاتون

جب اُحد کی ہزیمت کی خبر مدینہ میں پہنچی۔ تو بہت سی صحابیات بیتاب ہو کر مدینہ سے نکل آئیں۔ اور اُحد کے میدان میں پہنچ کر خدمت اسلام کے بہت سے کارنامے دکھائے۔ ایک انصاری خاتون جب مدینہ سے نکلی۔ تو راستے میں جو شخص بھی اسے ملتا تھا اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال پوچھتی تھی۔ اور جب کوئی تسلی بخش خبر نہ ملتی۔ تو بے چین ہو کر آگے بھاگنا شروع کر دیتی تھی آخر ایک مسلمان سپاہی اسے ملا۔ جو میدان جنگ سے واپس آ رہا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر آیا تھا۔ اس مسلم خاتون نے اس سے دریافت کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ہیں؟ وہ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر آیا تھا۔ اور اس معاملہ میں اسے تسلی تھی۔ اس نے اس کے سوال کی طرف توجہ نہ کر کے جواب دیا۔ کہ افسوس! بہن تمہارا باپ جنگ اُحد میں شہید ہو گیا صحابیہ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیریت کی خبر سننے کے لئے بے تاب ہو رہی تھی۔ کہا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ کیسے ہیں؟ صحابی نے پھر اسی طرز میں جواب دیا۔ کہ افسوس! تمہارا بیٹا بھی مارا گیا۔ صحابیہ نے پھر پوچھا۔ میں کہتی ہوں مجھے یہ بتاؤ۔ کہ رسول اللہؐ کا کیا حال ہے۔ صحابی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مطمئن تھا۔ اور اس خاتون کی مصیبت اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ اس نے پھر اس کے سوال کو نظر انداز کر کے جواب دیا کہ بہن کیا بتاؤں۔ تمہارا شوہر بھی شہید ہو گیا۔ ان جوابات سے مخلص خاتون کا فکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بہت زیادہ ہو گیا۔ اور اس نے یہ خیال کر کے کہ شاید یہ صحابی مجھ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کوئی بدخبر چھپاتا ہے۔ نہایت ہی بے تابی کے عالم میں کہا۔ خدا کے لئے مجھے یہ بتاؤ۔ رسول اللہ کیسے ہیں؟ صحابی نے جواب دیا۔ رسول اللہؐ تو خدا کے فضل سے زندہ سلامت ہیں۔ اور ابھی تشریف لا رہے ہیں۔ یہ جواب سنکر اس مخلص عورت کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ الحمدللہ۔ اگر رسول اللہ زندہ ہیں۔ تو پھر اور سب مصیبتیں ہیچ ہیں ؎

مسلم خواتین سے سوال

یہ وہ ایمان و اخلاص تھا۔ جو صحابیات نے دکھلایا۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم جو ان کے نقش قدم پر چلنے کی مدعی ہیں۔ کیا نمونہ پیش کر رہی ہیں۔ اس سوال کا جواب دینا میرا کام نہیں۔ ہر بہن اپنے دل میں خود غور کر لے۔ اے اللہ! تو ہمیں توفیق دے۔ کہ ہم تیری اور تیرے رسول اور تیرے مسیح اور تیرے دین کی محبت میں وہ مرتبہ حاصل کریں۔ جو تیری رضا اور ہماری فلاح کا موجب ہو ؎

آمین اللھم آمین ؎

از جناب مولانا محمد یعقوب صاحب ڈپٹی پریزیڈنٹ لیجسلیٹو اسمبلی

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن ہزار بے ادبی ست

سرور کائنات حضرت محمد مصطفٰے صلعم کے اوصاف حمیدہ اور خصائل ستودہ کے اظہار کے واسطے قلم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ خاکسار مجھ جیسے بے مایہ اور بے سروسامان کے واسطے جس کا دائرہ علم اور احاطہ معلومات نہائت ہی محدود اور تنگ ہے۔ ممدوح خالق کون و مکان کی مداحی اور ثناخوانی کرنا انسان کے مقدور سے باہر ہے۔ ہم جو کچھ جانتے ہیں۔ اور جو کچھ کہہ سکتے ہیں۔ وہ صرف اس قدر ہے۔ کہ سے

ہیں دونوں جہاں تابع فرمان محمدؐ
اللہ سے کم سب سے بڑی شان محمدؐ

میں اپنے میں ہرگز یہ قابلیت نہیں پاتا۔ کہ ایسے مہتم بالشان عنوان پر مضمون نگاری کی جرأت کرتا لیکن جناب والا خطاب مرزا بشیر الدین محمود احمدؐ صاحب کے ارشاد اور مفتی محمد صادق صاحب وایڈیٹر صاحب الفضل کے اصرار نے بحکم الامر فوق الادب مجھے مجبور کر دیا۔ کہ چند سطور سپرد قرطاس کروں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے حالات اور واقعات جس قدر تفصیل کے ساتھ قلم بند ہوئے ہیں۔ دنیا میں کسی اور برگزیدہ ہستی کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ اس لئے ایک مختصر مضمون میں خصائل اور سیرۃ نبی اکرمؐ کے چیدہ چیدہ حالات کو نہائت اختصار کے ساتھ لکھنا بھی۔ لانا ہے جوئے شیر کا۔ ذیل کی سطور میں بجائے سوانح نگاری کے میں اس امر کی کوشش کرونگا۔ کہ خصائل اور اخلاق محمدیؐ کا ایک نہائت ہی مجمل خاکہ کھینچکر برادران اسلام کو ان کی پیروی اور اتباع پر مائل کروں۔

غیر مسلموں سے مسلمانوں کے تعلقات

ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کا مسئلہ اس وقت سب سے زیادہ اہم اور معقدہ لاینحل بنا ہوا ہے۔ اس لئے میں کوشش کروں گا۔ کہ سیرت نبویؐ کے واقعات سے اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالوں۔ اور دیکھوں۔ کہ سرکار دوجہاںؐ کا طرز عمل اس معاملہ میں ہم کو کیا سبق دیتا ہے۔ رحمۃ للعالمین کی پاک زندگی کے حالات میں کفار اور مشرکین کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری کے واقعات اس قدر کثرت سے ہیں۔ کہ ان کا بیان اس مضمون کے احاطے سے باہر ہے۔ ابتدائی زمانۂ اسلام میں جب مسلمان کمزور اور مظلومی کی حالت میں تھے۔ اُس زمانہ میں غیر مسلموں کے ساتھ رسول اکرمؐ کی شفقت اور تواضع کو خوف اور مجبوری پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ خاتم النبیین کی ذات اس قسم کی انسانی کمزوریوں اور لغزشوں سے مبرا اور بالاتر تھی۔ تاہم اس موقعہ پر جن واقعات کا حوالہ دیا جائیگا وہ سب اُس زمانہ کے ہیں۔ جبکہ اسلام پوری قوت حاصل کرچکا تھا۔ اور حضور اقدسؐ کو علاوہ نبوت کے دنیوی حکمرانی اور جہاں بانی کا مرتبہ بھی حاصل تھا۔

غیر مسلموں کی مہمان نوازی

اُس زمانہ میں کفار کو بارہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ابوبصرہ غفاری حالت کفر میں مدینہ منورہ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہوئے۔ انہوں نے رات میں کاشانۂ رسالت کی تمام بکریوں کا دودھ پی لیا۔ اور رات بھر اہل بیت اطہار کو بھوکا رہنا پڑا۔ لیکن رحمت للعالمین کی پیشانی پر شکن تک نمودار نہ ہوئی۔ اسی طرح کا واقعہ ایک اور کافر کا ہے۔ جو رسول اکرمؐ کا مہمان تھا۔ آپؐ نے ایک بکری کا دودھ اول اس کے سامنے پیش کیا جب وہ اس کو پی چکا۔ تب دوسری۔ تیسری اور چوتھی کا یہاں تک کہ سرور عالمؐ کے ہاں جو سات بکریاں تھیں۔ ان سب کا دودھ نہائت خندہ پیشانی سے اس کو پلا دیا۔ مہمان پر قدسی صفت میزبان کی اس تواضع اور مہمان نوازی کا ایسا اثر ہوا۔ کہ صبح کو وہ مسلمان ہوگیا۔

شان عدل و انصاف

یہود کو سرور دو عالمؐ کے ساتھ جس قدر عداوت اور دشمنی تھی۔ اُس کے حالات سے تاریخ کے سینکڑوں اوراق بھرے پڑے ہیں۔ لیکن مدینہ منورہ میں اس زمانہ میں ایک یہودی کا لڑکا بیمار تھا۔ سرور دو عالم کو جب اس کی بیماری کا علم ہوا۔ تو بہ نفس نفیس اس کی عیادت کے واسطے تشریف لے گئے۔ یہودی ہمیشہ سے داد و ستد کا پیشہ کرتے چلے آئے ہیں۔ اور مدینہ میں مسلمانوں کو بھی جب قرضہ لینے کی ضرورت ہوتی۔ تو انہیں سے لین دین کرنا پڑتا تھا۔ بنی نوع انسان کا خون چوسنے والے ہندوستانی مہاجنوں کی طرح یہود بھی نہائت سخت گیر اور درشت خو تھے۔ جب کبھی معاملہ میں مسلمانوں اور یہودیوں میں اختلاف پیدا ہوتا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی مسلمانوں کی بیجا طرفداری نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ دونوں کے ساتھ انصاف کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک یہودی نے آکر شکائت کی۔ کہ ایک مسلمان نے اُس کے تھپڑ مارا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت اس مسلمان کو بلایا۔ اور سرزنش فرمائی۔

نصاریٰ کو مسجد میں عبادت کی اجازت

بحزان کے نصاریٰ کا ایک وفد آنحضرت کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ آپؐ نے اُس کو بطور اپنے مہمان کے مسجد نبوی میں ٹھیرایا۔ اور وہیں نصرانی طریقہ پر نماز ادا کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ کیا دنیا میں کوئی مذہب دوسرے مذاہب کے ساتھ اس قسم کے برتاؤ کی مثال پیش کرسکتا ہے۔ یہ تھا حضور انورؐ کا برتاؤ غیر مسلموں کے ساتھ ہم بھی آج ہندوستان کے اندر ہر طرف سے غیر مسلموں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلعم کی یہ روایات اس معاملہ میں ہمارے واسطے دلیل راہ ہیں

مساوات

دنیا آج جس چیز کو تہذیب اور ترقی کی معراج کمال خیال کرتی ہے۔ وہ مساوات انسانی ہے۔ ہندوستان کی موجودہ سیاسی جدوجہد کا منتہائے خیال بھی یہی مساوات ہے۔ پیغمبر اسلام صلعم کی سوانح عمری کو اٹھاکر دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ دنیا میں انسانی مساوات کا سبق کسی اور نے نہیں دیا۔ یورپ اس زمانہ میں جس مساوات پر ناز کرتا ہے۔ وہ اسلامی مساوات کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ آفتاب رسالت کے طلوع ہونے سے پیشتر ہی خیر البشرؐ فطرتاً مساوات انسانی کے سب سے بڑے حامی تھے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوئی۔ تو حضرت خدیجہؓ کے پاس زید نام ایک غلام تھا۔ حضرت سرور عالمؐ یہ تاب نہ لاسکے۔ کہ ایک انسان کو غلامی کی حالت میں دیکھیں آپؐ نے اپنی پیاری بی بی سے ان کو مانگ لیا۔ اور آزاد کر دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ آفتاب رسالتؐ کے طلوع ہونیکے بعد بھی حضرت زیدؓ خاصان بارگاہ نبوی میں داخل ہوئے۔ اور آپ نے اپنے ہی خاندان کی ایک لڑکی کے ساتھ ان کا عقد کر دیا۔ اور اس طرح پردہ دودمان رسالت میں شامل ہوگئے۔ کیا دنیا میں مساوات انسانی کی اس سے بڑھکر کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ سلمان۔ صہیب اور بلالؓ جو سب غلام رہ چکے تھے۔ بارگاہ نبویؐ میں ان کا مرتبہ کسی سردار قریش سے کم نہ تھا۔ تمام دنیوی کاموں میں آنحضرت صلعم دوسروں کی طرح یکساں شرکت فرماتے تھے۔ مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد جب مسجد نبویؐ تعمیر ہوئی۔ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیگر صحابہ کی طرح تعمیر کے کام میں حصہ لیتے۔ اور اینٹیں ڈھوتے تھے۔ صحابہؓ نے ہرچند منت و سماجت اور اصرار کے ساتھ باز رکھنا چاہا۔ لیکن مساوات انسانی کے اس زبردست حامیؐ نے اس بات کو گوارا نہیں کیا۔ کہ اپنی ذات کے لئے کوئی امتیاز قائم کرکے آئندہ کے لئے ایک بدنما مثال قائم کریں۔

غزوۂ بدر میں فوج اسلام کے پاس سواریاں کم تھیں۔ اس واسطے ایک اونٹ تین صحابہؓ میں مشترک تھا۔ جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ فوج اسلام کا وہ سپہ سالار اعظمؐ بھی دیگر صحابہؓ کی طرح دو اور صحابہؓ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک تھا۔ اور باری باری سے سوار ہوتا اور پیدل چلتا تھا۔ صحابہؓ نے ہرچند چاہا۔ کہ سرور عالمؐ برابر سوار رہیں۔ لیکن اس دنیوی امتیاز اور وجاہت کے توڑنے والے نے کسی طرح اس کو گوارا نہ فرمایا۔

سرور دو عالمؐ مفلسوں اور غریبوں کے ہاں تشریف لے جاتے۔ اور ان کے ساتھ بالکل مساوات کا برتاؤ کرتے۔ مجالس میں اس طرح تشریف

نہ ہوتے۔ کہ کوئی امتیازی شان پیدا نہ ہو۔ اصحاب کبھی مجمع میں تشریف لے جاتے۔ تو جہاں جگہ مل جاتی۔ وہیں بیٹھ جاتے۔ مغربی تہذیب کے دلدادہ آئیں۔ اور اس سید مدنی ؐ سے انسانی مساوات کا درس حاصل کریں

دلداری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی کی دل شکنی گوارا نہیں فرماتے تھے مکہ سے ہجرت کرکے آپ جب مدینہ تشریف لائے۔ تو انصار مدینہ کے یہاں عید ہو گئی۔ ہر مشتاق دید اور جان نثاری کے واسطے پروانہ وار تیار تھا۔ اور ہر شخص کی یہ تمنا اور خواہش تھی۔ کہ محبوب رب العالمین اس کے یہاں تشریف فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ اگر آپ کسی ایک شخص کو ترجیح دے کر اس کے یہاں اقامت پذیر ہونگے تو ممکن ہے۔ کہ دوسروں کی دلشکنی کا باعث ہو۔ لہذا آپ نے فرمایا۔ بھائی مسلمانو! بجائے اس کے کہ میں خود کسی صاحب کا مکان اپنے ٹھہرنے کے لئے تجویز کروں۔ میں اپنی اونٹنی کی مہار چھوڑے دیتا ہوں۔ جس مکان پر وُہ ٹھیر جائے گی جب وہیں قیام کروں گا۔ خدا تعالےٰ نے یہ سعادت حضرت ایوب انصاری کی قسمت میں لکھی تھی۔ چنانچہ اونٹنی اُن کے سامنے آکر ٹھیر گئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں قیام فرمایا۔ اور اس طرح اہل مدینہ میں سے کسی کو شکایت کا موقعہ نہ ملا۔ آج ہم ہیں کہ اسی خلق عظیم کے غلاموں میں ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ لیکن حالت یہ ہے ایک کو ایک کھائے جاتا ہے۔ ؎

ترا کہ میسر شود ایں مقام
کہ با دوستانت خلاف ست وجنگ

اتحاد کی تعلیم

مدینہ کے باشندوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قومیت کی ایسی رُوح پھونکی تھی۔ اور اتحاد و موانست کا ایسا سبق پڑھایا تھا۔ کہ اس کی کوئی اور مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یعنی تمام اہل مدینہ نے ایک ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنا لیا۔ اور اپنا تمام مال و اسباب اور جائداد کیمبہ مساوی ان کو تقسیم کر دیا۔ ایک ہم ہیں۔ کہ گو اسی رسولؐ کے اُمتی کہلاتے ہیں۔ لیکن قومیت اور اتحاد ہم میں بالکل مفقود ہے۔ اور اگر کسی چیز میں ہم متفق ہیں۔ تو صرف اس میں کہ آپس میں متفق اور متحد نہ ہونگے۔ ؎

حرم پاک بھی۔ اللہ بھی۔ قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی۔ ہوتے جو مسلمان بھی ایک

اخلاق محمدی

غیر ممکن ہے۔ کہ ایک مضمون میں شہنشاہ کونینؐ کے اوصاف اور اخلاق حمیدہ مختصر طور سے بھی بیان کئے جا سکیں۔ میرے واسطے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ کہ ان برگزیدہ ہستیوں نے جن کو رسول سرور عالمؐ سے تقرب کا شرف حاصل رہا ہے۔ جن الفاظ میں اوصاف اور اخلاق محمدی کو جمع کیا ہے۔ میں اس موقعہ پہ ان کو نقل کردوں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو ۲۵۔ سال تک قبل اور بعد بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفیق اور غمگسار رہی ہیں۔ وہ اوصاف احمدی کا اس طرح بیان فرماتی ہیں۔ کہ آپ صلہ رحم کرتے ہیں۔ مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں۔ غریبوں کی اعانت کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں حق کی حمایت کرتے ہیں۔ اور مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں +

؎ مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا۔ ضعیفوں کا ماوا
یتیموں کا والی۔ غلاموں کا مولا

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ اوصاف نبویؐ کو یوں بیان فرماتی ہیں:۔

"آپؐ کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ بُرائی کے بدلہ میں بُرائی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ درگذر اور عفو فرماتے تھے۔ آپؐ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا۔ تو جو آسان ہوتی۔ اس کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وُہ گناہ میں داخل نہ ہو۔ آپؐ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ آپؐ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپؐ نے کبھی کسی غلام کو۔ لونڈی کو۔ کسی عورت کو۔ خادم کو یہاں تک کہ کسی جانور کو بھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپؐ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی۔ اِلّا یہ کہ وُہ ناجائز ہو۔ آپؐ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں۔ ہنستے۔ اور مسکراتے ہوئے۔ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں ٹھیر ٹھیر کر اس طرح کرتے۔ کہ اگر کوئی یاد رکھنا چاہے۔ تو یاد کر لے"! ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور داماد اور تمام عمر کے رفیق اور مونس تھے۔ وہ اخلاق محمدی کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

"آپؐ خندہ جبیں۔ نرم خو۔ مہربان طبع تھے۔ سخت مزاج اور تنگدل نہ تھے۔ بات بات پر شور نہیں کرتے تھے۔ کوئی بُرا کلمہ کبھی مونہہ سے نہیں نکالتے تھے۔ عیب جُو اور سخت گیر نہ تھے۔ کوئی ایسی بات اگر ہوتی جو آپؐ کو ناپسند ہوتی۔ تو اس سے اغماض فرماتے تھے۔ کسی کے اندر کے حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے +

غرض کہ دنیا کے تمام اوصاف حمیدہ اور فضائل ستودہ ذات محمدی میں جمع تھے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ۔ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسلمانوں کے تنزل کی وجہ

میرا یہ راسخ عقیدہ ہے۔ کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے تنزل اور تباہی کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی چھوڑ دی۔ اور اُن کے اُسوۂ حسنہ پر قائم نہیں رہے۔ آج بھی اگر ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پر چلنا شروع کر دیں۔ اور جن اوصاف سے وہ ذات ملکوتی صفات متصف تھی اُن کو حاصل کرنے کی سعی کریں۔ تو دنیا کی کوئی بہبود اور فلاح ایسی نہیں ہے۔ جو ہم کو حاصل نہ ہو سکے +

؎

فیض رُوح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

رسول کریمؐ کی رواداری

(از جناب ماسٹر عبدالسّلام صاحب بی اے سب انسپکٹر سکولز بہار)

انسان کا اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے احسن سلوک کرنا اس امر کا ثبوت نہیں ہے۔ کہ اس کا تعلق غیروں سے بھی اچھا ہی ہوگا۔ ہو سکتا ہے۔ بلکہ عموماً ہوتا ہے۔ کہ انسان اپنے اقربا سے غیروں کی نسبت بہتر سلوک کرتا ہے۔ بلکہ اکثر غیروں سے بُرا سلوک ہوتا ہے +

میں مندرجہ ذیل سطور میں اس امر پر روشنی ڈالونگا۔ کہ رسول کریمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق غیروں سے ایسا تھا۔ کہ دوسرے لوگ اپنوں سے بھی اس طرح کا تعلق نہیں رکھتے +

(۱)

آج دنیا میں تعصب اور تنگ خیالی کی رو چلی ہوئی ہے۔ ایک مذہب والا دوسرے مذہب والے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ آج ایک خدا اور ایک رسول کے ماننے والوں کو بھی مسجدوں سے نکال دیا جاتا ہے۔ مندروں میں کوئی غیر ہندو داخل ہو۔ تو مندر ہی ناپاک ہو جاتے ہیں۔ یہ حالات اس وقت کے ہیں۔ جبکہ تعلیم اور شائستگی اپنے عروج کے اعلےٰ زینہ پر پہونچی ہوئی ہے۔ لیکن عرب کے سے ناکندہ تراش ملک میں تاریکی اور جہالت کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ کہ نصاریٰ کا ایک وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے لئے مسجد میں آتا ہے۔ اس کی عبادت کا وقت ہے۔ ہر طرف تجسس کی نگاہیں دوڑاتا ہے۔ کہ کوئی جگہ عبادت کے لئے مل جائے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھکر خندہ پیشانی سے مسجد ہی میں عبادت کی اجازت دے دی۔ میں تمام مذاہب کو چیلنج کرتا ہوں۔ کہ اس عظیم الشان رواداری کی مثال اپنے پیشواؤں میں دکھلائیں۔

(۲)

مسجد میں دربار نبوت لگا ہوا ہے۔ کہ ایک انجان شخص مسجد کے فرش پر بیٹھ کر پیشاب کرنے لگ جاتا ہے۔ صحابہ کرام اُٹھتے ہیں اور سختی سے پیش آنے لگتے ہیں۔ لیکن مجسّم رحم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو منع کرتے ہیں۔ اور روکتے ہیں۔ پیشاب کرنے میں مت چھیڑو جب وُہ شخص پیشاب کر چکتا ہے۔ تو اسے پیار سے سمجھاتے ہیں کہ مسجد پیشاب گاہ نہیں۔ عبادت گاہ ہے +

(۳)

ہم نے عموماً لوگوں کو دیکھا ہے۔ کہ غیر مذہب کے آدمی کی نعش پر خدا لعنۃ والسقر پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن بانیٔ اسلامؐ کی حالت ملاحظہ ہو۔ ایک یہودی کی نعش جا رہی ہے۔ آپؐ اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور صدمہ کے آثار آپؐ کے روئے مبارک پر عیاں ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں سے ایک نے استعجاب سے کہا۔ "یہ یہودی کی نعش ہے"؟ آپؐ نے فرمایا ہاں لیکن اس کی بھی جان تھی۔ اور جان نکلنے میں اشد تکلیف ہوتی ہے سبحان اللہ۔ یہ رنگ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلوک کا غیروں سے +

دعوت نامہ پیغمبر اسلام بنام ہرقل قیصر روم

(نتیجۂ فکر جناب حکیم سید علی صاحب آشفتہ لکھنوی)

قیصر روم کہ ہرقل تھا جہاں میں مشہور
جب ہوئی اسکی ہدایت شہِ دیں کو منظور

دحیہ کلبی کو ہوا حکم کہ خط لے جائیں
جسقدر جلد ہو فرمانِ رسالت پہنچائیں

فرض تھی بسکہ ہر ایک حکم نبی کی تعمیل
اس صحابی نے بجالانے میں خود کی تعجیل

تھیں دعائیں میرے مالک مجھے پر دے اور دیدے
اُڑ کے پہنچاؤں یہ فرمان۔ مجھے پر دیدے

الغرض شام کے اس حاکم سلطانی تک
نامہ پہنچا ہی دیا حارث غسانی تک

ایک دُرِ طرۂ تاج سرِ قیصر تھا یہ
صوبۂ شام کا مشہور گورنر تھا یہ

ایک بڑی فتح کا تھا جشن۔ خوشی تھی مقصود
ان دنوں بیت مقدس میں تھا ہرقل موجود

لیکے حارث نے وہیں نامہ اطہر بھیجا
باصد اعزاز و تجمل سوئے قیصر بھیجا

جبکہ ہرقل نے وہ مکتوب گرامی پایا
اپنا دربار بڑی شان سے پھر سجوایا

اس میں عالم ہو کہ جاہل ہو کہ ہشیار آئے
حکم تھا عام کہ دنیا سبر دربار آئے

پیشوا دینِ مسیحی کے بھی مدعو تھے تمام
علماء و حکماء کو بھی یہی تھے احکام

جمع جب ہو چکا دربار تو با شوکت و شان
جلوہ افروز ہوا تخت پہ پھر خود سلطان

حکم ان کو دیا دربار میں جو تھے ناظر
ترجمانی کے لئے کوئی عرب ہو حاضر

ترجمہ کر کے عبارت کا سنانے کے لئے
لوگ دوڑے ابوسفیاں کو بلانے کے لئے

جب کھلا نامہ تو پہلے یہ عبارت پائی
حمد اللہ کی وحدت کی شہادت پائی

اُس کے آگے سرِ طاعت کو سرِ خاک جھکا
یعنی جو خالق کونین ہے در اصل خدا

خط کی بے لوث عبارت نے قیامت ڈھائی
سارے دربار پہ ایک عبرت و حیرت چھائی

پیشوا غیض میں تھے مذہب عیسائی کے
طور و انداز تھے ہر ایک پہ سچ دائی کے

گو بھری بزم تھی اور اہل نظر کوئی نہ تھا
مگر اس جوش کا ہرقل پہ اثر کوئی نہ تھا

رکھ کے پھر تخت پہ خط اسنے کہا سفیاں سے
کیا ہر ایک بات کا تو دیگا جواب ایماں سے

سوال قیصر روم و جواب ابوسفیان عرب (مترجم)

س۔ یہ نبی کون ہے اور کیا ہے شرافت اسکی۔ ج۔ کہا مشہور ہے دنیا میں نجابت اسکی

س۔ اس سے پہلے کوئی گذرا ہے نبی اس گھر میں۔ ج۔ نہیں یہ بات بھی مشہور ہے دنیا بھر میں

س۔ سلطنت اسکے گھرانے میں کسی نے کی ہے۔ ج۔ نہیں ایسی کوئی صورت بھی نہیں گذری ہے

س۔ اسکے پیرو غربا ہیں کہ ریاست والے۔ ج۔ ہاں مساکین و فقیر اور فلاکت والے

س۔ ہے ترقی کہ گھٹے جاتے ہیں پیرو اسکے۔ ج۔ نہیں و ترات بڑھے جاتے ہیں پیرو اسکے

س۔ جھوٹ بھی تم نے کبھی بولتے دیکھا اسکو۔ ج۔ ہم نے سچا کوئی پایا ہے تو پایا اسکو

س۔ کبھی بدعہدی و پیماں شکنی کی اسنے۔ ج۔ نہیں جو بات کہی کی ہے وہ پوری اسنے

س۔ تم سے اس سے کبھی میداں میں چلی ہے تلوار۔ ج۔ اس سے ہاں جنگ و جدال ہے ہوئی اکثر بار

س۔ پھر ہوا جنگ کا آخر میں نتیجہ کیسا۔ ج۔ کبھی اپنے تو کبھی اسکے موافق نکلا

س۔ اسکے اخلاق ہیں کیا جبر سے تعلیم ہے کیا۔ ج۔ کچھ نہیں طاعت و عبدیت و وحدت کے سوا

سن کے قیصر نے کہا ہاں وہ نبی ہے برحق
مرسل خاص خدا حق کا ولی ہے برحق

یوں نہ اس کفر کی دنیا میں پریشاں ہوتا
پاؤں دھوتا جو کہیں وہ ان ہوتا

نورِ ایماں سے مگر قلب منور نہ ہوا
پھر بھی آشفتہ مسلمان وہ کافر نہ ہوا

ترجمہ نامۂ اطہر

پھر محمد کی طرف سے ہو تجھے یہ معلوم
یعنی ہرقل کہ جو اس وقت میں ہے قیصر روم

ہے سلام ان کے لئے صاحب اکرام جو ہیں
یعنی دنیا میں فقط پیرو اسلام جو ہیں

تو بھی اسلام میں آ گو ہر غلطانی بن
ظلمت کفر ہے تو جوہر نورانی بن

دین و دنیا میں ہے آرام تجھے چین تجھے
دے گا دو نعمتیں پھر خالق کونین تجھے

اور ضلالت سے ہدایت کو جو ٹھکرائے گا
کفر نعمت کی سمجھ لے کہ سزا پائے گا

دل کو اپنے نہ پھنسا ظلم کی افتاد و نہیں
کیا ہے ان شرک کی اور کفر کی بنیاد و نہیں

جس کا کوئی بھی ازل سے نہ مشارک نہ سہیم
یعنی وہ ذات مقدس جو ہے رحمٰن و رحیم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی

(از جناب چودھری ظفر اللہ خان صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لا لاہور)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت قائم کیا +

کا ہر پہلو ہی پیارا اور دلکش ہے۔ لیکن جو بات آپ کی پاک سیرت میں مجھے خصوصیت سے پیاری معلوم ہوتی ہے وہ آپ کی سادگی ہے۔ آپ کی طبیعت ہر قسم کے تصنع اور تکلف سے پاک تھی جس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ جہاں ایک طرف آپ کی بے ساختہ اور سادہ روش ہر ایک شخص کے دل پر جس کو آپ کی صحبت سے کچھ حصہ بھی نصیب آجاتا تھا گہرا اثر کئے بغیر نہ رہتی تھی۔ وہاں دوسری طرف اسکے نتیجہ میں آپ کی اُمت کے ہر طبقہ کے لئے آپ کے اسوۂ مبارک پر عمل کرنا نہایت درجہ آسان ہوگیا +

آپ کا لباس۔ آپ کی خوراک۔ آپ کا طرز کلام۔ غرض آپ کی تمام معاشرت اتم درجہ سادگی اور بے تکلفی اپنے اندر رکھتی تھی۔ غریب سے غریب اور عاجز سے عاجز انسان بلا تکلف آپ کے دربار میں حاضر ہو کر اظہار مدعا کر سکتا تھا۔ آپ ہر طبقہ کے آدمی کی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔ اور جس قسم کا کھانا آپ کے سامنے رکھا جائے۔ اُسے بطیب خاطر تناول فرما لیتے آپ کے گھروں میں جسمانی آرام و آسائش کا کوئی سامان نہیں تھا۔ اور سامان زیبائش کی تو نوبت ہی نہیں آسکتی تھی۔ آپ کو کسی قسم کے کام سے عار نہیں تھی۔ ہر قسم کا کام اپنے ہاتھ سے خود سرانجام فرما لیتے تھے اور محنت میں راحت محسوس فرماتے تھے +

آپ نے اوائل عمر میں ایک ملازم کی حیثیت سے تجارت بھی کی۔ مکی زندگی میں قریش کی حکومت کے ماتحت بطور رعایا کے ایک فرد کے زندگی بسر کی۔ بوجہ رتبۂ نبوت آپ اپنی امت کے رُوحانی بادشاہ بنائے گئے۔ اپنے ابنائے وطن پر آپ کو سیاسی حکومت بھی عطا کی گئی۔ لیکن ہر حالت میں بحیثیت ملازم اور بحیثیت آقا بحیثیت رعایا۔ اور بحیثیت بادشاہ آپ نے کمال سادگی اور انکسار سے زندگی بسر کی۔ اور اپنے قول اور عمل سے سادگی کا کامل نمونہ اپنی اُمت کیلئے

مدنی زندگی میں جب روحانی پہلو سے آپ افضل الانبیاء۔ اور دنیاوی پہلو سے ایک با اختیار بادشاہ تسلیم

کئے جا چکے تھے۔ آپ گھر کے کام کاج میں اپنی بی بیوں کا ہاتھ بٹاتے تھے اور گھر کے سامان کی مرمت کر لیا کرتے تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت آپ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ شامل ہو کر سامان عمارت اپنے مبارک ہاتھوں سے اُٹھا کر لاتے رہے اور تعمیر مسجد میں اپنے اصحابؓ کے ساتھ برابر حصہ لیتے رہے +

بیان کیا جاتا ہے کہ اس موقعہ پر آپ صرف تہ بند باندھے ہوئے تھے اور جب آپ مٹی کی ٹوکری اُٹھا کر لے جاتے تھے تو کچھ مٹی گر کر آپ کے جسم مبارک سے چمٹ جاتی تھی۔ جنگ خندق کے موقعہ پر آپ اپنے اصحابؓ کے ساتھ شامل ہو کر خندق کھودنے میں مصروف رہے +

آپ کی تعلیم اور آپ کے کلام میں بھی اسی سادگی اور بے تکلفی کا ثبوت ملتا ہے ایک شخص کے سوال پر کہ سب سے اچھا انسان کون ہے آپ نے فرمایا تم میں سے سب سے اچھا وہی شخص ہے جو اپنے گھر کے لوگوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرے۔ بظاہر یہ ایک نہایت ہی سادہ جواب ہے، جو سننے والے کے ذہن میں آسانی سے آسکتا ہے اور جس پر وہ نہایت آسانی سے عمل شروع کر سکتا ہے لیکن ساتھ ہی نہایت ہی پر حکمت جواب ہے کسی شخص کے اخلاق کے پرکھنے کا اعلیٰ سے اعلیٰ معیار یہی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کی صحبت میں وہ اپنے اوقات کا اکثر حصہ بسر کرتا ہے۔ اُن کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہے۔ ایک انسان تکلف اور تصنع کے ساتھ کسی خاص وقت میں کسی خاص شخص پر یا کسی خاص طبقہ پر اچھا اثر پیدا کر سکتا ہے لیکن جب تک اسکی تمام زندگی کی عمارت اعلےٰ اخلاق کی بنیاد پر قائم نہ کی گئی ہو۔ وہ ان لوگوں پر حقیقی طور پر اچھا اثر پیدا نہیں کر سکتا جنکے درمیان اسکی روزانہ زندگی کے اوقات بسر ہوتے ہیں۔ اگر آپکی تعلیم یا آپکے کلام میں نعوذ باللہ کسی قسم کا تصنع ہوتا۔ تو اس سوال کا جواب یہ دیا جاتا۔ کہ سب سے اچھا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ عبادتیں کرتا ہے۔ یا سب سے زیادہ خیرات دیتا ہے لیکن چونکہ آپکی تعلیم تمام تر اخلاص اور حکمت پر مبنی تھی۔ اس لئے آپ نے نہایت بے ساختگی سے وہی جواب دیا۔ جو بظاہر بالکل سادہ لیکن حقیقت میں ایک ہی صحیح جواب اس سوال کا ہو سکتا تھا جس شخص کی زندگی اس اصول پر قائم ہو چکی ہو۔ اس کا برتاؤ اپنے روزمرہ کے اردگرد والوں کے ساتھ حقیقی اخلاق کا نمونہ ہو۔ وہ زندگی کے کسی شعبہ میں کوئی اخلاقی کمزوری نہیں دکھا سکتا +

غرض آپکی مبارک زندگی کے ہر پہلو میں تو اتم اخلاص۔ سادگی۔ اور بے تکلفی نظر آتی ہے اور آپ نے اپنی امت کے لئے اور ہر اس شخص کیلئے جو آپکی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرنیکی کوشش کرے ایک ایسا نمونہ چھوڑا ہے جس پر عمل کرکے ہر طبقہ کیا۔

ہم اُٹھ کے نہ جائینگے ترے در سے کہیں اور

(رشحات فکر لسان الملک حضرت ریاض خیر آبادی)

(خاص الفضل کے خاتم النبیین نمبر کے لئے)

ہے عرش بریں اور مدینے کی زمیں اور — اللہ یہاں کے ہیں مکاں اور مکیں اور

اُٹھ اُٹھ کے چلے ساتھ کئی طور نشیں اور — جاتے ہیں جو کعبے کو وہ جائینگے کہیں اور

آخر تجھے کس بات کا دعویٰ ہے زلیخا — تو کوئی دکھا دے مرے یوسف سا حسیں اور

ہے عرش بریں فرش رہ گنبد خضرا — میری ہے جبیں اور فرشتوں کی جبیں اور

دونوں ہیں مقام ایک مکاں ایک مکیں ایک — کعبے سے کوئی جا کے مدینے میں نہیں اور

بدلو دل پر داغ سے کیا مہر سلیماں — وہ نقش و نگیں اور ہے یہ نقش و نگیں اور

سیدھا سا مسلماں ہوں سمجھتے ہیں نہ بُت بھی — ملت نہ کوئی اور نہ میرا کوئی دیں اور

دن دن ہوئی جاتی ہے جو نزدیک قیامت — وعدے کی وفا کا مجھے ہوتا ہے یقیں اور

مُنہ پونچھ کے کہتا وہ مرا شیخ حرم سے — ہاں نام سے زمزم کے ذرا قبلۂ دیں اور

تربت ہو قیامت ہو جہنم ہو کہ جنت — ہم اُٹھ کے نہ جائینگے ترے در سے کہیں اور

اب کھول دیں آنکھیں شرف سجدۂ در نے
ہیں اپنی نگاہوں میں ترا یاض آج ہمیں اور

(از جناب شیخ عبدالرحیم صاحب سابق سردار جگت سنگھ قادیان)

زمین و آسمان کا خالق رحمان و رحیم ہے۔ اس کی ذات رحم کا منبع ہے۔ اس کے صفات میں کمزوروں کی پرورش کے لئے بڑی وسعت ہے۔ اور دائمی احسان اس کا شیوہ ہے۔ انسان کچھ نہ تھا۔ پھر کمزور شکل میں نمودار کیا گیا۔ اور اپنی اجل مسمیٰ کے وقت بڑھا۔ شیخ اور کمزور ہو جاتا ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ ہی کمزوروں کا پرورش کنندہ اور دستگیر ہے۔ اس لئے وہ اپنے قائمقام فی الارض مرسلین کے اخلاق میں احسن سے احسن رنگ میں ان صفات کو جمع کر دیتا ہے۔ چونکہ وہ خود ارحم الراحمین ہے۔ اسلئے زمین میں بھی ارحموا من فی الارض کے احکام کا اجرا فرماتا ہے۔ اور جس طرح زمین و آسمان کے قیام کی بنیاد ہی رحم پر ہے۔ اسی طرح اس کا انتہا بھی رحم پر ہی ختم ہو کر ایک قسم کی عاقبت میں منتہی ہو جاتا ہے ✦

بعثتِ رسول کا زمانہ

دنیا میں جور و ستم کے زمانے میں جبکہ اخلاق میں حد درجہ کی درشتی پیدا ہو جاتی۔ دلوں میں دوسروں کے لئے نرمی اور ترحم کی لہر کبھی اور کسی طرح بھی ابھرنے کا نام نہیں لیتی۔ یہی زمانہ کسی ایسے رسول کی بعثت کا ہوا کرتا ہے۔ جن کے اخلاق میں جس کے عادات میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے اخلاق کریمہ بھی توازن کے ساتھ رکھ دئے جاتے ہیں۔ انہی اخلاق کی تعلیم سے دنیا میں اخوت اور مروت۔ نرمی اور رحم۔ عدل اور احسان کے جذبات طبائع میں جاگزین ہو کر مخلوقات کے ہر چھوٹے بڑے حصہ میں امن و آسائش آرام و اطمینان۔ لطف و سرور پیدا کر دیا کرتے ہیں ✦

اخلاق فاضلہ

چنانچہ آنحضرت سرور کائنات فخر الاولین والآخرین اپنے اخلاق فاضلہ میں جو خواہ انسان کے کسی شعبہ زندگی سے متعلق ہوں۔ نمایاں طور سے ایک ممتاز شخصیت رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ کے اخلاق کا نہایت ہی انصاف اور حق پسندی سے بغور مطالعہ اور مقابلہ کیا جائے۔ وہ اخلاق آپ میں پیدا کئے گئے۔ جن میں رب العالمین کی رحیمانہ صفات کی چمک پورے طور سے اپنا انعکاسی رنگ دے کر انسانی زندگی کے مختلف حصوں میں دکھاتی اور ایک قسم کا نور پیدا کرتی ہے۔ اور حقیقی منعم کا بندۂ احسان ہونا۔ ماں باپ کو ان کا حق دینا۔ محسن کے ساتھ احسان سے پیش آنا۔ کمزور کے لئے سہارا بننا۔ حقدار کو اُس کا حق دلانے کی کوشش کرنا۔ حتّٰی کہ اعداء کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ کی رحمان صفت کو مدنظر رکھتے ہوئے بلا مبادلہ ایثار اور سلوک کرنا اخلاقی حصہ میں یہی وہ بڑے ضروری اخلاق ہیں۔ جن پر دوسرے تمام اخلاق بطور محوری گردش کے گھومتے اور چکر لگاتے ہیں ✦

ماں باپ کے متعلق حکم

دنیا میں انسان پر بڑی نازک گھڑی اس وقت آتی ہے۔ جب اس پر بڑھاپا آتا ہے۔ اس وقت طاقتیں جواب دے چکی ہیں۔ خون پتلا پڑ جاتا ہے۔ دل کی حرکت کمزور ہو جاتی ہے۔ احساسات بہت نازک ہو جاتے ہیں۔ اور اعصاب میں اضطرابی حرکت پیدا ہو کر خطرناک صورت نمودار ہونے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ حکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنایا۔ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ نیز وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۝

کہ اگر تیرے ماں باپ یا ایک ان میں سے یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو خواہ وہ کتنی ہی تیری طبیعت کے خلاف کوئی بات کریں۔ تم انہیں اُف تک کبھی آئندہ وہ خاطر نہ کرو۔ اور خبردار جھڑکنے تک کبھی نوبت نہ آنے۔ جب اُن سے بات کرو۔ ملائمت سے کرو۔ اور ہمیشہ رحم نرمی اور سہولت کے ساتھ اُن سے برتاؤ کرو۔ یہی نہیں بلکہ ان کے لئے دعا مانگتے رہا کرو۔ کہ الٰہی ان پر پیار رحم کر۔ جب میں کمزور تھا تو میری پرورش ان کے رحم پر منحصر تھی۔ ہاں ان کی اطاعت میں اگر خدا تعالیٰ کی رحمت ہاتھ سے جاتی ہو۔ تو حقیقۃً بے شک ان سے الگ ہو جا۔ لیکن پھر بھی جہاں تک سہولت کا ہی معاملہ رکھ۔ اور معروف کے مطابق ان کا ساتھ دیتا رہ ✦

پھر آپ فرماتے ہیں۔ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ۔ کہ حقیقی منعم کے انعاموں اور اس کے احسانوں پر شکر گذاری کیا کر یعنی یہ کہ ماں باپ کی اطاعت کر۔ ان کا دعا گو رہ۔ اپنے مال سے اپنی محنت سے ان کی خدمت کر۔ اور کوئی کلمہ ایسا منہ سے نہ نکال جس میں ان کی مذمت کی بو آتی ہو۔ بلکہ ان کے متعلق ہمیشہ کلمات تعریف سے اپنی زبان تر رکھ ✦

یہ کس قدر حسن سلوک کی تاکید ہے۔ اُن کے متعلق جو چراغ سحری کی طرح اپنے آخری دنوں میں ہر طرح مدد اور سہارے کے محتاج ہوتے ہیں ✦

جنت ماں کے قدموں کے نیچے

پھل یا ثمر جب پختہ ہو جاتا ہے۔ تو وہی وقت اُس کی خوبی۔ اس کے کمال اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ہوتا ہے۔ جو اس وقت قدر نہیں کرتا۔ وہ نقصان اٹھاتا ہے۔ انسان بھی جب معمر ہو جاتا ہے۔ تو ایک قیمتی چیز بن جاتا ہے۔ اس کی زندگی کی آخری گھڑیاں خدا تعالیٰ کی رحمت کی عجیب طرح جاذب ہوتی ہیں۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جنت ماں باپ کے قدموں کے نیچے ہے۔ جو اُن کو بوڑھا پاتا اور ان کی خدمت کر کے جنت میں نہیں جاتا۔ اس پر افسوس ہے ✦

بوڑھوں کی دلجوئی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوڑھوں کی دلجوئی کے لئے اُن کی اُمنگ کو قائم رکھنے کے لئے۔ ان کے دل سے مایوسی کو ہٹانے کے لئے ہر رنگ میں ان کی خبر گیری کی ہے۔ بال سفید ہیں۔ چہرے پر بڑھاپے کے علامات نمایاں ہوں۔ طاقت جواب دے چکی ہو۔ موت کا نقشہ ہر وقت نظروں کے سامنے رہے۔ تو فی الواقعہ زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید بالوں کو خضاب لگانے اور ان کا رنگ بدلنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ تا ہر طرف سے کمزوری اور بڑھاپے کی یاد دلانے والی ہوائیں بوڑھوں کے دل کو بالکل ہی افسردہ نہ کر دیں۔ اور کمزور دل بوڑھے کی خود ہی شکست دینے کا باعث نہ بن جائیں ✦

بوڑھوں کے خاص حقوق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوڑھوں کی بابت کرتے ہیں۔ امت کے حق میں کچھ بوڑھے والے ہیں۔ ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں۔ جبکہ وہ بوڑھے ہوں۔ اور ان کے لئے جناب ذکر سے روتے ہیں۔ ایک عجیب راز منکشف فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ مصائب و تنگ و فقر و فاقہ سے ہماری بخشش ہو جاتی ہے۔ تمہیں تم مدد دیئے جاتے ہو۔ اور نہ ہی رزق دئے جاتے ہو۔ مگر اپنے کمزوروں کی وجہ سے۔ یعنی کمزور اور بوڑھوں کی خدمت کر کے ان پر احسان نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے بہت کچھ حاصل کرتے ہو ✦

ایک حکایت یوں بیان فرماتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ طور پر مناجات کے لئے ایک دفعہ جب رخصت ہونے لگے۔ تو ارشاد ہوا۔ ذرا سنبھل کر بات کرنا۔ اب تمہاری وہ بوڑھی ماں نہیں رہی۔ جو تمہاری اکثر دعاؤں مشکلوں پر میرے سامنے گڑگڑا کر بار بار تمہارے لئے سفارشیں کیا کرتی تھی ✦

اللہ اللہ کیا ہی پاس تھا سفید بالوں اور کمزور ہاتھوں کا۔ اسی وجہ سے آپ نے بہت بوڑھوں کو جنگ میں بھی قتل کرنے سے روک دیا۔ پس اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ بوڑھے اپنے آخری دن رشتہ داروں۔ قریبیوں اور قوم کے حق میں نہایت ہی مفید دن ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی سعید ان کی قدر کرے ✦

خدا تعالیٰ کے رحم کو جذب کرنے کا ذریعہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر فرماتے ہیں۔ تین شخص مینہ سے ڈر کر ایک غار میں جا گھسے۔ اتفاقاً ایک پتھر ایسا لڑھکا جس سے غار کا منہ بالکل ہی بند ہو گیا۔ اب تینوں گھبرائے۔ اور اپنی نجات کے لئے ہر ایک نے اپنے اچھے اعمال کو شفیع ٹھیرا کر بارگاہ ایزدی میں نہایت ہی عاجزی سے دعا کی۔ ان میں سے ایک کا ذکر ہم کئے دیتے ہیں جسے ہمارے مضمون سے تعلق ہے۔ اس نے دعا کی۔ اے الٰہی تو خوب جانتا ہے۔ کہ میرے ماں باپ بہت بوڑھے

یں شام کو جانور چرا کر لاتا تھا۔ تو دودھ دوہ کر پہلے انہیں پلایا کرتا تھا۔ لیکن ایک دن مجھے دیر ہو گئی۔ میں بہت رات گئی گھر پہنچا۔ تو میرے ماں باپ سو گئے تھے۔ میں نے دودھ پیالے میں بھرا۔ اور ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ ہر چند بچوں نے مارے بھوک کے میرے پاؤں پر لوٹنا اور بلبلانا شروع کیا۔ مگر میں نے ان بوڑھوں کو سب پر مقدم رکھنا پسند کیا۔ اور ساری رات ان کے سرہانے کھڑا رہا۔ حتّے کہ وہ خود ہی صبح کو بیدار ہوئے۔ اور میں نے انہیں وہ دودھ پلایا۔ پس اے میرے رحیم آقا اگر میں نے یہ کام تیرے خوش کرنے کے لئے کیا ہے۔ تو پتھر ہٹا دے۔ چنانچہ پتھر سرک گیا۔

اس بیان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت لطیف پیرایہ میں ماں باپ کی خدمت گذاری کو خدا تعالےٰ کے فضل اور رحم کو جذب کرنے کا ذریعہ بتایا ہے۔ اور سمجھایا ہے کہ بوڑھوں کی خدمت کرنا زندگی کے قیام کا باعث مشکلات اور آفات کے وقت آڑے آنے والی ڈھال۔ خدا تعالےٰ کی رضامندی کا ذریعہ۔ اور اپنی خوشحالی کا موجب ہے۔ جتنا اثر وفا قائدے کے لحاظ سے بھی یہ فعل بہر صورت مفید ہی مفید ہے۔ کیونکہ جو جوان کسی بوڑھے کی اس کے بڑھاپے کے ایام میں خدمت کرتا ہے۔ وہ اپنے بڑھاپے میں فوراً ہی ایک ایسا خادم پاتا ہے۔ جو اس کی بھی اس وقت ویسی ہی خدمت واطاعت کرتا ہے (حدیث ترمذی) اسی طرح آپ فرماتے ہیں۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا۔ اور ہمارے بڑوں کا شرف نہیں پہچانتا۔ (ابو داؤد و ترمذی)

بوڑھوں کا اکرام

رسول کریم صلی اللہ وآلہ وسلم نے بوڑھوں پر رحم کرنے۔ ان کی عزت کرنے۔ ان کا شرف پہچاننے۔ اور ان کا اکرام قائم کرنے کیلئے فرمایا۔ خدا تعالےٰ نے بوڑھے مسلم کے اکرام کو اپنے ہی اجلال سے مشابہت دی ہے۔ یعنی جو بوڑھے کی عزت اور بڑائی کو پہچانتا ہے۔ وہ گویا خدا تعالےٰ کے اجلال کرنے میں حصہ لیتا ہے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں من اجلال اللہ تعالےٰ اکرام ذی الشیبۃ المسلم۔ الیٰ آخرہٖ (ابو داؤد)

انک لعلیٰ خلق عظیم کے لحاظ سے تو یہ بات بالکل صاف ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اپنے اخلاق سے یہی سکھلایا ہے۔ کہ وہ جو خاندان کے صورت تجربہ کار عمر رسیدہ اور سب کے بچپن سے محسن رہ چکے ہوں۔ ان کے آخری دنوں میں فرض ہے۔ کہ وہ اچھی طرح سے اور عزت واحترام سے رکھے جائیں۔ مگر حقیقتاً بھی یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ جو اپنے خون کو پسینہ کی طرح بہا کر مدتوں گھر کے چھوٹوں بڑوں کا خادم بنا رہا ہو۔ وہ جب آخری عمر کو پہنچ جائے۔ جب اس کے ہاتھ پاؤں کانپتے ہوں۔ اس کی ٹانگیں لڑکھڑاتی ہوں۔ اس کی گردن بھی اس کے سر کو پوری طرح سہارا دینے سے عاجز ہو۔ وہ جس کے دل ودماغ میں ہر قسم کی کمزوری پیدا ہو چکی ہو۔ اس کے آرام وآسائش کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

انسانی کمال کیونکر حاصل ہو سکتا ہے

یہ بالکل صحیح اور نہایت ہی درست اصل ہے۔ کہ جب تک انسان آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کا خوشہ چین نہ بنے۔ وہ تب تک نہ تو خدا تعالےٰ کے ہی حقوق کما حقہا ادا کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی بڑے بوڑھے اور چھوٹے بڑے کے حقوق کی ادائیگی میں اسے کامل دسترس اور آگاہی حاصل ہو سکتی ہے۔ پس نہایت ضروری ہے۔ کہ ہم سب آپ کے دامن سے وابستہ ہو کر وہ انسانی کمال حاصل کریں۔ جو خالق اور اس کی مخلوق کے حقوق میں صحیح توازن اور تناسب پیدا کر کے ہماری اس دنیا اور آخرت کی ہر قسم کی خوش حالی کا ذریعہ ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی کامل رضامندی اور اس کی پوری خوشنودی کا دائمی طور سے ہر طرح ہمیں اہل بنا سکتا ہے۔ ورنہ انسان کہلانا سخت مشکل اور خالق کی رضامندی حاصل کرنا ناممکن ہے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر الانبیاء والمرسلین۔

روحانی شہنشاہ

(از جناب بھگت سائیں داس صاحب ایڈیٹ کوٹ ہری)

دنیاوی بادشاہت اگر جسم پر حکومت کرتی ہے۔ تو بلا شبہ روحانی بادشاہ جنہیں ہم رشی۔ منی پیغمبر اور اوتار سکتے ہیں انسانوں کے دلوں پر قبضہ رکھتے ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ روحانی بادشاہت دنیا میں کسی وقت نہ رہے۔ تو یقیناً دنیاوی بادشاہت بھی مٹ جائے۔ اور سنسار میں ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو جائے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کرشن جی گیتا میں فرماتے ہیں۔ جب لوگ دھرم کو چھوڑ کر ادھرمی ہو جاتے ہیں۔ تو میں اوتار لیتا ہوں۔ اور اسی لئے پرماتما وقتاً فوقتاً ضرورت پر ایسے مہا پرشوں کو دنیا میں بھیجتا رہتا ہے۔ جو آ کر لوگوں کو امن ور استی کا سبق دیتے ہیں۔ سری رام چندر جی مہاراج بھگوان کرشن جی۔ گورو نانک دیو جی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ یہ سب روحانی بادشاہ تھے۔ اور سچے گئے دو۔ ایک ان میں روحانی شہنشاہ بھی تھا۔ جس کا پوتر نام محمدؐ ہے۔ جس کے معنی ہی مہاکلنگ کے ہیں۔ اور جس کی پوتر لائف کے متعلق کچھ کہتا ہے۔

اس میں شک نہیں۔ کہ ہر ایک ریفارمر نے دنیا میں آ کر بہت کچھ کیا۔ مگر حضرت محمدؐ صاحب نے دنیا پر اس قدر احسان کئے۔ جن کی مثال نہیں ملتی۔ عرب قوم جس جہالت میں گری ہوئی تھی اور کام۔ کرودھ۔ موہ۔ اہنکار میں پھنسی ہوئی تھی۔ خیال تھا۔ کہ یہ کبھی نہیں اٹھ سکتی۔ مگر حضرت محمدؐ صاحب کی تعلیم کا اثر سمجھ لو یا آپ کی روحانی طاقت کی شکتی کہہ لو۔ کہ اس مردہ قوم میں جان پڑ گئی۔ اور نہ معلوم حضرت نے ان میں کیا پھونک دیا۔ کہ وہ جنگلی دنیا کے بادشاہ بن کر بنی نوع انسان کو تہذیب کا سبق دینے لگے۔ بعض ناواقف کہہ دیتے ہیں۔ کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ مگر ان لوگوں کو یہ بھی بتانا چاہئے۔ کہ وہ تلوار کے دھنی حضرت محمدؐ صاحب نے کہاں سے پیدا کر لئے۔ جنہوں نے بھارت ورش سے لے کر سپین تک تہلکہ مچا دیا۔ پس یہ صحیح نہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔

اس کلجگ کے زمانہ میں گو لوگ خدا کو بھی جواب دے رہے ہیں اور مذہب سے دور ہو رہے ہیں۔ مگر زمانہ ان کو آہستہ آہستہ محمدؐ صاحب کی تعلیم پر لا رہا ہے۔ ایک وقت تھا جب تعدد ازدواج پر اعتراض کئے جاتے تھے۔ مگر اب لوگ محسوس کر رہے ہیں۔ کہ بعض حالتوں میں اس کے بغیر گذارہ نہیں۔ طلاق پر نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ مگر دنیا اس کی ضرورت کو سمجھ کر آج قبول کر رہی ہے۔ بلکہ کونسلوں سے قانون پاس کرائے جا رہے ہیں۔ اسی طرح بیوہ کی تعلیم سب سے پہلے اسلام نے ہی دی جس کی پیروی آج ہندوستان میں بھی ہو رہی ہے۔ اس قسم کی بہت باتیں ہیں۔ جن کو پہلے برا خیال کیا جاتا تھا۔ اب انہیں قبول کیا جا رہا ہے۔ یہاں میں کہوں گا۔ کہ حضرت محمدؐ صاحب کی تعلیم کے پرچار نے دنیا کو بہت لابھ پہنچایا۔

حضرت محمدؐ صاحب نے ایک بہت بڑا احسان جو تمام مذاہب کے پیروؤں پر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے آ کر اپنے سے پہلے تمام مہا پرشوں کی تصدیق کر کے امن کا دروازہ کھول دیا۔ آپ نے کروڑہا مسلمانوں کو یہ سکھا دیا کہ ہر ملک وہر قوم میں ریفارمر ہوتے آئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ اگر یہی طریق سب لوگ اختیار کریں۔ تو آج دنیا کے جھگڑے اور فساد مٹ سکتے ہیں۔ میں خوش ہوں۔ کہ ہماری قوم میں ایسے بہت لوگ ہیں۔ جو حضرت محمدؐ صاحب کے مشن کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور آپ کی تعلیم کے اثر کو محسوس کرتے ہیں اگرچہ ہر مذہب کے لوگوں نے آپ کے متعلق بہت ہی اچھی آراء دی ہیں۔ مگر میں چند ایک اپنے ہندو بھائیوں کے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

پروفیسر رام دیو صاحب بی اے فرماتے ہیں۔ شروع میں حضرت محمدؐ صاحب کے صرف تین معاون ومددگار تھے۔ ان کی جاتی قریش ان کی سخت مخالف تھی یہاں تک کہ آخر انہیں مکہ سے بھاگ کر مدینہ جانا پڑا۔ لیکن مدینہ میں بیٹھے ہوئے محمدؐ صاحب نے ان میں عبادت کی بجلی بھر دی۔ وہ بجلی جو انسانوں کو دیوتا بنا دیتی ہے!

مہاتما گاندھی جی فرماتے ہیں۔ میں جوں جوں اس حیرت انگیز مذہب کا مطالعہ کرتا ہوں۔ حقیقت مجھ پر آشکار ہو جاتی ہے۔ کہ اسلام کی شوکت تلوار پر مبنی نہیں بلکہ اسکے خلفائے دین کی قوت برداشت ان کی قربانی اور بزرگی پر منحصر ہے!

ڈاکٹر گوکل چند صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لاء ہر رکھتے ہیں۔ غیر تربیت یافتہ اہل عرب میں حبیب رسول عربی کی تعلیم نے نئی روح پھونک دی۔ اور ساری مغربی دنیا کے استاد بن گئے!

لالہ لاجپت رائے صاحب نے ایک بار لاہور میں لیکچر دیتے ہوئے فرمایا۔ "میں مذہب اسلام سے محبت رکھتا ہوں۔ اور اسلام کے پیغمبر کو دنیا کے بڑے مہا پرشوں میں سمجھتا ہوں!"

مسز اینی بیسنٹ نے ایک دفعہ کہا تھا۔ "پیغمبر اعظم کی جس بات نے میرے دل میں ان کی عزت وبزرگی قائم کی ہے۔ وہ ان کی وہ صفت ہے جس نے ان کو ان کے ہموطنوں سے الامین کا خطاب دلوایا!"

غرض ہندو مذہب کے اکثر مرد اور عورتوں نے آپ کی مداح میں نثر میں بلکہ نظم میں آپ کے گیت گائے۔ لالہ لال چند صاحب فلک...

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مدبر کی حیثیت میں

از جناب مولوی محمد دین صاحب بی۔ اے۔ قادیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں ساڑھے تیرہ سال بت پرستوں کے دور دورہ میں ایک اعلیٰ درجہ کے شہری ثابت ہونیکے باوجود جب وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ تو آپ مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔

غیر مسلموں سے معاہدات

آپ نے دیکھا کہ آپ کو تمام دنیا سے مقابلہ ہے۔ دشمنان عرب بت پرستوں کے علاوہ یہود و نصاریٰ تھے جنکے تعلقات بیرونی دنیا سے بہت ہی مستحکم تھے۔ آپ کے پیش نظر تھے۔ آپ یہ نہ چاہتے تھے کہ آپکے اور آپکے خدام دیگر مسلمانوں کے ذریعہ کسی کو نقصان یا اذیت پہنچے بلکہ آپ چاہتے تھے کہ عام طور پر لوگ دنیاوی فلاح و راحت آپکے ذریعہ حاصل کریں۔ اس لئے دشمنوں کی ایذا سے محفوظ رہنے کیلئے اور مسلمانوں کی جمعیت کو استحکام و تقویت دینے کے لئے پہلا کام جو آپنے مدینہ آکر کیا وہ یہ تھا کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر بت پرستان مدینہ و مضافات سے معاہدات کئے۔ آپ کو انکے اندرونی معاملات سے نہ کوئی تعلق تھا۔ اور نہ تعرض۔ آپکی غرض یہ تھی۔ کہ اس طرح کی جمہوریت کے قائم ہو جانیکے جہاں دیگر اقوام عرب کو فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ وہاں مسلمانوں کی چھوٹی سی جمعیت بھی امن و امان سے زندگی بسر کر سکتی تھی۔ اس لئے سب سے بہتر صورت ایسے حالات میں جو عملاً دیکھی جاتی ہے۔ اور جس کا دنیا تجربہ کر چکی ہے وہ فیڈریشن کا طریق ہے چنانچہ آپ نے وہی طریق اختیار کیا۔ اندرونی معاملات میں ہر گروہ کو کامل آزادی دیتے ہوئے صرف امور خارجہ آپ نے ہاتھ میں لے لئے اور آپس میں اسی قسم کے معاہدات کر لئے کہ بصورت حملہ از طرف غیر اقوام تمام معاہدین کا فرض ہوگا کہ ایک دوسرے کی امداد کریں۔ یہ ایک ایسی تدبیر تھی کہ آپ کے دشمنان خاص کر یہود کو بھی بظاہر اس سے انکار نہ ہو سکتا تھا کیونکہ آپ انکے اندرونی معاملات سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے اور نہ ہی کسی قسم کا تعرض کرنا چاہتے تھے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے بیرونی و اندرونی دشمنوں کے حوصلے پست

ہونے شروع ہوگئے کسی کو یہ جرأت نہ پڑتی تھی کہ یونہی آپ پر حملہ کر دے۔ ساتھ ہی آپ نے گرد و نواح کی اقوام و قبائل سے رابطہ و اتحاد پیدا کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ آپ کے اور مسلمانوں کے اور آپکے اس جمہوری انتظام کے جو آپ نے مدینہ میں قائم کیا بہت سے حلیف و مددگار پیدا ہوگئے۔ اس میں کوئی تمیز نہ تھی آیا یہ حلفا بت پرست ہیں۔ عیسائی ہیں یا یہود۔ صرف دوستانہ رابطہ و اتحاد اقوام عرب میں پیدا کر لیا گیا۔

یہودیوں کی بدقسمتی

مدینہ کے یہود کی بدقسمتی تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت و اثر کا حسد کرتے ہوئے معاہدہ شکنی اور خلاف ورزی شروع کر دی اور مسلمانوں کے قتل و غارت پر تلیار ہو گئے۔ مگر خفیہ خفیہ بظاہر حالات ایسے تھے کہ ہر شخص انکو ملامت کر سکتا تھا۔ کہ ایسے مستحکم و با امن انتظام اور عدل و انصاف کے ہوتے ہوئے انکی حد درجہ کی غداری ہے کہ وہ دشمنان جمہوریت سے راہ و رسم پیدا کریں۔ بہر حال یہ انتظام ایسا تھا کہ جب یہود ان خفیہ سازشوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور جب وقت آیا اور انکی سازش کا بھانڈا پھوٹا۔ تو اس وقت ایک بھی شخص ایسا نہ اٹھا جو یہ کہہ سکتا۔ کہ جو سزا یہود کو انکے اعمال کیوجہ سے ملی اس کے وہ مستحق نہ تھے۔ یہ کہنا تو درکنار انکی تباہی و بربادی پر کسی نے افسوس تک نہ کیا۔ بلکہ ایک قبیلہ یہود دوسرے پر اگر افسوس کرتا۔ تو صرف یہی کہتا کہ وہ بزدل نکلے۔ کچے نکلے۔ کمزور نکلے۔ تدبیر کے پختہ نہ تھے۔ ہم سے واسطہ پڑا تو مسلمانوں کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ مسلمانوں نے انپر کسی قسم کا ظلم کیا

سلاطین سے تعلقات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تدبیر ملکی اختیار کی۔ اس میں آپ کا مطمح نظر صرف یہود و نصاریٰ عرب نہ تھے بلکہ گرد و نواح کی سب طاقتور قومیں اور سلطنتیں بھی تھیں۔ چنانچہ ان سے رشتۂ الفت و اتحاد قائم کرنے کے لئے اور تعلقات بڑھانے کے لئے آپنے وفود کا سلسلہ شروع کیا اور سلاطین عجم مصر و روم کو دعوت اسلام بھی دی۔ عرب کے اندر طاقتور

حقیقت الحقایق

رشحات فکر لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی

(خاص الفضل کے خاتم النبیین نمبر کے لئے)

یہ وہ تو عالم کہ جسکی تہ میں چمک رہا ہی جمال قدرت — اسے سمجھ لو مجاز مرسل اُسے لطیف ایک استعارا

زمانہ ہے ایک جسم خاکی وجود انسان ہے روح اسکی — بنا تو اے روح تو نے اپنے لباس ہستی کو کیا سنوارا

سمجھ میں ابتک نہ تیری آیا کہ زندگانی کی کیا ہے خواہش — نہ دولت جم ہے اسکا مقصد نہ اسکا مطلب ہے ملک دارا

مگر حقیقت کی اک نظر کر ذرا سراپائے مصطفےٰ پر — یہ قد آدم وہ آئینہ ہے کہ جس میں قدرت ہی جلوہ آرا

عرب کے جاہل عرب کے سرکش کہ جنکا جوہر درندگی تھا — یہی ہے وہ فلسفی امیؐ کہ جس نے اس قوم کو سنوارا

حضیض ہستی پہ جب تھا مایل تو ذرہ ذرہ بنا تھا سورج — ہوا تھا میلان ارتقا جب تو عرش اعظم کا تھا ستارا

اُبل پڑا نور کبریائی چمک اُٹھا جلوۂ خدائی — دبے ہوئے تھے جو دل میں جذبے ضیائے رُخ سے انہیں ابھارا

مجسمہ حسن معنوی کا نمونہ اک لطف سرمدی کا — حرا کے خلوت کدہ میں جسکو خدائے برحق نے خود سنوارا

زمین شور عرب پر آکر بنائے اخلاق اسنے ڈالی

وہی یتیموں کا آسرا تھا وہی ضعیفوں کا تھا سہارا

قبیلوں کے پاس وفود بھیجے۔ خود وفود کے ممبروں کی عزت و حرمت پر زور دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گرد و نواح کی قوموں نے نہ صرف آپ کا اور اسلام کا سکہ مانا بلکہ مسلمانوں کا رعب بہت ترقی کر گیا +

ضرورت کے وقت پیش قدمی

اس تدبیر ملک کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ آپ عملی پہلو کو بھی نہ چھوڑتے۔ چنانچہ ضرورت کے وقت محض رعب قائم کرنے کے لئے آپ نے چھوٹے چھوٹے لشکر مختلف اطراف میں بھجوائے۔ اگر یہ معلوم ہوا کہ دشمن مال و دولت فراہم کر رہا ہے تاکہ اس کی مدد سے وہ اسلام کو کچل ڈالے۔ تو آپ نے اس قسم کے تجارتی قافلوں پر حملہ کیا تاکہ اس تجارت کے منافع سے وہ اسلام پر مزید حملہ آوری میں مدد نہ پا سکیں۔ اگر آپ کو معلوم ہوا کہ کوئی قوم آپ کے مدنی جتھے کو کمزور کرنے کی طیاری میں ہے تو قطع نظر اس کے کہ وہ دشمن اپنے گھر سے نکل کھڑا ہو آپ نے پیش دستی کر کے اس کے تمام ارادوں کا قلع قمع کر دیا۔ اور دشمن سوائے اطاعت اختیار کرنے یا بھاگ جانے کے اور کچھ نہ کر سکا +

صلح حدیبیہ

اس سے بڑھکر یہ کہ آپ نے جمعیۃ اسلام کو تقویت دینے کے لئے ضرورت کے موقع پر دب کر صلح کر لینی بھی قرین مصلحت سمجھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر تمام صحابہ کے مشورہ کے باوجود آپ نے کفار مکہ کی تمام شرائط تسلیم کر لیں۔ حالانکہ بظاہر ان شرائط میں اسلام کی سبکی نظر آتی تھی لیکن چونکہ آپکی نظر بہت وسیع تھی۔ اس لئے اپنے انتہا کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اس خیال سے بھی کہ جو کام صلح سے ہو سکتا ہے اور بطریق احسن ہو سکتا ہے اس کے لئے کیا ضرورت ہے کہ مسلمانوں اور دیگر اقوام کا خون بہایا جائے۔ آپ نے خونریزی پر بظاہر سبکی اٹھانے کو ترجیح دی۔ حتیٰ کہ اپنی ذات پر طعن و تشنیع بھی برداشت کر لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہی شرائط آپ کی ظفر مندی کا باعث ثابت ہوئیں۔ اور وہ تدبیر جس میں آپ نے اقوام عرب کو جکڑ دیا تھا۔ آخر ایک قطرہ خون گرانے کے بغیر مکہ پر ایسی حالت میں لے گئی۔ کہ اہل مکہ حیران ششدر رہ گئے۔ اور سوائے اس کے ان کو کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر سرنگون ہو جائیں +

اہل مکہ کی معافی

مگر وہ تدبیر مملکت جس کی طرح آپ نے مدینہ میں ڈالی تھی فتح مکہ کے ساتھ ختم نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ آپ کا منشا اپنی ذاتی قیادت جمانا نہ تھا۔ آپ کا منشا سلطنت و جمعیت اسلام کو تقویت دینے کا تھا۔ فتح مکہ پر آپ نے بلا شرط اپنے پرانے ہم قوم دشمنوں کو معاف کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف اہل مکہ ہی ہمیشہ کے لئے حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بلکہ تمام عرب میں اسلام چشم زدن میں پھیل گیا۔

بے نظیر تدبیر

اب وہ وقت آ گیا کہ مال و متاع ڈھیروں ڈھیر آنا شروع ہوا مگر اس کا مقصد جمہوریت اسلام کو بڑھانا اور فروغ دینا تھا۔ آپ نے وہ طریق اختیار کیا جس سے دنیا دار و دیندار ہر دو کے دل مضبوط رشتوں سے آپ کے ساتھ بندھ گئے مال غنیمت کے وقت آپ نے مکہ والوں سے کہا جتنا چاہو اٹھا کر لے جاؤ۔ اور وہ اتنا اتنا باندھ کر اٹھانے لگے کہ ان سے اٹھنا محال ہو گیا۔ اس پر کسی پرانے مدنی مسلمان کے نوجوان نے ... کو خیال آیا کہ سلطنت اسلام کی بنیاد ڈالنے والے اور شروع ایام سے خدمت گذار تو اہل مدینہ ہیں لیکن تقسیم مال کے وقت مکہ والے زیادہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس پر آپ نے اپنی اس روحانی تدبیر کو استعمال کیا کہ اعتراض کرنے والے نہ صرف اپنے کئے پر نادم ہوئے بلکہ اس امر پر بھی تل گئے کہ ان کے اپنے گھروں میں جو مال تھا وہ بھی مکہ والوں کو دے دیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ اے مدینہ والو تم سلطنت اسلام کی بنیاد ہو۔ کیا تم اس امر پر خوش نہیں کہ ایک لوگ تو دنیا کا مال لے جا رہے ہیں اور تم خدا کے رسول کو ساتھ لئے جا رہے ہو جس کے ذریعہ تمہیں تمام دنیا میں ہمیشہ اور ابد الآباد کے لئے ایک فوقیت حاصل ہو گئی۔ یہ وہ تدبیر تھی جس کی ابتدا مدینہ میں پڑی۔ اور انتہا اس کی مکہ میں ہوئی جس نے اسلام کی گہری بنیادیں قائم کر دیں۔ اور اسلام اسوقت تک اپنی طاقت پر چلا رہا جبتک اس میں آپ کی صحیح تدبیر مملکت قائم رہی۔ یہ تدبیر ایک ایسے مدبر کی نہ تھی جو عارضی واقعات کو مد نظر رکھ کر کرتا ہے بلکہ ایک ایسے صاحب تدبیر کی تھی جس کی غرض ابتدائی و انتہائی اسی ایک امر میں مرکوز تھی کہ اسلام کی ترقی کے ساتھ دنیا کا امن قائم رہے اور جوں جوں اسلام ترقی کرتا جائے دنیا میں اخوت و برادری و صحیح انسانیت کے تعلقات زیادہ پائدار طور پر قائم ہوتے جائیں۔ یہ ایک ایسی تدبیر ملکی تھی جس کی تہ میں بنی نوع انسان کی بھلائی تھی۔ اسی لئے اپنے رنگ میں نہ صرف دنیاوی اعتبار سے بے نظیر تھی بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اس میں ملک گیری کی شکل ... تھی۔

اسلامی وحدانیت اور مساوات

(از جناب لالہ رام چند صاحب منچندہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی پریذیڈنٹ آروڈبنس سبھا لاہور)

دنیا کی انسانی جماعت ہمیشہ سچائی کی متلاشی رہی ہے اور رہیگی اور آج سے قریباً تیرہ صدی عیسوی پہلے جہانتک انسان ترقی کر چکے تھے اس کا اندازہ قرآن مجید کے مطالعہ سے لگایا جا سکتا ہے اور دو عالمگیر اصول کہ جن پر اسوقت کی شائستہ دنیا کو ناز ہے یعنی **وحدانیت اور مساوات** یہ دونو اسوقت نا معلوم تھے یہ دونو بیش بہا اصول دنیا کو حضرت بانی اسلام علیہ السلام نے صرف دیئے ہی نہیں بلکہ ان پر عمل بھی کرایا اور کثیر التعداد پسماندہ وحشی انسانوں کو اونچا کیا۔ اور انسانی جماعت کا بہ حیثیت مجموعی درجہ اونچا کیا۔ اس خیال سے حضرت محمد علیہ السلام انسانی جماعت کے سب سے بڑے رہنما اور ہادی ہیں۔ جبتک **وحدانیت اور مساوات** کے اصول سو برس پہلے دنیا کو دستیاب نہیں ہوتے اسوقت تک اس فیض رسانی کا سہرہ حضرت محمد علیہ السلام کے سر پر رہے گا +

> **وہ دن مبارک ہوگا۔ جب پیغمبر اسلام کی برسی ہندوؤں کے گھروں میں بھی منائی جائے گی**
>
> لالہ رام چند منچندہ لاہور

اسوقت اندازاً دنیا کی انسانی آبادی ۰۰۰۰۰۰۰ ۱۸ خیال کیجاتی ہے اس میں سے قریب ۰۰۰۰۰۰۰ ۴۰ ان اصول کے حامی اور پیرو کار پائے جاتے اور اپنے طرز عمل کو ان اصول پر ڈھالتے ہیں مجھے اسکے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ **وحدانیت اور مساوات** انسانی کے اثرات جسقدر انہیں پائے جاتے ہیں دیگر انسانی جماعتوں میں نہیں۔ دوسری انسانی جماعتیں بھی ان تعلیم کی حامی اور دلدادہ بنتی چلی جا رہی ہیں لیکن ہم اسلامی جماعت سے پیچھے ہیں مگر افسوس مسلمان بھی انکو مناسب درجہ نہیں دیتے ہے اور انکی جگہ فروعات کو دی جا رہی ہے اگر اسلام سے ان تمام اصول کو جو کہ تاریخی یا مقامی ہیں خارج کر دیا جائے تو اسلام ایک عالمگیر اصول ہے۔ اور اگر اسلام ان دو اصول کو پیش نظر رکھ کر انسانی جماعت کی بہتری میں کوشش کرتا تو اسوقت دوسری یا ۳ تعداد انسانوں کی اس جماعت میں ہوتی۔ مگر بنیادی اصول کو نظر انداز کر کے فروعات پر بہت زور دیا گیا اور مقابلہ ٹھہر گیا ہندوستان میں بارہ سو سال سے یہ ہوتا چلا آ رہا ہے اور مقابلہ ہو رہا ہے اس وجہ سے اسلام کی ہر سائن ہو رہی ہے۔ تاریخ ہند کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ گذشتہ بارہ سو سال میں نہ تو مسلم ہندوؤں کو قطعی مغلوب کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں اور نہ ہی ہندو باوجود تمام کوشش اور بائیکاٹ کے اسلام کو ہندوستان سے در بدر کر سکے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہندو عازم میں بھی ایسے عالمگیر اصول ہیں جنکی بدولت یہ مقابلہ برابر ڈٹا رہا ہے اور ابھی تک ہو رہا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ پرانے ناکام تجربہ کو ترک کر دیا جائے اور اسکی بجائے فروعات کو چھوڑ کر دنیا کی بنا **وحدانیت اور انسانی مساوات** کے عالمگیر اصول پر رکھی جائے اور یہ نیا تجربہ عمل درآمد کا کیا جائے۔ چونکہ پہلے اسلام کیطرف سے ہوا۔ اب نئے تجربہ کا آغاز بھی اسلام کیطرف سے ہونا واجب ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ کیا امریکہ۔ یورپ۔ ایشیا اس چاہ میں تڑپ رہے ہیں مسلمانوں کو پیش قدمی کر کے انسانی مساوات اور وحدانیت کے اصول کو دنیا میں پیش کرنا چاہیئے اس سے اسلام کا درجہ بڑا ہوگا اور ساری دنیا ان اصول کے لانیوالے حضرت محمد علیہ السلام کی احسانمند اور شکر گذار ہوگی اور وہ دن مبارک ہوگا کہ جب پیغمبر اسلام کی برسی ہندوؤں کے گھروں میں بھی منائی جائیگی اور ہندو باوجود ہندو رہنے کے بھی بانی اسلام کے احسانمند ہونگے اور حضرت کو وہی درجہ دینگے جو کہ مہاتما بدھ کو دے رکھا ہے۔ ہندوؤں کے طرز عمل کا تبدیل کرنا سراسر مسلمان بھائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور اب وقت آ گیا ہے

بانی اسلام علیہ السلام کے پاکیزہ خصائل

(از جناب ریورنڈ پادری غلام مسیح صاحب سابق ایڈیٹر نور افشاں)

میرے مسیحی ہونے کے اعتبار سے اور مسیحیوں کے مروجہ طرز عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے متعلق یہ خیال نہیں کیا جاسکتا۔ کہ میں آنحضرتؐ کے خصائل کے بیان میں مبالغہ آمیزی سے کام لونگا۔ یا آپؐ کی شان میں کوئی ایسا اضافہ کروں گا۔ جو اہل علم اصحاب کی آگاہی سے باہر ہو۔ تاہم ایک مسیحی کی زبانی آنحضرتؐ کے پاکیزہ خصائل پر وہ منصفانہ راستے معلوم ہو سکتی ہے۔ جو مسیحیوں کے اس طبقہ کے اصحاب میں پائی جاتی ہے جس نے اسلامی لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا ہے۔

زندگی کی ابتداء اور انتہاء

آپؐ سب کے فرزند اعظم تھے۔ آپؐ یتیم اعظم تھے۔ آپؐ نے غربت و مسکینی کا قدرت سے حصہ وافر پایا تھا۔ گو آپؐ قبیلہ قریش کے ایک نہایت شریف خاندان سے تھے۔ تاہم قوم قریش کے اکابر خاندانوں کے مقابلہ میں غریب خاندان سے تھے۔ حکمت الٰہی نے آپؐ کو جائداد جدی سے کچھ نہیں دیا تھا۔ اور نہ آپؐ اپنے وارثوں کے لئے دنیوی مال و دولت چھوڑ کر گئے۔ یہ ایک انوکھی حقیقت ہے کہ آپؐ یتیم و غریب ہو کر دُنیا میں رونما ہوئے۔ اپنی زندگی کی ۲۳ سالہ خدمات سے اپنے تابعین کو عرب کے مالک و مختار بنا گئے۔ مگر اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو دنیوی مال و دولت میں سے ایک کوڑی بھی نہ دے کر گئے۔ آپؐ کی زندگی کے نمایاں پاکیزہ خصائل آپؐ کی زندگی کی ایسی ابتداء اور انتہاء کے درمیان پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

القاب سے سیرت کا پتہ

آپؐ کے اسماء اور القاب سے آپؐ کی خصلت و سیرت کا پتہ لگتا ہے۔ آپؐ کے اسماء میں سے محمدؐ۔ شاہدؐ۔ نذیرؐ۔ بشیرؐ۔ محمد رسول اللہؐ نہایت مشہور و معروف اسماء ہیں۔ ہمیں اس فہرست میں سردار سرِ گروہ قریش۔ سردار عرب۔ فاتح عرب بادشاہ عرب وغیرہ القاب نہ ملنے سے ضرور تعجب ہوتا ہے۔

تاریخ اسلام نے آج تک لاریب آپؐ کی زندگی کا۔ زندگی کی خدمات کا۔ آپؐ کی فتوحات اور آپؐ کی جنگوں کا۔ آپؐ کی بہادری و شجاعت کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اور دکھایا ہے کہ آپؐ وصال الٰہی سے پیشتر کل عرب کے مالک و مختار ہو چکے تھے مگر تاریخ اسلام نے کسی جگہ آپؐ کو تخت سلطنت پر متمکن ہوتے نہیں دکھایا۔ کہیں آپؐ کے شاہانہ لباس کا ذکر نہیں کیا۔ کہیں آپؐ کی تاج پوشی کا تذکرہ نہیں کیا۔ کہیں آپ کو اپنے لئے شاہی محل تعمیر کراتے نہیں دکھایا۔ آپ کی تمام عمر میں تاریخ اسلام نے آپؐ کے زمانۂ زندگی میں صرف ایک ہی عمارت تعمیر کرائی۔ جو مسجد نبوی کے نام سے مشہور رہی۔ وہ بھی خانۂ خدا تھی۔ عبادت خانہ تھی۔ کیا ہم ان حالات کو معلوم کر کے سخت متعجب نہیں ہوتے۔

مکروہات سے تنافر

آپؐ کے زمانہ کے آزاد عرب کے سرداروں کے مشاغل زندگی کا اور عربوں کے مذہبی عقائد و رسوم کا تاریخ نویسوں نے نہایت سیاہ خاکہ کھینچا ہے۔ ان کی شراب نوشی کا۔ جوا بازی کا۔ ان کے حسب و نسب پر فخر کرنے کا۔ ان کی خود ترشانہ زندگی کے تباہ کن طرز عمل کا۔ ان کے ظلم و شر کا۔ اور غلاموں وغیرہ سے بدسلوکیوں کا بیوہ یتیموں اور مسکینوں پر مظالم روا رکھنے کا۔ ناچ رنگ میں مشغول رہنے کا۔ کفر و نفاق کا مفصل ذکر کیا ہے۔ مگر حیرت اس بات میں پائی جاتی ہے۔ کہ تاریخ نے آنحضرتؐ کو خوشحالی اور فارغ البالی اور اپنی کامیابی اور اقبال مندی کے زمانہ میں بھی عربوں کی مکروہات سے مانوس نہیں دکھایا۔ بلکہ آپؐ کی زندگی کو ان تمام مکروہات سے سخت متنفر ظاہر کیا ہے۔ جو آپؐ کے زمانہ کے تمام مشاہیر کی زندگی کی زیبائش و آرائش تھے۔

مصائب کے مقابلہ میں استقلال

تاریخ آنحضرتؐ کو واحد خدا کی عزت و عبادت کے پیغام کے ساتھ میدان عمل میں لاتی ہے۔ اور خدا ہی آپ کی زندگی کی صداقت اور آپ کی قوت و طاقت تھا۔ آپ کے مقابل آپ کی آبائی قوم جو بت پرست تھی۔ اپنے آبائی مذہب کی حمایت و حفاظت میں سد سکندری بنا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ قریباً ۱۳ سال تک آپؐ کو مکہ شریف میں دکھ اور تکالیف دیتی ہے۔ مگر آپؐ کے دینی جوش میں کمی نہیں آتی آپؐ کے استقلال میں ضعف و کمزوری نہیں پائی جاتی۔ آپؐ کے جذبات اور ارادوں میں کمی نہیں آتی۔ آپؐ کے استقلال کے پاؤں متزلزل نہیں ہوتے۔ آخر کار تمام عرب میں آپؐ کے استقلال اور صبر کی دھوم مچ جاتی ہے۔ اور ہر چہار اطراف سے لوگ آپؐ کی دینی راہنمائی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کیا آپؐ کے اس استقلال میں اور آپؐ کے اسلامی جوش اور آپؐ کی اسلامی خدمات میں آپؐ کی پاکیزہ خصلت و سیرت کی کم نمائش پائی جاتی ہے؟

خدا پرستی اور خدا ترسی

خدا ترسی اور خدا پرستی آپؐ کی زندگی میں نمایاں جگہ رکھتی تھی۔ آپؐ کی زندگی پر اگر غور سے نظر ڈالی جائے۔ تو یہ بات صفائی سے معلوم ہو جائے گی۔ کہ آپؐ کو جو عرب میں فتوحات حاصل ہوئیں۔ وہ آپؐ کے تابعین کی کوششوں کا نتیجہ نہ تھیں۔ بلکہ آپؐ کی دعاؤں اور مناجاتوں کا جواب تھیں۔ آپؐ کا روزانہ پانچ وقت اور ساعت وقت دعا و نماز میں مصروف رہنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ آپؐ کا خدا پر کمال بھروسہ تھا۔ اور اس سے آپؐ کو وہ طاقت حاصل ہوتی تھی جس کی آپؐ کو میدان عمل میں ضرورت ہوتی تھی۔ اس بات کا کوئی حق پسند انکار نہیں کر سکتا۔

(دیکھو کالم اول صفحہ ہذا)

کیا عورتوں کے احساسات اور جذبات کا لحاظ کسی اور دین میں بھی اس طرح کیا گیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ پس اگر یورپ کی لیڈیاں اور آریہ ورت کی دیویاں ان تعالیم اور ان حقوق پر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرقہ اناث کو دئے۔ غور کریں۔ تو آپؐ پر فدا ہو جاتیں۔ غرض آنحضرت صلعم نے جیسی فرقہ نسوان کی پاسداری اور حمایت کی۔ اپنی تعلیم میں جابجا مردوں کو ان سے پیار و محبت اور حسن سلوک کی تاکید کی۔ کسی اور مذہب میں اس کی مثال موجود نہیں۔ علاوہ ازیں آپؐ تمام بیکسوں اور ماندوں۔ عاجزوں بیکسوں یتیموں اور بیواؤں کے حامی تھے۔ سب کو ان کے مناسب حقوق دلائے۔ اور رب العالمین کا کامل مظہر بن کر سب کی اخلاقی اور روحانی تربیت کی۔ عدل و راستی کو دنیا میں قائم کیا۔ اور اپنے نہایت درجہ کے عطف و شفقت علیٰ خلق اللہ اور رحم کی وجہ سے خاتم الرحمین ثابت ہوئے۔ فنعم ما قال المسیح الموعود علیہ السلام

عاشق صدق و سداد و راستی	دشمن کذب و فساد و ہر شرے
خواجہ و ہر عاجزاں را بندۂ	بادشاہ و بیکساں را چاکرے
آں ترحمہا کہ خلق از وے بدید	کس ندیدہ در جہاں از مادرے

اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد وعلیٰ عبدک المسیح الموعود وبارک وسلم

(بقیہ کالم ۳ صفحہ ہذا)

بیکسوں کی پشت پناہ

آپؐ غریب لوگوں کے لئے بمنزلہ باپ تھے۔ رحم و دردمندی کا آپؐ کی طبیعت میں دریا موجزن تھا۔ آپؐ تمام مظلوم اور تباہ حال لوگوں کے لئے عموماً اور غلاموں کے لئے خصوصاً ایک پشت پناہ تھے۔ ان کے محافظ و نگہبان تھے۔ جو لوگ ان کی ایذاء کے درپے ہوتے۔ آپؐ ان کی کوششوں کو ناکام کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے۔ غرضیکہ آپؐ جس بات کو اپنے لئے اور اپنے متبعین کے لئے نیک اور اعلیٰ جانتے تھے۔ اس کے حاصل کرنے کی اور جسے برا جانتے اسے دور کرنے کی۔ مقدور بھر کوشش کرتے تھے۔

حق غالب رہا

آپؐ کے جو خصائل پاکیزہ تھے آپؐ واحد خدا کی عزت و عبادت کے قیام کیلئے ایک طرز عمل کے بانی ہوئے تھے۔ جو آپؐ کی ۲۳ سالہ دینی خدمت کے ایام میں اہل عرب کے علم و آگاہی میں آیا۔ اور آپؐ کے طرز عمل نے تمام اہل عرب پر وہ اثر کیا۔ جو آج تک کم از کم ۲۲ کروڑ بنی آدم کو متاثر کر رہا ہے۔ آپؐ کے طرز عمل میں عربوں کے کفر و نفاق کو نکال کر انہیں اسلام کا بادری میں متحد کرنے کی مزید قوت و طاقت تھی۔ اور ہمارا یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ آنحضرتؐ کے پاکیزہ خصائل کے اثر کا کل عرب مکہ بھی مقابلہ نہ کر سکا۔ نہ آپ کے تدبر اور طرز عمل کی تاب لا سکا۔ آپ کی ہر ایک مخالف نے مخالفت کر دیکھی۔ مگر آخر نتیجہ آنحضرتؐ کو حاصل ہوا۔

راستی کی طاقت

حضرت ابراہیم و موسیٰ و یسوع مسیح اور بنی اسرائیل کے دیگر انبیاء نے راستی و صداقت کی قوت و طاقت ہونے کے اصول پر کاربند ہو کر فتوحات حاصل کیں ویسے ہی آنحضرتؐ نے بھی اسی اصول پر قائم رہ کر وہ فتوحات حاصل کیں جنکا ذکر ہو چکا ہے۔ سب انبیاء کے بعد آپؐ نے جو حضرت ابراہیمؑ کے ہی فرزند ارجمند تھے۔ اپنی زندگی کے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ قوت ہی راستی ہے کا اصول باطل ہے۔ صرف راستی و صداقت کے طاقت ہونے کا ہی اصول صحیح و درست ہے کیا ہم مسیحی اور مسلم اس پاک اصول کی قدر و توقیر کو قائم رکھ سکتے ہیں؟ کاش کہ ہم اس اصول کے پابند ہو سکتے۔

دنیا کی حالت بعثت رسول کریمؐ سے قبل اور بعد

(از جناب منشی محمد حسن صاحب۔ رہتاس۔ ضلع جہلم)

اندھیرا تھا جب ساری دنیا پہ چھایا جہالت نے طوفان تھا اک اُٹھایا
بشر نے تھا فطرت کو اپنی بھلایا سُجھائی نہ دیتا تھا اپنا پرایا
حکومت تھی ظلمت کی گر خشک و تر میں
تو فرماں مفاسد کا تھا بحر و بر میں

نہ یورپ کی محبوب کوئی ادا تھی نہ تجسیم کے ہاتھوں میں تازہ حنا تھی
نہ آتر میں کچھ دردِ دل کی دوا تھی نہ دکن کی آب و ہوا دلکشا تھی
نہ محفل نہ ساقی نہ صہبا تھی باقی
نہ محمل نہ ناقہ نہ لیلیٰ تھی باقی

نہ فانوس تاباں میں پیدا ضیا تھی نہ آئینۂ چیں میں کچھ بھی جلا تھی
نہ قانونِ یوناں میں باقی شفا تھی نہ ایراں کی آتش میں گرمی ذرا تھی
مٹا علم و حکمت کا نام و نشاں تھا
وجودِ جہاں پر عدم کا گماں تھا

عرب جو فقط اک جرائم کا گھر تھا جسے خوفِ دنیا نہ عقبیٰ کا ڈر تھا
اوامر کی تعظیم سے بے ہنر تھا نواہی کی تحریم میں نامور تھا
بتوں کی پرستش تو محبوب تر تھی
خدا کی طلب لیک معیوب تر تھی

نہ تھی ان کے دل میں بزرگوں کی عظمت نہ چھوٹوں سے کچھ راہ و رسم محبت
سوارِ جہانگیرِ رہوارِ وحشت نہیں جانتے تھے ہے کیا آدمیت
گریبانِ عفت میں تھا تار باقی
نہ عصمت کی چادر کے آثار باقی

خدا کا وہ گھر جس کو سب جانتے ہیں زمیں کی ملے تا فلک سب مانتے ہیں
سپید و سیاہ سارے پہچانتے ہیں مسلماں جسے قبلہ گردانتے ہیں
"وہ تیرتھ تھا اک بُت پرستوں کا گویا
جہاں نامِ حق کا نہ تھا کوئی جویا"

زبانوں پہ جاری تھا چرچا بتوں کا دلوں پر مسلط تھا سکہ بتوں کا
یہاں تک مسلّم تھا درجہ بتوں کا خدا کے بھی گھر پر تھا قبضہ بتوں کا
نہ دو چار۔ چھ سات یا آٹھ تھے وہ
ہے کعبہ گواہ۔ تین سو ساٹھ تھے وہ

کہ ناگاہ اُفق میں چڑھا مہرِ انور "وہ فخرِ عرب زیبِ محراب و منبر"
اُجالا کیا جس نے ہر بحر و بر پر اندھیروں کے اندر گھسے بوم و شپر
گئی ظلمتِ شب ہوا روز روشن
چھٹا دستِ لیلیٰ سے مجنوں کا دامن

وہ خورشید ایران و توراں پہ چمکا عرب اور عجم چین و جاپاں پہ چمکا
گلستاں پہ ریگِ بیاباں پہ چمکا تر و خشک پر کوہ و میداں پہ چمکا
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا"

نہ آتا اگر حق سے قرآن لے کر اوامر نواہی کا دیوان لے کر
دُکھوں اور دردوں کا درمان لے کر بدی اور نیکی کی میزان لے کر
"حقائق یہ سب غیر معلوم رہتے
خدائی کے اسرار مکتوم رہتے"

خدا نے جو دی اس کو نعمت تھی کامل عطا کی گئے جو نبوت۔ تھی کامل
شریعت تھی کامل طریقت تھی کامل ملی جس قدر اس کو دولت۔ تھی کامل
خدا داد نعمت کی تعمیم کر دی
جو دولت ملی سب میں تقسیم کر دی

محبت کی آپس میں تدبیر کر دی بڑھے جس سے اُلفت وہ تقریر کر دی
دلوں کی مُطہّر نے تطہیر کر دی مگر ماسوی اللہ کی تحقیر کر دی
جو مدت کے بچھڑے تھے ان کو ملایا
نئے سر سے بھائی کو بھائی بنایا

قبائل کی معقول تنظیم کر دی ترقی کی رہ ان کو تعلیم کر دی
تنزل سے بچنے کی تفہیم کر دی کتابِ تمدن میں ترمیم کر دی
"رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر کر دیا رُخ ہوا کا"

سبق ان کو توحیدِ حق کا پڑھایا بتوں کی غلامی سے پیچھا چھڑایا
عبادت کا سچا طریقہ سکھایا بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا
جو ناقص تھے کل۔ آج کامل ہوئے وہ
خدا کی عنایت کے۔ حامل ہوئے وہ

بہت اس کے احساں سلاطین پر ہیں یتامیٰ۔ ایامیٰ۔ مساکین پر ہیں
بہت اس کے احساں خواتین پر ہیں فرائض و قانون و آئین پر ہیں
برا ایسے محسن کو کہنا بُرا ہے
سنبھل جاؤ نزدیک روزِ جزا ہے

بزرگوں کو ناحق بُرا یاد کرنا ہے اپنی شرافت کا برباد کرنا
خدا کے پیاروں پہ بیداد کرنا! جو بگڑے گئے۔ پھر نہ فریاد کرنا
جو تیر ان کا نکلا کمانِ فلک سے
بشر سے رُکے گا نہ جن و ملک سے

(۱)

اس وقت مسلمانوں کی اسلامی زندگی عملی اور علمی دونوں حیثیتوں سے قابل افسوس ہو رہی ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ ان میں بعض ہی کم ایسے لوگ ہیں جو اپنے منبع ہدایت اور محبوب آقا کے حالات زندگی سے واقف ہوں۔ اور وہ خوش قسمت ہی کم ہیں جنہوں نے خواجہ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ایک بصیرت افروز غور کیا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ رفتہ رفتہ عملی قوتیں بھی مفلوج ہو گئیں۔ جیسے صحابہؓ کی سیرت پر غور کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر حرکت و سکون اور آپ کے ہر ارشاد و عمل کو نمونہ رکھتے اور اس سے محبت کرتے۔ جو ان کی عملی قوتوں میں بیداری اور زندگی پیدا کرتی اور وہ اپنی زندگی کی نجات اور مقصود اتباع نبوی ہی کو یقین کرتے۔

اس وقت تو اور بھی ضرورت ہے۔ کہ مسلمانوں کے بچے۔ ان کے جوان۔ ان کے بوڑھے۔ ان کی عورتیں۔ ان کے جاہل۔ ان کے عالم۔ ان کے حاکم۔ ان کے محکوم۔ غرض خواہ وہ کسی طبقہ کے ہوں۔ آپ کی سیرت اور سوانح سے پوری واقفیت پیدا کریں۔ اس لئے کہ اس عہد میں جو عہد اشاعت ہے۔ اور جو عہد انکشافات سائنس ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کمال کا زمانہ ہے۔ اور مختلف طبقوں میں آپ کی سیرت و زندگی پر نقد و تبصرہ کا بازار گرم ہے۔ پس ایک طرف ہم کو اپنی روحانی اور تمدنی ترقی کے لئے۔ دوسری طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تحفظ ناموس اور آپ کے جلال و کمال کے اظہار کے لئے ضرورت ہے کہ آپ کی سیرت کا مطالعہ کریں۔

(۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں ایک انسان کی حیثیت میں مبعوث ہوئے۔ اور آپ نے خدا تعالےٰ کی وحی سے اپنی ماموریت کا اعلان کرتے ہوئے جو چیز دنیا کے سامنے اپنی ذات بابرکات کے متعلق پیش کی وہ یہ دعوےٰ تھا۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی۔ کہہ دو کہ میں تمہارے جیسا ہی انسان ہوں۔ اور مجھ انسان پر ہی خدا کی وحی ہوتی ہے۔ خدا تعالےٰ نے مجھے اپنے ساتھ کلام کرنے کا شرف بخشا ہے۔

بظاہر اس دعوےٰ کا پہلا حصہ نہایت معمولی اور عام معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں تمہارے جیسا ایک انسان ہوں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ یہی دعوےٰ تحت علمی صداقت اور بحث جزا نظم (سائنس) تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو بحیثیت انسان پیش کرتے ہیں۔ میں اسی حقیقت پر اپنے تاثرات کا اظہار کرونگا۔ اور انشاء اللہ تعالےٰ بتاؤنگا۔ کہ انسانی کمال کی شان اسی وجود میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔

---

(۳)

سب سے پہلی بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دعوےٰ میں نظر آتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس سے انسانی نصب العین کی عظمت اور وسعت نمایاں ہے۔ جب ایک انسان کے دل میں یہ ایمان پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ تمام انسان اس جیسے ہی ہیں۔ اسی وقت اس کے نصب العین میں ایک رفعت اور اس کے عزم میں ایک رسوخ اور قوائے عملیہ میں ایک تحریک شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ فوراً خیال کرتا ہے۔ کہ ایک انسان جو ترقی کر سکتا ہے۔ میں بھی اسی قسم کی ترقی کر سکتا ہوں۔ اس لئے کہ خدا تعالےٰ نے تمام مظاہر قدرت کو یکساں تمام انسانوں کا خادم بنا دیا ہے جو شخص بھی ان سے کام لے گا۔ وہ اپنی ترقیات کے سلسلہ میں ممتاز ہوتا چلا جائے گا۔ پھر ساتھ ہی آپ نے یہ کہکر کہ یوحی الی۔ انسانی کمالات کی ایک غیر متناہی ترقی کے راز کو بھی منکشف فرما دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت خدا تعالےٰ نے ایسی بنائی ہے۔ کہ وہ خدا تعالےٰ سے ہمکلامی کی عزت اور شرف حاصل کر سکتا ہے۔ اور جب خدا تعالےٰ کی وحی اس پر آنے لگے۔ تو پھر اس کی ترقیوں کا دائرہ وسیع ہونے لگتا ہے۔ اور اس کی روحانی اور دماغی قوتوں کی پرواز اوپر کی طرف جاتی ہے۔ نہ کہ نیچے کو۔

(۴)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دعوےٰ بشریت اور انسانیت کو پیش کر کے ایک دفتر توحید انسان کے آگے کھول دیا ہے۔ اور نفس انسانیت کے شرف و عزت کا درجہ بلند کر دیا ہے کہ آپ دنیا میں نسل انسانی کی ہدایت اور تعلیمات کے لئے مبعوث ہوتے ہیں۔ اور آپ کی اتباع کے لئے نوع انسانی کو یہ ارشاد ربانی ہے۔ کہ اگر وہ خدا کے محبوب بننا چاہتے ہیں۔ اگر وہ چاہتے ہیں۔ کہ گناہ آلود زندگی سے ان کی صیانت اور حفاظت ہو۔ تو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہئے۔ جیسا کہ فرمایا۔ قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفرلکم ذنوبکم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اتباع انسان کے اندر ان قوتوں کو بیدار اور قوی کرتی ہے۔ جو اس کی گناہ آلود زندگی پر ایک موت وارد کر کے اسے خدا تعالےٰ کی آغوش محبت میں ڈال دیتی ہے۔ اور یہ کامل اتباع انسان سے ہر گناہ کے تمام جراثیم اور مواد کو مٹا دیتی ہے لیکن یہ عملی قوتیں کبھی پیدا نہیں ہو سکتی ہیں۔ جب تک ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان انسانی کو مد نظر نہ رکھیں۔ اس لئے انسان کا تمام تمدن اس کی تمام تہذیب۔ اس کے تمام علوم اور اعمال۔ اس کی سیرت۔ اس کے اخلاق۔ جو کچھ بھی کائنات انسانی کی متاع ہے۔ وہ سب کی سب کچھ نقلوں کا مجموعہ ہے۔ ہمارا بولنا۔ کھانا۔ پینا۔ زندگی کا تمام عملی ضابطہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ کہ ہم نے اوروں کی نقل کر کے اسے ترتیب دے لیا ہے۔ پس اگر ہم انسان ہیں۔ اور ضرور انسان ہیں۔ اور اگر ہماری فطرت میں دوسروں کی نقل کا مادہ ہے۔ اور ضرور ہے اور اگر ہم دوسروں کی نقل کرنے سے اخلاق اور آداب سیکھ سکتے ہیں۔ اور ضرور سیکھ سکتے ہیں۔ تو ہمارے سامنے جو آئیڈیل اور نمونہ ہو۔ وہ ایک کامل انسان کا ہونا چاہئے۔ نہ کسی اور کا۔

ہم فرشتہ نہیں۔ انسان ہیں۔ اس لئے وہ وجود جو ہماری ہدایت اور ہماری بھلائی کے لئے مبعوث ہونا چاہئے۔ وہ انسان اور انسان ہی ہونا چاہئے۔ ہمیں انسان بنا کر ہماری طرف کسی دوسری نوع کے وجود کو مبعوث کرنا۔ یقیناً ایک غلطی ہوتی جس سے خدا تعالےٰ کی شان پاک ہے۔ قرآن مجید کے کمال پر نظر کرو۔ ہاں قرآن مجید کے اس اعجازی بیان کی آیتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطرت اور کمال انسانی کا مطالعہ کرو۔ قرآن مجید ایک موقعہ پر فرماتا ہے۔ جب خدا کا کوئی رسول اور ہادی ہدایت لے کر آتا ہے۔ تو منکرین اپنی نادانی سے یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ کیا ہم ایسے انسان پر ایمان لائیں۔ جو ہماری طرح کھاتا۔ پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ خالق فطرت خدا نے ایسے لوگوں کو جواب دیا ہے۔ اگر دنیا میں فرشتے سکونت رکھتے۔ تو بیشک ان میں فرشتہ ہی رسول ہو کر آتا۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے ایک نہایت لطیف علمی کلیہ بیان فرمایا ہے۔ کہ چونکہ انسانی بناوٹ اور اس کے قوٰی کی وسعت اور فطرت ایسی بنائی گئی ہے۔ کہ اس کا ہادی انسان ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس کی ترقی کا کمال انسانیت کے اسرار کے اندر مخفی ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہکر کہ میں تمہارے جیسا ایک بشر ہوں۔ ان تمام غلط عقائد کی تردید کر دی۔ جو انسانیت کے کمالات کے لئے بمنزلہ زہر کے تھے۔ انسان اپنے سامنے کامل انسان کے نمونہ کو ہی رکھ کر ترقی کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے قوٰی کے اندر یہی تاثیر ہے۔ وہ اپنے دائرہ استعداد سے باہر نہیں جا سکتا ہمارے اندر فرشتہ یا خدا بننے کی قابلیت نہیں ہے۔ اور نہ خدا تعالیٰ کی صفات کا یہ اقتضا ہو سکتا ہے۔ کہ انسان خدا بن جائے۔ پھر ہم کیوں کر یہ توقع کریں۔ کہ دنیا میں کوئی ایسا ہادی بھی ہو سکتا ہے۔ جو انسان کے لباس میں خدا بن کر آئے۔

میں سمجھتا ہوں۔ کہ اگر وہ لوگ جو مسیح کو خدا بناتے ہیں۔ یا اپنے انسانی راہنماؤں کو خدا کا درجہ دیتے ہیں غور کریں۔ تو انہیں اپنے اس عقیدہ کی بیہودگی صاف نظر آنے لگے۔ میرا مقصد اس موقعہ پر صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال انسانی کی شان کو دکھانا ہے۔ یہ بات ضمناً آ گئی۔

(۵)

ظاہر ہے۔ کہ ہمارے قوٰی۔ ان کے حسیات اور اعمال ہمارے جذبات اور ہمارے تخیل کی بلند پروازی کا کمال شرف انسانیت میں ہے۔ اور نفس انسانیت ایک ایسا اکمل مقام ہے۔ کہ اگر اس کی حقیقت اور اسرار سے ہم واقف ہو جائیں۔ تو ذات باری کی معرفت کا ایک علم وسیع انسان کو مل سکتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ - جو شخص نفس انسانیت کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی معرفت کے مدارج کو بھی پا لیتا ہے اور یہ معرفت ہم کو اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانیت پر غور کریں ۔

انسانیت جیسا کہ اس نام سے ظاہر ہے۔ محبت و الفت کے جذبات کا مجموعہ ہے۔ اس لئے کہتے ہیں۔ کہ انسان اصل میں اُنسان ہے۔ یعنی دو محبتوں کا مجموعہ۔ ایک محبت اس کی اپنی نوع سے ہوتی ہے۔ اور دوسری خدا تعالیٰ سے یا یوں کہو کہ ایک شاخ محبت کی اوپر کو جاتی ہے۔ اور دُوسری نیچے کو۔ تصوف کی اصطلاح میں یہ ناسوتی اور لاہوتی مقام کہے جاتے ہیں۔ ان ہر دو کیفیتوں کا مجموعہ کامل طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات میں نظر آتا ہے اور اس کیفیت کا اظہار اسی آیۃ شریف میں کیا گیا ہے۔ جو میرے اس مضمون کی رُوح ہے۔ یعنی قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی۔ اس کا پہلا حصہ اس ناسوتی تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اور یوحیٰ الی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل لاہوتی منزلت کو بیان کر رہا ہے۔ اس دوسرے مقام پر کامل بصیرت اور کامل صلاحیت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں کامل معرفت اور صحیح علوم اس کو دئے جاتے ہیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمال انسانی کے کامل مظہر تھے۔ اس لئے یہ درجہ آپ کو ایسے طور پر دیا گیا تھا۔ کہ گویا وجود بشری بالکل فنا ہو جاتا تھا۔ اور کسی قسم کے حجب درمیان میں نہ رہتے تھے۔ اسی لئے ایسی اعجازی قوتیں اور خوارق آپ کو دئے جاتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمال محبت اور ارتباط اور فنا فی اللہ کے جذبہ کاملہ کی وجہ سے ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ آپ کے شان کمال کو ظاہر کرتا تھا۔ اور دوسری طرف انسانی نسل کے ساتھ آپ کی محبت و رحم اور ہمدردی کا کمال ایسا واضح اور بین ہے۔ کہ اس کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں پائی جاتی۔ قرآن مجید نے اس کیفیت کو صرف اس آیۃ میں بیان کر دیا ہے۔ لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین ۔

(۶)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ انسانیت کا مطالعہ جہاں انسان کے نصب العین کو بلند کرتا ہے۔ اس کی امید کو وسیع کرتا ہے۔ اور امید کی وسعت انسان کے عزم اور اس کے عملی قولے میں ایک زندہ تحریک کو جاری رکھتا ہے۔ نصب العین کی بلندی پر میں کچھ بیان کر چکا ہوں۔ امید کی وسعت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عملی زندگی اور ہدایات سے دکھا دیا۔ کہ مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ اس کی امید خدا میں وسعت پذیر رہتی ہے۔ اگر آپ کی امید وسیع نہ ہوتی۔ تو مکی زندگی کے پُر آشوب ایام ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کو خوش و خرم رکھنا تو درکنار زندہ ہی نہ رہنے دیتے۔ اگر امید کی وسعت نہ ہوتی۔ تو آپ خودکشی کو جرم قرار نہ دیتے۔ انسان مختلف جذبات اور خواہشوں کا مجموعہ ہے۔ اور اس کی تمام کامیابیوں کا انحصار ان جذبات کے صحیح اور برمحل استعمال پر موقوف ہے۔ انسانی شرف اور کامیابی کے لئے سب سے پہلی بات (۱) اعتماد علے النفس ہے۔ آج یورپ کے لوگ اس پر نازاں ہیں کہ وہ انسان کو اس اعلیٰ درجہ کی قوت کی طرف علم النفس کے پُر غور مطالعہ کے بعد راہنمائی کرتے ہیں۔ مگر وُہ نہیں جانتے کہ آج سے چودہ صدیاں پیشتر وادی غیر ذی زرع کے ہادی علیہ السلام نے علیکم انفسکم کہکر خود اعتمادی کی تعلیم دی تھی۔ یورپ خود اعتمادی کو تو ما نتا ہے۔ مگر وہ اس کے ساتھ جو بعض آفات ہیں ان سے واقف نہیں۔ بلکہ علی العموم وہ اس سے غافل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کمل صورت میں پیش کیا تھا۔ ایک طرف اعتماد علے النفس کی تعلیم دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی انسان کو توکل علے اللہ کا سبق دیا تھا۔ تاکہ اس کی کمزوریاں اور غلطیاں اسے راہ حق سے دور لے جا کر ہلاک نہ کر دیں اور اس کی کامیابی ناکامی کی صورت اختیار نہ کر لے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اصُول کو کمل کیا جبکہ خدا سے وحی پا کر فرمایا۔ واذا عزمت فتوکل علی اللہ - یعنی کامیابی کے جزا و شروط میں جو چیزیں ضروری ہیں۔ ان میں سے ایک عزم صمیم ہے۔ دوسری توکل علے اللہ۔ یہ عزم صمیم جسے یورپ کا فلاسفر Self-confidence کہکر خوش ہو جاتا ہے۔ اور اس کے صحیح نشو و نما اور ارتقا سے ناواقف ہے۔ اس کا حقیقی نشو و نما اس دوسرے ہی جزو سے ہوتا ہے جو توکل علے اللہ میں بیان کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو علم النفس دنیا کو دیا ہے اور جو معیار شرف انسانیت قائم کیا ہے۔ وہ بےنظیر ہے۔ یہ مضمون بہت وسعت چاہتا ہے۔ اگر مجھے کبھی موقعہ ملا۔ تو میں ایک مضمون "کائنات میں مقام انسانیت" لکھنا چاہتا ہوں۔ (وباللہ التوفیق) اس میں انشاء اللہ العزیز دکھانے کی کوشش کرونگا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس علم کے کیا کیا بیش قیمت جواہرات کے خزانے دنیا کے سامنے رکھدیئے ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں۔ کہ مختصر طور پر آپ کی شان انسانیت کے بعض مظاہر کو بیان کروں ۔

(۷)

چونکہ ایڈیٹر صاحب الفضل چاہتے ہیں۔ کہ دو صفحے سے زائد مضمون نہ ہو اس لئے میں افسوس کے ساتھ اس حدیث دلآویز کو مختصر کرنے پر مجبور ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی غرض ہی انسانیت کے مقام کی معرفت تھی۔ جو خدا تعالیٰ نے ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں بیان فرمائی ہے۔ آپ نے اپنے عمل سے بتایا۔ کہ انسان کس طرح پر مقام عبودیت حاصل کرتا ہے۔ اور عبد اللہ کا نام پاتا ہے۔ اس میں آپ نے اپنے ناسوتی اور لاہوتی ہر دو قسم کے تعلقات کا عملی نمونہ بتایا ۔

۱۔ انسانی تخلیق کی پہلی اور آخری غرض یہی ہے۔ اور اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انسانیت ہی اپیل کرتی ہے۔ اور وہ اس آیت میں جو اس مضمون کا موضوع ہے۔ نہایت لطافت سے پیش کی گئی ہے ۔

۲۔ انسان کی ترقی کا مدار اس عقیدہ اور ایمان پر ہے۔ کہ انسان کے سوا کل مخلوق انسان کی خادم ہے۔ یہ ایک عظیم الشان اصُول ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کے ذریعہ دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ انسان اگر خدا کی مخلوق کے کسی حصہ کو خُدا اور معبود سمجھتا ہے۔ تو خدا کے حقائق اور فوائد سے محروم ہو جاتا ہے۔ تمام علوم اور ترقیات کا مدار اسی عقیدہ کے ساتھ لگتا ہے۔ اور یہی انسانیت کا شرف اور مقام ہے۔ کہ وہ کل کائنات کا مخدوم ہے۔ دُنیا پر جو ہلاکت کے فتنے آئے ہیں۔ اور اقوام کی تباہی اور جہالت اسی حقیقت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے تھی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر انسان کو اس کا اصل مقام عطا فرمایا۔ اور کل مخلوق کو انسان کا خادم قرار دیا۔ اور آج اس کے نتائج میں ہم علوم جدیدہ کی روشنی میں آئے دن نئے نئے انکشافات دیکھتے ہیں ۔

۳۔ انسانی زندگی کے معیار شرافت کو باامن شہری کی صورت میں دنیا کے سامنے رکھدیا۔ اور مساوات انسانی اور خلق و اخوت باہمی کی صحیح راہ آپ نے اپنی انسانیت کے ذریعہ قائم کر دی۔ چنانچہ فرمایا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ تقوےٰ کے معنے حضرت ابو ہریرہ نے ایک حدیث کے مفہوم پر نہایت ہی لطیف کئے ہیں۔ کہ بااصول انسانی زندگی کے لئے جو چیزیں باعث مضرت ہوں ان سے بچتے رہنے کا نام تقوےٰ ہے ۔

۴۔ انسانی قولے کی تکمیل اور معرفت کی وسعت کے لئے نظام عالم پر غور و فکر کی قوتوں کے نشو و نما کی تعلیم دی۔ اور اس طرح پر ترقیات کا بحر ناپیدا کنار پیدا کر دیا ۔

۵۔ تمام امُور میں عزم صمیم اور مستقل مزاجی سے کام کرنے کی عملی تعلیم پیدا کی ۔

۶۔ انسانی ہمت کو بلند کیا۔ اور جزائے اعمال کے مسئلہ سے بتایا کہ انسانی اعمال کے لئے دور اندیشی اور عاقبت بینی کا منشاء ہے۔ ولتنظر نفس ما قدمت لغد۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو انسانیت کے جس پہلو کو مدنظر رکھ کر غور کرو۔ کامل انسانیت کی شان اس میں جلوہ گر ہے۔ اور وُہ انسان کے اندر وہ حقیقت پیدا کرنا چاہتی ہے جس کا دوسرے لفظوں میں عبودیت نام ہے۔ اور جہاں پہنچ کر انسان خدا تعالیٰ سے شرف ہمکلامی حاصل کرتا ہے۔ اور اسی مقام کو حاصل کرنے کے لئے آپ نے اپنی بشریت کو پیش کیا ہے۔ کہ وُہ ہمارے لئے بطور اُسوہ حسنہ ہے۔ اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم
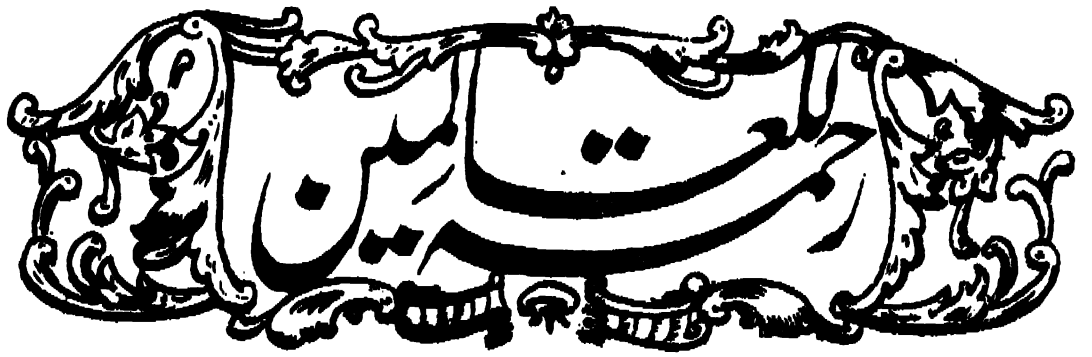
از مولوی جلال الدین صاحب شمس (مولوی فاضل) مبلغ جماعت احمدیہ مقیم حیفا فلسطین)

جس جلیل القدر انسان کے اعمال عظیمہ اور اخلاق حمیدہ اس وقت میں ذکر کرنے لگا ہوں۔ اس کی عظمت و بزرگی کا ہر پاک دل معترف اور ہر صداقت شعار زبان اقراری ہے۔ کسی تاریخدان پر یہ امر مخفی نہیں۔ کہ آپ جس پُرآشوب و پُر فتن زمانہ میں مبعوث ہوئے اس کی نظیر تلاش کرنا فضول امر ہے۔ اس وقت تمام دنیا بحر ضلالت و غوائت میں غرق تھی۔ عدل و راستی کا نام و نشان نہ تھا۔ مخلوقات الٰہی پر وہ وہ ظلم و ستم توڑے جاتے تھے۔ کہ جن کے نام سے بدن لرز نے لگتا ہے۔ حیوانات تو ایک طرف رہے۔ انسانوں میں سے فرقہ اناث کی حد درجہ بے قدری کی جاتی اس امر میں تمام اقوام عالم شریک تھیں۔ اس وقت آپؐ مظلومین کے لیئے رحمت بن کر آئے۔ اور ان کی حمائت میں کھڑے ہو کر ہر ایک کو جیسا کہ عدل کا مقتضا تھا۔ اسے حقوق دلائے۔ حیوانات کو باندھ کر ان پر تیر آزمائی کی جاتی۔ اس سے آپؐ نے منع فرمایا۔ ان کے چہروں پر داغ دیا جاتا۔ اسے شدت سے روکا حتٰی کہ فرمایا۔ جو ذبح کرے۔ اسے چاہئے پہلے چھری تیز کرے۔ تا مذبوح کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ مرغوں اور دنبوں وغیرہ جانوروں کو آپس میں لڑایا کرتے۔ اس سے بھی آپؐ نے روکا۔ اور یہ فرما کر کہ ہر جاندار چیز کے ساتھ بھلائی کرنے میں انسان کو اجر ملے گا۔ حیوانات سے بھلائی کرنے کی ترغیب دلائی۔ اور ایک کنچنی کا واقعہ بیان فرمایا۔ جس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی اس نیکی کے عوض میں اُسے توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ اور آخرکار وہ جنت کی وارث ہوئی۔ لیکن ایک عورت جس نے بلی کو گھر میں بھوکی پیاسی باندھ چھوڑا۔ یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ اس کی اللہ تعالےٰ نے بھی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور آخرکار وہ اپنی بداعمالی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی۔ پس آپ حیوانوں کے لیئے بھی رحمت ہو کر آئے۔

مضمون کے طویل ہو جانے کے اندیشہ سے میں تمام دوسری باتوں کو چھوڑ کر صرف ایک بات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ فرقہ نسواں کے متعلق ہے۔ آپ جس زمانہ میں مبعوث ہوئے۔ اس وقت عورت کو کوئی مستقل شخصیت نہیں دی جاتی تھی۔ وہ نہایت ہی مظلومانہ حالت میں تھی۔ سب سے بڑا تعلق جو دنیا میں مرد و عورت کا طبعی لحاظ سے ہو سکتا ہے۔ وہ علاقہ تناسلی ہے۔ مگر اس بارہ میں عورت سے جو معاملہ کیا جاتا۔ وہ صریح عدل کے خلاف تھا۔ اس میں اہل ادیان اور دوسرے یکساں تھے۔ ہندو مذہب عورت کی کوئی علیحدہ ہستی نہیں شمار کرتا تھا۔ اگر خاوند مر جاتا۔ تو اُسے بھی اس کے ساتھ ہی آگ کی نذر کیا جاتا۔ اگر بیوہ ہو جاتی۔ تو اسے اجازت نہ تھی کہ شادی کر سکے۔ خاوند جس قدر بھی اس پر ظلم و ستم کرنا چاہے کرلیتا وہ اس ظالم کے پنجہ سے رہائی پانے کے لئے کوئی چارہ جوئی نہ کر سکتی تھی۔ اسی طرح یہودی مذہب نے مرد کو جب اس کی بیوی اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو۔ اور اس میں کوئی نامناسب بات پیدا ہو جائے۔ طلاق کی کھلے بندوں اجازت دی۔ مگر عورت کے لیئے جائز نہ تھا۔ کہ وہ بھی مرد سے کسی صورت میں علیحدگی اختیار کر سکے۔ غرض اسے حسب عہد قدیم و جدید ایک ناپاک ہستی خیال کیا جاتا تھا۔ دین مسیحی نے اگرچہ ایک حد تک طلاق کے لئے شروط لگائیں۔ مگر پھر بھی عورت کو یہ حق نہ دیا۔ کہ وہ بھی کسی صورت میں خاوند سے طلاق حاصل کر سکے۔ عرب کی جو حالت تھی۔ اس کے بیان کرنے کی تو حاجت ہی نہیں۔ عورت ہونا سخت گناہ خیال کیا جاتا تھا۔ لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے۔ ورثہ میں عورتوں کو دوسرے ترکہ کی طرح تقسیم کیا جاتا۔ مرد جتنی بیویاں کرنا چاہتا کرلیتا اور بار بار طلاق دے کر اپنے گھر لے آتا۔ کوئی قانون نہ تھا۔ سوائی نہ تھی۔ نظام نہ تھا۔ مگر آپ اس مظلوم ہستی کے لیئے رحمت ہو کر آئے۔ اور اسے قعر ذلت سے اٹھایا۔ اور یا ایہا "مثل النساء شقائق الرجال" کا اعلان کر کے انہیں مردوں کی صف میں پہلو بہ پہلو کھڑا کر دیا۔ و لھن مثل الذی علیھن بالمعروف کا ارشاد خداوندی سُنا کر انہیں مردوں کے مساوی اس وقت قرار دیا جبکہ مدبرین فرانس کی اس مجلس نے جو عورت کے حقوق پر غور کرنے کے لیئے منعقد ہوئی تھی۔ آخری رائے یہ پاس کی تھی۔ کہ اب سے ہمیں عورت کو بھی انسان سمجھنا چاہئے۔ پس وہ تو عورت کو دائرہ انسانیت میں داخل کرتے تھے۔ گویا کہ وہ انہیں پہلے انسان ہی نہ سمجھتے تھے۔ مگر آپ انہیں مردوں کے ساتھ حقوق میں مساوی قرار دے رہے تھے

پھر آپ نے ہر رنگ میں عورت کی عزت قائم کی۔ اور فقط قول پر ہی اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اپنے عمل سے اس کی عزت و محبت مردوں کے قلوب میں مُمکّن کی۔ آپؐ نے خود حضرت عائشہؓ کو دروازہ میں کھڑے ہو کر حبشیوں کے فوجی کرتب دکھائے۔ اور اس وقت تک وہاں سے نہ ہلے۔ جب تک کہ حضرت عائشہؓ خود اپنی مرضی سے نہ ہٹیں۔ پھر آپ نے ان سے دوڑنے میں مقابلہ کیا۔ ایک موقعہ پر اپنی زوجہ صفیہؓ کو اپنے گھٹنے کے سہارے اونٹ پر سوار کیا۔ غرض کہ آپؐ نے ہر رنگ میں ان سے محبت کا اظہار کیا حضرت فاطمہؓ جب تشریف لاتیں۔ تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے۔ غرض جو عزت و احترام آنحضرت صلعم نے کمزور فرقہ نسوان کا کیا۔ اس کی نظیر مغربی تہذیب والے باوجود ادعائے آزادی نسوان قطعاً پیش نہیں کر سکتے۔ یہی وہ جذب مقناطیسی اور قوت کہربائیہ تھی جس کی وجہ سے عورتیں اپنے ماں۔ باپ۔ بھائی۔ بیٹے سب کچھ آپ کے لیئے قربان کرنے کو تیار رہتیں۔ وہ اپنے اقرباء اور اعزاء کی مصیبت پر اتنا غم و اندوہ نہ کرتیں۔ جتنا کہ رسول اللہ صلعم کو ذرا سی تکلیف پہونچنے پر۔ کیونکہ آپؐ ہی تھے۔ جنہوں نے انہیں ظلم و ستم کی قید سے آزادی دلائی۔ اور آپؐ ہی تھے جنہوں نے انہیں عزت کی زندگی بخشی۔

پھر آپؐ نے فرمایا خیرکم خیرکم لاھلہ۔ کہ بھلا شخص وہی ہے۔ جو اپنی بیوی سے اچھا سُلوک و برتاؤ کرے۔ پھر بارشاد الٰہی فرمایا۔ وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسٰی ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً کہ اپنی بیویوں سے نیک برتاؤ کرو۔ اور اگر تم انہیں ناپسند کرو۔ (پھر بھی ان سے نیک سُلوک رکھو) کیونکہ ممکن ہے۔ کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو۔ اور اللہ تعالیٰ اس میں بڑی بھلائی رکھ دے۔ اسی آیۃ کریمہ میں باوجود ان سے ناپسندیدگی کے حسن سلوک کے ساتھ گذر و باش رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ اور یہ حکم دیا ہے۔ کہ مرد اپنی ناپسندیدگی پر غالب آنے کی کوشش کریں۔ اگر وُہ ایسا کریں۔ تو یہی بات ان کے لئے خیر و برکت کا موجب ہو جائے گی۔

پھر جب مرد و عورت میں اتفاق کی کوئی صورت نہ ہو سکے۔ تو جیسے مرد کو طلاق کی اجازت دی گئی۔ ویسے ہی عورت کو بھی علیحدہ ہو جانے کا حق دیا گیا۔ اور اس طرح آپؐ نے عورت کے احساسات اور جذبات کا نہائت درجہ لحاظ کیا۔ ماہرین علم النفس سے مخفی نہیں کہ بعض اوقات ظاہری سبب کراہت کا کوئی نہیں ہوتا۔ لیکن طبعی طور پر ایک شخص سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور یہ امر احساسات اور نفسیات سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے۔ کہ نکاح کا جو اصل مدعا ہے۔ وہ پُورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپؐ نے عورت کو بھی طلاق حاصل کر لینے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہے:۔ عن ابن عباس انہ قال جاءت امرأۃ ثابت بن قیس الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فقالت یا رسول اللہ انی لا اعتب علیٰ ثابت فی دین ولا خلق ولکنی لا اطیقہ فقال رسول اللہ افتردین علیہ حدیقتہ قالت نعم فردت علیہ وامرہ ففارقھا (تجرید) ابن عباس سے روائت ہے۔ کہ ثابت بن قیس کی بیوی آنحضرت صلعم کے پاس آئی۔ اور کہنے لگی۔ میں ثابت سے اس کے دین اور اخلاق میں سے کوئی بات بُری نہیں پاتی۔ یعنی اس کی دینی اور اخلاقی حالت اچھی ہے۔ مگر بات یہ ہے۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ کیا تو اس کا باغ اُسے واپس کرنے پر تیار ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں۔ اُس نے باغ واپس کر دیا۔ اور ثابت کو آنحضرت صلعم نے اس سے مفارقت کا حکم دے دیا۔
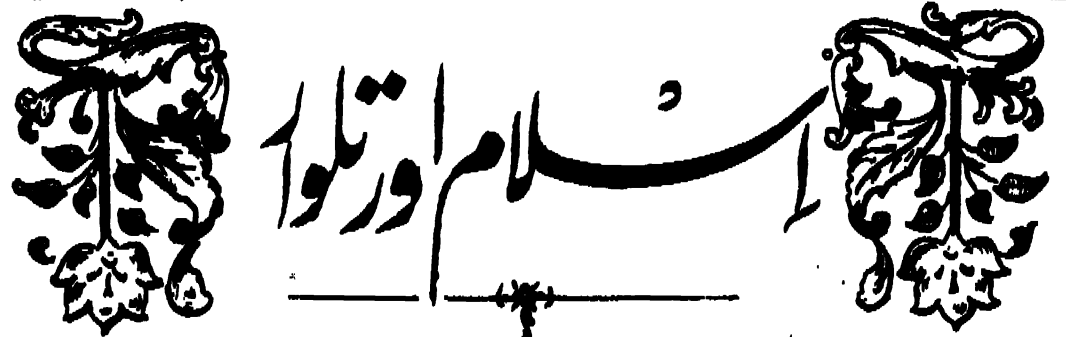
بے نظیر کامیابی پر پردہ ڈالنے کی کوشش

مخالفین اسلام جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بے نظیر ترقی اور کامیابی کو دیکھتے ہیں جس کی نظیر نہ آپ سے پہلے کہیں ملتی ہے۔ نہ بعد میں نظر آتی ہے۔ تو اس پر پردہ ڈالنے اور اس کی وقعت کم کرنے کے لئے طرح طرح کے اعتراض گھڑنے شروع کر دیتے ہیں انہی اعتراضات میں سے ایک بہت بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے تلوار کے زور سے کامیابی حاصل کی۔ اور قوت بازو سے لوگوں کو اپنے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کیا ٭

تلوار کہاں سے آئی

مگر یہ اعتراض کرنے والے اتنا بھی نہیں سوچتے۔ کہ ایک ایسے انسان کو جس نے یتیمی اور بے کسی میں پرورش پائی۔ جو کسی حکمران اور صاحب اقتدار خاندان میں پیدا نہ ہوا۔ جس کے پاس کوئی دنیوی طاقت اور قوت نہ تھی۔ جو بے سروسامان اور یکہ و تنہا تھا۔ اس نے تمام ملک بلکہ تمام دنیا کے عقائد اور خیالات کے خلاف آواز اٹھا کر وہ تلوار کہاں سے اور کس طرح حاصل کی۔ جو بے مثال کامیابی کا ذریعہ بنی۔ اور اس تلوار کے چلانے والے میں اتنا زور اور اتنی قوت کہاں سے آگئی۔ کہ دنیا اس کے آگے جھکنے پر مجبور ہو گئی ٭

تلوار اخلاص نہیں پیدا کر سکتی

اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا جائے۔ تو یہ اعتراض اپنے غلط ہونے کا آپ ہی ثبوت ہے۔ پھر جب اس فداکاری اور جاں نثاری کو دیکھا جائے۔ اس اخلاص اور محبت پر نظر کی جائے۔ اس فرمانبرداری اور سرفروشی کا خیال کیا جائے۔ جو آپ کی غلامی میں داخل ہونے والوں نے مصائب اور مشکلات۔ تکالیف اور صعوبات کے کوہ گراں کے مقابلہ میں دکھائی۔ اور قدم قدم پر جس کا ثبوت دیا۔ تو ان لوگوں کی سمجھ و عقل پر حیرت ہوتی ہے۔ جو یہ کہتے ہیں۔ بانی اسلام نے تلوار کے زور سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ اور زبردستی ان کو مسلمان بنایا ٭

چند واقعات

بیشک ایک ظالم اور جابر تلوار کے زور سے کچھ عرصہ کے لئے کروڑوں کو اپنے آگے جھکا سکتا ہے۔ لیکن کسی ایک شخص کے دل میں بھی اخلاص اور وفاداری کے جذبات پیدا نہیں کر سکتا۔ مگر تاریخ اسلام میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فدائیوں کے ایسے ایسے حیرت انگیز واقعات پائے جاتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ماننا پڑتا ہے وہ بڑی سے بڑی تکلیف اور دردناک سے دردناک دکھ کو آپ کی خاطر اس خوشی اور مسرت سے برداشت کرتے۔ کہ گویا اس میں وہ اپنے لئے پوری راحت اور آرام پاتے۔ اور اسے اپنی بہت بڑی خوش قسمتی سمجھتے تھے ٭

جاں بلب مخلص کے جذبات

ایک جنگ کا واقعہ ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جاں نثار اور فدائی جن کا نام سعد تھا۔ نہایت ہی خطرناک طور پر زخمی ہو کر میدان جنگ میں گر گئے۔ آپ نے انکی تلاش کرائی۔ تو معلوم ہوا۔ مقتولوں میں پڑے ہیں۔ لیکن ابھی جان باقی ہے۔ جو شخص ان کی خبر لانے کے لئے گیا تھا۔ اس نے انہیں کہا۔ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے بھیجا ہے۔ کہ میں دیکھوں کہ تم زندہ ہو یا مردہ۔ انہوں نے کہا۔ اس وقت میں زندوں میں نہیں۔ بلکہ مردوں میں ہی ہوں۔ تم جا کر رسول اللہ سے میرا سلام کہنا اور میری طرف سے عرض کرنا۔ سعد کہتا ہے۔ خدا آپ کو ہماری طرف سے ایسی جزاء خیر دے۔ جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے نہ دی ہو۔ اور پھر اپنی قوم کو میری طرف سے سلام کہنا اور کہہ دینا کہ سعد تم سے کہتا ہے۔ اگر تم میں سے ایک شخص بھی زندہ رہے گا۔ اور رسول خدا کو کوئی تکلیف کسی دشمن کی طرف سے پہنچے گی۔ تو پھر تمہارا کوئی عذر خدا کے حضور مقبول نہ ہو۔

ادھر یہ الفاظ ختم ہوئے۔ ادھر انہوں نے جان دیدی۔

ان الفاظ پر غور کرو۔ جو دم مرگ کہے گئے۔ اور ایسی حالت میں کہے گئے۔ جبکہ زخموں نے نڈھال کر رکھا تھا۔ اور جو ایسے خطرناک اور اتنے شدید تھے۔ کہ ان کی وجہ سے جان کنی تک نوبت پہنچی ہوئی تھی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ رسول عربی کے اس جاں نثار کو ان زخموں سے کوئی تکلیف تھی۔ اس کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس حالت میں خاص لذت اور سرور حاصل کر رہا تھا۔ اور چاہتا تھا اگر ضرورت پیش آئے۔ تو اس کی قوم کا ایک ایک فرد اس لطف کو حاصل کرے۔ اس وقت اگر اسے کوئی فکر اور کوئی خیال تھا۔ تو صرف یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ کیا اس میں یہ جذبہ اور یہ ذوق تلوار کی دھار یا نیزے کی انی نے پیدا کیا تھا۔ دنیا میں ایسی تلوار نہ کوئی ایجاد ہوئی۔ اور نہ ہو سکتی ہے۔ بیشک وہی روحانی تلوار تھی۔ جس نے مادی تلوار کے زخموں کا احساس بھی مٹا دیا۔ بلکہ انہیں سرخروئی کے تمغے بنا دیا تھا ٭

ایک قاتل کا مسلمان ہونا

ایک شخص جس کا نام جبار تھا۔ اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ ایک جنگ میں میں نے ایک شخص کے شانوں کے درمیان ایسا نیزہ مارا۔ کہ نیزہ اس کے سینہ کے پار ہو گیا۔ اس پر اس نے کہا۔ قسم ہے خدا کی۔ میں اپنے مطلب کو پہنچ گیا جبار کہتا ہے۔ یہ بات سن کر میں حیران رہ گیا۔ میں نے لوگوں سے اس کا مطلب پوچھا۔ تو انہوں نے بتایا۔ اس کا مطلب وہ شہادت پاتا تھا۔ جو اس کو حاصل ہو گئی۔ یہ سن کر مجھے ایسی لذت اور سرور آیا۔ کہ میں ایمان لے آیا ٭

بیشک یہ شخص نیزہ کے ذریعہ مسلمان ہوا۔ مگر کھا کر نہیں بلکہ مار کر جان جانے کے خوف سے نہیں۔ بلکہ جان دینے کے شوق سے۔ موت کے ڈر سے نہیں۔ بلکہ ایک مرنے والے کی موت پر رشک کر کے۔ اب غور کرو جس انسان کے غلاموں میں ایسے ایسے لوگ شامل ہوں۔ اس کے متعلق کس منہ سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس نے زبردستی کسی کو مسلمان بنایا

مجموعی مثال

یہ انفرادی مثالیں ہیں ممکن ہے کوئی کہہ دے۔ چند ایک آدمیوں کے ذکر سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا۔ کہ سارے کے سارے مسلمان ایسا ہی اخلاص رکھتے تھے۔ اس لئے میں ایک ایسے واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ جس سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جان فروشوں کی مجموعی طور پر جان فروشی کا ثبوت ملتا ہے ٭

جنگ بدر کا واقعہ

جنگ بدر کے وقت آپ نے جب مسلمانوں سے مشورہ لیا۔ کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ تو مقداد بن عمرو نے مہاجرین کی طرف سے کھڑے ہو کر کہا۔ یا رسول اللہ! جس طرف خدا آپ کو راستہ دکھائے۔ اس طرف چلئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے۔ خدا کی ہم یہ نہ کہیں گے۔ جاؤ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا تھا۔ فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون۔ ہم ہرگز آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔

اس کے بعد انصار کی طرف سے سعد نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ اور ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ اور گواہی دی ہے۔ کہ جو کچھ آپ خدا کی طرف سے لائے ہیں۔ وہ حق ہے۔ اور ہم نے آپ سے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عہد کیا ہے۔ یا رسول اللہ جس طرف آپ کی مرضی ہو۔ تشریف لے چلئے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی۔ جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا۔ اگر آپ ہم کو سمندر میں کرنے کا حکم دیں گے۔ تو ہم ضرور اس میں کود پڑیں گے۔ اور ہم میں سے ایک شخص بھی باقی نہ رہے گا ٭

اس سے ظاہر ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے آپ سے کیسا تعلق اور کیسا اخلاص رکھتے تھے۔ اور آپ کے لئے کس طرح جانیں نثار کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اگر وہ تلوار کے خوف سے مسلمان ہوئے تھے۔ تو پھر کیا وجہ تھی۔ تلوار کے نیچے گردنیں رکھنے کے لئے اتنے شائق تھے انہیں تو چاہئے تھا۔ جنگ کا نام سنکر تھرا جاتے اور پکار اٹھتے ہم تو اپنی جانیں بچانے کے لئے مسلمان ہوئے تھے۔ اگر مسلمان ہو کر بھی زندہ نہیں رہ سکتے تو پھر باپ دادا کا مذہب چھوڑنے سے کیا فائدہ۔ مگر نہیں۔ وہ اپنی جانوں کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اور اپنے محبوب کے لئے جانیں قربان کرنا اپنے لئے بہت بڑی نعمت یقین کرتے ہیں ٭

عام حالات کی مثالیں

یہ جو کچھ بیان ہوا۔ جنگ و جدل کے مواقع کی باتیں ہیں۔ اور جنگ کے موقعہ کا جوش و خروش طبائع پر خاص اثر رکھتا ہے۔ اس لئے ایک دو ایسی مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔ جو کسی جنگ کے موقعہ کی نہیں بلکہ
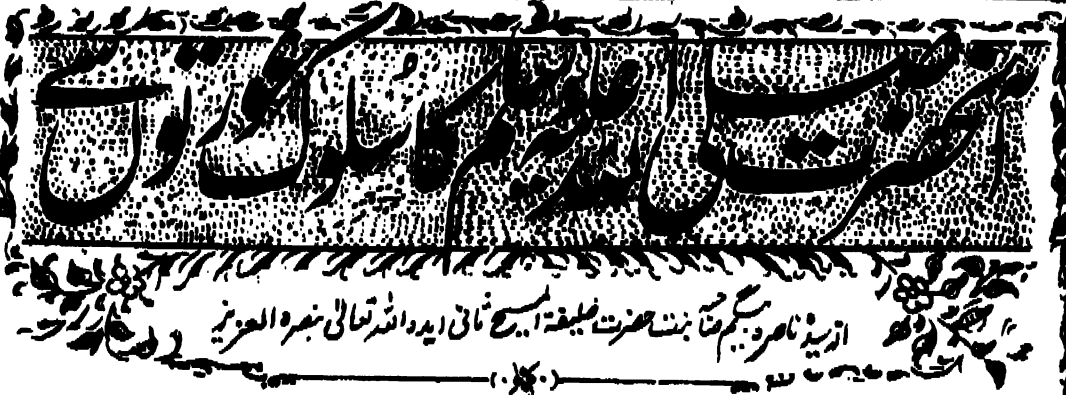
عام حالات کی ہیں ۔

زیدؓ کی شہادت

ایک صحابی کو جن کا نام زیدؓ تھا۔ جب کفار قتل کرنے کے لئے مقتل گاہ میں لے گئے۔ تو ابو سفیان نے جو اس وقت کا فروں کا بہت بڑا سردار تھا۔ انہیں کہا۔ اے زید! کیا اس وقت تم چاہتے ہو کہ تم اپنے گھر آرام سے بیٹھے ہو۔ اور تمہاری بجائے ہم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کریں۔ اس کے جواب میں سنئے۔ زیدؓ نے قتل گاہ میں کھڑے ہو کر اور اپنی موت کو اپنے سر پر منڈلاتے دیکھ کر کیا کہا۔ انھوں نے کہا میں تو یہ بھی نہیں چاہتا۔ کہ میں اپنے گھر میں چین سے بیٹھوں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک کانٹا بھی چبھے۔ موقعہ محل اور حالت کا لحاظ رکھتے ہوئے ان الفاظ کی قدر و قیمت کا اندازہ کیجئے ۔

یہ جواب سنکر ابو سفیان بول اٹھا۔ میں نے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب کو جیسا محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دوست دیکھا ایسا کسی کو کسی کا دوست نہیں دیکھا ۔

خبیبؓ کی شہادت

اسی طرح ایک اور صحابی کو جن کا نام خبیبؓ تھا جب کفار صرف ان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے قتل کرنے لگے۔ تو انھوں نے خوف و ہراس کا ایک ذرہ بھی اظہار نہ کیا۔ بلکہ بڑے اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی۔ ان کے اطمینان قلب کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ انھوں نے دوگانہ پڑھنے کے بعد کفار سے کہا۔ اگر تم لوگ یہ نہ کہتے۔ کہ میں قتل میں دیر کرنے کے لئے نماز لمبی کر رہا ہوں۔ تو بہت دیر تک پڑھتا۔ آخر جب انہیں کفار نے قتل کرنے کے لئے لکڑی کے ساتھ باندھا۔ تو آخری الفاظ جو ان کے منہ سے نکل کر ہوا میں گونجے۔ وہ یہ تھے۔ اے اللہ! ہم نے تیرے رسول کی رسالت کی تبلیغ کر دی۔ تو بھی اپنے رسول کو ہماری اس حالت کی خبر پہنچا دے ۔

کیا اخلاص مندی اور عقیدت شعاری کا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ثبوت ہو سکتا ہے۔ مگر ظالم طبع لوگ کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جو اپنی جان جانے کے خوف سے مسلمان ہوئے تھے ۔

صداقت کی تلوار

یہ چند واقعات جو اس وقت پیش کئے گئے۔ اس بات کا کافی ثبوت ہیں۔ کہ بانی اسلام علیہ السلام نے حق و صداقت کی تلوار بیشک چلائی۔ لیکن ظاہری قوت اور طاقت سے چلنے والی تلوار کا اسلام کی اشاعت میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اور حق و صداقت کی تلوار کسی دشمن کو قتل نہیں کرتی۔ بلکہ زندہ جاوید بنا دیتی۔ اور موت کے خوف کو دل سے بالکل نکال دیتی ہے ۔

آخر میں ایک ایسی مثال پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام قبول کرانے کے لئے کسی پر کبھی معمولی سا بھی دباؤ ڈالنا پسند نہ فرمایا ۔

ایک عورت کا واقعہ

غزوہ بنی قریظہ میں ایک عورت ریحانہ پکڑی آئیں۔ حضور نے انہیں شادی کا پیغام دیا۔ مگر انہوں نے نہ مانا۔ اور اسلام قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ وہ کچھ عرصہ تک اسی حالت میں رہیں۔ اور بالآخر انہوں نے خود اسلام قبول کر لیا ۔

غور کرنے کی بات ہے۔ کہ ایک عورت جو جنگ کی قیدی بن کر آئی۔ تبلیغ اسلام کرنے پر مسلمان ہونے سے انکار کرنے کی جرأت کر سکتی ہے۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ اس انکار میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتی تھی۔ چنانچہ اسے کوئی خطرہ پیش بھی نہ آیا۔ حتیٰ کہ وہ اپنی رضامندی سے مسلمان ہو گئی۔ اگر جبراً مسلمان بنایا جاتا۔ تو کیا اس کی طاقت تھی۔ کہ اس دلیری سے انکار کر دیتی۔ اور پھر کوئی خطرہ بھی محسوس نہ کرتی ۔

غرض تاریخ اسلام ایک طرف تو اس قسم کی بے شمار مثالیں پیش کرتی ہے۔ اور دوسری طرف کوئی ایک بھی ایسا واقعہ نہیں جس میں اسلام قبول کرانے کے لئے جبر اور زبردستی سے کام لیا گیا ہو ۔

خاکسار: غلام نبیؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک عورتوں سے

از سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ بنت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

اس وقت جبکہ دنیا میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ چاروں طرف شرک کا جال بچھا ہوا تھا۔ دنیا اپنے خالق کو بھولی ہوئی ہی نہیں بلکہ اس کے نام تک سے ناواقف تھی۔ خصوصاً عرب کا خطہ تو بالکل ہی خدا کی طرف سے غافل تھا۔ توحید قریباً بالکل ہی مفقود تھی۔ اس وقت خدا کا ایک بندہ اپنے پیارے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے۔ اور صرف خدا ہی کی تعلیم سے فیضیاب ہو کر دنیا میں توحید کو پھیلاتا ہے۔ اس وقت جبکہ عورتوں کی حالت عموماً جانوروں سے بھی بدتر سمجھی جاتی تھی۔ وہ اٹھتا ہے۔ ان کے حقوق ان کو دلواتا ہے۔ ان کو حیوان سے انسان بناتا ہے۔ ہاں اس وقت جب اس غریب ہستی پر ظلم پر ظلم کئے جا رہے تھے۔ اس کے کوئی حقوق تسلیم نہیں کئے جاتے تھے۔ ان کی تحقیر و تذلیل حد تک پہنچ چکی تھی۔ وہ ان کی طرف سے صدا بلند کرتا ہے۔ وہ ان کے حقوق کی طرف دنیا کو توجہ دلاتا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی انسان ایسا نہیں پایا جاتا۔ جو آپ سے بڑھ کر طبقہ نسواں کے لئے برکت کا موجب بنا ہو۔

آپ کی بعثت سے قبل عورت کو کوئی درجہ حاصل نہیں تھا دنیا کی کسی سوسائٹی میں وہ پوزیشن عورت کو حاصل نہ تھی۔ جو آپ نے اس کو دی۔ وہ بیچاری مظلومیت کی قید میں گرفتار تھی۔ کوئی اس کی ترقی کی طرف متوجہ نہ تھا۔ مگر آپ نے پوری کوشش سے اس کے حقوق اسے دلوائے۔ اس بارے میں آپ کی تعلیم کا لب لباب یہ تھا کہ مرد اور عورت ہر حیثیت سے برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ فرمایا۔ ولھن مثل الذی علیھن۔ یعنی جیسے مردوں کو عورتوں کے متعلق حقوق ہیں۔ ویسے ہی عورتوں کو مردوں کے متعلق حقوق ہیں۔ اور وہ مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں۔ سوائے اس کے کہ کسی خلقی امتیاز کی وجہ سے یا کسی انتظامی اصول کے ماتحت کوئی فرق ملحوظ رکھا جائے۔ فرمایا جس طرح مردوں کو ان کے اعمال کے نتیجے میں انعامات دئے جائیں گے اسی طرح عورتیں بھی انعام کی مستحق ہونگی۔ وہ انعام سے محروم نہ کی جائینگی۔

آپ کی بعثت سے پہلے یہ حال تھا۔ کہ اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی۔ تو اس کے گھر والوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی خصوصاً باپ کے لئے تو اس وقت دنیا بالکل اندھیرا اور تاریک ہو جاتی۔ وہ حیران ہوتا کہ کیا کرے۔ کیا اس ذلت کو برداشت کرے اور اس ہستی کو جس نے اس کے زعم میں دنیا میں آکر اس کی ناک کاٹ ڈالی۔ زندہ رہنے دے یا زندہ ہی زمین میں گاڑ دے۔ عورت کے لئے ترکہ سے بھی کوئی حصہ نہ تھا۔ بیچاری سب حصوں سے محروم کی گئی تھی۔ بلکہ خود اس کو ایک حصہ سمجھ کر ورثا لے لیتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب ظلموں کو دور کر دیا۔ اور ایک غریب ہستی کے لئے رحمت کا فرشتہ بن گئے۔

عورتوں کے ساتھ عملاً معاملہ کرتے ہوئے بھی آپکا طریق نہایت درجہ مشفقانہ اور مربیانہ تھا صحابیات نہایت آزادی کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی ضروریات اور تکالیف آپکے سامنے بیان کرتیں اور آپ ہمیشہ انکی باتوں کو نہایت غور سے سنتے اور انکی تکالیف کو رفع کرنے کی کوشش فرماتے۔ عورتیں مسائل وغیرہ کے دریافت کرنے کے لئے بھی آپکی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں اور بسا اوقات بلاواسطہ اور بعض اوقات بالواسطہ کسی اُم المومنین کے ذریعہ مسائل دریافت کرتیں۔ آپؐ ان کو مسائل بتاتے اور انکی تعلیم و تربیت میں خاص دلچسپی لیتے۔ آپ ان کے حقوق کا اسقدر خیال رکھتے اور ان سے اس درجہ ملائمت اور نرمی کا سلوک کرتے کہ صحابہ کو یہ خیال ہو گیا کہ مسلمان عورتیں بہت دلیر ہو گئی ہیں اور وہ اپنے حقوق کی حفاظت میں مردوں سے آگے بڑھ رہی ہیں ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسلام نے عورتوں کو بہت دلیر بنا دیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ روحی کا ایک مشہور قول ہے کہ حُبّب الی من الدنیا الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یعنی مجھے دنیا کی چیزوں میں سے خوشبو اور عورتیں بہت پسند ہیں اور نماز تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس حدیث سے بھی یہی مراد ہے کہ آپ کو عورتوں کی بہبودی اور اصلاح کا بہت خیال تھا اور آپ انکی ترقی اور بہبودی کو اپنے مشن کا ایک خاص حصہ سمجھتے تھے۔

آخر میں دعا کرتی ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمارے دلوں کو ہمارے پیارے نبی کی محبت سے لبریز کر دے۔ اور اس کے بتائے طریق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔
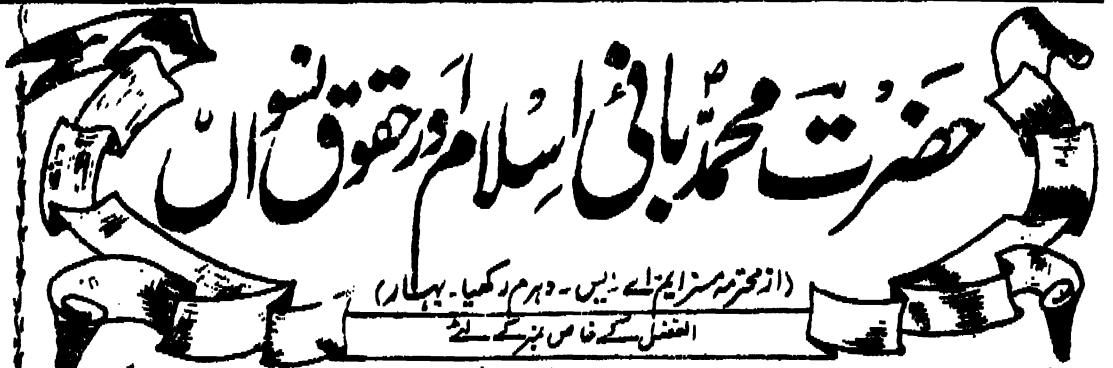
اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو یہ بات صاف طرح سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو حقوق اسلام نے عورتوں کو عطا کئے ہیں۔ وہ کسی مذہب نے عورتوں کو نہیں دئے۔ اور نہ اسلام سے قبل کبھی عورتوں کو وہ حقوق ملے تھے۔ یہ حضرت محمدؐ ہی کی ذات بابرکات تھی۔ جس نے عورتوں کو اوج ترقی پر پہنچایا۔ اور جو حقوق عورتوں کو شائستہ ملکوں میں اب مل رہے ہیں۔ وہ تیرہ سو برس قبل عورتوں کو دئے ۔

ہندو دہرم میں عورت

ہندو مذہب میں عورت کی کیا حیثیت ہے۔ یہ تو پوچھئے ہی نہیں کیونکہ وہ ہمیشہ ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ بچپن میں والدین کے ماتحت جوانی میں شوہر کے اختیار میں (حتیٰ کہ اگر شوہر چاہے تو مذہباً اسے اس بات کا حق ہے۔ کہ اپنی بی بی کو دوسرے کے پاس بھیجے۔ اور نیوگ کرائے) اور بڑھاپے میں اپنے لڑکوں کے اختیار میں رکھی گئی ہے۔ اس کو جائداد میں کوئی ترکہ نہیں ملتا۔ اور زیادہ سے زیادہ اپنی زندگی میں وہ صرف خرچ خوراک پانے کا حق رکھتی ہے۔ شادی جس سے صرف عورت کی اپنی ذات کا تعلق ہے۔ اس میں بھی اسے کوئی اختیار نہیں ۔

عیسائیت میں عورت

آج کل عیسائی مذہب سب سے زیادہ شائستہ اور مہذب مذہب خیال کیا جاتا ہے۔ مگر اس میں بھی عورت کو مرد کی محکوم قرار دیا گیا ہے۔ اور طلاق وغیرہ کا اسے حق نہیں۔ اب جبکہ عورتوں نے جدوجہد کی۔ تو یورپ کے ملکوں میں Married Woman's Prophet اور اس قسم کے دوسرے قوانین بننے لگے۔ ورنہ اس کے قبل عورتوں کی اپنی محنت مشقت کی کمائی بھی اس کے والدین کی یا اس کے شوہر کی ہوتی۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اب تک بعض یورپین ملکوں میں اگر اکیس (۲۱) سال سے کم عمر کی عورت اپنے والدین یا ولی کی رضامندی کے بغیر اپنی شادی کرلے اور شوہر کے ہاں چلی جائے۔ تو شوہر پر لڑکی کا ولی اس بنا پر مقدمہ کر سکتا ہے۔ کہ وہ اپنی لڑکی سے خدمت لینے سے محروم کر دیا گیا ہے۔

اسلام میں عورت

اب حضرت محمدؐ کے احسانات کو دیکھئے۔ کہ سب سے پہلے تو دختر کشی کو بند کیا۔ اور عورت کو حق دیا۔ کہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے کوئی طاقت حتیٰ کہ اس کے والدین بھی اسے روک نہیں سکتے۔ شادی عورت کے لئے ایک ایسی چیز ہے۔ جس پر اس کی ساری زندگی کی خوشی کا دار و مدار ہے۔ اس میں بھی عورت کو آزادی نہ دینا (جیسا کہ دوسرے مذاہب نے کیا ہے) بڑے ظلم کی بات ہے۔ حضرت محمدؐ کے اصول کے مطابق کوئی باپ اپنی لڑکی کو کسی خاص شخص سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور اس کی رضامندی کے بغیر اگر اس کی شادی کر دی جائے تو اسے وہ توڑ ڈالتی ہے۔ بلکہ اگر نابالغی کی حالت میں بھی اس کی شادی کر دی گئی ہو۔ تو بلوغ ہونے کے بعد وہ اس بات کا حق رکھتی ہے کہ اپنی بچپن کی شادی فسخ کرائے۔ علاوہ اس کے عورت کو خلع کا بھی حق ہے۔ جو دنیا کے کسی اور مذہب نے عورت کو نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ شائستہ و مہذب ملکوں کی عورتیں یا جو عورتیں تعلیم یافتہ ہیں اسلام کی طرف مائل نظر آتی ہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ کہ تعلیم یافتہ غیر مسلم عورتوں نے مسلمان مردوں سے نکاح کر لیا۔ مگر مسلمان عورتوں کی غیر مسلموں سے شادی کی مثال کم نظر آئیگی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ اسلام نے عورت کو وہ حقوق دئے ہیں۔ جو دوسرے مذاہب نے نہیں دئے ہیں۔ اور ہر عورت جو مسلمان کی بی بی بنتی ہے۔ وہ اپنی خودداری کے ساتھ اپنے حقوق کو بھی پامال ہونے سے بچائے رکھتی ہے۔ برخلاف اس کے اگر کوئی مسلمان عورت غیر مسلم کی بی بی ہو جائے۔ تو اس کے اپنے حقوق بھی کھوئے جاتے ہیں ۔

ترکہ میں عورت کا حق

ترکہ کا بھی سوائے اسلام کے کسی مذہب نے عورت کو مستحق نہیں قرار دیا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت محمدؐ نے لڑکے کو لڑکی سے دوگنا ترکہ دلا کر عورت کو کم حیثیت پیدا کیا۔ مگر غور کرنے کی بات ہے، کہ معاش کی فکر مرد کو کرنی پڑتی ہے۔ اور مرد ہی اپنی محنت و مشقت سے کماتا ہے۔ جس سے اس کے گھرانے کی عورتیں فائدہ اٹھاتی ہیں۔ ایسی حالت میں مرد کی کمائی میں اگر صرف بیٹیوں کو حصہ ملتا تو بھی چنداں حرج نہ تھا (دیگر مذاہب کے اصول سے صرف مردوں ہی کو ملتا ہے) ایک عورت کو مرد سے نصف حصہ ملنا کم نہیں ہے۔ کیونکہ عورت کی جائداد سے دوسرے کم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ برخلاف اس کے مرد دوسروں کے اخراجات بھی برداشت کرتا ہے ایسی حالت میں ایک عورت کو جتنا ملے۔ اس سے دگنا اس کے بھائی کو ملنا ناانصافی نہیں۔ اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ ترکہ میں عورت کی جو کمی ہوتی ہے۔ وہ مہر کی صورت میں پوری ہو جاتی ہے۔ جو مرد سے عورت کو ملتا ہے ۔

اسلام اور تعدد ازدواج

اسلام پر ایک الزام کثیر الازدواجی کا لگایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے۔ حضرت محمدؐ نے خود کئی شادیاں کیں۔ اور اپنی امت کو بھی بہت سی شادیاں کرنے کی اجازت دی۔ حضرت محمدؐ کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس بات کو اب یورپین مورخین بھی مانتے ہیں کہ حضرت محمدؐ نے پچیس سال کی عمر میں ایک چالیس سال کی بیوہ عورت سے شادی کی۔ اور اپنی جوانی بلکہ زندگی کا زیادہ حصہ صرف انہی کے ساتھ گذار دیا۔ خاص حالتوں کے ماتحت شادیاں کیں۔ رہا دوسروں کو کثیر الازدواجی کی اجازت دینا سب سے پہلی بات جو اس میں غور کرنے کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مرد بالطبع اور بالفطرت کثیر الازدواج واقع ہوا ہے۔ اگر اسے ایک سے زیادہ شادی کی اجازت نہ دی جائے تو عام طور پر وہ عملاً اس کا مرتکب ہوگا۔ دوسری بات قابل توجہ یہ ہے۔ کہ لڑائی وغیرہ میں مرد ہی زیادہ تر مارے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سی عورتیں بیوہ اور لاوارث ہو جاتی ہیں۔ آجکل تو یورپین ممالک میں بھی عورتوں کی تعداد مردوں سے بہت زیادہ ہو رہی ہے۔ ایسی حالت میں ان کے آرام سے زندگی بسر کرنے کے لئے نیز اس لئے بھی کہ فطرت اس بات کو چاہتی ہے کہ عورت شادی شدہ رہے۔ قومی نقطۂ خیال سے مرد کو کثیر الازدواج ہونے کی اجازت دینا صنف نازک کے لئے فائدہ مند ہے۔ کیا وہ عورت جو قومی درد اور جذبہ دل میں رکھتی ہے یہ بات پسند کریگی۔ کہ ایک دوسری عورت جو بری زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہے سوکن ہو کر ایک عزت کی زندگی بسر کرے۔ اور سوسائٹی میں اپنی صورت دکھانے کے قابل بنے۔ میرے خیال میں عورتوں کو چاہیئے کہ اسلامی طریق پر عمل کریں۔ اور جائز کثیر الازدواجی کو تسلیم کر کے دیگر ناجائز طریق کے خلاف (جو مردوں میں اس قدر عام ہے کہ ملکی قوانین میں بھی اسے جرم نہیں سمجھا جاتا) صدائے احتجاج بلند کریں۔ اور ان عورتوں کو جو بری زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ راہ راست پر لائیں ۔

محبوب ترین چیز

حضرت محمدؐ کی محبوب ترین چیزوں میں عورت بھی ہے۔ اور اپنے اقوال اور افعال سے انہوں نے دکھلا دیا۔ کہ عورت۔ عزت۔ محبت اور ہمدردی کی مستحق ہے۔ جس کو ان سے قبل کسی پیغمبر۔ بزرگ۔ رشی یا منی نے اسے مستحق نہ سمجھا۔ عورتوں کے جذبات اور خیالات کا جو احترام حضرت محمدؐ نے کیا۔ وہ ان باتوں سے ظاہر ہے جو انہوں نے تعلقات زن و شوئی سے متعلق قرار دیں۔ اور جن کے متعلق مفصل لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ۔

ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کرو

(از جناب پنڈت ٹھاکر دت صاحب شرما۔ مہا مرت دھارا ۔ لاہور)

میں ان آدمیوں میں سے ہوں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بدوں ہندو مسلم اتحاد کے ہندوستان کبھی ترقی نہ کر سکیگا۔ انسان کے ساتھ انسان اس واسطے لڑے جھگڑے کہ وہ مذہبی طور پر اس کے خیال کو نہیں مانتا۔ صدر درجہ کا احمق پن ہے۔ ہم کو چاہیئے۔ کہ ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کریں اپنے خیالات کو محبت و پریم سے پھیلائیں اور دوسرے کے خیالات کو کھلے دل سے سنیں وہ بزرگ جن کے مذہب چلے۔ اگر ان کے اندر کوئی خوبی نہ ہوتی تو ان کے پیچھے اس قدر انسان کیسے ہوتے

انبیاء کی قدر و منزلت اور ان کا احترام ان کی ذات کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس عہدہ اور مقام کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ انہیں عطا کرتا ہے۔ پس اصل خوبی کسی نبی کی اس کی وہ تعلیم اور بصیرت افروز پیغام ہی ہوتا ہے۔ جو وُہ دُنیا کے لئے اللہ تعالےٰ سے لاتا ہے قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ انبیاء کے چار بڑے بڑے کام ہوتے ہیں فرمایا :- ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ۔ ترجمہ یعنی لوگوں کو اللہ تعالےٰ کے نشانات دکھانا۔ ان کو پاک کرنا۔ کتاب سکھانا اور اس کی حکمت بتانا۔

قرآن کریم اور دیگر الہامی کتب میں یہ ایک عظیم الشان فرق ہے۔ جو قرآن کریم کو اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر کتب اور انبیاء سے ممتاز کرتا ہے۔ کہ دیگر کتب نے صرف احکام بتائے ہیں اور یہ نہیں بتایا۔ کہ اس حکم کو ماننے میں کیا حکمت ہے۔ اور کیا فائدہ ہے قرآن کریم نے نہ صرف احکام دئے ہیں۔ بلکہ ساتھ دلیل بھی دی ہے اور بتایا ہے۔ کہ فلاں کام کے کرنے میں یہ فائدہ ہے۔ اور نہ کرنے میں یہ نقصان۔ گویا شرعی احکام کا فلسفہ اور حکمت سکھا کر انسان کی ذہنی ترقی کو بام عروج پر چڑھا دیا ہے۔ اور اس اعتراض کا رد کیا ہے۔ کہ الہام انسان کی ذہنی ترقی کے راستے میں روک ہے پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام دنیا پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے قرآن کریم کے ذریعے صحیفۂ فطرت کی طرف توجہ دلا کر لوگوں کی عقل و فہم کو تیز کیا ہے۔ توہمات سے نجات دی ہے۔ اور ان کو سچا فلسفہ اور حکمت سکھائی ہے۔ ہمارا یہ دعوےٰ بغیر دلیل کے نہیں۔ اگر کسی کو شک ہو۔ تو وہ اسلام کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حکم ہمارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کے سامنے پیش کرے۔ اور اس کی حکمت اور فلاسفی سن لے۔ اور ہم تمام اہل مغرب کو چیلنج دیتے ہیں۔ کہ وہ ایک مسئلہ بھی قرآن کریم کا ایسا بتائیں۔ جو نعوذ باللہ بے فائدہ اور فلسفہ و سائنس کے خلاف ہو۔ ممکن نہیں۔ کہ وُہ ایسا مسئلہ بتا سکیں کیونکہ خدا کے قول اور خدا کے فعل میں تصادم ممکن نہیں۔

عاجز بطور مثال چند ایک احکام اسلام کے ذیل میں فلسفہ ساتھ ہی نہایت اختصار کے ساتھ ان کی حکمت بتانا چاہتا ہے۔ تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے کسی ہائی سکول۔ جسوٹ۔ یا سائنس کی درسگاہ۔ یا میڈیکل کالج میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ انہوں نے اللہ تعالےٰ سے علم پا کر دنیا کو وہ علوم سکھائے۔ جن کی تائید آج طب۔ فلسفہ اور سائنس کے انکشافات کر رہے ہیں۔ اور رہتی دنیا تک کرتے رہیں گے۔

بچوں کے متعلق احکام

پیدائش سے قبل دعا۔ فرمایا جب میاں بیوی علیٰحدگی میں آپس میں ملیں۔ تو یہ دُعا پڑھ لیا کریں :- اللھم جنبنا الشیطٰن و جنب الشیطٰن ما رزقتنا (مشکوٰۃ ۲۱۴)

اسلام نے اخلاق کی راستی کے جو ذریعے بتائے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اس میں یہ حکمت ہے۔ کہ چونکہ وُہ خیالات جو میاں بیوی کے دل میں ملنے کے وقت جوش مار رہے ہوں۔ ان کا اثر بچہ میں منتقل ہوتا ہے۔ اس لئے ان خیالات کو پاکیزہ بنانے کے لئے یہ دُعا سکھلائی گو یہ اثر مخفی اور خفیف ہوتا ہے۔ مگر اسلام نے اس باریک اور خفیف اثر کو بھی تسلیم کیا ہے۔ اور بچوں کی اخلاقی تربیت کی طرف اس وقت توجہ دلائی ہے۔ جب وُہ ابھی والدین کے جسم سے پوری طرح جدا بھی نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ عجیب اثرات یہ دُعا بحیثیت دُعا پیدا کر سکتی ہے۔ ان کا مشاہدہ اس پر پوری طرح عمل کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

نوزائیدہ بچہ کے کان میں اذان کہنا۔ اسلام کا حکم ہے۔ جب کسی مسلمان کے گھر بچہ پیدا ہو۔ تو اس کے کان میں اذان جس میں اسلامی تعلیم کا خلاصہ ہے کہی جائے۔ اس میں یہ حکمت ہے۔ کہ اوّل تو والدین کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کہ بچے کی تربیت کا زمانہ اسی وقت سے شروع ہو گیا ہے۔ پس ابھی سے اس کے دل میں نیک باتوں کا خیال ڈالو۔ اور پاک نمونہ اس کے سامنے پیش کرو۔ اور یہ مت خیال کرو۔ کہ جب بڑا ہو گا۔ تو سمجھا لیں گے۔ کیونکہ عقل باہر سے داخل نہیں ہوتی۔ بلکہ انہی خیالات مشاہدات اور علوم سے پیدا ہوتی ہے۔ جو بچہ پیدائش کے دن سے جمع کر رہا ہوتا ہے۔ دوسری حکمت اس میں یہ ہے کہ اذان کے الفاظ جب کان میں ڈالے جائیں گے۔ تو وہ اپنا مخفی اثر دماغ کے سب کانشس حصہ پر چھوڑ جائیں گے۔ جو آہستہ آہستہ بچے کی آئندہ زندگی۔ اس کے اقوال۔ اعمال۔ عادات اور کیرکٹر پر مخفی اثر ڈالتے ہیں۔ علم النفس کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ دماغ پر سے کوئی نقش مٹتا نہیں۔ بلکہ پیدائش کے دن سے لے کر موت تک جو علوم انسان حاصل کرتا ہے۔ اُن سب کا نقش دماغ کے نچلے درجے (سب کانشس) حصہ میں مخفی رہتا ہے۔ جو بعض غیر معمولی حالات میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کے ثبوت میں بہت سے واقعات ہیں۔ مگر اس مختصر مضمون میں اس لمبی بحث کی گنجائش نہیں۔

نوزائیدہ بچہ کے سر کے بال مونڈنا۔ اس میں یہ حکمت ہے۔ کہ رحم مادر میں بچہ کا سر چونکہ ۵ - ۶ ماہ کے قریب پانی کی ایک تھیلی میں ڈوبا رہتا ہے۔ اور یہ وُہ پانی ہوتا ہے جس میں جسم کے فضلات بجلدی کی رطوبت۔ میل۔ پیشاب اور بعض دفعہ پاخانہ وغیرہ ملتا رہتا ہے۔ اس لئے سر کے بالوں کی جڑوں میں میل وغیرہ بھی ہوتی ہے۔ جو بالوں کی جڑوں کو نقصان پہونچا سکتی ہے۔ جب یہ بال اُسترے کے ساتھ مُنڈوا دئے جاتے ہیں۔ تو نہ صرف یہ غلاظت دفع ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اُسترے کی رگڑ سے بالوں کی جڑوں میں دَوران خون تیز ہو جاتا ہے جس سے نئے بال آسانی سے نکل آتے ہیں۔ باقی جسم کو صرف تیل اور صابن سے صاف کرنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ سر کے علاوہ اور کسی مقام پر لمبے بال نہیں ہوتے۔ اس لئے باقی جسم پر اُسترا نہیں لگایا جاتا۔

ختنہ کرنا۔ ختنہ کرنے سے بچہ بہت سی جسمانی اور اخلاقی بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔ جن کی تفصیل کی اس جگہ گنجائش نہیں۔ جن والدین کے بچے بچپن میں فوت ہو جاتے تھے۔ انہیں بچوں کا ختنہ کر لینے کے لئے کہا گیا۔ تو نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بچوں کی صحت اور حیات پر اس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ معلوم ہوتا ہے۔ غلاف کے نیچے میل۔ پیشاب اور دیگر رطوبتیں تعفن پیدا کر دیتی ہیں۔ اور وہ متعفن مادہ خون میں مل کر بچہ کی صحت کو خراب کرتا رہتا ہے۔

سونے کے کمرہ میں اذن لے کر داخل ہونا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جب بچے ذرا بڑے ہو جائیں۔ تو وُہ تین اوقات میں والدین کے سونے کے کمرہ میں اذن لے کر داخل ہوں اس میں کئی حکمتیں ہیں۔ جن میں سے صرف دو کا ذکر کرتا ہوں۔ اوّل تو اس میں والدین کو سبق سکھایا ہے۔ کہ وُہ خاص تعلقات کو تین وقتوں تک محدود کریں۔ اور اس طرح طبیعت پر قابو رکھنے کی تلقین کی ہے دوسرے اس میں یہ حکمت ہے۔ کہ بچوں کو اس طرح پیش از وقت مخصوص تعلقات کا علم نہ ہو گا۔ کیونکہ یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ جو والدین بچوں کے سامنے خاص تعلقات کے متعلق احتیاط نہیں کرتے۔ ان کے بچے ان باتوں پر مخفی علم پا کر بلوغت سے قبل اپنی طاقت اور زندگی کے جوہر کو ناجائز طریقوں سے ضائع کرنے لگ جاتے ہیں۔

سونے سے قبل ذکر الٰہی کرنا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ والدین کو چاہیئے۔ کہ بچوں سمیت رات کو سونے سے قبل ذکر الٰہی کر لیا کریں۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ ساری رات انسان کے قلب میں پاکیزہ خیالات کی رو جاری رہتی ہے۔ اور ملائکہ کے تصرف سے اندر ہی اندر انسان کی روح پاکیزگی اور نشاط حاصل کرتی رہتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ علم النفس کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے۔ کہ جو خیالات انسان کے ذہن میں سونے سے قبل موجود ہوں۔ ساری رات وہی خیالات اس کے سب کانشس (قلب غیر عامل) حصہ میں موجود رہتے ہیں۔ اور مخفی طور پر اپنا اثر ڈالتے رہتے ہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے۔ کہ جو بچہ روتا روتا سوئے۔ وُہ صبح آنکھ کھلنے پر چیخ مار کر اُٹھتا ہے جو ساری رات افسوس اور غم کی حالت میں سوئے۔ وہ رات کو کروٹ بدلتے بھی آہ بھرتی رہتی ہے۔ جو بچہ ماں کی چھاتی سے دُودھ پیتا پیتا سو جائے وہ رات کو بھی ہونٹوں سے دودھ چوسنے کی حرکات کرتا ہے۔ اور جو نیک لوگ رات کو سبحان اللہ سبحان اللہ کرتے سوتے ہیں۔ ان کی زبان پر کروٹ بدلتے بھی سبحان اللہ ہی جاری ہوتا ہے۔

صحت کے متعلق احکام

ہفتہ میں کم سے کم ایک دفعہ غسل کرنا۔ صاف کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا۔ بالوں کو کنگھی کرنا مسواک کرنا۔ یہ سب احکام جسمانی صحت کے متعلق ہیں۔ جن کی حکمت بالکل عیاں ہے۔ خوشبو کے استعمال پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ عیش پرستی کی علامت ہے۔ مگر یہ غلط ہے خوشبو کا جسم اور دماغ پر خاص اثر ہے جس سے صحت درست رہتی ہے دماغ فرحت حاصل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ خوشبو کا اعلےٰ اور پاکیزہ خیالات کے پیدا کرنے کے ساتھ بھی تعلق ہے۔ کیونکہ خوشبو سے دماغ کی قوت متخیلہ اور متصورہ اور ذہن کو طاقت ملتی ہے۔ دماغ میں دوران خون کو تیز کرتی ہے۔ اور جسم میں کام کرنے کی طاقت زیادہ ہو جاتی ہے۔

وضو کرنا۔ اس میں جسمانی صفائی کے علاوہ یہ حکمت ہے۔ کہ وہ اعضاء جن سے خیالات کا انتشار رہتا ہے (یعنی چہرہ۔ ہاتھ اور پاؤں) ان کے اوپر پانی ڈالنے سے خیالات کی رَو جو ان میں سے نکل رہی ہوتی ہے۔ بند ہو جاتی ہے۔ جس سے سکون کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز اس سے دماغ اور اعصاب کی طاقت بھی دیر تک قائم رہتی ہے۔ اور قلب میں انشراح کی حالت پیدا ہوتی ہے۔

غسل جنابت۔ اس میں جسمانی صفائی کے علاوہ ایک اور عظیم الشان حکمت یہ ہے۔ کہ چونکہ یہ کام پوری توجہ سے کیا جاتا ہے۔ اور جو کام توجہ سے ہو۔ اس میں عصبی طاقت کا انتشار زیادہ ہوتا ہے پس اس عصبی طاقت کی رَو کو جو بجلی کی طرح مساموں سے نکل رہی ہوتی ہے روکنے کے لئے غسل کرنا لازمی ہے۔ اگر غسل نہ کیا جائے۔ تو یہ رَو جاری رہتی ہے۔ جس سے اعصاب کو مشقت پہنچتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جو لوگ مسمریزم کا عمل کرتے ہیں۔ وہ اس عمل کے بعد ہاتھ دھو لیتے ہیں۔ اور اگر ہاتھ نہ دھوئیں۔ تو اعصاب ضعیف ہو کر بالکل ناکارہ ہو جاتے ہیں۔

احکام حیض اور نفاس۔ اسی طرح حیض کے متعلق جو مختلف قوموں میں اوہام پھیلے تھے۔ ان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دور کر کے ان احکام کی بنیاد علم وعقل پر رکھی۔ اور ایسے احکام دئے جو تمدنی زندگی میں بہت مفید ہیں۔ اور عورت کے سوشل سٹیٹس (وقار) کو بھی قائم رکھنے والے ہیں۔

دائیں کروٹ لیٹنا۔ پھر فرمایا سوتے وقت دائیں کروٹ لیٹنا چاہئے۔ اس میں کئی فوائد ہیں۔ خصوصاً ان کے لئے جنہیں رات کو ڈراؤنی خوابیں آتی ہیں۔ کیونکہ بائیں کروٹ لیٹنے سے دل پر دباؤ پڑ کر خیالات پریشان ہو جاتے ہیں۔ سیدھا لیٹنے سے کمر میں اجتماع خون کی وجہ سے احتلام کی شکایت ہو جاتی ہے۔ منہ کے بل لیٹنا تو بالکل ہی مضر ہے۔ اسی طرح پانی پینے کے متعلق فرمایا۔ تین سانس سے پانی پینا چاہئے اس میں نہ صرف پانی پینے والے کا وقار پایا جاتا ہے۔ بلکہ صحت کے لئے بھی مفید ہے۔ رفع حاجت کے متعلق فرمایا۔ بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھو۔ دائمی قبض کے مریضوں کو یہ نسخہ ضرور آزمانا چاہئے۔

پس کئی احکام ہیں جن کی حکمت کو طوالت کے خوف سے بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے اور مفید احکام تو حکمت کا ایک وسیع اور عمیق سمندر ہیں۔

طہارت کا پُر حکمت طریق۔ یوں تو سب لوگ کسی نہ کسی طریق سے طہارت کرتے ہیں۔ کوئی پانی سے۔ کوئی مٹی کے ڈھیلے سے۔ اور کوئی مغربی تہذیب کا دلدادہ صرف کاغذ کو ہی کافی سمجھتا ہے۔ مگر میری غرض اس وقت طہارت کے بہترین طریق پر بحث نہیں۔ بلکہ ایک علمی نکتہ کی طرف توجہ دلانا ہے۔ جس کو بڑے بڑے ڈاکٹروں نے بھی بیان نہیں کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ طہارت کرتے وقت مٹی کے ڈھیلے یا ہاتھ کی حرکت آگے سے پیچھے کی طرف ہو۔ اور ڈھیلے یا ہاتھ کو پیچھے سے آگے کی طرف نہ لاؤ۔ اور نہ ہی ایک ڈھیلہ دوبارہ استعمال کرو۔ بظاہر یہ معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس میں ایک عجیب حکمت اور فائدہ مدنظر ہے۔ اور وہ یہ کہ پیچھے سے سامنے کو اگر حرکت کی جائے۔ تو اس طرح پاخانہ کے ذرات خاص سوراخوں پر لگ جانے کا احتمال ہے۔ اور یہ بات علم الجراثیم کی تحقیقاتوں سے ثابت ہوئی ہے۔ کہ پاخانہ میں ایک کرم ہوتا ہے۔ جس کا نام جیسی لس کولائی ہے۔ وہ اگر خاص سوراخوں میں چلا جائے۔ تو سوزش پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ وضع حمل کے وقت جن عورتوں کا بوجہ حفاظت نہ کرنے کے بچے کے سر کے دباؤ سے پاخانہ نکل جاتا ہے۔ اور وہ خاص مقام پر لگ جاتا ہے۔ ان کو پرسوت کا بخار لاحق ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر وضع حمل سے قبل معمولی جلاب یا حقنہ پر اتنا زور دیتے ہیں۔ نیز ڈوش کرنے سے قبل جب ڈاکٹر بیرونی اعضائے مخصوصہ زنانہ کو صاف کرتے ہیں۔ تو انہیں ہدایت ہوتی ہے۔ کہ روئی کا پھایہ آگے سے پیچھے کو لے جاؤ۔ اور ایک پھایہ دوبارہ استعمال نہ کرو۔ تاکہ پاخانہ خاص جگہ پر نہ لگ سکے۔ پس اس معمولی سے حکم میں ایک عظیم الشان طبی نکتہ اس نبی اُمّی نے دُنیا کو سکھلا دیا۔

آداب مجلس

مجلس میں استغفار پڑھنا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مجلس میں بیٹھو۔ تو ستر بار استغفار پڑھو۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ انسان استغفار پڑھنے سے بد لوگوں کے بُرے اثرات اور ان ناپاک خیالات کی گندی رَو سے جو ایسے لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہو رہی ہوتی ہے۔ محفوظ ہو جاتا ہے۔

گناہ کے مختلف منبع ہیں۔ اور ان میں سے ایک منبع زمانہ کے خیالات کی مخفی رَو بھی ہے۔ جو پاس بیٹھنے سے اثر کرتی ہے۔ اور اس کے لئے دوسرے کو مخاطب کرنا۔ کلام کرنا۔ اور چھونا ضروری نہیں۔ صرف توجہ کرنے سے ہی اثر ہو جاتا ہے۔ علم النفس اور علم توجہ کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں۔ کہ یہ خیالات کی رَو ہی پُر اثر چیز ہے۔ اس کے ثبوت میں کئی واقعات ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

توجہ دلانے کا طریق۔ پھر فرمایا۔ کسی کو متوجہ کرنا ہو۔ تو سبحان اللہ کہو۔ یہ بھی ظاہر کرتا ہے۔ کہ انسان کی کوئی حرکت بے فائدہ اور بے معنی نہیں ہونی چاہئے۔ یوں متوجہ کرنے کے لئے تالی یا اور کوئی عمل آواز بھی کافی تھی۔ مگر اس نبی عربی کا عشق الٰہی دیکھو۔ کہ اس موقعہ پر بھی خدا ہی کا نام لیا ہے۔ پھر سبحان اللہ یا تو کسی کو اس کی غلطی پر آگاہ کرنے کے لئے ہوگا جس کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ غلطی سے پاک صرف اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ انسان مجاز خطا ہے یا کسی کی صفت حُسن اور خوبی کو دیکھ کر سبحان اللہ کہا جائے گا۔ اس صورت میں اس کلام سے مقصود یہ ہوگا۔ کہ حقیقی حُسن۔ حقیقی خوبی اور کامل صفات کا مالک اللہ تعالےٰ ہی ہے۔

جمائی لینا۔ فرمایا۔ مجلس میں کسی کو جمائی آئے۔ تو وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے۔

قبل اس کے کہ میں اس کی حکمت بتاؤں۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ جمائی کیوں آتی ہے۔ اور لاحول کس موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ جمائی کا باعث بعض سُستی اور کسل پیدا کرنے والے مادے ہیں۔ جب وہ خون میں مل جائیں۔ تو وہ فعل تنفس کو سست کر دیتے ہیں۔ جس سے خون میں آکسیجن کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ایک لمبی سانس لی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ نیند کا وقت ہو۔ تو جمائی زیادہ آتی ہے۔ لاحول عموماً شیطانی خیالات اور وساوس کو دُور کرنے کے لئے پڑھا جاتا ہے۔ چونکہ جمائی پیدا کرنے والے اسباب بھی بعض سُستی اور غفلت پیدا کرنے والے مادے یا خیالات ہیں۔ اس لئے ان کو بھگانے اور ان کے اثر سے محفوظ رہنے کے لئے لاحول پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ جمائی میں دوسرے کے خیالات کا تجربہ ہے۔ انسان کی قوت متاثرہ اگر تیز ہو۔ تو وہ جمائی کا اثر فوراً قبول کر لیتا ہے۔ اسی واسطے مجلس میں اگر ایک آدمی جمائی لے تو کئی لوگ لگ جاتے ہیں۔ گویا یہ متعدی فعل ہے پس مجلس میں سُستی غفلت اور کسل پیدا کرنے والے خیالات سے محفوظ رہنے اور اندرونی ضعف پیدا کرنے والے مضر مادوں سے بچنے کے لئے لاحول پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ جمائی فعل تنفس کی کمی کو دُور کرنے کے لئے آتی ہے۔ یہ ہے۔ کہ جب جمائی آنے لگے۔ تو اگر فوراً ایک گہرا سانس لے لیا جائے۔ تو جمائی رُک جاتی ہے۔

چھینک آنا۔ فرمایا۔ مجلس میں کسی کو چھینک آئے۔ تو وہ الحمدللہ پڑھے چھینک کا باعث بھی پھیپھڑوں میں بعض مضر مادے جمع ہو جانا ہے۔ جن کو نکالنے کے لئے ہوا زور سے باہر آتی ہے۔ گویا چھینک کے ذریعہ سے انسان بعض مضر مادوں سے نجات حاصل کرتا ہے۔ الحمدللہ دو موقعہ پر بولا جا سکتا ہے۔ یا تو کسی کا نقص دیکھ کر۔ یا کسی خوبی پر شکریہ کے لئے۔ پس دونوں طرح الحمدللہ کہنا اس موقعہ پر مناسب ہے۔ اول یہ کہ مجلس میں چھینکنا ایک نقص ہے۔ پس الحمدللہ پڑھو۔ اس لئے کہ عیب اور نقص سے پاک صرف اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ دوسرے الحمدللہ اس لئے پڑھیگا۔ کہ خدا نے مضر مادوں سے اسے نجات دی۔ گویا یہ بطور شکریہ کے ہوگا۔ پس دونوں طرح الحمدللہ کا پڑھنا حکمت سے خالی نہیں۔

تمدن کے متعلق احکام

نامحرم عورت سے مصافحہ کی حرمت۔ اس کی حکمت عیاں ہے۔ عورت کی قوت مؤثرہ کم ہوتی ہے۔ ہاتھ خیالات کے اظہار کا ذریعہ اور اثر ڈالنے کا آلہ ہے۔ پس مصافحہ کے ذریعہ چونکہ مرد کے بُرے خیالات عورت تک منتقل ہونے کا احتمال تھا۔ جس سے بدی پیدا ہوتی۔ اس لئے غیر محرم عورت سے مصافحہ کو آپ نے منع کر دیا۔ اوائل میں جب تمدن ادنیٰ تھا۔ اور قوت بیانیہ ابتدائی حالت میں تھی۔ اور انسان اپنے خیالات اور محبت کا اظہار زبان سے بخوبی نہ کر سکتا تھا۔ اس وقت تصویری زبان میں (مصافحہ سے) تعلق اور محبت کا اظہار کرنے کی ضرورت تھی۔ اب جبکہ قوت بیانیہ بہت بڑھ گئی ہے۔ اس ابتدائی طریق کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ انسان اپنے جذبات خیالات اور محبت کا اظہار زبان سے بخوبی کر سکتا ہے۔

غضِ بصر کا حکم۔ فرمایا جب نامحرم سے ملو۔ تو اپنی آنکھ نیچی رکھو۔ گویا اس حکم سے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زنا کی جڑ کو کاٹ دیا ہے۔ اسلام اور دیگر مذاہب میں یہ بھی ایک بہت بڑا فرق ہے۔ کہ دیگر مذاہب نے بدی کا منبع نہیں بتایا۔ مگر اسلام نے صرف یہ حکم دیا ہے۔ کہ بدی نہ کرو۔ بلکہ یہ بھی بتایا ہے۔ کہ بدی پیدا کس طرح ہوتی ہے۔ یعنی بدی کے منبع کا علم دیا ہے غضِ بصر سے نہ صرف انسان زنا وغیرہ سے بچ جاتا ہے۔ بلکہ یہ جسمانی لحاظ سے بھی مفید ہے۔ نامحرم عورتوں کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے والوں کو عموماً دل کی دھڑکن۔ اختلاج قلب۔ ضعف بصارت اور ضعف باہ وغیرہ کی شکایت ہو جاتی ہے۔ ان کے لئے یہ نسخہ آزمانے کے قابل ہے۔ اس کے علاوہ انسان کی عصبی طاقت کو محفوظ کرنے اور اس کی قوت مؤثرہ (توجہ) کو بڑھانے کا بھی یہ ایک ذریعہ ہے ٭

تعدد ازدواج کا مسئلہ۔ عورت اگر دائم المریض۔ مجنون یا عقیم ہو جائے تو اس صورت میں مرد کے لئے یہی ایک مطابق عقل اور پُر حکمت صورت ہے۔ کہ وہ دوسری بیوی کر لے۔ کیونکہ اگر اس کو مجبور کیا جائے کہ وہ اسی بیوی کے ساتھ دن کاٹے۔ تو یہ مرد کے قویٰ پر ظلم ہے۔ اور سوسائیٹی اور قوم کو بھی اس کی بدکاری اور اولاد نہ ہونے سے نقصان ہے۔ اگر پہلی بیوی کو چھوڑ دیا جائے۔ تو یہ عورت پر ظلم ہے۔ کیونکہ جب اس کے حسن و جمال کا زمانہ گزر گیا۔ تو اب اس کا دوسرا کون بوجھ اٹھائے گا۔ پس احسن یہی ہے کہ مرد کو دوسری بیوی کی اجازت دے کر سوسائیٹی کا ایک مفید ممبر بنایا جائے۔

تجرد کے نقصان۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو شادی کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور تجرد یا رہبانیت کو ناپسند فرمایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ مجرد زندگی میں کئی جسمانی اور اخلاقی نقائص لاحق ہو جاتے ہیں۔ پس یہ بھی متمدن ممالک پر حضورؐ کا ایک احسان ہے۔ سرکاری رپورٹوں (Statistics) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنون۔ جرائم کبیرہ۔ قتل۔ خودکشی وغیرہ کے مرتکب زیادہ تر مجرد لوگ ہی ہوتے ہیں ٭

غذا کے متعلق احکام

قرآن کریم نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ کہ غذا کا انسان کے جسم اور اخلاق کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ جس قسم کی غذا انسان کھائے۔ ویسا ہی اثر اس کے جسم اور روح پر پڑے گا۔ اس اصل کے ماتحت فرمایا۔ مردار۔ خون مسفوح اور خنزیر کا گوشت مت کھاؤ۔ شراب نہ پیو۔ اور باقی سب طیب چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں ٭

یہ سب احکام بے شمار حکمتوں پر مبنی ہیں۔ مختصراً عرض ہے۔ کہ مردار کے اندر خطرناک زہر ہوتے ہیں۔ جن کو ٹاکسک ٹومین کہتے ہیں۔ اور جو فوراً ہلاکت کا موجب ہو سکتے ہیں۔ خون مسفوح میں بھی جسم کے فضلات اور سمیات ہوتے ہیں۔ خنزیر کا گوشت کھانے سے انسان میں شہوت اور تہور کا مادہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس جانور میں جماع کی خواہش اور غضب کا مادہ زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ غلیظ جانور ہے۔ نیز اس میں ایک ایسا اخلاقی نقص ہے۔ جو دنیا کے کسی حیوان میں ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ یعنی نر سے میل کرتا ہے۔ پس اس جانور کا گوشت کھانے والوں کی اخلاقی حالت کا اندازہ اس جانور کی عادات سے بخوبی لگ سکتا ہے۔ شراب کی مضرت کو اب دنیا مان رہی ہے۔ امریکہ نے قانوناً داخلہ بند کر دیا ہے۔ یورپ کے ہسپتالوں میں تقریباً بند ہو رہی ہے۔ کیونکہ ان کو معلوم ہو گیا ہے۔ کہ اس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ ہے۔ قربان جاؤں۔ اس مستی کے جس نے آج سے ۱۳۰۰ سال قبل وحی الٰہی کے مطابق یہ فرمایا۔ اثمھما اکبر من نفعھما۔ اللھم صل علیٰ محمد وبارک وسلم۔

متفرق احکام

کتے کے زہر کو دُور کرنا۔ کتا اگر برتن چاٹ جائے۔ تو اس کو مٹی سے مل کر دھونا ٭

پروفیسر کانج جو جرمنی کے مشہور میٹیا لوجسٹ ہیں۔ ان کو اس بات کا شوق تھا۔ کہ حدیث کے اس فرمان کی حکمت معلوم کریں۔ چنانچہ انہوں نے معلوم کیا۔ کہ مٹی میں نوشادر وغیرہ کی قسم کے سالٹ ہوتے ہیں۔ جو کتے کے زہر (Rabies) کے لئے تریاق ہیں۔ پس اس حدیث کو پڑھ کر ان کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ کلام خدا کے برگزیدہ نبی کا کلام ہے ٭

ذبیحہ کی فضیلت۔ حلال کرتے وقت جانور کی گردن کو تن سے جدا کرنا منع فرمایا۔ اس میں یہ حکمت تھی۔ کہ حرام مغز کے دماغ سے الگ ہو جانے سے قلب اور پھیپھڑوں کو ضعف ہو جاتا ہے۔ جس سے خون پوری طرح جسم سے خارج نہیں ہو سکتا۔ پس جھٹکہ اور مشین وغیرہ سے جانور کی گردن کاٹنے کا نقص واضح ہے ٭

ہر چیز کا جوڑا۔ پھر قرآن کریم نے بتایا۔ کہ ہر چیز کا جوڑا ہے۔ ومن کل شیٔ خلقنا زوجین۔ آپؐ نے اس علمی دنیا پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اور لوگوں کو اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ صحیفۂ فطرت کی طرف توجہ کریں۔ پھر فرمایا۔ کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالےٰ ہے نور کا بھی اور اندھیرے کا بھی۔ یعنی مفید چیزوں کا بھی۔ اس سے بتایا۔ کہ دُنیا کی ہر چیز کی پیدائش کی غرض نیک ہے۔ اور ہر چیز انسان کے لئے مفید ہے۔ مگر انسان اپنی غلطی سے نقصان اٹھاتا ہے۔ اسی طرح پر زہر۔ ادویہ۔ سانپ اور دیگر موذی جانوروں کے فوائد کی طرف توجہ دلائی ٭

مذہب اور سائنس۔ پھر دُنیا کی علمی ترقی کے متعلق آپؐ کا ایک یہ بھی احسان ہے۔ کہ آپؐ نے خدا تعالےٰ کے فعل سائنس کو مذہب میں شامل کیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ مذہب اور سائنس میں تضاد نہیں ہے۔ لوگوں کو قانون قدرت اور صحیفۂ فطرت کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ اور مذہب اور سائنس کے درمیان صلح کرائی ہے۔ دُنیا سے وہم کو دُور کیا ہے۔ اور ہر بات کی علمی بنیاد تلاش کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے ٭

غرض کئی احکام ہیں جن کی حکمتیں بہت لطیف ہیں۔ مگر مضمون چونکہ لمبا ہو گیا ہے۔ اس لئے اب ختم کرتا ہوں ٭

یہ پُر حکمت اور علم و عقل پر مبنی احکام آج سے تیرہ سو سال قبل دُنیا کے سامنے پیش کئے گئے۔ اور دنیا نے ان سے بہت فائدہ اٹھایا۔ مگر پھر ایک دَور ایسا آیا۔ کہ مغرب نے ان صداقتوں کو خلاف عقل اور بے فائدہ سمجھ کر حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اب پھر تلخ تجربہ اور موجودہ علوم کی ترقی اور سائنس کے نئے انکشافات ان احکام کی حکمت اہل مغرب پر بخوبی واضح کر رہے ہیں۔ اور وہ دن قریب ہے جبکہ یورپ اور امریکہ کو ان احکام کے سامنے اپنا سر جھکانا پڑے گا۔ اور وہ اس بات پر مجبور ہو جائیں گے۔ کہ مغربی تمدن کو چھوڑ کر اسلامی تہذیب اور تمدن کو اختیار کریں۔ اور محسن جہانؐ کی اطاعت کا جُوا اپنی گردنوں پر ہمیشہ کے لئے رکھ لیں ٭

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ٭

خلقِ عظیم

از شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل

وُہ شہنشاہ جہاں ہادیٔ اعظم احمدؐ
جس پہ جاں دینے کو تیار ہیں لاکھوں انساں

جس کی شمشیر سے تھرّاتے تھے دنیا کے جری
جس کے اخلاق کے مداح ہیں سب خورد و کلاں

مردہ انساں کو جِلا دینا تو ہے بات ہی کیا
عربستان کے ذرّات میں بھی ڈالدی جاں

ہاں اسی سرورِ کونین و شہنشاہ کے گھر
کہتے ہیں ایک یہودی ہُوا آکر مہماں

گھر سے بستر اُسے لاکر دیا سونے کے لئے
اس معلم نے کہ تھا خلق میں استادِ جہاں

لیکن اس نے کیا آلودہ نجاست سے اُسے
اور اس طرح کیا۔ اپنی عداوت کو عیاں

ہاتھ سے اپنے کیا صاف محمدؐ نے اُسے
غیظ کا اس سے نہ ظاہر ہُوا کوئی بھی نشاں

دفعتہً بھُولی ہُوئی چیز کے لینے کے لئے
وُہ یہودی جو یہاں لوٹ کے آنکلا ہاں

اور دیکھا۔ کہ ہیں موجود ہزاروں خدام
صاف کرتا ہے نجاست کو وُہ مخدومِ جہاں

اس معاینہ پہ ہوئی وجد کی حالت طاری
اس کی آنکھوں نے جو دیکھا یہ نرالا ہی سماں

اور کیا عرض کہ اے صاحبِ اخلاق! ضرور
تو ہے مامورِ خدا۔ تجھ پہ مَیں لایا ایماں

ایسے اخلاق کی تاریخ میں ہے کوئی نظیر؟
شرطِ انصاف ہے! کچھ غور کریں اہلِ جہاں

ایسے باخلق پیمبر کو اشاعت کے لئے
کیا ضرورت تھی۔ کہ لے کام بہ شمشیر و سناں

روما کی تہذیب مِٹ چکی تھی۔ یُونان کا فلسفہ برباد ہو چکا تھا۔ مصر کی روشنی وہاں کے میناروں کے اندر دفن ہو چکی تھی۔ ہندوستان اور چین کی ترقی کی داستان پارینہ بن چکی تھی۔ گناہ۔ معصیت۔ شرک۔ زنا۔ چوری۔ فریب۔ دغا بازی۔ اور دوسری سیاہ کاریوں کے دیو دنیا اور اہل دنیا کے دل و دماغ پر قابض ہو چکے تھے بیٹی کو زندہ درگور کرنا۔ اور بیوہ کو زندہ جلا دینا مذہب کہلاتا تھا۔ اشرف المخلوقات انسان شجر و حجر کے آگے۔ پیپل کے درخت اور بڑ کے پیڑ کے روبرو۔ سانپ اور بچھو کے سامنے۔ گائے اور بیل کے قدموں پر اور اس سے بدتر یہ کہ اپنی ساختہ پرداختہ مٹی کی تصویروں اور پتھر یا سونے چاندی کی مورتوں کے استھانوں پر ہی نہیں۔ اس سے بھی بدتر انسان اور حیوان کے ایسے اعضا کے خاک کے سامنے جن کا نام عصمت ربا اور عفت آزما ہو۔ ہاں اشرف المخلوقات انسان ان سب چیزوں کے آگے سربسجود نظر آتا تھا۔ وہ عبادت کرتا تھا پیکر محسوس کی۔ وہ ڈرتا تھا [illegible] لیکن اگر عبادت نہیں کرتا تھا۔ تو ان دیکھے خدا کی۔ اور اگر نہیں ڈرتا تھا۔ تو جبار و قہار خدا سے۔ خالق اور خلقت کا۔ عبد اور معبود کا۔ ساجد اور حقیقی مسجود کا۔ بندے اور خدا کا رشتہ منقطع ہو چکا تھا۔ بدیاں نیکیوں پر چھائی ہوئی تھیں۔ اور شیطان کی حکومت زوروں پر تھی۔ عین اس وقت ؎

یکا یک ہوئی رحمت حق کو حرکت
بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت
ادا خاک بطحا نے کی وہ ودیعت
نبی آتے تھے۔ جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا۔

یعنی سرورِ کائنات فخر موجودات سرور انبیا سردار اتقیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ آپ جب مبعوث ہوئے۔ تو ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا۔
یتیموں کا ملجا۔ فقیروں کا ماویٰ — مصیبت میں ہراک کے کام آنے والا

خُدا سے وُہ اک دن سُوئے قوم آیا — اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا۔

آپ کی آواز کا جو اثر ہوا۔ ملاحظہ ہو۔ ؎

وُہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی — عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی — پس اک آگ سی سب کے دل میں لگا دی

وہ جنگل کہ تھا ایک ڈھوروں کا گلہ — گراں کر دیا اس کا عالم سے پلّہ

دنیا نے یہ ما فوق الفطرت نظارہ دیکھا۔ کہ ایک بیکس یتیم مفلوک الحال نوجوان نے اس زمانہ میں کہ سفر کے ذرائع محدود۔ اور نشر و اشاعت کے وسائل مفقود تھے۔ دنیا کی کایا پلٹ دی۔ راہزن راہنما بن گئے۔ بتختوں پر بیٹھنے والے قیصر و کسریٰ کے تخت پر قابض ہو گئے۔ فرش خاک اور کھلے آسمان کے نیچے سونے والے اقالیم عالم کے مالک بن گئے۔ جاہل مطلق علوم متفرقہ کے استاد ہو گئے۔ اور شتربان جہانبان بن گئے۔ بقول کارلائل۔

"محمد اسلام کیا لایا۔ بم کا ایک گولہ لایا۔ جو عرب کے ریگستان میں پھٹا۔ یہاں کی ریت بارود کی طرح روشن ہوئی۔ اور جو شعلہ نمودار ہوا۔ اس کی روشنی سے ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی کی دیواریں روشن ہو گئیں"۔

یہ بم کا گولا کیا تھا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یعنی انسان اشرف المخلوقات انسان۔ خدا کا خلیفہ انسان شجر و حجر کے سامنے ذلیل جانور اور زہریلے وحشیوں کے سامنے گردن تسلیم خم نہ کرے۔ بلکہ صرف خدائے قدوس کے روبرو سر جھکائے۔

جب انسان نے محمد مصطفےٰ روحی فداہ و قلبی کے ساتھ یہ پیمان باندھا۔ تو فرانس و ہسپانیہ تک یورپ میں تمام افریقہ اور تقریباً سارے ایشیا پر ان کی سلطنت قائم ہو گئی۔ شاہان جہان کا زہرہ ان کے ذکر سے آب آب ہوتا تھا۔ اور رستم زمانہ ان کے نام سے کانپ جاتے تھے۔ انگریزوں کی تاجدار ملکہ الزبتھ کو ہسپانیہ کے خلاف امداد کی ضرورت پیش آئی۔ تو اُس نے باب عالی (ترک حکومت) کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ لیکن اس کی مجال کیا تھی۔ کہ خلیفۃ المسلمین کے سامنے دست سوال دراز کرے۔ اس نے عریضہ وزیراعظم کی خدمت میں لکھا۔

اقبال نے ان مومنوں کی اس حالت کی یاد دہی کی۔ کہ روما کی فتوحات۔ مصر کی حیلہ سازیاں ہندوستان کے کرشمے۔ چین کی لن ترانیاں اور یونان کی کارفرمائیاں ہر لحاظ سے گرد ہو گئیں۔ سکندر کی فتوحات کا چاند ماند پڑ گیا اور کیوں ایسا نہ ہوتا۔ یہ سکندر جب دنیا کو تہ و بالا کرتا ہوا ہندوستان آیا۔ تو ؎

جس جگہ ملتا ہے ستلج سے سبک رفتار بیاس
رہ گئیں فوجیں ٹھٹھک کر اسکی دلدل کے پاس
بات سنتا تھا نہ کوئی کارواں سالار کی
کارواں اور کارواں سالار کی قسمتی تھی اس

نعتیہ غزل

از جناب منشی لچھمی نرائن صاحب سخا۔ بی اے سٹی مجسٹریٹ [illegible]

(خاص الفضل کے لئے)

شرحِ اوصاف پیمبر میری تقریر میں ہے — میری تقریر میں جو ہے۔ وُہی تحریر میں ہے
بات جب ہے وہ بُلالیں مجھے خود یثرب میں — عشق کا لُطف اگر کچھ ہے تو تاثیر میں ہے
ہوں غلام شہ دیں عرش پہ رکھتا ہوں دماغ — لُطف دُنیا کی یہ کب عزت و توقیر میں ہے
دِل میں گر عشق نبی ہو۔ تو ہے اِنساں انساں — ورنہ کیا خاک پھر اس خاک کی تصویر میں ہے
ہم نے وہ شمس میں دیکھی نہ قمر میں دیکھی — بات جو روضۂ پُرنور کی تنویر میں ہے
جب سے ہے نام نبی نقش نگینِ دل پہ — عرش تک فرش سے جو ہے میری تسخیر میں ہے
تم کو دیکھا ہے یقیں ہے۔ کہ خُدا کو دیکھوں — بس یہ ہی راز میری خواب کی تعبیر میں ہے
اے فلک دیکھ لے جاتے ہیں مدینہ کو ہم — اپنی تقدیر میں جو ہے وہی تدبیر میں ہے
ہے شفاعت میں تیرے کچھ بھی ہو راز بخشش — کچھ بھی ہو سر شفاعت میری تقصیر میں ہے
سفرِ یثرب و بطحا میں تامّل کیسا — شوق کہتا ہے۔ کہ حرمان اسی تاخیر میں ہے
جبہ سائی ہے نصیب آپکے در پر مجھکو — اس سے کھلتا ہے کہ جنت میری تقدیر میں ہے
لے سخاؔ جان گئے جاننے والے تجھکو — نعت لکھتا ہے۔ تو فردوس کی تدبیر میں ہے

یہ کھٹا اکست نقا ہوا اں اٹھنا پوش کرلیں
فتح ہند اک خواب تھا۔ اور اس کی حقی تعبیر ملا ب
لیکن جب مسلمان آئے۔ تو وہ کشمیر سے لے کر راس کماری اور کراچی سے لیکر کلکتہ تک اس ہندوستان کے مالک بن گئے۔ ؎
ناکام جس جگہ پہ کیت سکندری ہو۔ فاتح ہو واں کا مسلم قسمت کا اوج دیکھو
پر اب تو چشم حسرت یہ کہہ رہی ہے رو رو۔ اے آب رود گنگا وہ دن ہیں یاد تجھکو
اترا تیرے کنارے جب کاروان ہمارا
لیکن آج آہ آج فقیر ہیں۔ تو مسلمان۔ گداگر ہیں۔ تو مسلمان۔ ذلت اور مسکینی کا نمونہ ہیں۔ تو مسلمان۔ قید میں ہیں۔ تو مسلمان۔ چور ہیں۔ تو مسلمان۔ ٹھگ ہیں۔ تو مسلمان۔ کنکوے اور بٹیر باز ہیں۔ تو مسلمان۔ بھنگ اور افیون اور شراب کے پرستار ہیں تو مسلمان۔ مقروض ہیں۔ تو مسلمان۔ مقہور ہیں۔ تو مسلمان۔ خونی ہیں تو مسلمان۔ اور دنیا کہتی ہے۔ کہ اسلام ان کی ترقی کے راستہ میں حائل ہے۔ معاذ اللہ۔ کیا کبھی ایک سبب سے دو متضاد نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ نہیں۔ کیا سورج سے روشنی اور گرمی کی جگہ تاریکی اور سردی کا خروج ممکن ہے۔ نہیں۔ اور یقیناً نہیں۔ تو یہ بتائیے۔ کیا ہماری ابتدائی ترقی کا باعث اسلام نہ تھا۔ بلکہ کچھ اور تھا۔ اگر اسلام ہی تھا۔ تو آج اسلام ہمارے تنزل کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔

اد علتے اسلام اور شئے ہے۔ اور اسلام چیزے دیگر یہ بحث طویل ہے۔ اس پر پھر کسی وقت اظہار خیالات کرونگا۔ آج اتنا عرض کر دینا کافی ہے۔ کہ اگر اسلام اول اول ترقی کا باعث ہوا۔ تو آج تنزل کا باعث نہیں ہو سکتا پس یہ لازم آتا ہے۔ کہ آج ہم مسلمان کہلاتے ہیں لیکن مسلمان نہیں ہیں جیسا مسلمانوں کو چاہئے۔ حقیقی مسلمان نہیں۔ اور یاد رکھئیں
ہرکہ بر مہر مصطفےٰ فہمیدہ است شرک با درخوف سفر دیدہ است

خدا کے محبوب کی علامت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے۔ تو جبرائیل کو اطلاع دیتا ہے۔ کہ میں فلاں کو دوست رکھتا ہوں۔ تو بھی اسے دوست رکھ۔ پھر آسمان میں منادی کی جاتی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ فلاں سے محبت رکھتا ہے۔ تم بھی اس سے محبت کرو۔ اس پر سب آسمان والے اسے دوست رکھنے لگ جاتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی قبولیت پھیلائی جاتی ہے۔ اور جب اللہ تعالےٰ کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے۔ تو جبرائیل کو کہا جاتا ہے۔ میں اس پہ ناراض ہوں۔ تو بھی ناراض ہو جا۔ پس وہ جبرائیل بھی اس سے بغض رکھتا ہے۔ پھر آسمان میں یہ منادی کی جاتی ہے۔ تو وہ بھی اس سے بغض کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر زمین والوں میں اس کا بغض پھیلایا جاتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

بانی اسلام کی خوبیاں

از جناب لالہ مگن ناتھ صاحب بی اے ایل ایل بی کبیروالا

اسلامی مساوات

بانی اسلام کی سب سے افضل ترین خوبی یہ تھی۔ کہ انھوں نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ غریبی اور سادگی میں گذارا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ اُن کے مذہب میں غریب اور امیر کا تفاوت بہت کم ہے۔ اور جس قدر مساوات اہل اسلام میں پائی جاتی ہے۔ اتنی اور کسی مذہب کے پیرؤں میں ملنی محال ہے۔ میں مثالیں دے کر مضمون کو لمبا کرنا نہیں چاہتا۔ مگر تمثیلاً یہ عرض کرنا غیر واجب نہ ہوگا۔ کہ عیسائی مذہب کے پیرو باوجود خدا کے (Father hood) یعنی سب کا باپ بوجہ خالق ہونے کے قائل ہیں۔ اور اخوت انسانی میں یقین رکھتے ہیں۔ تاہم کالے اور گورے کا فرق اپنی عبادت گاہوں تک سے اُٹھا نہیں سکے۔ اور ہنود میں تو یہ مرض بدرجہ غائت پھیلا ہوا ہے۔ صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے۔ جو نہ صرف اصولی طور پر اس مساوات کو تسلیم کرتا ہے۔ بلکہ اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ باقی مذاہب یہ سبق اس سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اور انہیں اس کے حاصل کرنے کی ضرورت بھی اشد فی زمانہ درپیش ہے۔

حب الوطنی

دوسری خوبی آنحضرت میں ان کی حب الوطنی اور قوم کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کی ہے۔ کون نہیں جانتا۔ حضرت محمدؐ صاحب کو اپنے ملک میں قبیح رسوم اور خانہ جنگی دُور کرنے میں کس قدر مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کا مفصل ذکر کرنا یہاں بوجہ طوالت ممکن نہیں۔ مگر اشارتاً اتنا عرض کرونگا۔ کہ اُن کی ہجرت اور اپنے مخالفین سے جنگ وجدل اس امر کا بین ثبوت ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کی تمام عمر اپنے ملک اور قوم کی خاطر دائمی تکلیف میں گذری۔ اور مسلمان غور فرمائیں۔ وہ آنحضرت کی اس بارے میں پیروی کر رہے ہیں۔ یا نہیں۔

کمال درجہ کی بہادری

تیسرا وصف آنحضرت میں یہ تھا۔ کہ وہ کمال درجہ کے بہادر تھے۔ دشمنوں کی تعداد خواہ کتنی کیوں نہ ہو۔ وُہ ہرگز نہ گھبراتے تھے۔ اور مردانہ وار ان کا مقابلہ بے خوف وخطر کیا کرتے تھے۔ بارہا وہ مخالفین کے نرغے میں پھنسے۔ مگر حوصلہ کبھی نہ ہارا۔ اور آخر غالب آئے۔ بعض معترضین دیگر مذاہب کے اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ محمدؐ صاحب نے اپنا مذہب بزور شمشیر پھیلایا۔ مگر شاید ان کو معلوم نہیں۔ حضرت محمدؐ صاحب کا واسطہ ان لوگوں سے تھا۔ جو پرلے درجہ کے لڑاکے اور بے رحم تھے۔ آج تک عرب کے بدو ان باتوں کے لئے مشہور ہیں۔ اور اُن کے ہم مذہب زائرین مکہ اُن کی ان بدعادات کا شکار ہوتے چلے آتے ہیں۔ ایسے لوگ دلائل کو نہیں سُنا کرتے۔ اگر وُہ چڑھ کرتے ہیں۔ تو صرف اُس کی جوان کی تلوار کو تلوار سے کاٹ سکے۔ مہاتما گاندھی جیسے سنجان شہر یخ آدمیوں کی وہاں دال نہ گل سکتی تھی۔ اور یہ ہندوستان

جیسے بدنصیب ملک کا ہی حصہ ہے۔ کہ اس کا سب سے بڑا سیاسی آدمی علم تشدد پر کاربند ہو کر اپنے ملک کے دکھڑے دُور کرنے کا خیال اپنے دماغ میں لائے۔

صحیح توکّل

چوتھا وصف آنجناب میں یہ تھا۔ کہ متوکل اور راضی برضا رہنے والے تھے۔ مگر ان آدمیوں کی طرح نہیں۔ جن کی کمی بدقسمتی سے نہ مسلمانوں میں ہے۔ اور نہ ہندوؤں میں۔ کہ خدا کے بھروسہ پر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہیں۔ بلکہ آنجناب تدبیر صائب کے قائل تھے۔ ایک دفعہ آپ کی فوج کے ایک سپاہی نے اپنا اونٹ کھلا چھوڑ دیا۔ آنحضرت نے اس سے اس فروگذاشت کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا۔ پچھلے مقام پر آپ نے ہر بات توکل پر چھوڑنے کا وعظ فرمایا تھا۔ آپ نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ ؏ بر توکل زانوے اشتر بہ بند۔ یعنی انسان کو پہلے اپنی تدابیر ختم کر کے پھر توکل کرنا چاہیئے۔ آج کل کئی اصحاب یہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہ محلہ میں طاعون پڑی ہو۔ مگر محلہ نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ توکل کے برخلاف ہے۔ ؏
بریں عقل وہمت بباید گریست

عفو اور رواداری

حضرت محمدؐ صاحب کی ایک اور خوبی جس کی آج کل اس بدنصیب ملک کے لوگوں میں کمی ہے۔ وہ آپس کے معاملات میں عفو اور رواداری ہے۔ آپ کے زمانہ میں آپ کے مخالف عرب کے بُت پرست لوگ اور یہود و نصاریٰ تھے۔ مکہ کے لوگوں یعنی ہم وطنوں کو انھوں نے کئی لڑائیوں میں جن کے انجام بیان کئے بدنصیب مخالف یقیناً جانتے تھے۔ کہ وُہ مروجہ قانون جنگ کے مطابق ضرور قتل کئے جائینگے۔ معاف کر کے حیران کر دیا۔ اور مذہب یہود اور نصاریٰ کی بابت ان کی صاف تلقین ہے۔ کہ وہ اہل کتاب ہیں۔ ان کے لئے خاص رعائتیں رکھی گئی ہیں۔ اور مجھے اس امر کا یقین ہے۔ کہ اس زمانہ میں اگر ہندوستان اور عرب کے درمیان بھی آمد ورفت کا سلسلہ ہوتا۔ تو ضرور یہی رعایات ہنود کو بھی آنحضرت دیتے۔ مگر اس زمانہ میں نہ ریل تھی۔ اور نہ تار۔ راستے دشوار گذار اور خطرناک تھے اور شاید انہوں نے ہنود کے فلسفہ اور مذہب کی بابت کچھ سُنا تک نہ ہوگا۔

میرے مسلمان بھائی آنحضرت کے اس وصف پر نظر رکھتے ہوئے اگر اپنے برادران وطن کو خارجیتم نہ سمجھیں۔ تو ان کی بڑی مہربانی ہوگی۔ اور اگر کبھی ان کے فلسفہ وغیرہ کا مطالعہ کریں جیسا کہ خود ہنود اسلام کی خوبیوں سے فائدہ اٹھا کر شاید نہیں سمجھتے۔ اور کچھ حد تک انہوں نے اسلام کی کئی باتیں اختیار کر لی ہیں تو اس باہمی راہ و رابطے سے آپس میں محبت بڑھ سکتی ہے۔

اوصاف تو آنحضرت میں اور بھی بہت ہیں۔ مگر میں انہی پر اکتفا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں۔ کہ خداوند تعالےٰ ہم سب کو نیک توفیق عنایت کرے۔ اور ہم بزرگان سلف کے شعار کو مشعل راہ بنا کر اس زندگی کی مسافت کو آسانی سے طے کر سکیں

عرب میں عورت کی حالت

اسلام سے پہلے عرب کی جو حالت تھی۔ وُہ تاریخ دان ناظرین وناظرات سے مخفی نہیں۔ عورت کو تو مرد کے زبردست ہاتھوں نے نہایت ہی ذلت اور حقارت کے گڑھے میں دھکیل دیا تھا۔ یہ لوگ اپنے حیوانات کی پرورش کرنا اپنے اونٹوں کی خبرگیری کرنا۔ اور ان کی افزائش نسل کی تدابیر سوچنا مفید خلائق سمجھتے تھے۔ لیکن عورت کو سانپ اور بچھو سے بھی زیادہ خطرناک اور اس کی نسل کو تباہ کرنا باعث عزت سمجھتے بیٹیوں کو زندہ گاڑ دینا ہی باعث فخر خیال کیا جاتا تھا۔ ایک ایک مرد ان گنت عورتوں کے ساتھ اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لئے تعلقات پیدا کر لیتا۔ لیکن ان کے اخراجات کے کفیل ہونے کا پابند نہ ہوتا تھا۔ عورتوں کو وراثت میں حصہ ملنا تو کجا۔ وہ خود مال موروثی میں منتقل کی جاتی تھیں باپ کی فوتیدگی پر جس طرح بھیڑ بکریوں کے گلے آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ اسی طرح باپ کی عورتیں بھی وراثت میں بیٹوں کو حصہ رسدی ہو پہنچ جاتی تھیں۔ عورت کا مرد کے سامنے اونچی آواز سے بولنا یا کسی معاملہ میں مشورہ پیش کرنا ایک ناقابل معافی گناہ قرار دیا جاتا تھا۔

ساری دُنیا میں عورت کی حالت

یہی نہیں۔ کہ یہ حالت عورت کی صرف عرب میں تھی۔ بلکہ دنیا کے ہر طبقہ میں جس طرح ظلمت وتاریکی کی گھٹا ٹوپ اندھیری ظھر الفساد فی البر والبحر کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ اسی طرح دنیا کے ہر طبقہ میں عورت کی ذات پولس کا منبع برائیوں کا مخزن قرار دی جاتی تھی۔ آریہ اور عیسائی جو آج عورت کی تعبو فی عزت قائم کرنے کے دعویدار ہیں۔ وہ بھی عورت کو ذریت شیطان۔ اور اس کے اثر کو سانپ اور بچھو سے زیادہ ہلاکت انگیز مانتے رہے ہیں۔ ہنود وتمدن کے وُہ لاتعداد مظالم جن کا آج گورنمنٹ انگریزی کا زبردست قانون قلع قمع کر چکا ہے۔ یعنی بیٹیوں کو مار دینا۔ بیواؤں کو زندہ درگور کر کے رکھنا۔ یا ستی ہو جانے کے لئے مجبور کرنا۔ یہ وُہ مظالم ہیں جنہیں یہ قومیں اپنی پیشانی سے ہرگز مٹا نہیں سکیں گی۔ چاہے کیسی ہی مفید اصلاحات پر عمل پیرا کیوں نہ ہو جائیں۔ کیونکہ وہ ان کے قانون مذہبی ہیں۔ اور یہ مستعار اصلاحات۔

غرض کہ اس وقت عورت دنیا کے ہر گوشے میں مشرق سے مغرب تک نہایت بےکس وبے بس۔ لاچار وبے مددگار مظالم انسانی کا شکار ہو رہی تھی۔ کہ مظلوموں کے حامی۔ بےکسوں کے دادرس۔ لاوارثوں کے وارث پروردگار عالم کی رحمت جوش میں آئی۔ اور اس نے عین وقت پر جبکہ زمانہ جہالت وتاریکی کی نذر ہو رہا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے نُور سے منور کر کے اصلاح زمانہ کے لئے مبعوث کیا۔ اس سراسر وجود رحمت وبرکت نے جہاں دُنیا کو لاتعداد مظالم۔ تاریکی وجہالت کے اتھاہ سمندر سے نکال کر صراط مستقیم پر چلایا۔ وہاں صنف نازک کے بےبس وبےکس طبقہ کی بھی ایسی خبرگیری کی۔ اور عورت ذات کے وہ حقوق قائم کئے۔ جن کے آگے آج تہذیب وتمدن کی واحد اجارہ دار اقوام بھی سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو رہی ہیں۔

عورتوں میں تغیر

اب دیکھئے۔ حضورؐ کی اس تعلیم نے عورت پر کیا اثر کیا۔ وہ عورت جو دُنیا کی ذلیل ترین چیزوں میں شمار ہوتی تھی۔ وہ عورت جو غلاموں سے بدترین حالت میں زندگی بسر کرتی تھی۔ اس کی حالت نے یکدم پلٹا کھایا۔ کمزوری وبزدلی کی جگہ شجاعت وبہادری جہالت وتاریکی کی جگہ علم وفضل۔ غلامی وذلت کی جگہ حریت ومساوات کے جذبے پیدا ہونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عین حیات میں تو عورتوں نے محسن حقیقی کے احسانوں میں دب کر شکر وامتنان سے لبریز ہو کر عشق ومحبت کے وُہ وُہ نمونے دکھلائے۔ جو تا ابد مشکل ہی دکھائی دینگے گویا کہ عورتیں پروانہ وار حضورؐ پر خود قربان ہونا ہی باعث فخر سمجھتی تھیں۔ بلکہ حضور کی محبت کی مثال دنیا وی عزیز سے عزیز ترین رشتوں میں بھی ملنی مشکل تھی چنانچہ حضورؐ کی زندگی سے لیکر وفات سے بہت دیر بعد تک عورتوں کے کارناموں میں سے ایک ایک مثال مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتی ہوں۔

رسُول کریم کے عہد کی مثال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع فوج ایک غزوہ سے واپس آ رہے ہیں۔ کہ مدینہ کی عورتیں اشتیاق دید میں شہر کے باہر استقبال کے لئے کھڑی ہیں۔ جب فوج کے آدمی نظر آئے۔ تو ایک عورت نے آگے بڑھ کر دریافت کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے۔ اسے جواب ملا۔ تمہارا باپ شہید ہو گیا ہے۔ اس نے دوبارہ پوچھا۔ تو جواب ملا۔ تمہارا بھائی شہید ہو گیا۔ سہ بارہ پوچھا۔ مگر پھر بھی اسے کہا گیا۔ تمہارا خاوند بھی شہید ہو گیا آخر وُہ جھنجلا کر پوچھتی ہے۔ تم مجھے رسول اللہؐ کی خبر تو بتاؤ۔ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ بعافیت ہیں۔ یہ سنتے ہی سجدہ شکر بجا لاتی ہے۔ اور کہتی ہے رسول اللہؐ زندہ ہیں۔ تو پھر کسی کی پرواہ نہیں۔ سبحان اللہ فدائیت کی ایسی عظیم الشان مثال رقیق القلب صنف نازک میں کہاں مل سکتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد کی مثال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت ہے۔ قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں فتح ہو چکی ہیں خسرو پرویز جیسا جلیل القدر بادشاہ اپنی زبان سے حضرت عمرؓ کے روبرو اقرار کرتا ہے۔ کہ اے عمرؓ پہلے خدا ہمارے ساتھ ہوتا تھا لیکن اب خدا تمہارے ساتھ ہے۔ بڑے بڑے فصیح حضرت عمرؓ کے خطبات کی فصاحت وبلاغت کا لوہا مانتے ہیں۔ لیکن آپ ایک دفعہ خطبہ میں مہر کے بارے میں حدبندی فرمانے کا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ کہ ایک عورت بول اٹھتی ہے اے عمرؓ جس بات کو رسول خدا نے محدود نہیں کیا۔ آپ کا کیا حق ہے۔ کہ آپ محدود کریں۔ حضرت عمرؓ فوراً اپنے الفاظ واپس لے لیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ اے عورت تو حق پر ہے۔ اور عمرؓ غلطی پر۔ حضرت عمرؓ قبل از اسلام اونٹ چرایا کرتے تھے۔ اور ایک معمولی حیثیت کے آدمی گنے جاتے تھے حضرت عمرؓ کا اپنا قول ہے۔ ہم اس زمانہ میں عورتوں کو حیوانوں سے بھی بدتر خیال کرتے تھے۔ لیکن آج اس شان ورفعت کے باوجود ایک کمزور عورت کے سامنے یوں قائل ہو جاتے ہیں۔ یہ تغیر عظیم حضرت عمرؓ کی حالت میں اور وہ بے مثال جسارت اس عورت کے قلب میں کس نے پیدا کی۔ رسُول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

فتح دمشق کا موقعہ

مسلمان فوج بچوں اور زخمیوں کو عورتوں کے سپرد کر کے آگے بڑھ گئی۔ کہ قلعہ کے باشندوں نے جو کہ محصور ہو رہے تھے۔ موقعہ پا کر قلعہ کا دروازہ کھول کر عورتوں کو حراست میں لے لیا۔ ایک مسلمان عورت اپنی بہنوں کو مخاطب کر کے کہتی ہے۔ اے بہنو۔ کیا تمہاری غیرت وحمیت گوارا کرتی ہے۔ کہ تم کافروں کے قبضہ میں آ جاؤ۔ کیا تم آج اسلام کی تعلیم کو بدنام کرنا چاہتی ہو۔ اس ذلت سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔ ان فقروں سے ایسا جوش پیدا ہوتا ہے۔ کہ سب عورتیں خیمہ کی چوبیں لے کر کفار کے مقابلہ میں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اور کافر حیران رہ جاتے ہیں۔ کہ اتنے میں مسلمانوں کی فوج عورتوں کی امداد کو آ پہنچتی ہے۔ اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے ایڈورڈ گبن مسلمان عورتوں کی شجاعت وحمیت۔ عفت وعصمت دلیری وبہادری کی بے انتہا تعریف کرتا ہوا لکھتا ہے۔ یہ عورتیں نیزہ بازی۔ تیراندازی وشمشیرزنی میں پوری ماہر ہوتی تھیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ نازک سے نازک موقعہ پر بھی اپنے دامن عصمت کو محفوظ رکھتی تھیں۔ لیکن یہ تمام اوصاف عورت میں کس نے پیدا کئے۔ اس عظیم الشان مصلح کی تعلیم کا اثر تھا جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں عورت کو انتہائی زوال سے انتہائی عروج تک پہنچا دیا۔

خلافت بنی امیہ کا واقعہ

ایک شخص عبدالرحمٰن فروخ نامی فوج میں ملازم ہے۔ فتح خراسان کی مہم پر جاتے وقت بیوی کو جو کہ تین ماہ کی حاملہ ہے۔ ۳۰ ہزار اشرفی دیئے جاتا ہے۔ اور آپ ۲۷ برس کے بعد گھر واپس آتا ہے۔ اثنائے گفتگو میں بیوی سے پوچھتا ہے۔ کہ میں جو مال تجھے دے گیا تھا۔ تم نے وُہ کیا کیا۔ عورت کہتی ہے۔ کہ وہ مال میں نے دفنوں نہیں گنوایا۔ تھوڑی دیر بعد وُہ شخص مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے جاتا ہے۔ جا کر دیکھتا ہے۔ کہ ایک جوان اونچی ٹوپی پہنے سر جھکائے درس وتدریس میں مشغول ہے۔ اور چاروں طرف سے تلامذہ کا ایک گروہ اسے گھیرے بیٹھا ہے۔ جن میں کہ خواجہ حسن بصری اور امام مالک جیسے اعیان شامل ہیں۔ لوگوں سے پوچھتا ہے۔ یہ کون شخص ہے۔ جو درس دے رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ یہ ربیعہ ابن عبدالرحمٰن فروخ ہیں۔ اپنے بیٹے کی یہ شان دیکھکر دل میں جو مسرت پیدا ہوئی۔ اسے الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ گھر جا کر بیوی سے دریافت کیا۔ تو اس نے کہا۔ میں نے وُہ مال ربیعہ کی تعلیم پر صرف کر دیا۔ آپکو تیس ہزار اشرفی پسند ہے یا بیٹے کی یہ شان۔ شوہر نے جواب دیا۔ خدا کی قسم تم نے وہ مال ضائع نہیں کیا۔

یہ اس وقت کی عورتوں کے عقلمند اور علم دوست ہونے کی ایک مثال ہے ایک بچہ باپ کی تربیت سے محروم ہو کر صرف ماں کی زیرنگرانی رہتا ہے۔ ماں کے پاس کافی مال ہے۔ لیکن وُہ بچہ کی بے جا ناز برداری اور بیہودہ لاڈ وپیار میں روپیہ اور بچہ کو تباہ نہیں کرتی۔ بلکہ وُہ روپیہ بیٹے کی تعلیم وتربیت پر صرف کر کے اسے ایسی شان

دنیا میں ادیان کی کثرت ہے۔ ہر فرد سے وہر دینے کا معاملہ نظر آتا ہے۔ عام طور پر جسے بھی دیکھو۔ اپنے اختیار کردہ دین پر نازاں ہے۔ اور دوسرے ادیان کو بنظر استہزاء وحقارت دیکھنے کا خوگر ہے۔ اسلام کے ظہور سے پہلے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی بعثت مختص القوم ہوا کرتی تھی۔ ایک یا بہت نبی ایک ایک قوم کی طرف مبعوث ہوا کرتے تھے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل کوئی نبی تمام اقوام کی طرف ہدایت کا ربانی پیغام لے کر نہیں آیا۔ ان حالات میں اس قسم کی تنگ خیالی کا امکان تھا اس لئے کہ ہر امت کا والی الگ الگ ہوا کرتا تھا۔ اور افراد امت اپنے نبی کے سوائے کسی دوسرے کو نہ مانتے تھے۔ اور نہ ہی ماننے کے لئے مجبور تھے۔ ایک اُمت کے رسول کو دوسری امت سے کوئی واسطہ نہ ہوا کرتا تھا۔ قرآن کے علاوہ انجیل سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے۔ مثلاً عیسے علیہ السلام اقرار فرماتے ہیں۔ میں صرف بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے آیا ہوں۔ قرآن شریف نے بھی یہی شہادت دی۔ ورسولاً الی بنی اسرائیل۔ یعنے مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے۔

لکل قوم ھاد

قرآن مجید نے فرمایا۔ ہر قوم کے لئے ہدایت دینے والے آتے رہے ہیں۔ وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں خدا کی طرف سے ڈرانے والے نہ آتے ہوں۔ اس کا ثبوت محض منقولات پر ہی نہیں۔ عملاً ایسی اقوام موجود ہیں۔ جن کے پاس خدائی کتابیں اب تک موجود ہیں۔ ان نوشتوں میں گو تحریفات نے راہ پالی ہے۔ لیکن پھر بھی ان کے مطالعہ سے صاف طور پر اس امر کی شہادت ملتی ہے۔ کہ ان میں نور اور ہدایت کے لمعات تاحال باقی ہیں۔ غرض اس بیان سے یہ ہے۔ کہ قوم وار ہدایت کا سلسلہ محدود اور غیر وسیع تھا۔ اور ارتقائی حالات اس کے مقتضی تھے۔ جس کا نتیجہ ہوا۔ کہ مرسلین آلہی صرف اپنے اپنے سلسلہ اور دائرہ امت میں مانے جاتے۔

اہل ادیان میں باہمی بغض وعداوت

ہدایت کا اصل سرچشمہ رب العالمین ہے۔ تمام مرسلین اور انبیاء کا مبعوث فرمانے والا سب اقوام کا واحد خدا ہے۔ اس لئے یہ لازمی تھا۔ کہ ایک وقت ایسا آتا۔ جبکہ کوئی عظیم الشان رسول خدا کی طرف سے نازل ہو کر والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک کی تصدیق کا اعلان فرماتا۔ تاکہ خدا کے مرسلین کرام کی عزت دنیا میں قائم ہوتی۔ اور ان کے حق میں بدگوئی کا سلسلہ مسدود کیا جاتا۔ انسان فوراً تنگ دلی کی جانب مائل ہو جاتا ہے۔ دانشمند طبقہ کے افراد کو ہمیشہ تمام مرسلین آلہی کی عزت کرنا اپنا فرض جانتے ہیں۔ لیکن عوام اور ارباب غرض دوسرے مذاہب پر ایسے رکیک اور سوقیانہ حملے بھی کر جاتے ہیں۔ جو کسی عقلمند کے لئے موجب فخر ومباہات نہیں ٹھہر سکتے۔ اس تمام شر وفساد کا علاج اسلام کے اندر رکھا گیا ہے۔

امن اور صلح کا پیغام

خود غرض دینداروں کے درمیان جدل وہنگامہ کو دیکھ کر کون عقلمند متاسف نہ ہوتا ہوگا۔ ہندوستان ہی کو لے لیجئے۔ اس میں کئی ایک مذاہب موجود ہیں۔ کئی ملکی ضروریات اور وطنی حالات اس امر کے مقتضی ہوتے ہیں کہ ملک کے تمام باشندے ملکر باہمی اتحاد سے کوئی مقصد سر انجام دیں۔ لیکن ان کے اشتراک عمل کی راہ میں مذہبی تعصبات حائل ہو کر امر مطلوبہ کے حصول کو ناممکن بنا دیتے ہیں حقیقت یہ ہے۔ کہ کوئی مذہب جو ربانی ہوگا۔ وہ دوسروں سے عداوت اور بغض رکھنے کی تعلیم نہیں دے سکتا۔ جو مذہب بھی اس قسم کے تعصبات کو جائز قرار دیگا۔ وہ دراصل فساد آمائی اور فتنہ جوئی کا مرتکب سمجھا جائیگا۔ جنبہ داری اور تعصب سے الگ ہو کر اگر دیکھا جائے۔ تو بانی اسلام نبی عرب صلوٰۃ اللہ علیہ کی تعلیمات ہی ایسی نظر آتی ہیں۔ جن میں جملہ مرسلین الہٰی کی تعظیم اور تکریم کا خاص لزوم رکھا گیا ہے۔ ہر وہ شخص جو دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ وہ خدائی فرمان یعنی قرآن کے رو سے اقرار کرتا ہے۔ کہ وہ قرآن اور تمام کتب سماوی اور جملہ انبیائے الہٰی پر یکساں ایمان لاتا ہے۔ اور مرسلین یزدانی میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ کوئی نبی خواہ عرب میں مبعوث ہوا ہو۔ یا دنیا کے کسی دوسرے ملک میں خدا کی طرف سے آیا ہو۔ وہ سب کو ایک ہی نظر سے قابل اعزاز واکرام سمجھے گا۔ غرض یہ فیض عام نبی عرب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ جس کو کوئی ہوشمند رد نہیں کر سکتا۔

اسلام دنیا کے اتحاد کا موجب ہے

ظاہر ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر رحمۃ للعالمین کا خطاب پانے کا کوئی بھی مستحق نہیں۔ اس لئے کہ صرف ہمارے نبی مکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے قرآن کریم کے ذریعہ سب سے اول تمام دنیا کو امن اور صلح کا پیغام دیا۔ اور اعلان فرمایا کہ مسلم صرف وہی شخص کہلانے کا مستحق ہے۔ جو نہ صرف قرآن کو بلکہ ہر آسمانی کتاب کو منجانب اللہ یقین کرے۔ ہر امت کے انبیاء کی یکساں تعظیم بجا لائے۔ دنیا میں انبیاء کی بعثت کی اصل غرض اشاعت توحید الہٰی کو قرار دیا اور جملہ ادیان کو الفاظ ذیل میں دعوت دی۔ یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ۔ یعنے اے اہل کتاب آؤ ایک بات پر جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ سب مل کر اتفاق کر لیں۔ وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ اور خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور خدا کے سوائے ہم کسی دوسرے کو کارساز نہ بنائیں گے۔

ان ربانی ارشادات کے حامل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ اس پیغام کا منافرت شکن ہونا بدیہیات سے ہے۔ یہ پیغام رحمت واکرام تمام دنیا کو ایک جا جمع کرنیوالا سیاہ وسفید کی تمام تمیزات کو مٹانے والا ہے۔ وہ مسلم جو سچے دل اور خلوص نیت سے قرآن کا پابند ہوگا۔ اس بیش بہا اصول کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا ہر دانشمند غیر مسلم اس پاکیزہ تعلیم کی دل سے قدر کریگا۔ اور معلم ربانی محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا لیڈر اور مقتدائے برحق مانیگا۔

غلط فہمیوں کا ازالہ

عام طور پر دیگر اہل مذاہب کے دلوں میں جو غلط خیالات ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے متعلق جاگزین ہیں۔ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ انہیں ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت صحیح واقعات نہیں پہنچے۔ یہ علمائے اسلام کا اولین فرض ہے کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات کو صحیح رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں۔ تاکہ جو غلط فہمیاں مخالفین اسلام کی زہر آلود تحریرات سے پیدا ہو چکی یا ہو رہی ہیں۔ ان کا کما حقہٗ قلع قمع ہو سکے۔ ہمارے علماء غفلت کے لحافوں میں پڑے سو رہے ہیں۔ وہ فرائض تبلیغ سے قطعاً غافل ہیں۔ دنیا پرستی نے انہیں اپنے دام میں پھنسا رکھا ہے۔ درحقیقت مخالفین اور شرارت کے گندہ لٹریچر کی اشاعت کی ذمہ واری ایک حد تک علماء پر ہی وارد ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہوتے۔ تو کم از کم محمد رسول اللہ رحمۃ للعالمین کی ذات گرامی کے خلاف کوئی لب گستاخی کی کبھی جرأت نہ کر سکتا۔

قادیانی جماعت کا بہترین کام

ہم امام جماعت قادیان کی ان مساعی کو ہر طرح سے بنظر پسندیدگی دیکھتے ہیں کہ وہ نبی مقدس صلوٰۃ اللہ علیہ کے متعلق غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کرتے ہیں اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں سالانہ انعقاد مجالس کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ ایک بہت مبارک کوشش ہے۔ اور ہر مسلمان کو اس میں شامل ہو کر امداد کرنی چاہیئے۔ وباللہ التوفیق۔

گلابی اُردو کے موجد جناب ملا رموزی کے قلم سے

جناب مکرم ایڈیٹر صاحب الفضل

آپ کے متعدد گرامی نامے خاتم النبیین نمبر میں مضمون کے لئے مجھے پہنچے۔ میں نے پہلے ہی خط کے جواب میں عرض کیا تھا۔ کہ خاتم النبیین نمبر میں آپ نے مجھ ناچیز کے مضمون کے لئے جگہ نکال کر اور مجھ سے فرمائش کے ساتھ مضمون لے کر حقیقت میں آپ نے میری عزت و سربلندی کو دوبالا کر دیا +

میری موجودہ مصروفیت اور بعض پرچوں کے لئے ذمہ دارانہ مضامین کی تیاری میں مجھے جن موضوعات سے گذرنا ہوتا ہے۔ ان کے لئے کسی بلند اور زیادہ علمی مطالعہ کی حاجت نہیں۔ بلکہ میرے متعلقہ موضوعات کے لئے صرف تاریخ عہد قریب پر عبور کافی ہے۔ اس لئے حضور اقدس خاتم النبیین علیہ السلام ایسے بلند و برتر موضوع پر کچھ لکھنے کے لئے یا کسی "عالمانہ تبصرہ" کی نہ میرے اندر صلاحیت نہ جرأت۔ پھر بھی اس صاحب جلال و وقار نبی کی سیرت اور زندگی کے لئے کوئی خالص تحقیقی مضمون تیار کرنا بھی میرے لئے سرمایہ سعادت و شرافت تھا۔ لیکن آپ کے خط نے میرے سامنے سرکار دو عالم کی حیات اقدس کا ایک بالکل ہی اچھوتا اور کار آمد عنوان پیش کر دیا۔ امید ہے۔ کہ آپ اس عجیب و غریب تمہید والے مضمون میں اپنے واقعی اور صحیح تأثر کے اظہار پر مجھے معاف فرمائیں گے +

واقعہ یہ ہے۔ کہ میں عرصہ دراز سے زبان اُردو کے کثیر الاشاعت اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھ تو کیا رہا ہوں۔ اخبار نگار رہا ہوں اور جس کثرت سے لکھ رہا ہوں۔ وہ بھی آپ کے علم میں ہے۔ اور جس بیباکی اور بے خوفی یا بزدلی اور خوشامد سے لکھ رہا ہوں۔ وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔ گلابی اُردو سے لے کر روزمرہ یا مروجہ اُردو میں جس قدر بھی مضامین لکھے ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے۔ کہ ہر مضمون میں میری یہ دعا اور نیت شامل ہی ہے۔ کہ "میرا مضمون خدا کے بندوں کی اصلاح کا سبب بن جائے۔ دل آزاری اور تضحیک بے معنی کا نہیں۔ اور مضمون کے اندر اس نیت اور مقصد کے بعد پھر میں لکھنے میں جس درجہ بے باک۔ بے پرواہ یا گستاخ اور منہ زور بن جاتا ہوں۔ وہ آپ کے علم سے باہر نہیں پس اس طرز تحریر کے ساتھ مجھے یاد ہے کہ میں نے آپ کی جماعت۔ اور آپ کی جماعت کے سردار کے مقابل بھی لکھا ہے۔ اور بربنائے اعتقاد مخالف ہی لکھا ہے۔ جو یقیناً آپ کو اور آپ کی جماعت کے کسی رکن کو پسند نہ آیا ہوگا۔ اور نہ آنا چاہیئے۔ لیکن ان حالات کے علم و اثر کے باوجود آپ نے جب مجھ سے مضمون کے لئے بے تامل اور نہایت درجہ شریفانہ رنگ میں تحریک فرمائی۔ تو واللہ کہ آپ کے اس برتاؤ نے کچھ دیر کے لئے میرے قلب و دماغ کو معطل سا کر دیا۔ اور میری نظر معاً سرکار دوجہان علیہ افضل الصلوٰت والسلام کے اُس اسوۂ رنگین تک پہونچ گئی جو میّا ہوئی جس کا مقصد مخالفین سے بھی حسن سلوک اور لطف و کرم سے پیش آنا تھا۔ آپ کے اس برتاؤ نے حقیقت میں میرے سامنے حضور رسالت پناہ علیہ السلام کی خوش خلقی۔ مروت۔ حلم۔ بردباری۔ ضبط و صبر اور رحمت للعالمینی کے وہ حیات آرا پہلو روشن کر دئے۔ جن پر مدار و بقا ہے سوسائٹی یا انسانیت کا +

میرے ناچیز خیال میں آج مسلمانوں کے بین الاقوامی یا بین الاسلامی تعلقات کی خوشگواری اور استواری جس طرح بجائے خود ایک فوری اور قیمتی تدبیر ہے۔ ان کے عروج و استقلال اور صعود و ترقی کی جنسی حاجت ان تعلقات کے قیام و بقا کے لئے ایسے ہی حوصلے اور بردباری۔ حلم و خوش خلقی۔ مروت و رواداری بھی اس مقصد کا جزو اوّل ہے۔ میری حقیر رائے میں اگر مسلمانوں کے لئے کوئی مہلک ترین اور تباہ کن مصیبت ہو سکتی ہے۔ تو وہ ان کی "فرقہ بندی" اور "جماعت بندی" ہے۔ لیکن اگر مسلمان حضور رحمت دوجہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبۂ ضبط و صبر اور اپنے خیالات پر اختیار و اقتدار حاصل کر لیں۔ تو میں ایسی فرقہ بندی کو بھی بُرا نہیں سمجھوں گا۔ رسول خاتم النبیین علیہ السلام کے یوں تو جملہ اعمال و احکام برتر از تمنا۔ مدحت اور شائستہ تقلید و تقدیس ہیں۔ لیکن آج مسلمانان ہند کو خصوصیت سے حضور اقدس علیہ السلام کے جس طریق حیات کی تقلید و اتباع کی بے حد ضرورت ہے۔ وہ حضور والامراتب کا حلم و ضبط اور عفو و درگذر ہے۔ میرا دل اگر کسی حالت سے مُردہ ہوتا ہے۔ میرا دماغ اگر کسی چیز سے مختل اور معطل ہوتا ہے۔ تو وہ مسلمانوں کی موجودہ "باہم آویزی" ہے۔ اور یہ اس لئے کہ مجھے معلوم ہے۔ خود ذات رسالت پناہ علیہ السلام کے لئے کوئی اذیت رساں بات تھی۔ تو وہ مسلمانوں کی باہمی ناچاقی اور نااتفاقی ہے

نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعی رسول اور دنیا کے لئے رحمت عام اور مصلح اعظم ہونے کی بے شمار دلائل میں سے ایک یہ دلیل بھی ہے۔ کہ آپ کے بے شمار و بے اندازہ فرمانبرداروں میں ایک بھی ایسا نہیں۔ جسے آنحضور علیہ السلام کے ضروری حالات اور واقعات یاد اور معلوم نہ ہوں۔ میرے خیال میں اس وقت بھی دنیا میں کوئی ذی علم سے ذی علم اور روشن خیال سے روشن خیال قوم ایسی نہیں۔ جس نے اپنے کسی دینی و دنیوی "رہنمائے اعظم" کے حالات سے اس درجہ واقفیت پیدا کی ہو۔ جس درجہ حضور نبی عرب و عجم علیہ السلام کی ذات اقدس سے مسلمانوں کو ہے۔ اور حضور اقدس علیہ السلام کی حیات محترم کا یہی ایک ایسا پہلو ہے۔ جس پر مجھے اس درجہ اطمینان ہے۔ کہ اگر ہو۔ تو میں ہماری اقوام کو چیلنج کروں۔ کہ وہ اپنے اپنے ہادیوں اور رہنمایان عظام کے لئے اپنے اندر اس درجہ زبردست واقفیت اور محبت کو ثابت کریں جس درجہ مسلمانوں میں حضور نبی عرب و عجم علیہ السلام کے متعلق موجود ہے +

ذی ہوش مسلمان تو ایک طرف مسلمانوں کے کم عمر اور کم فہم بچوں میں بھی ایسا بچہ بدنصیب ہی ہوگا۔ جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام یاد نہ ہو۔ اور وہ اس نام کو عزت و احترام سے نہ لیتا ہو۔ پھر مسلمان مردوں کے مقابل مسلمان عورتوں کو حضور گرامی جاہ سے اتنی ہی محبت اور واقفیت ہے +

میرا یہ خیال بھی غلط نہیں۔ کہ حضور جہان پناہ سے جو واقفیت دوسری اقوام کے افراد میں پائی جاتی ہے۔ وہ خود کسی دوسری قوم کے ہادی سے نہیں۔ اور یہ سب کچھ محض حضور سرکار دوجہان کے اُن اعمال و اثرات کے نتائج ہیں۔ جو متعلق ہیں بندگان اقدس والے کی خوش خلقی و تواضع۔ رحم و شفقت۔ حلم و بردباری۔ اور عفو و درگذر سے۔ دشمنوں اور شدید ترین مخالفین سے حضور کا ضبط و درگذر ہی ہو سکتا ہے۔ جو حضور ممدوح علیہ السلام کی ذات کو غیروں میں اس درجہ محبوب و مقبول بنائے ہوئے ہے۔ "بلبعہد حاضر میں علوم دین کی تعلیم اُٹھ رہا ہے اور اسلامی قوتوں کے آثار و اثرات کے فنا ہو جانے کا یہ ایسا خوفناک اثر ہے کہ آج کل کے مسلمانوں میں کبر و نخوت کینہ بغض۔ حسد اور غرور و منافقت کے ایسے ذلیل جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ حیرت ہے۔ کہ جس قوم کو ایسا "خلق عظیم" اور "رحمت عالم نبی" ملے۔ اس کے اندر نفاق و منافقت کا وجود باقی رہے +

عہد حاضر کے مسلمانوں نے صحیح علوم دین کے فقدان اور غلط تر طریق تعلیم کے اثر سے اگر نبی آخر زمان علیہ السلام کی حیات اطہر کو سمجھنے میں کوئی غلطی کی ہے۔ تو وہ یہ کہ حضور گرامی کو صرف خدا سے ڈرانے والا یا عاقبت کے عذابوں سے دھمکانے والا پیغامبر سمجھا اور مسلمانوں کے جاہل طبقوں میں فقط اتنا ہی سمجھا گیا۔ جو زیادہ تر نتیجہ ہے تاریک دماغ اور بدعقل عربی دان لوگوں کے طریق وعظ و تفہیم کا۔ حالانکہ مقصد مبارک کبھی یہ نہ تھا کہ مسلمان دنیا میں عیش و آرام۔ حکومت و امارت اور فتح و فیروزمندی کی سعادتوں سے محروم رہیں۔ اور اخلاقیات کے کسی ایک حصہ کی بھی اُن میں کمی باقی رہ جائے۔ چنانچہ بدر و حنین کے وہ خونریز و خونبار میدان گواہ ہیں۔ جہاں حضور اقدس و انور نے شجاعت و شہامت اور جد و جہد کے نمونہ کے لئے اپنا عزیز و محبوب خون پانی کی طرح بہانے سے بھی دریغ نہ فرمایا۔ اور ... مسلمانوں کو ... سبق دیا تھا۔ کہ وہ کوشش اور سعی بلیغ کے ہر شعبہ میں اس درجہ بلند حوصلہ اور جفاکش رہیں +

پھر مسجد نبوی کی وہ صحبتیں شاہد ہیں۔ جہاں اُمور سلطنت کا

اور رموز مملکت کی اصلاح و تربیت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشتر لمحے گذرے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کو یہ نتیجہ اخذ کرنا تھا کہ دُنیا کی ساری فتحیں اور سربلندیاں اُن پر حلال اور آسان ہیں۔

مگر اب سوال ہے۔ تو یہ کہ آخر اس درجہ جامع کمالات نبیؐ کے پرستاروں میں افلاس۔ تنگ دستی جہل وجہالت۔ نا اتفاقی اور بداخلاقیوں نے کیونکر راہ پائی؟ اور کیا مسلمانوں میں ایک بھی نہیں جو حضورؐ گرامی مراتبؐ کے اعمال کا متبع ہو؟ اس کا جواب ایک۔ اور صرف ایک ہے۔ اور وہ یہی۔ کہ مسلمانوں میں حضور اکرم علیہ السلام کے احکام کی پابندی کے لئے تکمیل اور یکسانیت نہیں۔ اور جس قوم میں کسی حکم اور روایت کے احترام وعمل کے لئے وحدت ویکسانیت نہو۔ اس میں تنظیم وکامرانی کی دولت باقی نہیں رہ سکتی۔
اس لئے یہی ہو کہ ہم حضورؐ گرامی منزلتؐ کی ایک ایک عادت پر آج سے عامل ہوں۔ یہاں تک کہ مزاج میں حضور علیہ السلام کی جملہ عادتیں راسخ ہو جائیں۔ اور وقت کی سب سے زیادہ مفید وضروری عادت حضور علیہ السلام کا وُہ جذبۂ ضبط واختیار اور عفو والفت ہے۔ جو آج مسلمانوں کے سینے میں موجود ومکمل ہونا از بس لازم اور لابدّ ہے۔ مبارک وخوش نصیب ہے۔ وُہ مسلمان قوم جس کے نبیؐ آخر زمان نے اُسے سارے انسانوں کے دلوں پر حکومت کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ اور اس حکمرانی کا طریقہ یہی ہے کہ مخالف کی غلط کاری کو معاف کر دیا جائے۔ اور غصہ کو پاس نہ آنے دیا جائے اور غصے سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ چہرہ پہ ہر وقت اور ہر حال میں تبسم پیدا کیا جائے۔ والسّلام علی النبی المعظم

احسانات حضرت محمدؐ

(خاص الفضل کے لئے)

سبق وحدت کا دنیا کو دیا حضرت محمدؐ نے
دوئی کو دُور ہر دل سے کیا حضرت محمدؐ نے
اٹھا کر پردۂ بیگانگی دل ہائے عالم سے
اُنہیں رنگ آشنائی کا دیا حضرت محمدؐ نے
وہ حسرت اور پریشانی وہ وحشت اور پشیمانی
گریباں چاک تھا۔ آکر سیا حضرت محمدؐ نے
سبق پاکیزگی کا اور نیکی کا دیا سب کو
بڑا احسان دُنیا پر کیا حضرت محمدؐ نے
شریک دردِ مظلوماں۔ انیس حال محروماں
چلو اک عالم کا ہاتھوں میں لیا حضرت محمدؐ نے
کہا ہر اک کو ہمسایہ سے الفت کر محبت کر
دل آزاری سے بچ۔ فرما دیا حضرت محمدؐ نے

دُنیا پہ ہے احسان گرانبار محمدؐ

(لسان القوم جناب مولینا صفیؔ لکھنوی)

(خاص الفضل کے لئے)

اِس دفتر حکمت کو پڑھکر تو ذرا دیکھو، — اسلام کی گردن میں قرآن حمائل ہے
مذہب وُہی برحق ہے۔ جو تابع فطرت ہو، — فطرت کے مخالف ہے جو چیز وُہ باطل ہے
اخلاق کے سانچے میں ڈھالا ہے جس نے — وُہ فلسفیٔ اُمّیؐ کیا ایسا کامل ہے
جکڑا ہے قبائل کو زنجیر اخوت میں — دیکھا کہ تمدن خود محتاج وسائل ہے

اعجاز کی قوت سے پھر یہ بھی کیا ثابت
عرفان کا سرچشمہ ما فوق دلائل ہے

اعجاز ہی اعجاز تھے اطوارِ محمدؐ — رفتار محمدؐ ہو۔ کہ گفتار محمدؐ
وُہ سادگیٔ وضع۔ وُہ اندازِ مساوات — سرمایۂ آرائش دربار محمدؐ
سلمانؓ و سلیمانؑ میں نہ تھا فرق ہاں کچھ — تھا ظلِ ہما سایۂ دیوار محمدؐ
اقوام کو کس قعرِ مذلت سے نکالا — دُنیا پہ ہے۔ احسان گرانبار محمدؐ
اللہ غنی! بذل۔ کہ رہتے تھے ہمیشہ — وقفِ فقرا درہم و دینار محمدؐ
اسلام جو ہے آشتی و امن کا پیغام — ہے اصل میں وُہ مسلک ہموار محمدؐ
فطرت کے قوانین کا مجموعہ ہے اسلام — ہر قلب حق آگاہ طرفدار محمدؐ
مقصود نہ تھی جنگ سے تسخیر ممالک — پیکار حکیمانہ تھی۔ پیکار محمدؐ
اِس وقت دیا اذن پئے جنگ دفاعی — ہونے لگے مقتول جب انصار محمدؐ
آقائے دو عالم کے غلاموں سے تو پوچھو — آزادوں سے بہتر تھے گرفتار محمدؐ

ہم جنسوں کی اصلاح میں کل عمر بسر کی
اللہ رے صفیؔ جذبۂ ایثار محمدؐ

پیدائش سے قبل اولاد کیلئے دُعا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچوں سے بہت محبت تھی چنانچہ حضورؐ نے بچوں کی بہتری اور بھلائی کے لئے بچوں کے والدین کو اُن کی پیدائش سے پہلے کثرت سے دعائیں کرنے کا حکم دیا تاکہ بچے پیدائش کے بعد والدین کے لئے راحت۔ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ملک کیلئے مفید ثابت ہوں اور قوم کے لئے مفید وجود اور اپنے رب کے فرماں بردار بندے ثابت ہوں۔ علاوہ اور دعاؤں کے جو احادیث یا قرآن مجید میں ہیں۔ یہ دعا کتنی جامع ہے۔ ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما ہ

بچہ کی پیدائش پر صدقہ

بچوں کی پیدائش پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقیقہ کے رنگ میں بکرے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جو ایک قسم کا صدقہ ہے۔ اور صدقہ سے مصائب دور ہوتے ہیں۔ گویا پیدا ہونے والا بچہ تکالیف سے محفوظ ہے پھر بچے کے بال اتروا کر اس کے برابر سونا یا چاندی وزن کر کے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس سے بھی بچے کے سر سے آفات کے دُور ہونے کی غرض معلوم ہوتی ہے ❖

اولاد کا اکرام

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جنت میں خاص دروازہ ہے۔ وہ صرف ان لوگوں کے لئے کھولا جائے گا۔ جنہوں نے اپنی اولاد کو خوش کیا۔ اور ان کا اکرام کیا۔ کیونکہ اولاد کا اکرام دوزخ سے پردہ ہے۔ پھر آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ اپنی اولاد کا محبت اور پیار سے بوسہ لیا کرو۔ یہاں تک کہ لڑکی پانچ برس کی۔ اور لڑکا سات برس کا ہو جائے ❖

بدنی سزا کی ممانعت

جو لوگ غصہ میں مجنون ہو کر بچوں کو سزا دیتے وقت ان کی ہڈی پسلی توڑنے تک سے دریغ نہیں کرتے۔ انہیں اس قسم کی سزا دینے سے منع فرمایا۔ اور خاص کر منہ پر مارنے سے قطعاً روک دیا۔ بلکہ اولاد کی اصلاح کے لئے معمولی سزا اور زیادہ تر دُعا سے ہی اصلاح کا حکم دیا ❖

قتل اولاد کی ممانعت

قرآن میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولا تقتلوا اولادکم۔ اپنی اولادوں کو قتل مت کرو۔ اس میں بچوں کو ہر رنگ میں قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اولاد کو دینی تعلیم نہ دینا دین کے لحاظ سے قتل کرنا ہے۔ زمانہ کی ضروریات کے مطابق تعلیم نہ دینا دنیوی لحاظ سے قتل کرنا ہے۔ بیماری میں توجہ سے علاج نہ کرنا جسمانی لحاظ سے قتل کرنا ہے اچھا نہ کھانا اچھے گھروں میں رشتہ نہ کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب ایک رنگ میں اولاد کا قتل ہیں گویا ان تمام باتوں کی طرف والدین کو متوجہ کیا گیا۔ تاکہ وہ اپنی اولاد کی پرورش میں کسی طرح کی غفلت نہ کریں ❖

لڑکیوں کی تربیت پر زور

چونکہ دُنیا میں عموماً لڑکی کی نسبت لڑکے سے محبت زیادہ کی جاتی ہے اس لئے حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکیوں کی پرورش اور ان کے حقوق کی نگہداشت پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں۔ اور وہ انہیں دین اور ادب سکھائے۔ اور ان کا کسی نیک بخت سے نکاح کر دے تو وہ اور میں جنت میں اس طرح ہونگے۔ جیسے دو انگلیاں۔ ایک انصاری عورت نے عرض کی۔ یا رسول اللہ اگر دو ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ خواہ دو ہوں ❖

بچوں سے محبت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچوں سے اس قدر محبت تھی کہ خاص عبادت کے وقت بعض دفعہ جب حضورؐ سجدہ میں ہوتے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السّلام جو آپؐ کے نواسے تھے۔ آپؐ پر سوار ہو جاتے۔ تو حضورؐ سجدہ سے سر نہ اُٹھاتے جب تک کہ حضرت امام حسینؓ خود بخود نہ اُتر آتے ❖

حضورؐ کے زمانہ میں عورتیں بھی مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتی تھیں جب کبھی کسی عورت کے بچے کے رونے کی آواز آپؐ کے کان مبارک میں آتی۔ تو آپؐ الحمد شریف پڑھ کر چھوٹی سورت پڑھتے اور نماز جلدی ختم کرتے تاکہ بچے کو اور اس کی والدہ کو تکلیف نہ ہو۔ نیز ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی (جو کہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب کی صاحبزادی تھیں) کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ گویا بچوں سے حضورؐ کو اتنی محبت تھی۔ کہ خدا تعالیٰ کی عبادت میں بھی بعض موقعوں پر ان کو ساتھ رکھتے۔ تاکہ ان پر بھی نماز کے برکات کا اثر ہو ❖

لڑکیوں کا ورثہ میں حصّہ

لڑکیوں کو لوگ ورثہ سے محروم رکھتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ظلم بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے قرآن مجید میں حکم نازل ہونے پر دُور کر کے ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ پھر حضورؐ نے لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق فرمایا۔ کہ ایک لڑکی کے بے دین رہنے سے چار آدمی بگڑ جائیں گے۔ اس کا باپ۔ اس کا بھائی۔ اس کا خاوند اور اس کا بیٹا ❖

یتیموں سے سلوک

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیم بچوں کے ساتھ سلوک کرنے کے متعلق تعلیم دی۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آتا ہے۔ فاما الیتیم فلا تقھر۔ کہ یتیم پر سختی نہ کرو۔ اور فرمایا۔ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والے جنت میں ساتھ ہونگے ❖

بچہ کی پاک فطرت کا ذکر

غیر مذاہب کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ انسان پیدائشی ہی گنہگار ہوتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ یعنی ہر بچہ معصوم اور دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین یا مربی اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اس طرح آپؐ نے بچہ کی فطرت کو پاکیزہ قرار دیا ❖

بچوں پر شفقت

جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی گلی کوچہ میں سے گزرتے۔ تو بچے آپؐ کے گرد جمع ہو جاتے۔ آپؐ ان سے محبت و پیار کی باتیں کرتے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ بچہ اُسی کی طرف بھاگ کر جاتا ہے جس سے اسے شفقت اور مہربانی پاتا ہے۔ مگر ناتجربہ کار لوگ سمجھا کرتا ہے۔ جس سے بچے بھوت کی طرح ڈریں ❖

یہ ہیں۔ اس رحمۃ للعالمین کے بچوں پر احسان اور رحمتوں میں سے کچھ مثالیں جس کو خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔ اور اپنے بندوں کو حکم دیا۔ کہ دعا کیجیو۔ اس پاک رسول نبیوں کے سردار پر۔ اللھم صل علی محمد وعلی اٰل محمد وبارک وسلم انک حمید مجید

نبی کریمؐ کا پاکیزہ کلام عورتوں سے

(از محترمہ مبارکہ بیگم صاحبہ قادیان)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ ملکی معاملات اور قوم کی دینی اصلاح میں ہر وقت مصروف رہتے۔ مگر بعض وقت تفریح و مذاق بھی فرماتے۔ لیکن آپؐ کی خوش مذاقی میں بھی اصلاح اور پاکیزگی کا رنگ ہوتا۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے :-

۱۔ ایک دفعہ عورتوں کی مجلس میں فرمایا۔ کوئی بوڑھی عورت جنت میں داخل نہ ہوگی۔ اس پر ایک بوڑھی عورت کو بہت فکر لاحق ہوئی۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ یا رسول اللہ کیا کوئی بوڑھی عورت داخل جنت نہ ہوگی آپؐ نے فرمایا۔ ہاں جنت میں سب لوگ جوان ہونگے ❖

۲۔ ایک دفعہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم میں سے سب سے پہلے اگلے جہان میں لمبے ہاتھوں والی مجھ سے ملے گی۔ امہات المومنین نے ظاہری ہاتھ لمبے اور اپنے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کئے۔ مگر لمبے ہاتھوں سے مراد فیاض اور سخی بی بی تھیں ❖

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ جبکہ چھوٹی عمر کی تھیں۔ ان کی پروں والی گڑیاں طاق میں رکھی دیکھیں۔ تو فرمایا۔ عائشہ گڑیوں کے بھی پر ہوتے ہیں۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے پروں کا ذکر جو آیا ہے۔ آپؐ مسکرا کر خاموش ہوگئے ❖

سب لوگ کبھی نہ کبھی رنگ میں خوش طبعی اور مذاق کی باتیں کرتے ہیں۔ مگر ہر مسلمان مرد اور عورت کو دیکھنا چاہئے کہ اس کی اس قسم کی گفتگو پاکیزگی اور سچائی کی حامل ہوتی ہے۔ یا نہیں۔ اور ہر ایسی گفتگو نہ صرف کرنے سے بلکہ سننے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔ جو پاکیزہ نہ ہو ❖

"إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ۔" میں اس وقت کسی خاص قوم کو بے وجہ ملامت کرنا نہیں چاہتا اور نہ کسی کا دل دکھانا چاہتا ہوں۔ نہایت افسوس سے آہ کھینچ کر مجھے یہ کہنا پڑا ہے کہ اسلام وہ پاک اور صلحکار مذہب تھا جس نے کسی قوم کے پیشوا پر حملہ نہیں کیا۔ اور قرآن وہ قابل تعظیم کتاب ہے جس نے قوموں میں صلح کی بنیاد ڈالی۔ اور ہر ایک قوم کے نبی کو مان لیا۔ اور تمام دنیا میں یہ فخر خاص قرآن شریف کو حاصل ہے جس نے دنیا کی نسبت ہمیں یہ تعلیم دی کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ یعنے تم اے مسلمانو! یہ کہو کہ ہم دنیا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں یہ تفرقہ نہیں ڈالتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو رد کریں۔ اگر ایسی صلحکار کوئی اور الہامی کتاب ہے تو اس کا نام لو۔۔۔۔ مگر افسوس کہ اس صلح کے نبی کو ہر ایک قوم گالی دیتی ہے اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے" (پیغام صلح مصنفہ حضرت مسیح موعود) ؛

غیر مذاہب سے معاملہ پر حضور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تعلیم عطا فرمائی ہے وہ اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہے ؛

ہر قوم کے بزرگوں کا ادب

سب سے پہلی بات جو حضور نے سکھلائی وہ ہر قوم کے بزرگوں کا ادب اور احترام ہے غور سے دیکھا جائے تو بہت سی لڑائیوں اور جھگڑوں کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے بزرگوں کا احترام نہیں کرتے۔ اور خیال کرتے ہیں کہ سوائے ہمارے باقی لوگ ازل سے خدا کے دروازہ سے دھتکارے ہوئے ہیں۔ ان خیالات کی موجودگی میں دلوں میں ہرگز سچی صفائی اور محبت پیدا نہیں ہوسکتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کشت و خون تک نوبت پہنچتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دے۔ یا اسکی ماں پر تہمت لگائے۔ تو کیا وہ مرنے مارنے کے لئے تیار نہیں ہو جاتا۔ پھر خدا کے ان بزرگ نبیوں کی ہتک کرنا۔ اور انہیں گالیاں دینا۔ جنکی غلامی اور اطاعت کے حلقہ میں ہنوز کروڑہا انسان داخل ہوں۔ اس کا مہلک نتیجہ نہ صرف جسم کو بلکہ روح کو بھی ہلاک کرکے دین و دنیا کو تباہ کر دیتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان جھگڑوں کا یہ اعلان کرکے کہ ان من امة الا خلا فيها نذير بالکل دروازہ بند کر دیا یعنے کوئی قوم بھی ایسی نہیں جس میں خدا تعالے کے نبی نہ گذرے ہوں۔ اس اعلان کے ذریعہ سے سب اقوام کے نبیوں کے تقدس کو قبول کرلیا گیا ہے اور خدا کی عامہ رحمت کو کسی خاص خاندان تک محدود نہیں کیا گویا نتیجہ یہ کہ وہ منافرت جو دائرہ ہدایت کے محدود کرنیکی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس ارشاد کو مد نظر رکھنے والے کے دل سے دور ہو جاتی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے۔ سب مذاہب کی اصل سچائی ہے۔ سب مذاہب خدا کے قائم کئے ہوئے اور اسکے جاری کئے ہوئے ہیں۔ پس ان سے بغض اور ان کا قطعی انکار خود خدا کے فضل کا انکار ہے ؛

کسی کی قابل عزت چیز کو برا نہ کہو

دوسری وجہ لڑائی جھگڑوں کی یہ ہوتی ہے کہ انسان کسی قوم کے بزرگوں کو تو برا بھلا نہیں کہتا لیکن اسکے اصول کو برا کہتا ہے۔ رسول کریم صلعم کے ذریعہ اللہ تعالے نے اس فعل سے بھی روکا ہے جیسا کہ فرمایا۔ لا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم۔۔۔ یعنے وہ چیزیں جنہیں دوسرے مذاہب والے عزت و توقیر کی نظر سے دیکھتے ہوں جیسے بت وغیرہ۔ انکو بھی گالیاں مت دو۔ کہ وہ پھر تمہارے خدا کو گالیاں دینگے۔ کیونکہ وہ اس خدا کو جانتے نہیں۔ یہ کتنی اعلےٰ تعلیم ہے کہ دوسرے مذاہب کے جو بزرگ سچے تھے انکے متعلق تو فرمایا کہ انہیں مان لو۔ اور جو چیزیں سچی نہ تھیں انکے متعلق کہہ دیا انہیں برا نہ کہو ؛

ہر مذہب میں خوبی

تیسری بات لڑائی فساد پیدا کرنے والی یہ ہوتی ہے کہ ایک مذہب والا دوسرے مذہب کی خوبیوں کو نہیں مانتا۔ رسول کریم صلعم کے ذریعہ خدا تعالے نے فرمایا وقالت اليهود ليست النصارى على شيء وقالت النصارى ليست اليهود على شيء۔۔۔ یعنے یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ میں کوئی خوبی نہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود میں کوئی خوبی نہیں۔ حالانکہ وہ تو کتاب الٰہی پڑھتے ہیں یعنی جب کتاب الٰہی پڑھتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ ہر ایک چیز میں خواہ وہ کتنی ہی بری کیوں نہ ہو خوبیاں بھی ہوتی ہیں۔ اور جب کوئی چیز کسی فائدہ کی نہ رہے تو وہ مٹا دی جاتی ہے۔ پس آپ نے یہ تعلیم دی کہ دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف کرو ؛

بنی نوع سے عدل اور احسان کی تعلیم

مختصر الفاظ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالے نے اس آیت میں ایک بے نظیر تعلیم دی ہے۔ فرمایا۔ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ۔ یعنے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کرو۔ اور عدل سے بڑھ کر احسان کا موقع اور محل ہو۔ تو وہاں احسان کرو۔ کیونکہ نیکی کے مقابل پر نیکی ادنیٰ درجہ کا آدمی بھی کر سکتا ہے۔ دوسرا درجہ احسان کا یہ ہے کہ ابتداءً آپ ہی نیکی کرنا۔ اور بغیر کسی کے حق کے اسے فائدہ پہنچانا۔ یہ پہلے درجہ سے مشکل اور اوسط درجہ کا خلق ہے۔ اور چونکہ احسان میں بھی یہ ایک مخفی بات ہے کہ احسان کرنے والا خیال کرتا ہے یعنے احسان کیا اور کم سے کم وہ اپنے احسان کے عوض میں شکریہ چاہتا ہے۔ اور بعض وقت اپنے احسان کی وجہ سے اس پر فوق العادت بوجھ ڈال دیتا ہے۔ اور اپنا احسان اسکو یاد دلاتا ہے۔ اسلئے آپ نے یہ تعلیم دی کہ بنی نوع انسان کے ساتھ ذی القربیٰ کا سا سلوک کرو یعنے بالکل احسان کا خیال نہ ہو۔ بلکہ ایک ایسی ہمدردی کے جوش سے نیکی صادر ہو جیسا کہ ایک نہایت قریبی مثلاً والدہ محض ہمدردی کے جوش سے اپنے بیٹے سے نیکی کرتی ہے۔ یہ وہ آخری درجہ ہے جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہیں۔ وہ لوگ جو اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہمارا مذہب عدل کی تعلیم دیتا ہے وہ حضرت رسول کریم صلعم کی اس بے نظیر تعلیم پر غور کریں۔ کس طرح بنی نوع انسان کے ساتھ طبعی ہمدردی اور طبعی جوش سے نیکی کرنے کا حکم دیا ہے ؛

مصائب پر صبر

اب میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا غیروں سے معاملہ بلحاظ تعامل کے متعلق چند امور پیش کرتا ہوں۔ تیرہ سال تک مکہ میں آپ پر اور آپ کے صحابہ پر مظالم توڑے گئے۔ بھائی نے بھائی کو چھوڑ دیا۔ اور باپ نے بچوں کو نکال دیا۔ اور عجیب طرح انکو جو آپ پر ایمان لاتے تکالیف دیجاتیں۔ انہیں جلتی ریت پر لٹایا جاتا۔ بھوکا پیاسا رکھ کر ہلاکت تک پہنچایا جاتا۔ انکی لاتوں میں رسیاں ڈالکر زمین پر گھسیٹا جاتا۔ لوہے کی میخیں گرم کرکے ان کا جسم جلایا جاتا۔ اور بعض دفعہ سوئیوں سے انکے چمڑے کو اس طرح چھیدا جاتا جس طرح کہ کپڑا سیتے ہیں۔ غرضیکہ اہل مکہ کے ان دردناک مظالم کو دیکھ کر آپ اہل طائف کو (طائف مکہ سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر ایک پرانا شہر ہے) پیغام حق پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے۔ لیکن وہ لوگ مکہ والوں سے بھی زیادہ ظالم ثابت ہوئے۔ پہلے تو انہوں نے گالیاں دیں۔ پھر کہا کہ شہر سے نکل جائیں۔ جب آپ واپس آرہے تھے تو بدمعاشوں اور کتوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ پتھر پر پتھر چاروں طرف سے آپ پر پڑتے تھے اور کتے پیچھے دوڑتے تھے سر سے پاؤں تک آپ خون سے تر بتر تھے۔ مگر اسوقت ان ظالموں کی نسبت اس سنگباری کے وقت جو الفاظ آپ کی زبان پر جاری تھے وہ یہ تھے کہ اے خدا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ میں انکو جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ درست اور سچ ہے۔ اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں اچھا سمجھ کر رہے ہیں۔ اسلئے تو انپر ناراض نہ ہو۔ اور انپر عذاب نازل نہ کر۔ بلکہ انکو سچائی کے قبول کرنیکی توفیق دے" ایسی تکلیف کے وقت ایسے محبت بھرے الفاظ کا ادا کرنا کیا اس سے بڑھ کر انسانی ہمدردی کی مثال کہیں مل سکتی ہے؟

اس واقعہ کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ جب آپ تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے تو ملک الجبال سامنے آیا اور کہا یا رسول اللہ اگر حکم ہو تو پہاڑ اس بستی پر گرا کر اسے زیر و زبر کر دوں۔ آپ نے فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ ایسا مت کیجیو۔ اگر ان لوگوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو خدا انکی نسلوں میں سے ایسے لوگوں کو کھڑا کریگا جو سچے خدا کی عبادت کرینگے اور اسلام کے جھنڈے کو دنیا میں بلند کرینگے ؛

عفو کی بے نظیر مثال

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل مکہ پر فتح دی۔ اور وہ مکہ جہاں سے آپ کو نکالا گیا تھا۔ وہاں آپ فاتحانہ حیثیت میں بطور بادشاہ داخل ہوئے تو مکہ کے لوگ کانپ رہے تھے کہ اب نا معلوم ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ مدینہ کے لوگ جنہوں نے تو وہ ان ظلموں کو دیکھا تھا جو آپ کو اور آپکے صحابہ کو دی گئیں مگر دوسروں سے سنا تھا وہ ان تکالیف کا خیال کرکے کہ والوں کے خلاف جوش میں بھرے ہوئے تھے مگر جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو سب لوگوں کو جمع کرکے یہ اعلان کیا کہ "اے لوگو! آج میں ان سب قصوروں کو جو تم نے میرے حق میں کئے ہیں معاف کرتا ہوں تم کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ اور نہ تم سے کوئی بدلہ لیا جائے گا" یہ ہے عفو کی بے نظیر مثال کہ دردمندوں کے سے ظالم دشمنوں پر فتح اور قابو پاکر پھر انہیں معاف کر دیا۔ اور یہی وہ اخلاقی تلوار تھی جس نے انکے دلوں کو ایسا گھائل کیا کہ انکی گردنیں جھک گئیں اور وہ اسلام کے سچے خادم بن گئے۔

عہد کا احترام

ایک دفعہ آپ ایک ہزار دشمن کے مقابلہ میں صرف تین سو آدمی کے ہمراہ جا رہے تھے کہ اسوقت راستہ میں دو آدمی آپ کو ملے۔ آپنے دریافت کیا کسطرح آئے ہو۔ انہوں نے کہا اسلام لانیکے لئے ہم مکہ سے آئے ہیں مگر وہاں کہہ آئے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی مدد کے لئے نہیں جا رہے۔ آپنے فرمایا یہ کہہ کر آئے ہو تو ہمارے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہو اور وعدہ جو کرکے آئے ہو اسکے خلاف مت کرو۔" اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عہد خواہ غیروں سے ہو کس طرح آپ اسکی پابندی کراتے تھے حتیٰ کہ جو دشمن جنگ کر رہا ہو اس سے عہد کو بھی پورا کرانے تھے +

انصاف اور عدل کی ایک مثال

جنگ بدر میں آپکے چچا حضرت عباس قید ہو گئے۔ حضرت عباس دل سے مسلمان تھے اور ہمیشہ حضرت کی مدد کیا کرتے تھے مگر کفار کے زور دینے پر انکے ساتھ ملکر بدر کی جنگ میں شریک ہوئے۔ قید ہونے پر دوسرے قیدیوں کے ساتھ ہی انہیں بھی رسیوں سے باندھ دیا گیا۔ چونکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور اس زمانہ کے لحاظ سے لیتے ماں نہیں تھے۔ کہ قیدیوں کے بھاگنے کی روک تھام کی جاتی۔ اسلئے رسیاں خوب مضبوطی سے باندھی گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عباس جو نہایت نازو نعمت میں پلے ہوئے تھے اور امیر آدمی تھے اس تکلیف کی تاب نہ لاسکے اور کراہنے لگے۔ انکے کراہنے کی آواز سنکر رسول کریم صلعم کو سخت تکلیف ہوئی اور صحابہ نے دیکھا کہ آپ کبھی ایک کروٹ بدلتے ہیں کبھی دوسری انہوں نے سمجھ لیا کہ آپکی اس بے چینی کا باعث حضرت عباس کا کراہنا ہے۔ اس لئے انہوں نے چپکے سے حضرت عباس کی رسیاں ڈھیلی کر دیں۔ تھوڑی دیر بعد جب آپکو انکے کراہنے کی آواز نہ آئی تو آپنے پوچھا کہ عباس کو کیا ہوا ہے کہ انکے کراہنے کی آواز نہیں آتی۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپکی تکلیف کو دیکھکر ہم نے انکی رسیاں ڈھیلی کر دی ہیں۔ آپنے فرمایا۔ یا تو سب قیدیوں کی رسیاں ڈھیلی کر دو۔ یا عباس کی بھی سخت کر دو"+

غیروں کی عبادت کا احترام

ایک دفعہ کچھ عیسائی آپکے پاس آئے اور مسجد میں بیٹھ کر بحث کرتے رہے حتیٰ کہ انکی عبادت کا وقت ہو گیا۔ اور وہ عبادت کے لئے مسجد باہر جانے لگے۔ تو رسول کریم صلعم نے انہیں فرمایا کہ یہاں ہی عبادت کر لو۔ چنانچہ انہوں نے مسجد میں اپنے طریق پر عبادت کی۔ اور آپ بیٹھے دیکھتے رہے +

غیروں کے اعلیٰ اخلاق کا احترام

ایک جنگ میں حاتم طائی کی لڑکی اور اس کا قبیلہ گرفتار ہو کر آئے۔ اس لڑکی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرا باپ بڑا سخی تھا۔ وہ غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ ننگوں کو کپڑے پہناتا تھا۔ یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری کرتا تھا۔ پس آپ ہم کو رہا کر دیں۔ اور دوسرے قبیلوں کو ہم پر نہ ہنسوائیں۔" آپ نے سنکر فرمایا کہ تیرا باپ نیک اخلاق رکھتا تھا اور خدا بھی اچھے اخلاق کو دوست رکھتا ہے پس جاؤ تم کو رہا کیا۔ اسپر ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ کیا خدا اچھے اخلاق کو دوست رکھتا ہے۔ آپنے فرمایا ہاں خدا کی قسم کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جبتک اسکے اخلاق اچھے نہ ہوں"+

اعلیٰ اخلاق کی چند مثالیں

(۱) حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ چند یہودی آپکے پاس آئے اور بجائے السلام علیکم کے) السام علیکم کہا (یعنی تم پر موت آئے) میں اسکے معنے سمجھ گئی اور میں نے کہا علیکم السام واللعنۃ (یعنے تم پر موت اور لعنت ہو) تو آپنے فرمایا ٹھیرو عائشہ۔ اللہ ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ میں نے کہا کیا آپ نے نہیں سنا ان یہودیوں نے کیا کہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں میں نے جواب میں کہدیا تھا علیکم (تم پر) اپنی طرف سے بُرے لفظ کو دوہرانے کی کیا ضرورت تھی۔ (بخاری)

(۲) انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ایک دہقانی مسجد میں آکر پیشاب کرنے لگا۔ آدمی اسے مارنے کو دوڑے۔ آپ نے انہیں روکا۔ اور فرمایا اس کا پیشاب بند مت کرو۔ اسے پیشاب کر لینے دو۔ جب وہ کھڑا ہوا تو آپ نے پانی کا ڈول منگا کر اس جگہ بہا دیا۔ اور اسکو نرمی سے سمجھایا کہ یہ مسجد میں خدا کی عبادت کرنیکی جگہ ہیں۔ یہاں پیشاب کرنا اور کوڑا کرکٹ ڈالنا منع ہے (بخاری)

(۳) ایک یہودی کا آپ پر کچھ قرض تھا۔ اس سے روپے دینے کا وعدہ تھا وہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ اس نے آپ کی خدمت میں آکر سخت تقاضا کیا۔ وہ جوں جوں سختی کرتا۔ آپ نرمی سے جواب دیتے۔ آخر کار وہ کہنے لگا۔ تمہارے خاندان میں ایسی نا دہندگی چلی آتی ہے۔ یہ بات سنکر حضرت عمرؓ کو غصہ آیا۔ اُسے دھمکایا اور کہا اگر تو اس پاک مجلس میں نہ ہوتا۔ اور ایسی بے ادبی کی باتیں کرتا تو میں تیری گردن مارتا۔ آپنے حضرت عمرؓ کی یہ بات سنکر فرمایا کہ عمر تمہیں چاہیئے تھا کہ مجھے یہ کہتے کہ قرض ادا کرو۔ اور اسکو سمجھاتے کہ نرمی سے تقاضا کر جبر کرنا اور غصے ہونا نہیں چاہیئے تھا۔ جاؤ اب اس کا قرض ادا کر دو۔ اور جھگڑنے جھڑکنے کے عوض اُسے کچھ زیادہ دے دو +

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہندوؤں میں عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(از جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی)

"الفضل" اخبار کے خاص نمبر میں یہ اطلاع خاص مضمون بھی جا سکتی ہے کہ ہندوؤں میں لاکھوں آدمیوں کی ایک ایسی جماعت ہے جنکو حضور محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے اور وہ ہم مسلمانوں کی محبت رسول کو اپنی محبت کے مقابلہ میں بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تصور کرتے ہیں +

اس جماعت کا نام پری نام پنتھ ہے جسکے لفظی معنی آخری مذہب کے ہیں۔ اس جماعت کو معراج پنتھی بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ سندھ میں۔ کاٹھیاواڑ میں پنجاب میں۔ اور سنٹرل انڈیا کی ریاست پنا میں پائے جاتے ہیں۔ انکے خاص مقام (مندر) جام نگر۔ کاٹھیاواڑ شہر راجکوٹ کاٹھیاواڑ۔ اور پنا ریاست میں ہیں انکی ایک کتاب بھی ہے جسکو یہ لوگ قلزم سروپ کہتے ہیں۔ ان لوگوں کے نام ہندوانہ ہیں معاشرت بھی ہندوانہ ہے مگر آخر زمانہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انکو خاص محبت ہے خصوصاً معراج کا انکو بہت زیادہ عقیدہ ہے۔ اور حضرت امام مہدی کے ظہور کو برحق تصور کرتے ہیں اور ظہور کے منتظر ہیں +

ان کا عقیدہ ہے کہ ناسوت اور ملکوت مقامات فانی ہیں اور بقا مقامات جبروت و لاہوت کو ہے وہ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ کی ذات پاک کی پہچان صرف انکو ہوئی ہے کیونکہ وہی ان سے اصلی محبت کرتے ہیں اور مسلمانوں کی محبت محض کہنے کی ہے +

وہ اپنی کتاب قلزم سروپ کو غسل کے بغیر ہاتھ نہیں لگاتے میں نے راجکوٹ۔ کاٹھیاواڑ میں انکے ایک مقام کی زیارت کی تھی جہاں ایک موٹی اور لمبی قلمی کتاب رکھی تھی۔ اور دیوتاؤں کی مورتیاں بھی نہیں تھیں وہ محمد رسول اللہ کی مورتی اور چاروں اصحاب کی مورتیاں اور حضرت بی بی فاطمہؓ کی مورتی بھی رکھتے ہیں +

قلزم سروپ ہندی حروف میں ہے میں نے اسکو پڑھوا کر سنا اس میں آیات کلام مجید اور احادیث نبوی اور مثنوی مولانا روم اور گیتا اور پرانوں کے اقتباسات ہیں۔ اور اسکی زبان سندھی طرز کی ہے۔ اور بیان کا طریقہ صوفیوں جیسا ہے اور عبارت مقفےٰ ہے +

وہ جب محمد رسول اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو انکی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ اور ایک خاص جذبۂ الفت انکی باتوں میں معلوم ہوتا ہے انکی کتاب میں روح نے کلام کیا۔ اس لئے تانیث کا استعمال ہوتا ہے مثلاً لکھا ہے میں معراج عرش سے کہتی ہوں۔ میں انکی بات کہتی ہوں جو عرش

انکی تعداد ہندوستان کے مختلف شہروں میں بلا مبالغہ کئی لاکھ کے قریب ہے۔ ۵ مئی ۱۹۲۹ء کو انکے ایک اعلیٰ برج لال جی دہلی میں مجھ سے ملنے آئے تھے۔ جو پنجاب کے رہنے والے ہیں وہ بہت مخلص اور اپنے کیف میں سرشار معلوم ہوتے ہیں اور انکی خواہش ہے کہ میں انکے عقائد کی عالمگیر اشاعت کروں +

اس انکشاف سے ناظرین الفضل کو اندازہ ہوگا کہ اگر آج کل کے بعض دریدہ دہن مفتری اور مصنف محمد رسول اللہ کی توہین کرتے ہیں تو یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ساری ہندو قوم دشمن رسول ہے۔ کیونکہ ہندوؤں میں لاکھوں ایسے عشاق رسول بھی ہیں جن کا دعویٰ محبت ہم مسلمانوں کے دعویٰ الفت رسول سے بھی بڑھا ہوا ہے +

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اس وقت جبکہ اہل عرب دُنیا کی جہالت و ضلالت کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ ہر قبیلے کے بت (یعنی خدا) علیحدہ علیحدہ تھے۔ تہذیب و شائستگی سے منزا ظلم و شرک کے پتلے تھے۔ نفاق و خودغرضی ان کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑا مرنا۔ خاندانوں کا قتل کر دینا ان کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ خواہشات نفسانی کے غلام تھے۔ دختر کشی۔ عورتوں کے حقوق کی پامالی ان کے ہاں جائز تھی ایک عظیم الشان مصلح۔ جلیل القدر ریفارمر کی ضرورت تھی۔ جو ان پراگندہ لوگوں کو ایک مرکز پر لا سکے۔ سیاسی۔ تمدنی۔ اخلاقی اصلاحات کرے۔ نفاق و شرک کے خیالات فاسدہ کا استیصال کردے۔ سو اس صلاحی بیڑے کا ناخدا بنا کر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ہمارا سردار ہمارا آقا۔ ہمارا راہبر ہمارا شفیع۔ ہماری آنکھوں کا تارا مبعوث کیا۔ جیسا کہ کلام الٰہی میں ارشاد ہے۔ قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ کہہ دے اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کو جہالت وحماقت۔ ظلمت و ذلت کے تنگ و تاریک گڑھے سے نکال کر عروج کے تمام مدارج طے کرا سکے۔ ایسے ریگستان کے باشندوں کو جن کی مستقل رہائش نہ تھی۔ کوئی مقرر ٹھکانا نہ تھا۔ اونٹوں بکریوں کا دودھ پی کر کھجور اور جنگلی جانوروں کا گوشت کھا کر گذارہ کرتے تھے۔ وحشیوں کی طرح زندگی کے دن کاٹتے تھے۔ کوئی اخلاق کوئی آداب۔ کوئی علم۔ کوئی ہنر ان میں نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حیوان سے انسان۔ انسان سے با اخلاق انسان۔ اور با اخلاق انسان سے با خدا انسان بنا دیا۔ وہ ملک جسے ابراہیم خلیل اللہ نے اپنی مہاجرت کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ اس میں پیارے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا جھنڈا گاڑا۔ اور جس قوم کو نوح علیہ السلام نے غرق ہوتے دیکھا اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کے گرداب سے باہر نکالا۔ جس بیابان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جنت کی خواہش کرتے کرتے رخصت ہو گئے۔ وہاں ہمارے رہبر و راہنما آقائے نامدار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک ہاتھ سے لگے ہوئے درختوں نے توحید وحدت کے پھل لا کر جنگل میں منگل کر دیا۔ جس ملک میں خدا و خلیفہ مسیح صلیب پر لٹکائے گئے۔ وہاں کی صلیبوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دلائل کی رُو سے توڑ پھینکا ہے

اگر نام محمد را نیا وردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجیتا
نہ ایوب از بلا راحت نہ یوسف حشمت و شوکت
نہ عیسیٰ آں مسیحا دم نہ موسیٰ آں ید بیضا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وحشی قوم کو انسان بنانے کے بعد اسے تمام امور معاشرت سکھلائے۔ آداب و تہذیب اور تمدن سے آگاہ کیا۔ حفظ صحت کے قوانین تعلیم کئے۔ تجارت و حرفت و زراعت کے تمام اصول سمجھائے۔ حکومت۔ فرماں روائی اور سیاست کے قواعد و ضوابط وضع کر دیئے۔ جن میں تیرہ سو برس سے آج تک کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہیں پڑی۔

غرض آپ نے کیا بلحاظ روحانیت اور کیا بلحاظ دنیا اہل عرب کو کمال ترقی پر پہونچا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لا الٰہ الا اللہ منوانے کے لئے تمام امتوں کو دعوت دی۔ جس کی وجہ سے کفار نے ہزار ہا قسم کی ایذائیں پہنچائیں۔ گردن میں رسیاں ڈال کر گلا گھونٹنا چاہا جس جگہ آپ سچے دین کا وعظ فرماتے۔ کفار رخنہ ڈالتے۔ تمسخر و مذاق اُڑاتے۔ ڈھیلے پھینکتے۔ آپ پر کوڑا کرکٹ ڈالنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ ہر قسم کی ایذا دیتے۔ اور ایذا دہی کے منصوبوں میں مصروف رہتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب دلدوز تکالیف زبونوں کو لا الٰہ الا اللہ منوانے کی خاطر کشادہ پیشانی برداشت کیا۔ زمانہ کے رؤسا و حکمرانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی اگر دولت کی ضرورت ہو۔ تو دولت لیجئے۔ اگر حکمرانی کی خواہش ہو۔ تو حکمران بن جائیے۔ اگر کسی حسین وجمیل خاتون کی ضرورت ہو۔ تو اس سے شادی کر لیجئے۔ لیکن ہمارے بتوں کی توہین سے باز آ جائیے۔ علیٰ ہذا القیاس کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرف سے ہر قسم کا لالچ دے کر اصل کام سے روکنا چاہا۔ لیکن خدائے واحد کے سچے پرستار نے فرمایا۔ اے دنیا کے کیڑو مجھے تمہاری دولت کی ضرورت نہیں۔ حکمرانی کی خواہش نہیں۔ کسی حسین عورت کی ضرورت نہیں۔ مجھے مخلوق خدا کو لا الٰہ الا اللہ منوا کر وحدت کے جھنڈے کے نیچے لانا ہے اگر تم سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دو تب بھی میں اپنے اس کام سے جو اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کیا ہے نہیں رکوں گا۔ آخر آپ نے وہ انقلاب پیدا کیا۔ جس سے اہل عرب کا سکہ تمام دوسری حکومتوں پر جم گیا۔ یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اسلامی پرچم جابجا بلند میناروں پر لہرانے لگا۔ اور بلند چوٹیوں سے نہایت شیریں آواز سے اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ تمام عالم میں گونجنے لگا۔ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار اور لاکھوں لاکھ رحمتیں اور برکتیں اس بےنفس اور بےغرض انسان پر نازل ہوں۔ جس نے گمراہ اور ستمدیدوں کے گمنشتوں کی اول آواز کو باعنی آواز سے جو کہ مکمل توحید ہے۔ بدل دیا۔ یہی وہ مرکزی شخص ہے جس نے مشرکوں۔ توہم پرستوں۔ ڈاکوؤں۔ چوروں۔ زانیوں۔ شرابیوں۔ خائنوں اور مفسدوں کو متقی و پرہیزگار متقی۔ صالح۔ صدیق۔ عفیف۔ شجاع اور اہل اللہ بنا کر دنیا کا استاد۔ فاتح اور مصلح بنا دیا۔

ایک طرف اس انقلاب کو دیکھو۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری دُنیا میں پیدا کر دیا۔ اور دوسری طرف آپ کی سادگی اور بےنفسی ملاحظہ ہو۔ آپ اپنے مویشی کو چارا آپ ڈالا کرتے۔ کپڑے کو پیوند آپ لگا لیتے۔ اپنا جوتا آپ گانٹھ لیتے۔ بازار سے سودا خرید لاتے۔ گھر میں صفائی کر لیتے۔ بکری کا دودھ دوہ لیتے۔ اپنی معاش کے لئے مزدوری کرنے سے کوئی عار نہ تھی۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا ہے میں چند قراریط کے لئے اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ آپ تجارت کرتے تجارت کرنے میں آپ نے دیانتداری۔ راست بازی۔ عہد کی پابندی اور معاملات کی صفائی کی وجہ سے اعلیٰ وارفع لوگوں میں خاص شہرت حاصل کر لی۔ سبحان اللہ صفحۂ عالم پر نگاہ ڈالو۔ تواریخ کے اوراق الٹو۔ اور غور سے مطالعہ کرو پھر دیکھو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا بحیثیت ایک کارکن اور بادشاہ ہونے کے اور کیا بلحاظ بھائی اور انسان ہونے کے۔ کیا بحیثیت باپ و خاوند ہونے کے کیا بلحاظ معلم و نبی و مدبر و جرنیل ہونے کے۔ کیا بلحاظ خلوت اور جلوت۔ کیا بلحاظ عبادت اور ریاضت۔ کیا بلحاظ حسن معاشرت اور اعلیٰ درجے کے اخلاق۔ کیا بلحاظ آداب مجالس اور بزرگوں کی عزت و حرمت کے اور کیا بلحاظ غیرت دینی۔ تقویٰ اللہ۔ ایمان باللہ اور اصلاح اقوام کے صفحۂ دنیا پر کہیں آپ کی مثال مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

پیارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کی نسبت کہوں گی مثلاً لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر۔ کہ تیرے جیسا شخص نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا۔ نہ کسی کان نے سنا۔ اور نہ کسی انسان کے دل میں ہی گذرا۔ سچ ہے ؎

گئے دونوں جہان نظر سے گذر تیری شان کا کوئی بشر نہ ملا۔

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی شعبۂ زندگی ایسا نہ تھا۔ جس میں آپ کا کمال حسن ظاہر نہ ہو۔ پھر علم کا وہ سمندر کہ اسلام کا ہر شعبہ آپ کے افعال کی بنا پر قائم ہوا۔ رحمۃ للعالمین کا خطاب جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا۔ تمام عالم پر چمکتے ہوئے سورج کی طرح ظاہر ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد آپ کے لئے موجود ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو۔ تو میری پیروی کرو۔ وہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید

عورت اور سفر

ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے۔ اس کے لئے جائز نہیں۔ کہ وہ بغیر خاوند یا محرم رشتہ دار کے ہمراہ ہونے کے ایک دن اور رات کا سفر بھی کرے (بخاری)

نبوت اور خلوت

انبیاء علیہم السلام کی بے لوث فطرت اور پاکیزہ سرشت۔ نمود و نمائش کی خواہش سے مبرا ہوتی ہے۔ وہ اہل دنیا اور ان کی مدح و ثنا کو محض بے حقیقت سمجھتے ہیں۔ ان کی نگاہ اسی ذات پر ہوتی ہے۔ جو ذرہ ذرہ کی عالم اور جس کی تعریف حقیقی تعریف ہوتی ہے۔ سو وہ فنا کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔ نفسانیت کو مٹا کر۔ انانیت کو کچل کر مرف آستانۂ الوہیت پر ناصیہ فرسا ہو جاتے ہیں تب رحمت خداوندی جوش مارتی ہے اور ان کے دامن کو اپنے افضال سے بھر دیتی ہے۔ بلکہ آسمانی خزانوں کی چابی ان کو دی جاتی ہے۔ جس پردہ کھولتے ہیں۔ اس کے لئے آسمانی دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور جس پردہ بند کرتے ہیں۔ وہ شقاوت سے حصہ پاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا: ؎

وقد غوصت فی بحر الفنا
فصدفت کفی یدی ابھی اللآلی

انبیاء کرام کی سوانح حیات پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ انتہائی طور پر خلوت پسند ہوتے ہیں۔ دنیا کی شہرت و عزت کو عار خیال کرتے ہیں۔ وہ دنیا کی طرف منہ نہیں کرتے۔ جب تک کہ قدرت کا زبردست ہاتھ مجبور کر کے ان کو باہر نہیں لاتا۔ بے شک وہ بنی نوع انسان کے سب سے بڑے ہمدرد اور خیرخواہ ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ انہیں اس خیرخواہی پر کوئی صلہ مطلوب نہیں ہوتا اس لئے خلوت نشینی کی مضطربانہ خواہش اور خالق کل سے کامل وابستگی کی خاطر وہ زاویہ نشین ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرق پر کاربند رہتے ہیں۔ تاوقتیکہ انہیں نداے آسمانی "قُمْ فَاَنْذِرْ" کا ارشاد نہیں فرماتی۔ گویا خلوت اور نبوت کا نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے غرض ہر نبی کا یہی مقولہ ہوتا ہے: ؎

ابتدا سے گوشۂ خلوت رہا مجھ کو پسند
شہرتوں سے مجھ کو تھی نفرت ہر اک عظمت سے عار

خلوت کی زندگی پر تبصرہ کی اہمیت

انسانی زندگی کے دو بڑے پہلو ہوتے ہیں۔ اول وہ جس میں انسان عام دنیا کی نظروں کے سامنے ہوتا ہے۔ اور دنیا کی تعریف و مذمت کا نشانہ بنتا ہے۔ دوم جب اس کے اعمال کے دیکھنے والوں کا دائرہ نہایت محدود ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو انسانوں میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں ہوتا صرف "خدا دیکھتا ہے" کا زبردست یقین اس کے کاموں پر نگرانی کرتا ہے۔ اول الذکر پہلو جلوت اور موخر الذکر حصہ کو خلوت سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے۔ کہ ہر شخص اپنی جلوت کو پاکیزہ اور عمدہ بنانے یا کم از کم پاکیزہ دکھانے کی کوشش کریگا۔ اور کرتا ہے۔ تا اسے لوگوں کی نظر میں وقار اور عزت حاصل ہو۔ بسا اوقات بڑے بڑے بدقماش انسان بھی اپنے آپ کو فرشتہ سیرت ظاہر کرتے ہیں۔ ع اے بسا ابلیس آدم روئے ہست۔ مگر بہت کم ہیں۔ جو اپنی اصلاح کی فکر کرتے ہیں۔ اور دل پاک بنا کر خلوت کی زندگی کو بھی مطہر بناتے ہیں۔ علماء بدکردار کے حق میں ایک بزرگ فرما گئے ہیں: ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند
چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

اصل نیکی تو یہی ہے۔ جس کا دل بھی پاک ہو۔ اور خلوت و جلوت میں ہر وقت پاکیزگی اس کا شیوہ ہو۔ "سریرتہ خیر من علانیتہ" کا نمونہ ہو۔ انسان ظاہرداری کی خاطر بہت حد تک بلند آہنگ دعاوی کے لئے اخلاق و اعمال میں بھی تصنع اور بناوٹ اختیار کر لیتا ہے۔ مگر خلوت کی زندگی ایسی ہے۔ جو انسان کے ظاہر کی گواہ اور اس کے قلبی اعتقادات کی شاہد ہوتی ہے پس خلوت کی

خلوت نبوی اور تاریخ

ہادیان مذاہب میں سے سراپا حمد یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ذات ستودہ صفات ہے۔ جن کی زندگی کے نمایاں کارناموں بلکہ آپ کی ہر حرکت و عمل سے صفحات تاریخ مزین ہیں۔ دشمن اور دوست آپ کے افعال کے شاہد ہیں۔ اور اپنے و بیگانے آپ کے ثناخوان۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ امتیازی صفت اور بھی روشن ہو جاتی ہے جبکہ ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی خلوت کا بھی بیشتر علم تاریخی طور پر موجود ہے۔ میں یہاں تک غور کرتا ہے۔ اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یگانہ پایا ہے۔ دنیا میں بہت سے ایسے مذاہب ہیں۔ جن کے بانیوں کا اصل نام و پتہ بھی یقینی نہیں۔ اور تاریخی اہمیت کے لحاظ سے تو کسی بھی بانیٔ مذہب کو بانیٔ اسلام سے مساوات حاصل نہیں ہیں۔ اسلام کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخی شخصیت پر بجا فخر

مدح چمن آرائے مدینہ

از جناب مولوی حکیم ضمیر حسن خان صاحب دل شاہجہانپوری

(خاص الفضل کے خاتم النبیین نمبر کے لئے)

کیوں کر نہ ہو مومن کو تمنائے مدینہ
ہیں خلد کے مالک چمن آرائے مدینہ

تنویر کا مخزن ہے ہر اک ذرۂ یثرب
دیکھو تو سہی رونق صحرائے مدینہ

مداح رہا آپ کا ہر مشرک و مومن
مجموعۂ اخلاق تھے مولائے مدینہ

افسردہ دلوں پر نظر فیض و عطا ہو
اے بحر کرم اے چمن آرائے مدینہ

تقدیر چمک جائیگی یثرب کی فضا میں
ہے نور فزا شدت سودائے مدینہ

روضہ کی زیارت سے شرف پائینگے زائر
کھینچے لئے جاتی ہے تمنائے مدینہ

سرچشمۂ توحید ہے یہ شہر مقدس
یکتا نظر آتی ہمیں دنیائے مدینہ

نغمہ ہے چمن میں یہ عنادل کی زباں پر
ہر پھول سے خوش رنگ ہیں گلہائے مدینہ

درکار ہے اس راہ میں اخلاص عقیدت
گلشن نظر آیا ہمیں صحرائے مدینہ

ہو نوک قلم صفحۂ کاغذ پہ گل افشاں
مقصود ہے مدح چمن آرائے مدینہ

ہے پاک و مطہر وطن شاہ دو عالم
قدسی بھی نظر آتے ہیں شیدائے مدینہ

جتنا بھی بڑھوں شوق لقا اور سوا ہو
یارب نہ گھٹے جوش تمنائے مدینہ

پایا یہ لقب حضرت دل حُبِّ نبی سے
کہتے ہیں ملائک سبھی شیدائے مدینہ

حاصل ہے۔ اور اس کا اہم ترین پہلو آپ کی خلوت کا تذکرہ ہے

خلوت نبوی کا بہترین معیار

انسان کے کام خواہ کتنے ہی نہاں در نہاں اور سات پردوں میں کیوں نہ ہوں۔ مگر ایک علیم کل ہستی موجود ہے۔ جس کے سامنے کوئی راز نہیں۔ اس لئے انسان کے مخفی اعمال کے جانچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا اس سے معاملہ اور سلوک بہترین گواہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ناپاک دل نصرت الٰہی کے مورد نہیں بن سکتے۔ بلکہ ان کی موت ذلت اور حسرت کی موت ہوتی ہے۔ اور ان کے مقاصد کبھی پورے نہیں ہوتے۔ اور انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اس کھلی شہادت آسمانی کے لحاظ سے جب دیکھا جاتا ہے۔ تو معاندین کو بھی عظمت نبوی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ مشہور ہندو لالہ شام لال جی ایڈیٹر اخبار گرو گھنٹال نے بھی اپنی کتاب "مذہبی دُنیا کے اوتار مہا" میں اعتراف کیا ہے:۔

"محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی زندگی میں ہی وہ کامیابی حاصل ہوئی جس کی مثال اس وقت دنیا میں ملنی مشکل ہے"۔ (صفحہ ۱۷۲)

جس کے بالفاظ دیگر یہ معنے ہیں۔ کہ جس قدر تائید ایزدی حضور علیہ السلام کے شامل حال ہوئی۔ وہ کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوگی۔ اور یہ امر حضور کی پوشیدہ زندگی کو نہایت روشن کر دیتا ہے۔ اور آپ کو پاکبازوں اور مزکی نفوس کی صف میں سب سے اول نمبر پر لا کھڑا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آسمانی ندا نے بآواز بلند اعلان کر دیا۔ "پاک محمد مصطفےٰ نبیوں کا سردار"

آنحضرتؐ کی خلوت کے اقسام

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوت مختلف قسموں پر منقسم ہے (۱) وہ زمانہ حیات جو حضور کی گھریلو زندگی سے موسوم ہے۔ وہ بھی خلوت کی زندگی ہے (۲) وہ اوقات جن میں حضور بعض حوائج کے پورا کرنے کے لئے لوگوں سے علیحدگی اختیار فرماتے تھے (۳) عموماً رات کی تاریک گھڑیاں جن میں حضور کی عابدانہ مصروفیتیں (۴) انسانی آبادی سے دور تیرہ و تاریک غاروں میں حضور کی خلوت اور تنہائی کے اوقات۔

پہلی خلوت

اول الذکر خلوت کا بیان دیگر عنوانات کے ضمن میں آچکا ہوگا۔ اور یوں اس کی تفصیل کے لئے یہ جگہ ناکافی ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے۔ کہ ہم آپ کو اس زندگی میں نہایت سادہ اور خوش خلق معاون اور بہترین خاوند کی حیثیت میں پاتے ہیں۔ اور آپ اپنی بیویوں کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اور اپنی ضروریات کو خود پورا فرماتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔ کان بشرا من البشر یفلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویخدم نفسہ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۴)۔ کہ اندرون خانہ حضور کپڑے درست کرنے اور بکریاں دوہنے اور دیگر کام کے کرنے سے حجاب نہ تھا۔ خود حضور نے ارشاد فرمایا "خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی" (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۹) اے لوگو! تم میں سے نیک وہی ہے۔ جو اپنے گھر والوں سے نیک سلوک کرتا ہے۔ اور میں تم سب میں سے اپنے اہل سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔

حضرت صدیقہؓ سے حضور کے اخلاق کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے نہایت جامع جواب دیا۔ یعنی کان خلقہ القرآن کہ حضور کے خصائل واطوار قرآن مجید کی عملی تصویر تھے۔ یہی پاکیزہ طریق تھا جس نے حضور علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ جیسی محرم راز کو تیار کیا۔ اور دیگر اقارب کو دین حق میں داخل ہونے کی توفیق حاصل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مسز اینی بیسنٹ نے کیا خوب کہا:۔

"اس حالت کا تصور کیجئے۔ جبکہ صرف ان کی بیوی ہی ان پر ایمان لائی ہیں۔ اس کے بعد نہایت قریبی رشتہ داران پر ایمان لاتے ہیں۔ اس بات سے محمدؐ کی نسبت کچھ کچھ پتہ لگتا ہے۔ ایک ایسے مجمع میں سے پیرو حاصل کر لینا آسان امر ہے۔ جو آپ کو نہیں جانتا جو آپ کو صرف پلیٹ فارم پر دیکھتا ہے۔ جو آپ کی صرف کسی کھائی تقریر میں سنتا ہے۔ یا آپ کو بعض سوالات کا جواب دینے کی حالت میں دیکھتا ہے۔ لیکن اپنی بیوی اپنی بیٹی۔ اور اپنے داماد اور دیگر قریبی رشتہ داروں کی نظر میں نبی بننا یہ فی الحقیقت نبی بننا ہے اور یہ ایک ایسی فتح ہے۔ جو حضرت مسیحؑ کو بھی نصیب نہ ہوئی"۔

(رسالہ نظام المشائخ دہلی جلد ۳ نمبر ۵)

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھر کی زندگی نہایت پاکیزہ اور مطہر تھی جس کے لئے قولی وعملی شہادات موجود ہیں حضرت خدیجہؓ نے جو حضورؐ سے پندرہ برس بڑی تھیں۔ آپ کی پہلی زندگی کے کمال پاکیزہ ہونے کی گواہی دی ہے۔ انک لتصل الرحم وتقری الضیف وتکسب المعدوم وتعین علی نوائب الحق

دوسری خلوت

ذکر خدا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غذا روحانی تھی۔ ہر لحظہ ہر ساعت آپ یاد خدا میں مشغول ہوتے تھے۔ آپ کی رفیق زندگی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔ کان یذکر اللہ علی کل حالہ۔ کہ حضور ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے تھے۔ آپ کی بے شمار دعائیں جو آپ نے مختلف اوقات میں درگاہ ایزدی میں کیں۔ آپ کے قلبی جذبات کی شاہد ہیں۔ آپ نے بارہا خلوت کی مبارک گھڑیوں میں اپنے خالق کو مخاطب کیا اور عرض معروض کی۔ وہ پاک الفاظ آج بھی انسانی بدن کے رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں۔ جنگ بدر کے شروع ہونے سے پہلے حضور نے جبین نیاز کو خاک پر رگڑ کر دعا کی:۔ اللھم ان اھلکت ھذہ العصابۃ فلن تعبد فی الارض۔ اے خدا! اگر آج تو نے اس گروہ مومنین کو تباہ کروا دیا۔ تو کون دنیا میں تیری عبادت کریگا۔

ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا:۔ اللھم انت ربی لا الٰہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت وابوء لک بنعمتک علی واعترفت بذنوبی انہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ اے خدا! تو ہی میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی قابل عبادت نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا۔ اور میں تیرا بندہ ہوں۔ اور اپنی طاقت کے مطابق تیرے عہد اور وعدہ پر قائم ہوں۔ اپنے کاموں کے خراب پہلو سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تیرے احسانوں کا معترف اور اپنی کوتاہیوں کا اقراری ہوں۔ تیرے سوا کوئی پردہ پوش نہیں۔

اسی قسم مختلف دعائیں ہیں۔ جن سے حضور علیہ السلام کی خشیت وتضرع کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حضور جب قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو دعا پڑھتے:۔ اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث۔ اے خدا! میں ہر مادی و روحانی گند سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ جب حضور تھوڑی دیر کے لئے بستر استراحت پر جاتے۔ تو دعا کرتے اور فرماتے:۔ باسمک ربی وضعت جنبی وبک ارفعہ فان امسکت نفسی فارحمھا وان ارسلتھا فاحفظھا بما تحفظ بہ عبادک الصالحین۔ اے میرے رب! تیرے نام سے میں سوتا ہوں۔ اور تیرے حکم سے بیدار ہوں گا۔ اگر تو میرے نفس کو روک رکھے۔ تو اس پر رحم کر۔ اور اگر اسے بھیجے۔ تو نیکوکار بندوں کی طرح اس کی حفاظت فرما۔

پھر اس قسم خلوت میں میاں بیوی کے تعلقات کا وقت لوگوں کے لئے عام طور پر نفسانی جوشوں کے غلبہ کا وقت ہوتا ہے۔ اور بہت ہیں جو نفس امارہ سے مغلوب ہو کر خدا بلکہ دنیا کی شرم و حیا سے بھی غافل ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ مقدسین کا سردار جس نے فرمایا تھا۔ "قرۃ عینی فی الصلوۃ" (بخاری) یاد خدا سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اس خلوت کے موقعہ پر بھی دعا کرتا ہے۔ اور دوسروں کو اس کے پڑھنے کی تلقین فرماتا ہے:۔ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا۔ اے خدا! ہم (میاں بیوی) کو شیطان اور گندے خیالات سے بچا۔ اور ہمارے بچے کو بھی شیطانی اثرات سے محفوظ رکھ۔

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوت کا یہ پہلو بھی نہایت نمایاں اور واضح ہے۔

آنحضرتؐ کی رات

سید الانبیاءؐ کی شبانہ عبادات کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے الگ عنوان مقرر ہے۔ قرآن مجید میں جسے دشمنان اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود ساختہ کلام قرار دیتے ہیں۔ (نعوذ باللہ منہ) ارشاد ہوتا ہے۔ ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا (المزمل) رات کی بیداری اور ریاضات شاقہ نفس کشی کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اور اس طریق سے کلام میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے تم رات کا بیشتر حصہ عبادات الٰہی میں گذارا کرو۔ خود حدیث صحیح میں افضل العبادات کے متعلق نبی پاک نے فرمایا:۔ الصلوۃ والناس نیام۔ کہ بہترین عبادت یہ ہے۔ کہ انسان اس وقت نماز پڑھے۔ جبکہ اہل دنیا خواب غفلت میں ہوتے ہیں۔

ان ارشادات سے عیاں ہے کہ حضور علیہ السلام کی رات کیسی ہوگی مختصراً حضرت ابو ہریرہؓ کے لفظوں میں یوں پڑھ لیجئے:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی حتی تورم قدماہ قال فقیل لہ تفعل ھذا وقد جاءک ان اللہ تعالیٰ قد غفر لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبدا شکورا (شمائل ترمذی صفحہ ۱۸) رسول مقبول

اس قدر نمازیں پڑھتے تھے۔ کہ حضور کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ عرض کیا جاتا۔ کہ جب ذات باری نے آپ کو معصوم بنایا ہے۔ تو پھر اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا میں اپنے آقا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں ؟

غاروں والی خلوت

بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی قوم کی نظروں میں جو عزت و توقیر حاصل تھی۔ اُسے دیکھتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوت پسندی نہایت قابل تعریف جوہر بن جاتی ہے۔ ایک ذلیل انسان اگر زاویہ نشین ہو جائے۔ تو اور بات ہے لیکن جسے خاص و عام سر آنکھوں پر بٹھاتے ہوں۔ اس کا اس طرح تنہائی اختیار کرنا یقیناً جذبہ للّٰہیت کا زبردست ثبوت ہے۔ سرور کائنات کے وجود باجود نے دو مشہور غاروں کو زینت بخشی ہے۔ زمانہ نبوت سے قبل کی زندگی میں جس کی پاکیزگی کے متعلق فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون میں کھلے طور پر چیلنج کیا گیا ہے حضور نے کوہ نور کے غار حرا کی تاریک جگہ میں بہت عرصہ تک خلوت اختیار کیا۔ بخاری شریف میں لکھا ہے :-

حبب الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیہ وھو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الی اھلہ ویتزود لذالک ثم یرجع الی خدیجۃ فیتزود لمثلھا حتی جاءہ الحق (جلد ۱ صفحہ ۲) آنحضرتؐ کو خلوت بہت پسند تھی۔ آپ غار حرا میں کئی کئی راتوں تک بغرض عبادت اختیار فرماتے۔ اور اس عرصہ کے لئے کھانا گھر سے لے جاتے۔ جب وہ کھانا ختم ہو جاتا۔ واپس آکر پھر توشہ لیجاتے آپ اسی طرح کیا کرتے یہاں تک کہ آپ پر حق کھل گیا۔ اور وحی لیکر فرشتہ آپ کے پاس حاضر ہو گیا ؟

ایک غیر مسلم مصنف پرکاش دیوجی لکھتے ہیں :-

" محمد صاحب کا دل اپنے ملک کی تاریکی اور جہالت میں ڈوبا ہوا دیکھ کر بے انتہا کڑھتا اور دکھتا تھا۔ وہ بت پرستی کو دیکھ کر بہت گھبراتے تھے۔ عورتوں کا حال زار اور معصوم لڑکیوں کو زندہ درگور ہوتے ہوئے دیکھ کر ان کا جگر پاش پاش ہوتا تھا مگر کچھ کر نہ سکتے تھے۔ ایسے ایسے واقعات سے گھبرا کر وہ اکثر تنہائی میں رہتے۔ اور ان کے دفعیہ کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ ان کا معمول تھا۔ کہ ہر سال رمضان کا مہینہ غار حرا میں رہ کر خدا کی یاد میں بسر کرتے۔ اور جو کوئی بھولا بھٹکا مسافر ادھر جا نکلتا اس کی رہنمائی اور دستگیری کرتے۔ خدا سے ہمیشہ یہ دعا مانگتے کہ کسی طرح ان کا ملک چاہ جہالت سے نکلے۔ وہ خدا کی بارگاہ میں سربسجود رہتے۔ آخر کار جو شنیدہ یا بندہ الہام الٰہی کا چشمہ ان کے دل میں پھوٹا۔ اور نور خداوندی کا چمکارا چمکا "

(سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب صفحہ ۲۵)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی واقعۂ ایمان پرور کا بدیں الفاظ ذکر فرمایا ہے :-

اندراں وقتیکہ دنیا پر ز شرک وکفر بود
ہیچ کس را خبر نشد دل جز دل آں شہریار
کس چہ میداند کہ ازاں نالہا باشد خبر
کاں شفیعے کرد از بہر جہاں در کنج غار
من نے دانم چہ دردے بود و اندوہ و غمے
کاندراں غار سے آوردش حزین و دلفگار
نے ز تاریکی توحش نے ز تنہائی ہراس
نے ز مردن غم نہ خوف کژدم و نے بیم مار

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نوع انسان کا بہترین خیرخواہ ہونے کے لئے یہ واقعہ۔ زبردست دلیل ہے۔ خود باری تعالیٰ فرماتا ہے :- لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین کہ ان کے کفر و شرک کے غم میں اپنی جان کو ہلکان کر رہا ہے۔ نسل انسان کا سب سے بڑا غمخوار غار حرا میں ظلمت و بت پرستی کے خلاف آہ و پکار بلند کرتا ہے۔ اس حقیقی گریہ و بکا کی عرش تک رسائی ہو جاتی ہے۔ اور اسے گوہر مقصود حاصل ہو جاتا ہے آپ غار حرا سے آتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کا ضیاء فگن کلام آپ کے ساتھ ہوتا ہے :-

وہ غار حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اس منور کلام نے عالم کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اور ہر سلیم فطرت انسان کے لئے گوناگوں روحانی دلچسپیوں کا مرقع فراہم کر دیا ؟

اس جگہ یہ ذکر کر لینا بے جا نہ ہوگا۔ کہ آسمانی نوشتوں میں قدیم سے آنحضرتؐ کی بعثت کو فاران کے پہاڑ سے قرار دیا گیا ہے۔ لکھا ہے :-

" خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا "

(استثناء ۳۳/۲)

اوپر کی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ گری کو الٰہی تجلی قرار دیا ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال پاکیزہ زندگی پر دلالت کرنا مقصود ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں۔ کہ سرور کائنات روز اول سے ہی شیطانی تصرف سے پاک تھے۔ غار حرا میں آپ کے سامنے طبیعت ملکیہ کی مناسبت کی وجہ سے فرشتہ ہی آیا۔ شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے سامنے آنے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ مگر مسیحؑ جیسا اولوالعزم نبی چالیس روز تک متواتر شیطان کا تختۂ مشق بنا رہا۔ لوقا کی انجیل میں لکھا ہے :-

" یسوع روح القدس سے بھرا ہوا یردن سے لوٹا۔ اور چالیس دن تک روح کی ہدایت سے بیابان میں پھرتا رہا۔ اور ابلیس اسے آزماتا رہا ...... جب ابلیس تمام آزمائش کر چکا۔ تو کچھ عرصہ کے لئے اس سے جدا ہوا " (باب ۴۔ آیت ۱-۱۳)

اس اقتباس سے حضرت مسیح کی قوت قدسیہ بسیاق مسلمات کی رُو سے ظاہر ہے۔ کہ غار حرا کا خلوت پسند نہ صرف خود شیطانی وساوس سے تا ابد محفوظ قرار پایا۔ بلکہ آپ کے متبعین کو بھی شیطان کش طاقت دی جاتی ہے :-

اگر خواہی نجات از مستی نفس
بیا در ذیل مستان محمدؐ

غار حرا کی خلوت کے اثرات دنیا سے مٹنے والے نہیں۔ دنیا ان کو فراموش نہیں کر سکی۔ اور نہ کر سکتی ہے۔ مگر اس کے علاوہ ایک دوسرے غار ثور کو بھی حضور علیہ السلام کی قدمبوسی کا فخر حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مشیت ایزدی کے ماتحت اپنے وطن مالوف سے ہجرت فرمائی۔ تو آپ کو کئی دنوں تک غار ثور میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ دشمن چاروں طرف سے غار کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ خون کے پیاسے درندوں کی مانند یورش کر رہے ہیں۔ آپ کا جاں باز رفیق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کو خطرہ میں پاکر گھبرا جاتا ہے۔ مگر وہ ثبات و استقلال کا پہاڑ نہایت یقین اور اطمینان سے فرماتا ہے :- لا تحزن ان اللہ معنا (تو بالکل مت غم کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ دشمن ناکام و نامراد واپس ہو جاتے ہیں۔ اور حضور آئندہ مدینہ والے وطن کی طرف با امن و امان روانہ ہو جاتے ہیں ؟

یہ ایک عجیب اتفاق ہے۔ کہ نبوت کے کی دونوں دوروں کی ابتداء غاروں کی خلوت سے ہی ہوئی ہے۔ اور حضور کی روحانی و دنیاوی ترقیات کا آغاز بھی اسی خلوت سے لازم نظر آتا ہے۔ جس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ حضور کی خلوت نہایت پاکیزہ اور عظیم الشان طور پر نتیجہ خیز تھی۔

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آلہ وبارک وسلم

از قلم خلیق الزمان مسٹر ایم۔ بی خلیق صاحب منصف سب جج کورٹ سرگودھا

محبت سب کو دامنگیر ہے حضرت محمدؐ کی
جہاں جاؤ وہاں توقیر ہے حضرت محمدؐ کی
سُنا جس نے کلام ان کا ہوا فی الفور شیدائی
مؤثر اس قدر تقریر ہے حضرت محمدؐ کی
شجاعت۔ بردباری۔ درد دل۔ پاکیزگی نیکی
کبھی ان پانچ میں تصویر ہے حضرت محمدؐ کی
رسول کبریا کا نام لیتے ہیں عنادل بھی
ثنا ہر برگ پہ تحریر ہے حضرت محمدؐ کی
زباں کچھ کہہ نہیں سکتی قلم کچھ لکھ نہیں سکتا
کلیجے پر کھنچی تصویر ہے حضرت محمدؐ کی
اٹھا کر پردۂ ظلمت دکھائی روشنی سب کو
سوا خورشید سے تنویر ہے حضرت محمدؐ کی
وہ شوق حق پسندی تھا کہ اک سارے عالم کو
یہ خوبی محض ہی تسخیر ہے حضرت محمدؐ کی
مجھے سر پر رکھو اس کو خلیق اور لگاؤ آنکھوں پر
ہمیں تو خاک پا اکسیر ہے حضرت محمدؐ کی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک بے نظیر سپہ سالار

از جناب چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم اے قادیان

عرب کی طبعی حالت

ملک عرب کی نسبت عام طور پر لوگ جانتے ہیں۔ کہ یہ ایک ریتلا ملک ہے جس میں کاشت بہت کم ہوتی۔ اور بیت الحرم ایک وادی غیر ذی زرع میں بسایا گیا تھا۔ لیکن کتابوں کے پڑھنے سے انسان کے دل میں وہ حقیقی تصور پیدا نہیں ہو سکتا۔ جو عین مشاہدہ کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ میں نے عرب کا جغرافیہ اور تاریخ ایک محبت اور شوق اور ایک خاص غور کے ساتھ مطالعہ کی ہوئی تھی۔ تاہم ریت کا بحر بیکراں جس میں لہروں کے بجائے ریت کے ٹیلوں کے باقاعدہ سلسلے۔ ہر ایک قسم کی سبزی اور درختوں سے سرزمین عرب کی عریانی جو میں نے دیکھی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اس لق و دق ریگ رواں کے سمندر میں جزیروں کی مانند ریگ سے چاروں طرف سے گھرے ہوئے نخلستان پائے جاتے ہیں جن کے ذریعہ سے انسانی اور حیوانی زندگی کا نہایت کنجوسانہ انتظام کیا گیا ہے۔ اور نخلستانی جزیروں کو ریت ایک دوسرے سے اسی طرح جدا کر دیتی ہے جس طرح سمندری جزیروں کو پانی۔ لیکن اس قدر فرق کے ساتھ کہ پانی بحیثیت ایک شاہراہ ہونے کے انسان کے سفر میں ممد اور معاون ہے۔ مگر ریت انسانی نقل و حرکت کے لئے غالباً سب سے بڑی روک واقع ہے۔

عربوں کی جسمانی حالت اور طبعی اخلاق

عرب کی اس جغرافیکل حالت کے پڑھنے سمجھنے کے بعد عربوں کی جسمانی حالت اور فطری اخلاق کا اندازہ ناظرین کرام خود لگا سکتے ہیں۔ عربوں کے اونٹ اور گھوڑے پست قد اور دبلے ہوتے ہیں۔ چونکہ زندگی نہایت مصیبت اور مشقت میں گذرتی ہے۔ باوجود اس لاغری اور کوتاہ قد ہونے کے ان جانوروں میں وسعت کے مطابق تیز روی اور قوت برداشت اعلیٰ قسم کی پائی جاتی ہے۔ بھوک کی برداشت۔ پیاس کی برداشت تکان کی برداشت۔ دھوپ اور لو کی برداشت۔ سردی کی برداشت۔ کیونکہ یہ ریگ جس طرح سورج کے نکلتے ہی آگ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سورج کے غروب ہونے کے بعد یکلخت سرد ہو جاتی ہے۔ جس طرح عرب کا گھوڑا اور اونٹ لاغر اور کوتاہ قد ہوتا ہے۔ اسی طرح عام عربوں کی حالت ہے پست قد اور کمزور لوگ ہیں۔ اور ہمارے ملک کے خانہ بدوش اور کنچی والوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو نظارہ میں نے دیکھا۔ اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ صفائی اور اخلاق میں ان لوگوں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ عرب کے نخلستان جسمانی طور پر ایک دوسرے سے کٹے ہوئے ہیں۔ اسی طرح قوم عرب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے باہمی تفرق اور تشتت کی شکار بنی ہوئی تھی اور ایک علاقہ دوسرے علاقہ کیساتھ سوائے جدال اور دشمنی کے اور کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اور سوائے لوٹ اور غارت گری کے معاملے کے ان کی آپس میں ملاقات بہت کم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ لوگ بے آب و گیاہ منتشر شدہ ریگستان میں باہمی تعلق یا وحدت قوم کے سخت مخالف تھے اور سوائے زبان کے جو ایک خدائی راز ہے۔ اور کسی رنگ میں عربوں میں یکجہتی اور یک رنگی نہ پائی جاتی تھی۔ اس تفرقہ طبعی کی وجہ سے عرب معاندانہ قبائل میں منقسم تھے۔ اور ہلاک کرنے والی غربت۔ فاقہ کشی اور تنگدستی کی وجہ سے قبائل میں لڑنے جھگڑنے والے خاندانوں میں منقسم تھے جس طرح شریکہ پنجابی میں شریک کے معنی دشمن کے ہیں۔ اسی طرح "ابن عم" کا لفظ جیسا کہ ایک رشتہ کا تعلق ظاہر کرتا ہے۔ ایسا ہی آپس کی دشمنی اور عناد کو بھی ظاہر کرتا ہے ؞

معجزانہ تغیر

ایسی مردہ زمین اور مردہ حالت سے مسلمانوں جیسی منتظم۔ تربیت یافتہ قوانین کی پابند۔ صاحب وقار و استقلال اور بے نظیر تحمل و بردباری کی مالک قوم پیدا کر دینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ادنیٰ معجزہ نقاہ جو نبیت سے ہست اور تخرج الحی من المیت کا نظارہ ہماری نظروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔

عربوں کا طریق جنگ

جیسا کہ میدان جنگ افراد قوم کے اخلاق کے لئے کسوٹی ہوتی ہے۔ اور شخصی بہادری یا بزدلی کا موقعہ پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح کسی قوم کا طریق جنگ اور وجوہات جنگ و صلح اس قوم کے خصائل اور خصائل اخلاق کو ظاہر کرتا ہے عربوں کے طریق اور وجوہات جنگ سے ثابت ہے۔ کہ عرب نہایت زود رنج۔ جلد باز اور متلون مزاج لوگ تھے۔ حملہ آوری اور پسپائی دونوں میں ہی جلدی کرتے تھے۔ ان کی اہم سے اہم لڑائیاں معمولی ڈاکہ زنی کی وارداتوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھیں بجائے بہادری سے جم کر لڑنے کے وہ اپنا کام تیزی اور تیز رفتاری سے لیتے تھے۔ سینکڑوں میلوں کا دھاوا بول کر دشمن پر اچانک آندھی کی طرح آتے تھے۔ اور اگر دشمن غافل اور بے سر و سامان مل گیا۔ تو اسے ہلاک کر دیا۔ اور اگر وہ جنگ کے لئے تیار پایا گیا۔ تو تھوڑی سی مٹھ بھیڑ ہونے کے بعد اور مشکلات نمودار ہوتے ہی جیسے اچانک حملہ آور ہوتے۔ ویسے ہی یکلخت غائب ہو جاتے تھے سخت قسم کی خونریزی جس کا متمدن قوموں میں رواج تھا۔ اس سے عرب کے ریگستان کے وحشی ناآشنا تھے۔ انہیں خون سے ایک دہشت اور وحشت معلوم ہوتی تھی جہاں خون بہنے لگا عرب بھاگے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر اثر آنے سے پہلے عربوں نے رومیوں اور ایرانیوں کا کبھی جم کر مقابلہ نہیں کیا تھا۔ اس ساری کمزوری کی وجہ عربوں کی آپس میں نااتفاقی۔ ایک دوسرے پر عدم اعتماد۔ قلت تعداد اور کمی اسمان تھی۔ عربوں نے مسلمانوں سے جو جنگیں کیں۔ ان سے ہی ان سب باتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ جس کا آگے چل کر ذکر کیا جائے گا ؞

مسلمان ہونے پر تغیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر اثر اور زیر تربیت آتے ہی یہ تمام نقشہ بدل جاتا ہے۔ اور عرب مسلمان ہوتے ہی ایک تو وہ ریت نہیں رہتا جسے ہواؤں کے تھپیڑے ادھر سے اُدھر اڑاتے پھرتے تھے۔ بلکہ ایک کوہسار کی طرح دنیا کے سامنے آتا ہے۔ جسے موت یا تباہی ڈرا نہیں سکتی۔ اور نہ کوئی اور مصیبت انہیں جگہ سے ہلا سکتی تھی۔ یہ اس تربیت اعلیٰ نظام۔ اعتماد باہمی۔ اور روح قربانی کا نتیجہ تھا جس کا اصل منبع اور مصدر صرف خدا تعالےٰ ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن عالم مثال میں اس کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باجود میں ہوا ؞

اعلےٰ سپہ سالاری کا ثبوت

ایک منتشر وحشی۔ جلد باز۔ متلون مزاج۔ حریص اور خود غرض قوم سے ایک قواعد دان۔ قانون کی پابند۔ تربیت یافتہ۔ باہمی اعتماد اور تعاون کے اخلاق سے معمور۔ قربانی کی روح سے بھری ہوئی اور اخوت اور رحمت کے جذبات سے مملو فوج ظفر موج تیار کر دینا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلےٰ سے اعلےٰ سپہ سالار ہونے کا ثبوت ہے۔ یہ حضور کے قوت نظام اور ضبط کی ہی خوبی تھی۔ کہ قرآن شریف اسلامی فوج کی اندرونی حالت کے متعلق فرماتا ہے۔ یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص اور اسی ضبط اور اتفاق اور وحدت قومی کا نتیجہ تھا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نصرت بالرعب مسیرۃ شھر یعنی ایک مہینہ کے سفر تک دشمنوں کو میرا رعب مارتا ہے۔ اور میدان جنگ میں نتائج کے متعلق اعلان ہوتا ہے۔ کہ ایک مسلمان دس کافروں کا مقابلہ کر سکتا ہے جس کے دوسرے معنی یہ ہیں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فوج کا ایک سپاہی دوسری فوجوں کے دس سپاہیوں سے اور ایک ہزار مسلمان دس ہزار غیر مسلموں سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پھر یہ کوئی ڈینگ نہ تھی۔ بلکہ اس سے بڑھ چڑھ کر ثبوت بھی دے دیا اور میدان کارزار میں ایسے کارہائے نمایاں دکھلائے۔ کہ دنیا اس وقت تک ان کو ایک لاینحل معمہ سمجھتی ہے ؞

جنگ بدر کا واقعہ

اب میں بطور مثال چند لڑائیوں کا ذکر کرتا ہوں جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ عام طور پر مسلمان جانبازوں کے پاس نہ زرہیں تھیں۔ اور نہ گھوڑے اور نہ دیگر سامان جنگ۔ مکہ کی فوج ابوجہل کی قیادت کے ماتحت عربوں کے رواج کے مطابق پوری طرح مسلح تھی۔ اور تعداد میں مسلمانوں سے تین گنا سے بھی زیادہ تھی ؞

جنگ شروع ہوتی ہے۔ اور اہل مکہ کے ستر آدمی مقتول ہونے پر عرب دل چھوڑ دیتے ہیں۔ اور بے ترتیب عالم میں بھاگ شروع ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ایک ہزار مسلح آدمیوں میں ستر آدمیوں کا ہلاک ہو جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ مگر وہ ایسے سراسیمہ ہو کر بھاگے کہ ستر قیدی اور بہت سا سامان جنگ مسلمانوں کے ہاتھ میں چھوڑ گئے۔ جو ان کی غیر مستقل مزاجی اور بھگوڑہ پن کا اور اسلامی فوج کی بہادری اور استقلال۔ غرض شناسی اور قربانی کا ثبوت تھا

ورنہ اگر کوئی دوسرا جرنیل ہوتا۔ تو اس کی فوج اپنی بے نفیاتی اور کمی سامان کو دیکھتے ہی لڑنے سے انکار کر دیتی۔ مگر ان بے سروسامان اور مٹھی بھر مسلمانوں کا دشمن پر ایسا اخلاقی رعب تھا کہ ایک عرب نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی اسلامی دستہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ اطمنایا علیہا مطایا یثرب تحمل الموت الناقع۔ یعنی مجھے تو سامنے موت نظر آتی ہے۔

جنگِ اُحد کا واقعہ

اس کے بعد جنگِ اُحد کا نظارہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ دشمن اس وقت بھی مسلمانوں سے تین گنا ہے۔ اور بدلہ لینے پر تُلا ہوا ہے۔ ایک غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے بہت سے مسلمان مارے جاتے اور زخمی ہوتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زخم خوردہ ہو کر گر پڑتے ہیں۔ اور آپ کی موت تمام میدان جنگ میں مشہور ہو جاتی ہے لیکن اسلامی فوج ہے۔ کہ بے ترتیبی اور بھگوڑا پن کا نام نہیں لیتی۔ اور شکست کھانے اور صفوں کے ٹوٹ جانے کے بعد پھر جمع ہونے لگتی اور دشمنوں کو ترکی بترکی جواب دیتی ہے۔ حتّٰی کہ دشمن باوجود اپنی فتح کا ڈنکا بجانے کے ایک قیدی اور ایک فلوس مال غنیمت بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ نامراد و ناکام واپس چلا جاتا ہے جس کا مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت اور آپ کی معیت میں تین دن کی منزل تک دشمن کا تعاقب کرتے ہیں۔

فتح حاصل کرنا جرنیلوں کے لئے ایک معمولی بات ہے۔ لیکن واقعی شکست کو فتح میں بدل دینا ایک بہت بڑی اور اعلےٰ سے اعلےٰ سپاہیانہ کی قابلیت کا ثبوت ہے۔ اور میری رائے میں جنگِ اُحد ہی ایک ایسا واقعہ تھا۔ جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے قابل جرنیل کے اسلام لانے کا موجب ہوا۔ چونکہ خالد بن ولید میں اعلےٰ سے اعلےٰ قابلیت جنگ پائی جاتی تھی۔ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قابلیت کا اس کو ایسا اندازہ ہوا۔ کہ اس نے سمجھ لیا۔ اس شخص پر ہم ہرگز غالب نہیں آ سکتے اگرچہ اسی شخص کے حملے نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تھا۔ لیکن مکہ میں جاتے ہی مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ اور بعض آزمودہ جنگ دوستوں کے ساتھ مدینہ میں آکر مسلمان ہو جاتا اور اسلامی جنگ میں وُہ قابلیت دکھاتا ہے۔ کہ دنیا اب تک حیران ہے۔ اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد و بارک وسلم

جنگِ احزاب کا واقعہ

اسی طرح جنگِ احزاب کا واقعہ ہے عرب مسلمانوں سے بیس گنا تھے لیکن معمولی جنگ اور سرد ہوا کے جھونکوں نے اس ٹڈی دل لشکر کو جو استیصال اسلام کے لئے جمع ہوا تھا۔ منتشر کر دیا۔ اگرچہ ان لوگوں پر یہ عذاب الٰہی تھا لیکن بحیثیت سپاہی ہونے کے انہوں نے انتہائی بزدلی اور تلوّن مزاجی۔ ایک دوسرے پر بے اعتمادی اور جلد بازی کا ثبوت دیا۔ ہر ایک بھاگنے والے نے یہی سمجھا۔ کہ اس کے دوست اُس کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ابوسفیان اپنے اونٹ کے عقال کھولنے کے بغیر اس پر سوار ہو گیا۔ اور گھبراہٹ سے اس کو اپنا اونٹ کھولنا بھی یاد نہ رہا۔ لیکن یہی اعراب جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت اور ضبط کے نیچے آئے۔ تو انہوں نے چند سالوں میں قیصر اور کسریٰ کے تختے اُلٹا دیئے۔ اور دنیا میں ایک نئی سلطنت نئے اخلاق اور نئی زندگی کی بنیاد ڈالی۔ جو ساڑھے تیرہ سو سال گذر جانے کے بعد بھی دنیا پر ایسی ہی مؤثر ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں تھی۔ اب کوئی قوم اور کوئی ملک اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا۔

کم خونریزی سے بڑی فتح

ضبط۔ انتظام اور اعتماد کے علاوہ جن سے فوج میں جرأت اور قربانی کی رُوح پیدا ہوتی ہے۔ جرنیل کی حکمت عملی کا یہ بھی بہت بڑا ثبوت ہوتا ہے کہ کم سے کم خونریزی سے زیادہ سے زیادہ ملک فتح کرے۔ سخت خونریزی کے بعد جو فتوحات ہوں۔ وُہ فوج کی جانبازی پر تو دلالت کرتی ہیں۔ جرنیل کی خوبی ان میں نظر نہیں آتی۔ اگر سخت کشت وخون ہو۔ اور دونوں طرف یا ایک طرف کے بہت سے انسان ہلاک ہوں۔ اور ایک ملک فتح کر لیا جائے۔ مگر نقصان نفع سے زیادہ ہو چکا ہو۔ تو یہ فتح حقیقی معنوں میں فتح نہیں ہے۔ البتہ اعلےٰ درجہ کا بوچڑ یعنی قصائی ہے جس نے دونوں طرف کے لوگوں کو ذبح کرا دیا۔ لیکن اگر جرنیل حکمت عملی سے لڑائی کو ایسے رنگ میں چلائے۔ کہ بغیر کثیر نفوس کی ہلاکت کے فتح حاصل کرے۔ اور جانوں کا نقصان کم ہو۔ تو ایسی فتح قابل تعریف ہوتی ہے۔

اس نقطہ نگاہ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حضورؐ کی جنگی زندگی دس سال پر مشتمل ہے۔ اس قلیل عرصہ میں آپ نے ایک تنہا اور منفرد دار الوطن کی حالت سے ترقی کر کے تمام عرب کو فتح کر لیا۔ لیکن جدال و قتال کی طرح ایسے طریقہ پر ڈالی۔ کہ بہت کم جانوں کے نقصان سے تمام عرب کو مطیع اور منقاد کر لیا۔ کیونکہ اس فتح میں صرف جسمانی طاقت اور وحشیانہ سختی شامل نہ تھی۔ بلکہ حضورؐ کے اعلےٰ اخلاق۔ رحم فیاضی اور دشمنوں سے عفو اور بردباری تھی۔ آپؐ ساتھ ساتھ دشمنوں کے قلوب کو فتح کر رہے تھے۔ آپؐ دشمنوں کے حملوں کو بڑی دانشمندی اور جرأت سے ٹالتے رہے۔ اور جب مکہ پر حملہ کرنے کا وقت آیا۔ تو ایسے موقع پر حملہ کیا۔ کہ مکہ ۱۲ ہزار کی آبادی کے باوجود بالکل بے دست و پا تھا۔ اور بغیر لڑنے کے مطیع ہو گیا۔

طائف کے محاصرے سے دستبرداری

اسی طرح طائف کے محاصرہ کو آپؐ نے چھوڑ دیا۔ اگر کوئی اور جرنیل ہوتا۔ تو اپنے جھوٹے وقار کو قائم رکھنے کے لئے تمام فوج کو کٹوا دیتا۔ مگر محاصرہ نہ اٹھاتا جس کے نتیجہ میں وہ لوگ مطیع اور منقاد ہو گئے۔

صلح حُدیبیہ

اسی طرح سے اگر حُدیبیہ کے موقعہ پر صلح نہ فرماتے۔ تو لڑائی میں خون کی ندیاں بہ جاتیں۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ فتح حضورؐ کو ہی ہوتی۔ لیکن اس خطرناک تصادم میں ہزاروں عرب ہلاک اور سینکڑوں مسلمان شہید ہو جاتے۔ اور عرب کی طاقت ٹوٹ جاتی۔ پھر وہ عظیم الشان کام جو حضورؐ کی وفات کے بعد ہوا۔ اہل عرب ہرگز نہ کر سکتے۔ حضورؐ انور کے تمام جنگوں میں جس قدر لوگ مقتول ہوئے۔ ان سب کی تعداد میری رائے میں چند ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور ایک پورے ملک کے فتح کرنے کے لحاظ سے یہ تعداد بہت ہی قلیل ہے۔ دُنیا میں بہت سی لڑائیاں ایسی ہوئی ہیں۔ کہ جن میں ایک گھنٹہ بھر کی جنگ میں اس سے زیادہ انسان ہلاک و برباد ہوئے۔ حتّٰی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں عرب میں طرفین کے دس سال میں ہوئے۔ دوران جنگ میں حضورؐ کا یہی تحفظ جان و مال تھا جس نے عربوں کی دشمنی محبت سے بدل دی۔ اور آپؐ کی وفات کے چند سال بعد عرب اسلامی تعلیم کو لے کر تمام دُنیا میں پھیل گئے۔

نعت حضور سرورِ عالمؐ

از علامہ اصغر مصنف "نشاط روح"

[...] الفضل بتقریب خاتم النبیین نمبر

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود
بجز اس کے کہ لطف خلشہائے نالۂ بے سُود

مگر یہ لطف بھی ہے کچھ حجاب کے دم سے
جو اُٹھ گیا کہیں پردہ تو پھر زیاں ہے نہ سُود

کہو یہ عشق سے چھیڑے تو ساز ہستی کو
ہر ایک پردہ میں ہے نغمۂ "ھو الموجود"

یہ کون سامنے ہے صاف کہہ نہیں سکتے
بڑے غضب کی ہے نیرنگئ طلسم نمود

اگر خموش رہوں میں۔ تو تُو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا۔ تو ترا حُسن ہو گیا محدود

جو عرض ہے اسے اشعار کیوں میرے کہیئے
اُچھل رہے ہیں جگر پارہ ہائے خُون آلود

نہ میرے ذوق طلب کو ہے مدعا سے غرض
نہ گامِ شوق کو پروائے منزلِ مقصود

مقام جہل کو پایا نہ علم و عرفان سے
میں بے خبر ہوں باندازۂ فریب شہود

مرا وجود ہی خود انقیاد و طاعت ہے
کہ ریشہ ریشہ میں ساری ہے اِک جبین سجود

ہلائے عشق نہ یُوں کائنات عالم کو
یہ ذرّے دے نہ اُٹھیں سب شرار لامقصود

جو اُس کے شوق میں یُوں محو آفتاب ہوا
عجب بلا تھا یہ شبنم کا قطرۂ بے بود

میں اُن میں جانِ حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اذنِ سجود

وہ رازِ خلقتِ ہستی۔ وُہ معنی کونین
وہ جانِ حُسنِ ازل۔ وُہ بہارِ صبح وجود

وُہ آفتابِ حرم۔ نازنینِ کنج حرا
وُہ دل کا نور وہ اربابِ درد کا مقصود

وُہ سرورِ دوجہاں وُہ **محمد عربی**!
بہ رُوحِ اعظم و پاکش درود نامحدود

ضیائے حُسن کا ادنیٰ سا یہ کرشمہ ہے
چمک گئی ہے شبستانِ غیب بزمِ شہود

نگاہ ناز میں پنہاں ہیں نکتہ ہائے فنا
چھپا ہے خنجر ابرو میں رمز "لا موجود"

وہ مستِ شاہدِ رعنا۔ نگاہ سحر طراز۔ وہ جام نیم شبی نرگس خمار آلود
کچھ اس ادا سے مرا اُس نے مدعا پوچھا۔ ڈھلک پڑا مری آنکھوں سے گوہر مقصود
خدا خبر نہ رہی ہوش وعقل و ایمان کی۔ یہ شعر پڑھ کے وہیں پہ اُلٹ گئی جبیں سجود

مرا چو بعد فنا گشتن بادیاں بردیا شود
بہ نقد خاک شوم بنگرم چہ خوا ہد بود

(مولانا جامیؒ)

رسولِ خدا کا بچوں سے پیار

از محترمہ فاطمہ صاحبہ اہلیہ ملک کرم الٰہی صاحب ضلعدار نہر

خورشید رسالت میں اگرچہ تمام متدبر رنگ موجود تھے لیکن رحمۃ للعالمین کا ایسا نمایاں نور تھا جس نے تمام بھٹکوں کو اپنے اندر سے کر دنیا کو منور کر دیا۔ مرد۔ عورت۔ بچے۔ سب آپ کی شفقت اور محبت کے یکساں حقدار تھے حضورؐ کا خلق تمام انسانوں سے بڑھکر تھا۔ اور انک لعلیٰ خلق عظیم کی شان ہر وقت نظر آتی تھی حضورؐ رحم و مروّت۔ محبت و شفقت کی مجسم تصویر تھے۔ فرمایا کرتے۔ جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے۔ اور بڑوں کا حق نہ پہچانے۔ وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے چنانچہ حضورؐ چھوٹے بچوں کے ساتھ ہمیشہ شفقت و محبت سے پیش آتے حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ جب حضورؐ کھیلتے ہوئے بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں السلام علیکم کہتے ۔

جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو جو بچے راستے میں ملتے ان سے ہی کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیتے۔ جب آپ حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ اور بنی ہاشم کے لڑکوں نے آپ کا استقبال کیا۔ تو آپ نے بڑے پیار سے اور محبت سے انہیں اپنی اونٹنی کے آگے پیچھے بٹھا لیا ۔

ایک دفعہ خالد بن سعیدؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کی چھوٹی لڑکی تھی۔ جو کہ سرخ رنگ کا کرتہ پہنے ہوئے تھی۔ اسے دیکھکر فرمایا یہ بہت اچھا ہے۔ اس کے بعد وہ آپ سے کھیلنے لگی۔ خالد نے اسے ڈانٹا۔ مگر آپ نے فرمایا۔ اسے کھیلنے دو۔ ایک دفعہ آپ کے پاس سیاہ چادر آئی جس میں دونوں طرف آنچل تھے۔ آپ نے صحابہؓ سے کہا۔ یہ چادر کس کو دوں۔ وہ چپ رہے۔ آپ نے فرمایا۔ خالد بن سعید کی لڑکی کو لاؤ۔ وہ آئیں۔ تو آپ نے انہیں چادر پہنائی۔ اس میں بیل بوٹے تھے۔ آپ دکھا دکھا کر فرماتے ام خالد دیکھنا۔ یہ کیسا اچھا اور خوبصورت کپڑا ہے ۔

ام قیس بن محصن کہتی ہیں۔ میں ایک دفعہ اپنے بچے کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ بچے نے ابھی کھانا شروع نہیں کیا تھا آپ نے اسے اپنی گود میں بٹھا دیا۔ اس نے پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگایا اور اس جگہ پر ڈال دیا۔ جہاں اس نے پیشاب کیا تھا ۔

حضرت انسؓ بچپن میں ہی سے حضورؐ کی خدمت میں رہا کرتے تھے وہ کہتے ہیں۔ ایک دفعہ حضورؐ نے مجھے کسی کام کے لئے بھیجا۔ راستہ میں بچے کھیل رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ کھیل میں لگ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضورؐ نے پیچھے سے میری گردن پر ہاتھ رکھا۔ اور ہنس کر فرمایا۔ جاؤ۔ انس جس کام کے لئے تمہیں بھیجا ہے۔ وہ کر آؤ۔ وہ کہتے ہیں۔ دس سال تک میں حضورؐ کی خدمت میں رہا۔ مگر آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہی۔

ایک صحابی کا بیان ہے۔ کہ میں بچپن میں انصار کے کھجور کے باغ میں چلا گیا۔ ڈھیلے مار مار کر کھجوریں گرانے لگا۔ باغ والے پکڑ کر مجھے حضورؐ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے پوچھا ڈھیلے کیوں مارتے تھے۔ میں نے کہا کھجوریں کھانے کے لئے۔ آپ نے فرمایا۔ جو کھجوریں زمین پر گری ہوئی ہیں۔ وہ کھا لیا کرو۔ اور ڈھیلے نہ مارا کرو۔ یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور دعا دی ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں ایک عورت آئی۔ اس کے ساتھ دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تھیں۔ اس وقت ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ صرف ایک کھجور زمین پر پڑی تھی۔ وہی اٹھا کر اس عورت کو دے دی۔ اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں لڑکیوں کو بانٹ دئے جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے۔ تو حضرت عائشہؓ نے عورت کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا جس کو خدا اولاد کی محبت میں ڈالے۔ اور وہ اس کا حق ادا کرے۔ وہ دوزخ سے بچ جائے گا ۔

ایک دفعہ ایک لڑائی میں چند بچے جھپٹ میں آکر مارے گئے۔ آپ کو خبر ہوئی۔ تو بہت ناراض ہوئے۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ وہ کافروں کے بچے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرنا ۔

حضورؐ کی عادت تھی۔ کہ جب فصل کا نیا میوہ آپ کی خدمت میں پیش ہوتا۔ تو حاضرین میں جو سب سے چھوٹا بچہ ہوتا۔ اسے پہلے دیتے۔ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے۔ ایک دفعہ آپ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے۔ کہ ایک بدوی آیا۔ اور کہا۔ کہ تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو میرے دس بچے ہیں۔ مگر آج تک کبھی کسی سے پیار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر اللہ تمہارے دل سے محبت چھین لے۔ تو میں کیا کروں ۔

جب آپ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لاتے تھے۔ تو انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اپنے دروازوں سے باہر نکل کر گیت گانے لگیں۔ جب حضورؐ ان کے پاس سے گذرے۔ تو فرمایا۔ لڑکیو تم مجھ کو پیار کرتی ہو۔ سب نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا۔ میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں ۔

جب آپ فاطمہؓ کے گھر جاتے۔ تو فرماتے۔ میرے بچوں کو لاؤ۔ وہ صاحبزادوں کو لاتیں۔ آپ انہیں سونگھتے۔ اور سینے سے لپٹا کر پیار کرتے ۔

دنیا میں مختلف نبی فطرت انسانی کی طاقتوں کے نشو و نما کے لئے آئے۔ اُن کے وجود میں اخلاق انسانی کے خاص خاص پہلو جلوہ پذیر ہوئے مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فطرت انسانی کی ساری خط و خال کی ایسی کامل تربیت کی۔ کہ آپ کے وجود مبارک میں اخلاق انسانی کے سارے پہلو روشن ہو گئے۔ اور حضورؐ تمام دنیا کے کامل محسن اور کامل نمونہ ٹھیرے ۔ ؎

حسن یوسفؑ۔ دم عیسیٰؑ۔ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اللّٰھم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد و بارک وسلم

(از جناب مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے۔ قادیان)

اگر کوئی شخص مسئلہ غلامی کے ہر پہلو پہ اسلامی نقطۂ نظر سے پوری طرح روشنی ڈالنا چاہے۔ تو میرے نزدیک اس کے لئے بہت وسیع میدان ہے۔ اور علمی لحاظ سے تو ابھی تک غلامی کے مسئلے پر تحقیقات کے لئے بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ لیکن وقت اور جگہ اور ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں مجھے اس قسم کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے پس میں صرف ایک بات کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ کے غلاموں سے کیا سلوک کیا۔ لیکن اس سے پہلے میں ان لوگوں کا تھوڑا سا ذکر کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے غلاموں کے ساتھ کسی قدر ہمدردی ظاہر کی۔ یا جن سے دنیا جائز طور پر توقع کر سکتی تھی۔ کہ وہ غلاموں سے حسن سلوک کر کے غلامی کو دنیا سے مٹا دیں گے۔

دنیا کے مدبروں کا سلوک غلاموں سے

مختلف ممالک کے ظالم لوگوں نے تو جس طرح چاہا۔ غلاموں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے۔ اور خوب دل کھول کر انہیں ستایا۔ مگر دیکھنا یہ ہے۔ کہ دنیا کے بڑے بڑے مدبروں۔ فلاسفروں اور لیڈروں نے ان کی بہتری کے لئے کیا کوشش کی۔ اس ضمن میں جتنا بھی ہم دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اتنا ہی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور شان و شوکت بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے بعض مصلحین سے تو اتنا بھی نہیں ہو سکا۔ کہ غلامی کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی ساری عمر میں کہہ سکیں۔ بعض نے آواز تو اٹھائی۔ مگر عملاً کچھ نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ دنیا کے حالات بدلتے بدلتے لوگوں نے خود غلامی کو خیرباد کہنا شروع کر دیا۔ پس اگر کوئی آج غلامی کے خلاف کچھ کہتا ہے۔ تو یہ اس کی خوبی نہیں۔ ساری مہذب دنیا اس سے بیزار ہو چکی ہے۔ گو عملاً دوسری شکل میں غلامی کی بدترین مثالیں آج کل کی مہذب اقوام میں بھی موجود ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ عقلاً و قولاً ہر تعلیم یافتہ شخص غلامی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور دراصل وہ ایسا کرنے پر مجبور ہے لیکن اس زمانہ میں جبکہ غلام ایک زمیندار کے لئے ایسے ہی تھے۔ جیسے اس کے مال مویشی۔ اور ایک تاجر کے لئے اس کا مال تجارت۔ اس وقت اس قسم کی آواز اٹھانا تو کار دارد والا معاملہ تھا۔ افلاطون جیسا عقلمند انسان اپنی مشہور کتاب Republic میں غلاموں کا ذکر تک کرنے سے پرہیز کرتا ہے۔ بلکہ اپنی کتاب میں جو دنیا کا بہترین نمونہ اپنے خیال کے مطابق پیش کرتا ہے۔ اس میں ایک ایسی قوم تجویز کرتا ہے۔ جو سب سے ادنیٰ ہے۔ اور غلاموں کی طرح ذلیل ہے۔ ارسطو جیسا عظیم الشان فلاسفر جس کے سامنے یورپ اب تک اپنا سر جھکائے ہوئے ہے اپنے زمانہ کے حالات سے اتنا متاثر نظر آتا ہے۔ کہ نہ صرف یہ کہ خود غلامی کے خلاف آواز ہی نہیں اٹھاتا۔ بلکہ اگر کوئی آواز اس کے وقت میں اٹھائی جاتی ہے۔ تو وہ غلامی کی حمایت کرتا ہؤا اسے نہایت ہی ضروری اور مفید چیز بتاتا ہے۔ قانون قدرت سے ایسی مثالیں تلاش کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے جس سے غلامی کی عملاً تائید ہو Demosthenes چاہتا ہے کہ سارے غلام athens میں ہی آکر فروخت ہؤا کریں۔

رومی اور غلام

رومیوں نے جو مظالم غلاموں پر سینکڑوں سال تک روا رکھے ان کے بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں Cato جیسا بڑا آدمی غلاموں پر نہایت ہی ظلم کیا کرتا تھا۔ البتہ Cicero کا اپنے غلام Tiro سے اچھا سلوک تھا۔ اور اس نے اُسے آزاد بھی کر دیا تھا۔ اسی طرح اس کے شاگرد Younger Pliny کا سلوک اپنے غلام Zosimus سے بھی اچھا بیان کیا جاتا ہے لیکن رومی عام طور پر غلاموں کو اپنے مالی فائدہ کی خاطر آزاد کیا کرتے تھے۔ اور رواج کے مطابق مالک کا غلام کے آزاد ہو جانے پر بھی کچھ نہ کچھ حق باقی رہتا تھا۔ اور آزاد شدہ غلام دوسروں کے مقابلہ میں کم حیثیت کے لوگ شمار ہوتے تھے۔ پارلیمنٹ کے ممبر نہ ہو سکتے تھے۔ نہ وہ عدالت کر سکتے تھے۔ عام طور پر ان کو فوج میں بھی بھرتی نہیں کیا جاتا تھا۔

Seneca کے متعلق یہ کہا جاتا ہے۔ کہ زمانہ حال کے لوگوں میں سے کسی نے اس سے زیادہ وضاحت سے غلامی کی لعنت کو محسوس نہیں کیا۔ اس نے بے شک غلامی کے خلاف لکھا ہے۔ مگر ایک بات یاد رکھنی چاہیئے۔ اور وہ یہ کہ Seneca خود آٹھ سال تک جلا وطن رہا تھا۔ اور اس طرح اسے معلوم تھا۔ کہ غلاموں کو کیا تکالیف پیش آتی ہیں۔ نیز وہ ایک سنیاسی قسم کا آدمی تھا Nero نے جب اپنی ماں کو قتل کیا تو Seneca نے اس فعل کی زور سے تائید کی۔ اور آخر خود بھی خودکشی کرنے پر مجبور کیا گیا۔

امریکہ اور غلامی

امریکہ میں غلامی کو مٹانے والا سب سے بڑا آدمی۔ ۔ ۔ ۔ Abraham Lincoln خیال کیا جاتا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ اس نے غلامی کے خلاف بہت جدوجہد کی ہے۔ اور اس میں وہ کامیاب بھی ہو گیا ہے۔ مگر اس کے دو فقرے بہت قابل غور ہیں۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی اصل غرض غلامی مٹانا نہ تھی۔ اور یہ بھی کہ غلامی کا مٹ جانا خود زمانہ کی رو سے تھا۔ اس کے دو فقرے میں یہاں درج کرتا ہوں :۔

"میرا اصل مقصد اتحاد کو قائم رکھنا ہے۔ نہ کہ غلامی کو دور کرنا اگر میں بغیر کسی ایک غلام کو آزاد کئے اتفاق قائم رکھ سکتا۔ تو میں ایسا ہی کرتا"

سلطنت برطانیہ اور غلام

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ امریکہ سے پہلے بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ تمام ملکوں سے پہلے سینکڑوں سال کی کوشش کے بعد اور عام تعلیم اور تہذیب کی ترقی کی وجہ سے سلطنت برطانیہ نے کروڑوں روپیہ معاوضہ دے کر سنہ ۳۴-۱۸۳۳ء میں غلامی کو کلیۃً مٹا دیا تھا (یہ وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کا وقت ہے۔ کہتے ہیں۔ اس وقت ۷۷۰۲۸۰ غلام برطانیہ نے آزاد کئے)

مسیحیت اور غلام

یسوع مسیح جسے آج کل کی مہذب اقوام خدا اور خدا کا بیٹا تسلیم کرتی ہیں۔ اپنی ساری عمر میں کسی موقع پر ایک لفظ بھی ایسا منہ سے نہیں نکالتا۔ جس سے غلاموں کی ذرہ بھر دلداری ہو

Saint Paul جو عیسائیت کا دوسرا بانی یقین کیا جاتا ہے۔ دنیا کے ایک بہت بڑے حصے میں پھرتا ہے۔ غلاموں کی حالت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ مگر حیرت ہے کہ وہ ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہتا جس سے غلامی کی نفرت پائی جائے سمجھا یہ کہ وہ کسی غلام کو خود آزاد کرے۔ حالانکہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس کے پاس ایک غلام موجود تھا۔ عیسائی مصنفین انگشت بدندان ہیں۔ کہ ان عظیم الشان بزرگوں نے کیوں اس مسئلے پر روشنی نہیں ڈالی حتیٰ کہ وہ اس بات پر مجبور ہوئے ہیں۔ کہ اس خاموشی کی وجوہات تلاش کریں۔ A. D. Agate M. A. اور J. K. Ingram L. L. D. جو بہت بلند پایہ کے مشہور اور مستند عیسائی مصنف ہیں۔ یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ کہ اس خاموشی کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ اگر غلامی کو اس زمانہ میں مٹانے کی کوشش کی جاتی۔ تو تمدن یک لخت برباد ہو جاتا۔ اور دنیا کا سارا ہی سلسلہ درہم برہم ہو جاتا

ہندوازم اور غلامی

منوجی کے نزدیک جو ہندوؤں کے مانے ہوئے ایک بہت بڑے واضع قانون ہیں۔ سات بناء پر غلام بنایا جا سکتا ہے۔ غلاموں کو اپنی جگہ پر رکھنے کے لئے وہ ایک باقاعدہ اور مفصل ضابطہ بھی مقرر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ غلام بیوی اور بیٹی کی طرح جائداد کا مالک نہیں بن سکتا۔ اور یہ کہ شودر آزاد کئے جانے پر بھی غلامی سے الگ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کی فطرت میں غلامی رکھی گئی ہے

یہودیت اور غلامی

یہودیوں کی کتب طالمود اور مشنہ میں یہودی غلاموں کے متعلق بہت سی رعایات رکھی گئی ہیں۔ اور مالک کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے۔ کہ یہودی غلام کو ایسا ہی کھلائے پلائے۔ جیسا کہ مالک خود کھاتا پیتا ہے۔ مگر ایک غیر یہودی غلام کے متعلق مالک کا فرض ہے کہ وہ عام طور پر اسے آزاد نہ کرے۔ بلکہ اسے چاہیئے۔ کہ وہ اپنی اولاد کے لئے غلام کو بطور ورثہ کے چھوڑ جائے

اسلام اور غلامی

اب اس کے ساتھ اس سلوک کا مقابلہ کیجئے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں سے کیا۔ ایک طرف تو حسن سلوک کی تعلیم ایسی واضح اور مکمل دکھائی ہے۔ کہ ہر شخص اور ہر زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے اس میں کسی قسم کی کمی نہیں نظر آتی۔ دوسری طرف عملی طور پر دنیا کے سامنے ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ کہ اس سے بڑھ کر کسی کے وہم و گمان میں بھی کچھ نہیں آسکتا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ واقعہ میں آپ ہر رنگ میں ایک نرالی شان اپنے اندر رکھتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینکڑوں نہیں۔ ہزاروں سال سے جو قوم مظلوم اور غلام چلی آتی تھی اس پر ایسی شفقت فرمائی۔ کہ ہمیشہ ہمیش کیلئے اسے اپنا گرویدہ بنا لیا اور دشمن بھی آپ کے اس حسن سلوک کے معترف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غلاموں نے سخت سے سخت تکالیف اور مصائب اٹھانا پسند کیا۔ مگر یہ گوارا نہ کیا کہ آپ سے ایک منٹ کے لئے بھی الگ ہوں ٭

غلاموں سے حسن سلوک کی مثالیں

اب میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن سلوک کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ حضرت ابوذر رضہ نے ایک دفعہ اپنے غلام کو برا بھلا کہا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ تو آپ نے ابوذر رضہ سے فرمایا۔" تم میں اب تک جہالت باقی ہے۔ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے۔ اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں۔ تو ان کو فروخت کر ڈالو۔ خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو۔ جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ۔ اور جو خود پہنو۔ وہ ان کو پہناؤ۔ ان کو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں۔ اور اگر اتنا کام دو۔ تو خود بھی ان کی مدد کرو۔ ایک شخص کے اصرار کے ساتھ پوچھنے پر آپ نے فرمایا۔ غلاموں کا قصور ہر روز ستر مرتبہ معاف کیا کرو ٭

ایک دفعہ ابو مسعود انصاری اپنے غلام کو مار رہے تھے پیچھے سے آواز آئی۔ ابو مسعود! تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے۔ خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے۔ انھوں نے مڑ کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ انھوں نے دیکھتے ہی کہا۔ یا رسول اللہ! میں نے اس غلام کو آزاد کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش دوزخ تم کو چھو لیتی ٭

ایک دفعہ دیکھا۔ کہ ایک آدمی سوار ہے۔ اس کا غلام اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس کو اپنے پیچھے بٹھا لو۔ کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے۔ اس کی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے۔

ایک دفعہ آپ نے ابوالہیثم رضہ کو ایک غلام دیا۔ اور نصیحت کی کہ اس سے نیک سلوک کرنا۔ ابوالہیثم غلام کو گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بیوی نے کہا۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ چنانچہ ابوالہیثم نے اسی وقت غلام کو آزاد کر دیا۔

ایک دفعہ زنباع نے اپنے غلام کا ناک کاٹ ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا۔ آپ نے غلام سے فرمایا جا تو آزاد ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں کس کا مولا کہلاؤں۔ یعنے میرا سرپرست اور مددگار کون ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ اور اس کا رسول۔ چنانچہ جب تک آپ جیتے رہے اس کی امداد فرماتے رہے

آپ کی جوانی کا واقعہ ہے جب آپ کی شادی حضرت خدیجہ رضہ سے ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ جوانی کی عمر میں انسان کا دماغ حکومت کے خیالات سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ مگر جب حضرت خدیجہ رضہ نے اپنا سب مال اور سب غلام آپ کے سپرد کر دئے۔ تو آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا۔ کہ اپنے سب غلاموں کو آزاد کر دیا ٭

رسول کریم نے کتنے غلام آزاد کئے

مواہب اللدنیہ میں بہت سارے غلاموں اور لونڈیوں کا نام لکھ کر (جن کو آپ نے آزاد کر دیا تھا) ابن جوزی کی سند پر یہ لکھا ہے۔ کہ آپ نے تینتالیس غلام اور گیارہ لونڈیوں کو آزاد کیا۔ بعض مورخوں نے اس سے بھی زیادہ تعداد لکھی ہے۔ برطانیہ نے اٹھارہویں صدی میں یہ قانون پاس کیا۔ کہ جو غلام وہاں آئیگا۔ وہ آزاد ہو جائیگا مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ سو سال پہلے اس قانون پر عمل کر کے دکھایا۔ کہ جو کوئی غلام آپ کی ملک میں آیا۔ آپ نے فوراً اسے آزاد کر دیا ٭

جنگی قیدی

جنگی قیدیوں کے ساتھ جو سلوک اسلام سے پہلے کیا جاتا تھا۔ اور جو مظالم مہذب اقوام آج کل کرتی ہیں۔ ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگی قیدیوں کو اکثر آزاد کر دیا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے وقت جن اشخاص نے مقابلہ کیا تھا۔ اور جو گرفتار کر لئے گئے۔ سب کے سب آزاد کر دئے گئے ٭

قوم ہوازن کے چھ ہزار قیدی جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ کل کے کل بغیر فدیہ لئے آزاد کر دئے گئے ٭

بطور کفارہ غلاموں کی آزادی

پھر آپ نے کفارہ کے طور پر غلاموں کی آزادی کی راہ کھول دی اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے تو غلام آزاد کرے۔ بیوی کو اگر کوئی شخص ماں کہے تو غلام آزاد کرے۔ اگر قسم پوری نہ کرے۔ تو غلام آزاد کرے۔ جو شخص روزہ رکھ کر توڑدے اس کے لئے بھی یہ حکم ہے۔ کہ غلام آزاد کرے۔ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پوچھا حضور وہ عمل بتائیں جو مجھے جنت کے قریب کر دے۔ اور دوزخ سے دور کرے۔ آپ نے فرمایا۔ غلام آزاد کر اور گردن چھڑا۔ پھر فرماتے ہیں۔ سب سے پیارا عمل خدا کے نزدیک غلام آزاد کرنا ہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالےٰ کے خاص حکم کے ماتحت حکومت کا یہ فرض قرار دیا ہے کہ صدقات کے روپیہ کا ایک حصہ غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف کیا جائے ٭

آزاد شدہ غلاموں کا درجہ

یہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ پہلے زمانے میں یورپ کی اقوام غلاموں کو آزاد کرنے کے بعد بھی کم حقیقت اور ذلیل ہی سمجھتی تھیں۔ آج کل کی مہذب اقوام میں غرباء اور مزدوروں کا درجہ پہلے زمانہ کے غلاموں سے بھی بدتر ہے۔ لیکن رسول کریم نے تیرہ سو سال پہلے غلاموں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا ہے۔ اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کسی جگہ نظر نہیں آتی۔ آپ نے فرمایا۔ فلا تدعو ہم کلا علی الناس۔ یعنی غلاموں کو آزاد تو کرو۔ مگر ایسی حالت میں مت چھوڑو کہ وہ لوگوں پر بوجھ ہوں۔ یعنی ان کو روپیہ وغیرہ دے کر یا کوئی صنعت و حرفت سکھلا کر اپنے پاؤں پر کھڑا کر دو۔ تا وہ لوگوں کی نظروں میں کسی طرح ذلیل نہ رہیں۔ اور وہ خود بھی اپنے آپ کو ذلیل نہ سمجھیں۔ چنانچہ آپ نے بہت سا مال اس غرض کے لئے خرچ بھی کیا۔ بعض لونڈیوں کو آزاد کر کے ان کے نکاح کا حکم دیا۔ اور خود بھی اس پر عمل کیا۔ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے بھی دئے جاتے تھے۔ چنانچہ اسامہ رضہ کو جو حضرت زید رضہ کے بیٹے تھے۔ خود آنحضرت نے ایک فوج کا افسر بنایا۔ سب سے بڑھکر یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ نے خود غلاموں اور ان کے آقاؤں کی ذہنیت کو ایسا بدل دیا کہ غلام اپنے آپ کو غلام نہ سمجھیں۔ اور آقا اپنے آپ کو آقا سمجھ کر غلاموں پر کسی قسم کی فوقیت نہ رکھیں۔

امام بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول کریم نے فرمایا:۔ لا یقل احدکم عبدی امتی ولیقل فتای وفتاتی۔ یعنی تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ اے میرے غلام اے میری لونڈی بلکہ یہ کہے اے میرے فتا اے میری فتاۃ آپ بادشاہ تھے۔ اور بادشاہ غلام رکھا ہی کرتے تھے۔ پھر روحانی رشتے کی وجہ سے بڑے بڑے لوگ آپ کی غلامی کو فخر بھی سمجھتے تھے۔ اگر آپ چاہتے تو لاکھوں انسانوں کو اپنا غلام بنا سکتے تھے۔ مگر آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ انسان سے اس کی انسانیت چھین لی جائے۔ بلکہ عبد کے لفظ کا استعمال بھی منع فرما کر ایک طرف تو آپ نے انسانوں کو انسان بنایا۔ دوسری طرف انسانوں کو خدا بننے سے باز رکھا۔ تا وہ اپنے پیدا کرنیوالے کو بھول نہ جائیں ٭

بن مانگے حقوق دینا

آجکل کے زمانے کے تعلیم یافتہ لوگ اپنے حقوق کے لئے میموریل پیش کرتے ہیں اور طرح طرح کے فتنہ و فساد پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی عام طور پر ان کے حقوق نہیں پہنچائے جاتے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی ایڈریس نہیں پیش کرتا۔ کوئی وفد مطالبہ کرنے نہیں جاتا۔ آپ خود بخود بن مانگے مظلوموں کو ان کے حقوق دیتے ہیں۔ اور ایسے رنگ میں ان کی حمایت کرتے ہیں کہ وہ خود بھی ایسا نہ کر سکتے۔ کیا یہ اس لئے نہیں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہو کر آئے تھے۔ اور اس رب العزت کی طرف سے آئے جو رب العالمین ہے۔ امیروں کا ہی نہیں بلکہ غریبوں کا بھی خدا ہے ٭

غلاموں سے سلوک کے متعلق وصیت

آپ فرماتے ہیں۔ میرے دوست جبریل نے غلاموں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کے لئے مجھے اس قدر وصیت کی کہ میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ کوئی غلام نہیں بنانا چاہیئے

غلامی پر فخر

پھر آپ فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر خدا کی راہ میں جہاد اور حج اور ماں کے ساتھ نیکی نہ ہوتی تو میں پسند کرتا کہ میں غلامی کی حالت میں ہی مروں۔ آجکل کے مہذب علماء اور امراء ان الفاظ کو نور سے پڑھیں۔ وہ غریبوں کے ساتھ مل کر خدا کے حضور حاضر ہونے سے بھی عار کرتے ہیں۔ اور اپنی عبادت گاہیں بھی غریبوں سے دور اور الگ بناتے ہیں اپنے نوکروں اور خادموں کو ہر وقت اپنے خادمانہ لباس میں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ مگر وہ جو بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ جس کے آگے ساری دنیا کا سر خم ہے۔ جس کی غلامی کو کروڑوں انسان اپنے لئے فخر کا باعث سمجھتے ہیں۔ ایسی فروتنی اختیار کرتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ کبھی اس نے

نبذۃ من سیرۃ سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام

فتاۃ الحریۃ - یافا فلسطین

یافا (فلسطین) کی ایک مشہور اہل قلم خاتون کا جو فتاۃ الحریۃ (آزادی کی بیٹی) کے نام سے عربی اخبارات میں معرکۃ الآرا مضامین لکھتی رہی ہیں۔ عزیز مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمس کے ذریعہ الفضل کے خاتم النبیین نمبر کے لئے عربی میں مضمون موصول ہوا ہے جس کا ترجمہ شائع کیا جاتا ہے *

(ایڈیٹر)

میرے خیال میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی۔ کہ میں ایسی خوش قسمت ہوسکتی ہوں۔ کہ "الفضل" جیسے اخبار میں جو کہ دین کی خدمت کے لئے ہندوستان میں بہترین اخباروں میں سے سمجھا جاتا ہے۔ کوئی آرٹیکل لکھوں۔ مگر مولوی جلال الدین صاحب شمس نے مجھے یہ عزت بخشی ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے ایک خط لکھکر تحریک کی۔ کہ میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کچھ لکھوں۔ میں مولوی موصوف کی تحریک کو پورا کرنا اور اس موضوع پر کچھ لکھنا اپنا فرض سمجھکر مندرجہ ذیل چند باتیں ہدیہ قارئین کرام کرتی ہوں *

ان امور میں سے جو کہ ہر ایک انسان کو خواہ وہ شرقی ہو۔ یا غربی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامیابی۔ شجاعت۔ حلم۔ صبر و ثبات دلیری و عفو وغیرہ وغیرہ ہیں۔ حیرت میں ڈالنے والے ہیں۔ کیونکہ آپ ایسی اقوام کے لئے مبعوث ہوئے۔ جن کے مذہب۔ عادات اور اخلاق الگ الگ۔ علاوہ اس کے وہ خونریزی اور قتل و غارت اپنا شغل سمجھتی تھیں۔ ساتھ ہی وہ ایسی جہالت میں مبتلا تھیں۔ کہ معمولی معمولی باتوں کو سمجھنے کی بھی عقل نہ رکھتی تھیں *

عرب لوگوں کے برے رواجوں میں سے ایک یہ بھی تھا۔ کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اس عار سے کہ وہ بڑی ہو کر ان کے لئے شرمندگی کا موجب ہوںگی *

ایسی قوم میں تبلیغ کرنا بہت بڑی قوت قدسی چاہتا تھا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکیلے ہونے کے باوجود ایسی کامیابی حاصل کی۔ جس کے متعلق غیر مسلم لوگوں کو اقرار کرنا پڑا۔ کہ آپ کو جو کامیابی ہوئی اس کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی *

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے مبعوث ہوئے۔ کہ لوگوں کو واحد خدا کی طرف بلائیں۔ اور ان معبودان باطلہ سے جن سے نہ کوئی فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ نہ نقصان نجات دیں۔ جیسے قرآن شریف کے ان الفاظ سے پتہ لگتا ہے۔ یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا۔

غرض محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لئے مبعوث ہوئے۔ کہ ظلم و جہل کفر و عصیان۔ بغاوت و شقاق کے ستونوں کو توڑ کر ان کی جگہ امن مساوات و اخوت۔ علم و عرفان۔ توحید و اطاعت۔ فرمانبرداری و محبت قائم کریں۔ اور آپ نے اس دنیا سے کوچ نہیں کیا۔ جب تک ان تمام اعلےٰ مقاصد کو حاصل نہ کر لیا۔ اور ایسی صورت میں حاصل کیا۔ کہ اپنے وقت کے لئے بھی اور آج کل کے لوگوں کے لئے بھی موجب حیرت ہو گیا *

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ قرآن کریم ایسی کتاب دنیا کو حاصل ہوئی۔ جس سے بڑھکر کوئی معجزہ دنیا میں نہ آیا۔ اور نہ آسکتا ہے اس میں وہ احکام الٰہیہ بیان کئے گئے ہیں۔ جن کے ذریعہ بنی آدم کی گردنوں کو اس بوجھ سے آزاد کیا گیا۔ جس کے نیچے آدم علیہ السلام کے زمانہ سے دبی ہوئی تھیں۔ اور جن کے ذریعہ دلوں کی کدورت کو نکال کر اس کی جگہ اخوت اور محبت کو قائم کر دیا۔ یہ وہی کتاب ہے جس پر عمل کرنے سے پہلے لوگ میدان عمل میں آگے بڑھ گئے۔ اور جسے چھوڑ دینے کی وجہ سے ہم پیچھے رہ گئے *

یورپ کے لوگوں نے اس امر کو محسوس کر کے اس پاک کتاب کا اپنی زبانوں میں ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان میں سے عقلمند اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یا کم از کم اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرنے لگے ہیں۔ اگر قرآن شریف میں اور کوئی خوبی نہ بھی ہوتی۔ سوائے نماز روزہ۔ زکوٰۃ و حج کے تو بھی یہ کتاب تمام دنیا کے لئے راہنما بننے کے لئے کافی تھی *

ہندوستان کے بین الاقوام جھگڑوں کو دیکھکر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا۔ جبکہ یہ لوگ ان باتوں کو دور کرنے کے لئے کوشش کریں *

میرے نزدیک اتحاد کا طریق بہت ہی آسان ہے۔ کوئی قوم دنیا میں ترقی نہیں کر سکتی۔ جب تک آپس میں اخوت و اتحاد پیدا نہ کرے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ید اللہ علی الجماعۃ۔ کہ خدا جماعت کو مدد دیتا ہے اور فرمایا۔ لا تختلفوا فان من کان قبلکم اختلفوا فھلکوا آپس میں اختلافات پیدا کرو۔ کیونکہ وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے۔ آپس میں مختلف ہوگئے پس وہ ہلاک ہو گئے *

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبیاں تو بے شمار ہیں۔ مگر میں بطور نمونہ مندرجہ بالا الفاظ پر اکتفا کرتی ہوئی اپنے مضمون کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ اور سلام بھیجنے کے ساتھ ختم کرتی ہوں *

رسول کریم کے ساتھ عورتوں کا معاملہ

از محترمہ سکینۃ النساء صاحبہ قادیان

حضرت یوسف علیہ السلام جو بلاشک و شبہ خدا تعالےٰ کے برگزیدہ اور پاک رسول نبی تھے۔ عورتوں ہی کی مہربانی سے کئی برس تکالیف اٹھاتے رہے۔ اور عورت کا ہی ہاتھ تھا۔ جس نے انہیں قید و بند کی تکالیف میں ایک مدت تک مبتلا رکھا۔ ہمارے خواجہ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ عورتوں کی طرف سے راحت و آرام ملا مثلاً ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ خاتون جنت فاطمۃ الزہرا وغیرہ نے اسلام کے پھیلانے میں اور دین حنیف کو تقویت دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی طرف سے حضرت یوسف سے بھی زیادہ تکالیف دی گئیں۔ مثلاً اوائل اسلام میں حضور کا دعوےٰ نبوت سننے پر حضرت سرور کائنات کی چچی ابولہب کی بیوی نے حضرت والاشان کو بوجھ تنگ کر دیئے۔ اور جس طرح جان لینے کے در پئے رہی۔ اس کی مثال آجتک کسی اور جگہ نہیں پائی گئی۔ پھر متعدد بار زہر عورتوں نے ہی کھانے میں دینے کی کوشش کی۔ اور راستہ کئی بار راستہ میں کانٹے رکھ دیئے۔ کہ پاؤں میں چبھیں اور حضور کو اذیت پہنچے *

ہندہ زوجہ ابوسفیان بھی آپ کی ایک چچی تھی جس نے محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ دینے کے لئے آپ کے عزیز رشتہ دار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بعد شہادت کلیجہ نکال کر چبایا۔ مگر اس رحیم و کریم انسان کی شفقت دیکھئے۔ کہ ہندہ جب مسلمان ہوکر آئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ مگر زبان سے کچھ نہ فرمایا۔ اور پھر معاف کر دیا

عرب ایسی جنگجو قوم کی عورتوں کے جھگڑے روزانہ ہی ہوتے رہتے تھے۔ مگر شفیق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو یہی فرمایا عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہے۔ اگر اسے زور سے سیدھا کرنا چاہو گے۔ تو ٹوٹ جائےگی۔ کئی دفعہ یہود اور نصاریٰ کی عورتوں نے اذیت دینے اور رنج پہنچانے کے مختلف طریقے اختیار کئے۔ لیکن جب ان ہی عورتوں کو سرور دوجہان کے پہچاننے کی توفیق ملی

تو انہوں نے اپنے لخت جگر۔ اپنے عزیز ترین رشتہ دار اس غمخوار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا کرنے میں اپنی فلاح اور بہبودی سمجھی *

عورتوں کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا اعتماد اور اعتبار تھا۔ کہ اپنے مخفی راز اور گھروں کے متعلق مختلف مشورے آپ سے لیتیں۔ جنگوں میں ساتھ جا کر ضروری خدمات بجا لاتیں *

یہ کمال طاقت نبوی تھا۔ عورتیں جنہوں نے اپنی جہالت اور ناقص العقلی کے باعث یوسف ایسے بے مثال نبی کو قید و بند کی تکالیف میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان کی اس وقت کایا پلٹ نہ سکتی تھی۔ جب تک کامل مظہر اور بے شمار صفات کا مالک ہادی۔ پانچ ہزار قدوسیوں کا سردار اپنے مددگار فرشتوں کے ساتھ ان کی راہنمائی نہ کرتا ؟

؎ دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اہل عرب کی حالت

سرور انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرف انسانی کا کامل نمونہ ہوتے ہوئے فقیروں کے لئے فخر ہیں۔ تو شاہوں کے لئے رہبر کامل۔ اگر بادشاہ حقیقت میں رعایا کا خادم ہے۔ اور منصب شاہان فکر رعایا قیام امن اور انسداد فتنہ ہے۔ تو یقیناً یقیناً شاہ عرب شہنشاہ شاہان ہیں۔ جنھیں سلطنت اس وقت تفویض ہوئی۔ جب دنیا ادب و تہذیب سے بہت دور تھی۔ اور اس ملک سے باپ لئے سلطنت شروع ہوئی۔ جس نے کبھی کوئی باقاعدہ حکومت قبول کی تھی۔ جس کا ہر فرد بجائے خود حاکم تھا۔ ہر ایک کی تلوار بے تمام خون انسان سے سرخ پوش رہتی۔ جن کا شغل مرنا مارنا۔ اور بیاری سے مرنا عار تھا جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ زخمی کی جان زخم کے راستے اور بیمار کی جان ناک کے راستے نکلتی ہے۔ جسے کوئی پسند نہ کرتا۔ جن کا ملک بے گیاہ اور پیشہ غارتگری تھا۔ جن کا فخر قبیلہ و ساتھی کا ساتھ دینا تھا۔ خواہ مظلوم ہو خواہ محروم کی حمایت کرنا جن کا شغل شراب و قمار تھا۔ زن و غلام پر وہ ظالمانہ تصرف کہ جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ان بے نظیر مظالم کے انسداد کے لئے خدا تعالیٰ نے اس بے نظیر شاہ عادل کو مملکت کے لئے منتخب کیا۔ جس کے عزم و استقلال کے آگے ظلم و ستم کے سنگلاخ پہاڑ اور لوٹ و غارتگری کے بے پایاں سمندر ہیچ تھے۔ یہ ہمدرد ملک و قوم اصلاح قوم میں ان مظالم کا نشانہ بنا کہ تا ہیچ دنیا جن کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے +

جب دفاعی طور پر اور قیام امن کے لئے یہ کہتے ہوئے کہ الفتنۃ اشد من القتل۔ آپ تلوار پکڑتے ہیں۔ تو نظام جنگ اور جانثار سپاہ جو ایک لائق جرنیل اور ایک صائب الرائے بادشاہ کی قابلیت کا ثبوت ہے یہ نمونہ پیش کرتی ہے۔ کہ تین سو فاقہ زدہ بے سامان فوج ایک ہزار جنگجو اور مسلح فوج کے مقابلہ میں فتح و نصرت کے پرچم اڑاتی نظر آتی ہے +

خطرناک دشمنوں کو معافی

پھر وہ فاتح عرب جب اپنے خطرناک دشمنوں پر غلبہ پاتا ہے۔ تو لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو فرماتا ہے۔

قیام امن

فاتح ہونے کی حیثیت میں آپ تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے قوم قریش اب جاہلیت کا غرور اور قوم کا بے جا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں۔ اور آدم مٹی سے بنا۔ تمام مفاخر۔ تمام انتقام و خون بہا میرے قدموں کے نیچے ہیں +

رعایا پروری

پھر مساوات رعایا پروری کا وہ نمونہ پیش کیا۔ کہ ماضی تو کیا مستقبل میں بھی تیرہ سو سال سے کوئی مذہب و قوم پیش نہ کر سکی +

شاہ عرب کے آگے ڈھیروں مال پڑا ہے۔ لشکر و رعایا میں تقسیم ہو رہا ہے مگر اپنے گھر میں چند اشرفیاں باقی ہیں۔ تو شاہ عرب انھیں تقسیم کئے بغیر اس لئے راحت نہیں کرتے کہ میری رعایا میں رات فاقہ کش بھی ہونگے۔ اور میں گھر میں ۷ اشرفیاں رکھکر آرام کروں یہ نا ممکن ہے۔ تخت زرنگار پر نہیں۔ قدرتی فرش پر دربار شاہانہ منعقد ہے۔ سرفروش و جانثار درباری گردن جھکائے تصویر ادب بنے بیٹھے ہیں۔ رعب شاہی آنکھ اٹھانے نہیں دیتا۔ کہ بے دربان و ر سے فلاکت زدہ گروہ اپنی خستہ حالی دکھلانے کے لئے سامنے آتا ہے۔ فخر موجودات کا دل رقت سے بھر آتا ہے۔ دلکش نگاہیں اٹھتی ہیں۔ دہن مبارک سے چند الفاظ نکلتے ہیں۔ کہ درباری ولشکری اپنے اپنے گھروں سے لاکر جنس و مال کا ڈھیر جمع کر دیتے ہیں۔ فلاکت رسیدہ دربار شاہ سے لا مال لوٹتے ہیں۔ مگر شاہ و درباریوں کے لباسوں میں پیوند لگے ہیں +

مذہب میں آزادی

اطراف ملک میں سپاہ قیام امن اور اطلاع حالات کے لئے پھیلائی جاتی ہے۔ مگر تاکید ہے۔ کہ جب تک کوئی حملہ نہ کرے۔ تلوار نہ اٹھانا۔ اور لوٹ غارت یا رشوت وغیرہ کو مباح نہ سمجھنا۔ گو شاہ اسلام کی پاک تعلیم اور اسوۂ حسنہ سعید روحوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ اور قبیلوں کے قبیلے۔ علاقوں کے علاقے داخل اسلام ہو رہے ہیں۔ مگر لا اکراہ فی الدین (یعنی دین میں جبر نہیں) کا حکم مسلم و غیر مسلم کو آغوش شاہ میں فرمانبردار بیٹے کی طرح بٹھا رہا ہے۔ غیر مسلم کے مال و جان ہی کی حفاظت نہیں ان کے عبادت خانوں کی حفاظت اپنے ذمہ تھی۔ بلکہ اپنی مساجد ان کی عبادت کے لئے کھلی تھیں۔ جہاں بھی تلوار اٹھائی مظالم سے تنگ آکر دفاعی طور پر اٹھائی۔ کیونکہ عرب کا چپہ چپہ ان کے خون کا پیاسا اور صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی قسم کھائے ہوئے تھا۔

مخلوق کی بھلائی

جس علاقے کی طرف رخ کیا۔ جہاں داخل ہوئے اس دعا کے ساتھ کہ اے خدا ہم تجھ سے اس گاؤں کی اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی اور اس گاؤں کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اور ان سب چیزوں کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ پھر قول کے مطابق عمل کی تاکید تھی سپاہ کو ضروری حکم تھا۔ کہ قیام وہاں کرنا۔ کہ بستی والوں کو تمہاری وجہ سے تکلیف نہ ہو۔ باغوں اور کھیتوں کو خراب نہ کرنا۔ جو مقابلہ پر آئے۔ اس سے لڑنا گوشہ نشینوں۔ عبادت خانوں میں بیٹھنے والوں بوڑھوں۔ بچوں اور عورتوں پر ہرگز تلوار نہ اٹھانا۔ جو اطاعت قبول کریں انھیں امان دینا جب زکوٰۃ اور صدقہ دے دیں۔ تو ان کے بہترین مال سے تعرض نہ کرنا اور زکوٰۃ و صدقہ کو انہی کے اموال سے لے کر انہی کے غرباء میں تقسیم کر دینا +

جنگی قیدیوں سے سلوک

ہر مغلوب ظالم کے متعلق حکم تھا جب غلبہ پاؤ۔ تو عفو سے کام لو۔ جنگی قیدیوں کے لئے جو سپاہ میں بغرض حفاظت تقسیم کر دئے جاتے حکم تھا۔ انہیں اچھی طرح رکھنا۔ آپ کے فرمانبردار اور جانثار سپاہیوں کا طرز عمل بعض قیدیوں کے بیان سے ظاہر ہے۔ کہ بسا اوقات گھر والے خود کھجوروں پر گزارہ کرتے۔ مگر ہمیں کھانا دیتے۔ پھر تاریخ اسلام کئی ایک ایسے واقعات پیش کرتی ہے۔ کہ عریاں اور نیم برہنہ قیدیوں کو لباس پہنا کر آزاد کیا گیا۔

کایا پلٹ گئی

غرضکہ شاہ یثرب نے عنان سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی کایا پلٹ دی۔ تاریکی جہالت کو نور علم سے۔ باطل پرستی کو حق پرستی سے۔ نفس پروری اور خود غرضی کو ہمدردی سے۔ ظلم و تکبر کو عدل و انکساری سے گستاخی و سرکشی کو ادب و اطاعت سے اور فاقہ کشی کو آسائش سے بدل دیا۔ جہاں انسان۔ انسان سے محفوظ نہ تھا۔ وہاں شیر و بکری ایک گھاٹ پر پانی پینے لگے۔ جہاں خون انسان کی کوئی قدر نہ تھی۔ وہاں چرند و پرند کی حفاظت فرض ہو گئی۔ جہاں غلام کوڑی کو بک کر نشانۂ ظلم بنتا تھا۔ وہاں غلاموں کو درجۂ سرداری ملا۔ جہاں عورت باعث عار تھی وہاں باعث رحمت اور محبوب ترین چیز ہو کر مقام ناز پر کھڑی کی گئی جہاں مسافر لوٹے جاتے تھے۔ وہاں مسافر و مہمان کے لئے اپنے پیٹ کی روٹی وقف ہوئی۔ حالت مظلومیت میں جو فرمایا تھا۔ کہ صنعا سے حضرموت تک ایک شخص اکیلا سفر کرے گا۔ اور اسے سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ پھر فرمایا۔ قادسیہ سے اکیلی عورت زیارت کعبہ کو آئیگی اور اسے سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ یہ قول اس وقت کے حالات کے ماتحت ناممکن تھے۔ مگر چند سالوں میں جن کانوں نے یہ آواز سُنی۔ ان کی آنکھوں نے یہ نظارے بھی دیکھ لئے +

شاہوں کی اطاعت

یہی وجہ تھی۔ کہ یہود و عیسائیوں نے یہ حالات سن کر رعایا بننے کی درخواستیں کیں۔ یہ حالات سن کر قیصر روم نے دربار عام میں اقرار کیا۔ کہ اگر یہ سچ ہے۔ تو جہاں میرے قدم ہیں وہاں تک اس کا قبضہ ہو جائیگا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ شاہ حبش نے بھی سر اطاعت جھکایا۔ غرضکہ شاہان ایران و حبش و شام کے تحائف عقیدت بھرے الفاظ کے ساتھ شاہ عرب کے قدموں میں آنے لگے۔ مگر جب آپ شاہ ارض و سما کے حضور حاضر ہونے کے لئے کوچ کیا۔ تو گھر میں دوسرے وقت کے لئے کھانا بھی نہ تھا۔ ہاں عدل و انصاف۔ محبت و مروت۔ زہد و قناعت۔ صبر و رضا۔ ہمدردی و مساوات کے بے شمار خزائن مخلوق خدا کی تا قیامت نہ ختم ہونے والی دعاؤں اور دنیا میں بے نظیر ترقی و کامیابی کا مبارک فخر لے کر دربار شاہ ارض و سما میں حاضر ہو گیا +

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم

ابو موسیٰ رض سے روایت ہے۔ کہ حضرت عائشہ نے ایک چادر اور ایک تہبند نکال کر ہم کو دکھائے۔ اور کہا۔ کہ ان دونوں کپڑوں میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تھی +

(بخاری)

حضرت محمد صاحبؐ کی زندگی کا آخری ورق

(از جناب پروفیسر ایچ ۔ سی کمار صاحب بی ۔ اے ۔ ایف ۔ ٹی ۔ ایس ۔ اسسٹنٹ جنرل سکرٹری ہندو سوشیل سوسائٹی ہند)

روزے کہ جز از ہر صفت خواہد بود
قدر تو بقدر معرفت خواہد بود
درحسن صفت کوش کہ در روز جزا
حشر تو بصورت صفت خواہد بود

آخر وُہ وقت آپہونچا۔ جو عالمگیر اخوت اور مساوات انسانی کی قطعی دلیل ہے۔ جب پیر و مرید۔ شاہ و گدا۔ فاتح و مفتوح ۔ حاکم و محکوم مرد و زن بچے و بوڑھے تندرست و بیمار۔ شاد و ناشاد ۔ سب کو ملک الموت کا حکم سر آنکھوں پر رکھکر ملک عدم کا راستہ لینا پڑتا ہے ۔

یہ سچ ہے کہ کل نفس ذائقۃ الموت۔ تمام جانداروں کو موت کا شربت چکھنا۔ اور تمام مسافروں کو موت کے گھاٹ اُترنا پڑتا ہے ۔ مگر موت موت میں فرق ہے۔ ایک موت ان کی ہے ۔ جو اپنی زندگی میں اور دست ناشناس مانتے جاتے ہیں۔ کہ ؎

پہونچی نہ راحت ہم سے کسی کو بلکہ اذیت کوش رہے
جان پڑی تو عذاب سے کم مٹنے مرے کہ نہ ایذ ا دہی سے

اور جن کے انتقال پر ایک دُنیا کو ایک گونہ خوشی کا احساس ہوتا ہے کہ ؏ کم جہاں پاک ۔ ؎

ظالمے را خفتہ دیدم نیم روز
گفتم این فتنہ ست خوابش بردہ بہ
آنکہ خوابش بہتر از بیداری است
ہم چو آں بد زندگانی مردہ بہ

اور ایک موت ہے ۔ یعنے محمدؐ ۔ ایسے خیر البشر وجودوں کی ہے ۔ جن کے سحر آمیز دم سے بندگان خدا کی محبت اور خلق خدا کی خدمتگذاری کی خوشبو اطراف عالم میں پھیلکر دُنیا کے خار زار سے چمنستان کے نظارے پیدا کرتی ہے ۔ اور جن کے انتقال پر ہزار ہا مرد و زن کو یہ ملال ہوتا ہے ۔ کہ ایک خیر محض ہستی جس کی زندگی بنی نوع انسان کے لئے رحمت تھی دُنیا سے اُٹھ گئی ۔

جب حضرت محمد صاحب نے حقاً اپنے مشن کو مکمل کر چکے ۔ تو آپ کو اطلاع پہونچی ۔ رخت سفر باندھ لو۔ اب تمہیں اپنے خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔

دس سال کے قلیل عرصہ میں جو عالیشان کامیابی حضرت محمد صاحب کو حاصل ہوئی۔ اس کی نظیر دُنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی ۔ بدھ دھرم کی کامیابی راجہ اشوک کی حمایت سے ہوئی ۔ عیسائی مذہب کی کامیابی شاہ کانسٹنٹائن کی مدد سے ہوئی ۔ اور دونوں طول طویل عرصہ کے بعد ۔ مگر اسلام کی کامیابی خود آپ کے ذریعہ ہوئی ۔ اور اس کی سرعت ایسی تھی ۔ کہ اب تک حیرت پیدا کرتی ہے ۔ دس سال سے کچھ ہی زائد عرصہ ہوا تھا ۔ کہ آپ اکیلے ابوبکرؓ کی ہمراہیت میں مکہ سے جان بچاکر بھاگنے پر مجبور ہوئے تھے ۔ اب آپ سارے عربستان کے دینی اور دنیوی تاجدار ہیں ۔ اور غیر ممالک کے تاجدار آپ کی خدمت میں وفد بھیجتے ہیں ۔

غرض کہ آپ کی زندگی کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے کوئی کمی باقی نہ تھی ۔

مرنے سے دس بارہ روز پہلے آپ علیل ہوئے ۔ آپ خوب جانتے تھے ۔ کہ یہ آخری بیماری ہے ۔ آپ دوسری سب بی بیوں سے اجازت لیکر بی بی عائشہ کے مکان میں آ ٹھیرے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ کہ عائشہ سے آپ کو روحانی موانست تھی ۔ آپ کہا کرتے تھے جب میں عائشہ کے گھر جاتا ہوں ۔ خدا کی وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے ۔ پس یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی ۔ کہ آپ نے اپنی عمر کے باقی ماندہ ایام بی بی عائشہ کے گھر میں گذارنے کی خواہش ظاہر کی ۔ چند روز بستر علالت پر رہے ۔ اور نماز کے لئے مسجد میں جانا موقوف رہا ۔ آپ کی عدم موجودگی میں حضرت ابوبکرؓ بحیثیت امام نماز کرایا کرتے تھے ۔ فوت ہونے سے دو روز پہلے کچھ افاقہ ہؤا ۔ آپ اُفتاں خیزاں مسجد میں پہونچے ۔ نماز شروع ہونے کو تھی ۔ آپ کو آتے دیکھکر حضرت عمرؓ پیچھے ہٹنے لگے ۔ آپ نے اشارہ کر کے روک دیا ۔ اور سب کے ساتھ کھڑا ہو کر آخری نماز ادا کی ۔

عیسائی مذہب میں حضرت عیسےٰ کا آخری طعام (Last Supper) جو آپ نے اپنے حواریوں کے ساتھ تناول کرتا ول فرمایا تھا ۔ اب تک بڑی تقدیس کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔ نہ معلوم حضرت محمد صاحب کی اس آخری نماز کا ذکر اسلامی حدیثوں میں کیونکر ہے ۔ لیکن میرے اپنے خیال میں جو تاثیر آپ کی موجودگی میں اس وقت حاضرین کے قلوب میں پیدا ہوئی ہوگی ۔ اسے کون کیا بیان کریگا ۔

نماز ختم ہوئی ۔ تو آپ نے ایک خطبہ دیا ۔ لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنا کئے ۔ اس خطبہ کے آخری الفاظ تاریخ مذاہب میں یادگار رہنے کے قابل ہیں ۔ آپ نے فرمایا ۔ "اگر تم میں سے کسی کو مجھ سے ایذا پہنچی ہو ۔ تو میں معافی مانگنے کو تیار ہوں ۔ اگر تم میں سے کسی کا میرے ذمہ کوئی قرضہ ہو ۔ تو ادا کرنے کو حاضر ہوں ۔"

کون دل ایسا سخت ہوگا ۔ جو ان الفاظ کو سنکر موم کی طرح پگھل نہ گیا ہوگا ۔ حضرت محمد صاحب نے بیحد فتوحات حاصل کیں ۔ وُہ زیادہ تر تالیف قلوب کی فتوحات تھیں ۔ اور خود مکہ کی فتح جس میں بلا ضرورت ایک قطرہ خون کا گرانا گوارا نہیں کیا گیا ۔ اس بیان کی ایک نمایاں شہادت ہے ۔ لیکن اگر اس دعوے کے ثبوت میں کسی ناطق دلیل کی ضرورت ہو ۔ تو وہ حضرت کے یہ آخری الفاظ ہیں ۔ "اگر تم میں سے کسی کو مجھ سے ایذا پہونچی ہو ۔ تو میں اس کے لئے معافی مانگنے کو حاضر ہوں ۔" میں گذارش کرتا ہوں ۔ کہ جو شخص اپنے پہلو میں ایسا نرم دل رکھتا ہو ۔ وہ ہرگز ہرگز کسی ذی نفس کو بلا ضرورت شدید ایذا نہیں پہونچا سکتا ۔ "اگر تم میں سے کسی کا مجھ کو کوئی قرضہ دینا ہے" پر غور کیجئے اور دیکھئے ۔ آوائل عمر میں آپ کو اپنی نمایاں دیانتداری اور خوش معاملگی کے صلے :

سردارِ دو عالم جہانِ فانی سے کس طرح رخصت ہوئے

(از محترمہ نظیر بیگم صاحبہ بنت شیخ محمد عبد الرشید صاحب - پریزیڈنٹ انجمن احمدیہ بٹالہ)

ناپائداریٔ دنیا

اُف دنیا کتنی ناپائیدار اور عارضی ہے۔ زمانہ کس قدر محسن کش واقع ہوا ہے۔ کہ یہاں بڑے سے بڑے انسان کو بھی ہمیشگی حال نہیں۔ کتنے ریفارمر ہوئے ہیں۔ جنہوں نے دنیا کی کایا پلٹ دی مگر چند سال کی عمر کے بعد ہمیشہ کی نیند سو گئے۔ کیسے کیسے بادشاہ آئے۔ کہ جن کا نام بھی بدن میں لرزہ پیدا کر دیتا تھا۔ لیکن آخر موت نے انہیں فنا کر دیا۔ کس پایہ کے منطقی۔ کیسے حکیم۔ کس شان کے سائنس دان جلد ہی حرفِ غلط کی طرح ملیامیٹ کر دیئے گئے۔ ایک لمحہ کے لئے انسان اگر ان واقعات کو آنکھوں کے سامنے لائے۔ تو ان الانسان لفی خسر کی پوری تفسیر سمجھنے میں کچھ بھی وقت باقی نہ رہے۔

مومنوں کی موت

لیکن یہ خسران اور گھاٹا صرف دنیا دار لوگوں سے ہی مخصوص ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے الا الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت کا ارشاد فرما کر مومنین صالحین کے لئے خوشی و شادمانی کا سامان میسر کر دیا ہے۔ معبودِ حقیقی سے وابستہ انسانوں کی موت موت نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک نئی زندگی اور مزید ترقی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

شاندار موت

ایک نہایت مشہور انسان کا مقولہ ہے۔ کہ انسان کو اصلی روپ میں دیکھنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے۔ کہ اس کی موت کے واقعات کو دیکھا جائے۔ بسا اوقات انسان تکلف سے بعض اصول پر کاربند رہتا ہے۔ لیکن مرنے کے وقت اس کا اندرونہ نظر آ جاتا ہے۔ اور وہ اپنی دلی خواہشات کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی خیال سے میں سردارِ دوجہان کی شاندار موت کے متعلق بعض واقعات پیش کرتی ہوں۔ اللہ کرے کہ سوچنے اور غور کرنے والوں کے لئے نتیجہ خیز ہوں۔

وحیٔ الٰہی کے ذریعے حضور کو اپنی وفات کا علم بہت پہلے ہو چکا تھا۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپ نے فرمایا۔ لوگو میں خیال کرتا ہوں۔ کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔

اسی خطبہ میں آپ نے فرمایا۔ لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور وہ تمہارے اعمال کی بابت سوال کرے گا۔ خبردار۔ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔ کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ جاہلیت کی ہر ایک بات کو میں اپنے قدموں تلے پامال کرتا ہوں۔ لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق خدا سے ڈرو میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں۔ کہ اگر اسے مضبوط پکڑو گے۔ تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ اللہ کی کتاب قرآن ہے خوب سن لو۔ اور اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کرو۔ پنجگانہ نماز ادا کرو۔ ایک مہینے کے روزے رکھو۔ اور دل کی خوشی کے ساتھ زکوٰۃ دیا کرو۔ پھر فرمایا۔ لوگو قیامت کے دن تم سے میرے متعلق بھی پوچھا جائے گا مجھے بتلاؤ۔ تم وہاں کیا جواب دو گے؟

سب نے کہا۔ ہم شہادت دیتے ہیں۔ کہ آپ نے ہم کو کھوٹے اور کھرے کی نسبت اچھی طرح بتلا دیا۔ اس وقت حضور نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھا کر اور لوگوں کی طرف جھکا کر تین بار فرمایا۔ اللّٰھم اشھد

مہاجرین و انصار سے خطاب

وفات سے ایک ماہ قبل حضور نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا۔ اور خطبہ ذیل فرمایا۔ لوگو۔ خدا کی سلامتی حفاظت اور نصرت تمہارے ساتھ ہو۔ میں تم کو تقوٰی اور خدا ترسی کی وصیت کرتا ہوں۔ اور خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اور اپنا جانشین بناتا ہوں۔ ساتھ ہی عذابِ الٰہی سے ڈراتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں۔ کہ تم بھی لوگوں کو اس سے ڈراتے رہو گے۔ تم پر لازم ہے۔ کہ خدا کے بندوں اور اس کی بستیوں میں تکبر اور سرکشی وغیرہ چھوڑ دو۔ آخرت کا گھر اسی کے لئے ہے۔ جو بڑائی نہیں چاہتے۔ اور فساد نہیں کرتے۔ اور اچھی عاقبت صرف متقیوں کے لئے ہے۔ (فرمایا) میں ان فتوحات کو دیکھ رہا ہوں۔ جو تم کو حاصل ہوں گی۔ مجھے یہ ڈر نہیں رہا۔ کہ تم مشرک بن جاؤ گے۔ لیکن ڈر یہ ہے۔ کہ کہیں پہلی امتوں کی طرح دنیا کی رغبت اور فتنہ میں پڑ کر ہلاک نہ ہو جاؤ۔

مرض الموت

بروز سوموار ۲۹ صفر کو بیماری کا آغاز ہوا۔ سخت درد سر اور شدید بخار تھا۔ ابو سعید خدری کا بیان ہے۔ کہ حضور کے بدن سے سینک آتا تھا۔ اور ایسا گرم تھا۔ کہ میرے ہاتھ کو برداشت نہ ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ حضور جب بیمار ہوتے۔ تو اذھب الباس۔ رب الناس واشف انت الشافی الخ پڑھ کر اپنے ہاتھ جسم پر پھیرا کرتے تھے۔ ان دنوں میں نے یہی دعا پڑھی۔ اور چاہا کہ دم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھوں کو جسم مبارک پر پھیرا دوں۔ مگر آپ نے ہاتھ پرے ہٹا لئے اور فرمایا۔ اللّٰھم اغفرلی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ

وفات سے پانچ روز پہلے فرمایا۔ تم سے پہلے ایک قوم ہوئی ہے۔ جو انبیاء اور صلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے تھے۔ تم ایسا نہ کرنا۔ پھر فرمایا۔ خدایا میری قبر کو میرے بعد بُت نہ بنا دیجیو۔ کہ اس کی پرستش ہوا کرے۔ انہیں دنوں سر پر پٹی باندھے اور دو شخصوں کے کندھوں کا سہارا لئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ سب کو جمع کیا۔ نصیحتیں کیں۔ اور پھر فرمایا اگر کسی شخص کا کوئی حق مجھ پر ہو۔ تو طلب کرے۔ ایک نے کہا۔ کہ ایک دفعہ آپ نے مجھ سے تین درم لے کر فقیر کو دیئے تھے۔ وہ اب تک نہیں ملے۔ یہ قرض اسی وقت ادا کیا گیا

آنحضرت چودہ یوم بیمار رہے۔ ان میں سے گیارہ دن خود مسلمانوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ گیارھویں دن عشاء کی نماز کے وقت تین دفعہ مسجد جانے کی تیاری کی۔ مگر کمزوری کے باعث تین دفعہ ہی وضو کرتے ہوئے بیہوش ہو گئے۔ آخر فرمایا۔ کہ ابو بکرؓ نماز پڑھائے۔ جب حضرت ابوبکرؓ صدیق رسولِ خدا کے مصلے پر کھڑے ہوئے۔ تو خود ان پر اور صحابہ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ رونے کی آواز آنحضرت صلعم کے کانوں تک پہنچی۔ اس وقت حضور کی طبیعت میں کچھ سکون تھا۔ اس لئے مسجد میں تشریف لے آئے اور حضرت ابوبکر کے برابر بائیں طرف بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ اور نماز کے بعد فرمایا۔

مسلمانو! میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ تمہارے تقوٰی اور حفظ طاقت سے وہ تمہاری نگرانی کرے گا۔ بس میں اب دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں۔ اور اسے چھوڑ دینے والا ہوں

آخری دن

اس دن بھی خدا کے رسول نے چہرہ مبارک کا پردہ ہٹایا جو مسجد کی طرف پڑا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ مسلمان نماز میں ہیں اور صفیں درست ہیں حضور کے چہرہ پر بشاشت اور مسکراہٹ آ گئی۔ لوگ فرطِ محبت و اضطراب میں حضور کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضور نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں تسکین دی۔ آگے بڑھے اور حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی۔

آخری کلمات

نزع کی حالت جب طاری ہوئی۔ تو پانی کا ایک پیالہ سرہانے رکھا ہوا تھا۔ رسول اللہ اس میں ہاتھ ڈالتے اور منہ پر پھیر لیتے۔ چہرہ مبارک کبھی سُرخ اور کبھی زرد پڑ جاتا تھا۔ زبان سے فرما رہے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات

اسی حالت میں حضرت فاطمہؓ حسن حسین اور ازواج مطہرات کو بلا کر نصائح کیں۔ پھر حضرت علی کو بلایا۔ اور فرمایا۔ لونڈی اور غلام کے بارہ میں یاد رکھو۔ انہیں خوب کھلاؤ۔ پہناؤ اور نرمی کا برتاؤ کرو۔ عبد الرحمٰن بن ابی بکر آئے۔ ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی۔ وہ مسواک بھی کی۔ اس کے بعد زبان مبارک سے نکلا۔ الصلوٰۃ۔ الصلوٰۃ۔ وما ملکت ایمانکم۔ نماز نماز اور لونڈی غلام کے حقوق۔ پھر فرمایا۔ اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ اے اللہ بہترین رفیق۔ اس کے بعد آنکھ کی پتلی بدل گئی۔ ۱۳ ربیع الاول سلہ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء کو ۶۳ سال ۵ دن کی عمر میں رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

بدنیا گر کسے پاینده بودے + ابو القاسم محمد زندہ بودے

دنیائے طب کو خوشخبری
حکیم الامت حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ
کے
بے بہا طبی مجربات کا مجموعہ
(آپ کی بیاض خاص الخاص جو اب تک محفوظ تھی)
شائع کردہ ابناء حکیم الامت رضی اللہ عنہ
(مع حواشی و تشریح و تصحیح)
الجزء الاول قیمت بے جلد دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ/) مجلد تین روپے (عہ)
پتہ:- (صاحبزادہ) عبد السلام عمر خلف اکبر حضرت حکیم الامت نورالدین رضی اللہ عنہ قادیان پنجاب
بھروسے کے بیج
اگر آپ معمولی تخم فروشوں سے تمام بہلا تازہ بیج منگوا کر ناکامی کا منہ دیکھ چکے ہیں تو اس مرتبہ ہم سے بھروسے کے بیج منگا کر آزمائیں ✦
مفت مشیر باغبانی مفت
(مرتبہ پروفیسر جی ایم ملک ایس سی۔ ہیڈ ہیگر امریکہ و جائنٹ ایڈیٹر رسالہ زراعت لاہور)
یہ مبنی بہار رسالہ پھولوں۔ ترکاریوں اور میوہ دار درختوں کی بیماریوں اور کھادوں اور مختلف بیماریوں اور اراضیات کی درستی وغیرہ کے متعلق کارآمد معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ اور درخواست کرنے پر مفت مل سکتا ہے ✦
المشتہر
امریکن سیڈ اینڈ نرسری کمپنی تخم فروشان خیرہ فرود
کوٹھی ۴۲ میکلوڈ روڈ قلعہ گوجر سنگھ - لاہور
بھاگلپوری ٹسری کپڑے
ہندوستان میں بھاگلپوری ٹسری کپڑوں کی شہرت محتاج بیان نہیں۔ مجھے بھی احباب جانتے ہیں بھاگلپوری ٹسری کپڑوں کی ایجنسی قائم کی ہوئی ہے۔ نیز سوٹ قمیص شیروانی کے علاوہ زنانہ مصرف کے ہر قسم کے کپڑے۔ پگڑیاں اور صافے میں خود تیار کرتا ہوں۔ اس طرح نرخ میں بھی نسبتاً رعایت کر دی گئی ہے۔ شائقین اور ضرورت مند احباب ہر طرح کی سہولت اور ارزانی میرے اس کارخانہ سے حاصل کر سکتے ہیں
عبد الحکیم احمد
بذریعہ
پروفیسر مولنا عبد الماجد احمدیہ ہاؤس۔
بھاگلپور شہر
گیارہ سالہ یورپ کا ذاتی تجربہ رکھنے والا ڈاکٹر عمر صاحب کی
مشہور و مقبول عام طاقت کی کستوری گولیاں
ایک شیشی میں پچاس ہوتی ہیں۔ ۲۵ یوم کی خوراک قیمت للعہ
موتیا بند بغیر اپریشن قیمت صرف للعہ۔ ذیابیطس ۶ دمہ ۶ وغیرہ
جواب کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ آنا چاہئے
المشتہر دی منیجر ڈاکٹر عمر اینڈ سنز فلیمنگ روڈ لاہور
وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ
سیدہ جمیلہ خاتون صاحبہ احمدی ایچ۔ ایم۔ ڈی لیڈی ڈاکٹر و حکیم حاذق کی ڈگری و تمغہ یافتہ ہیں۔ مفصل تحریری حالات آنے پر عورتوں اور بچوں کا علاج واجبی قیمت کی دوا اور دعا سے کرتی ہیں۔ حاجتمند مستورات پتہ ذیل پر مرض کا مفصل حال تحریر کریں ✦
قادر منزل منٹگمری پنجاب
نیکلس کلپ۔ گلوبند۔ انگوٹھی
ایرنگ کانٹے آویزے ہار۔ نفیسیاں۔ فینسی کنگنیاں چوڑیاں غرض ہر قسم کے انگریزی۔ دیسی۔ ڈائمنڈ کٹ سونا چاندی کے زیورات کا کام حسب منشا اور معین وعدہ پر تیار کیا جاتا ہے۔ ہمارا کارخانہ عرصہ چالیس سال سے اپنی دیانتداری اور حسن کارکردگی کا خراج تحسین وصول کر رہا ہے نیز سونے چاندی کے انگریزی و دیسی زیورات بھی بکتے ہیں اور پرانے زیورات تبادلہ بھی لیتے ہیں۔
ہم تجربے زور سے التماس کرتے ہیں۔ بیاہ شادی اور دیگر خانگی ضروریات کے وقت ہماری خدمات حاصل فرما کر مشکور فرمائیں
المشتہر غلام احمد اینڈ سنز احمدی زرگراں چوک نواب لاہور

ایک نادر تصنیف
یعنی
تحفۂ ہند و یورپ
جہاں مثل زلیخا مشتری تھا جن مضامین کا تماشا ہے وہ یوسف بن کے خود بازار میں آئے
خاکسار نے حال ہی میں اس نادر کتاب کو مورخین و محققین و مستشرقین کی خاطر شائع کر کے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے کہ
۱۔ تمام مہذب اقوام یعنی عرب۔ اسرائیلی۔ فرنگی۔ ایرانی اور آریہ ہند ایک ہی نسل سے ہیں۔ اور سب کے سب ابراہیم علیہ السلام (برہما جی) کی ذریت سے ہیں۔
۲۔ آریوں کا اصل وطن شہر آرد واقعہ ملک شام تھا۔ اور وید صحف ابراہیم میں سے ایک صحیفہ تھا جس کا اصل نام الوداد تھا
۳۔ رامچندر اور سری کرشن وغیرہ آریوں کے بزرگ عربی۔ عبرانی زبان بولتے تھے۔ نہ کہ سنسکرت۔
۴۔ آریوں کا وسط ایشیا سے خروج کرنا حرف باطل کی طرح مٹا دیا گیا ہے۔
۵۔ موجودہ ویدوں کو اول چھٹی صدی ق۔م میں بیاس جی نے پہلوی زبان میں مرتب کیا تھا۔ پھر غزنویوں کے زمانہ میں پنڈت ونشکر نے ان کو بھس زبان میں از سر نو ترتیب دیا۔ مسلم ادث تک نے لکھا ہے۔ کہ "یہ کتاب موجودہ ہندوازم کے خلاف ایک زبردست چیلنج ہے۔ اور لاجواب ہے" علامہ سید سلیمان ندوی مجھے خط میں لکھتے ہیں۔ کہ "میں آپ کے نقطۂ نظر کی تعریف کرتا ہوں"
لکھائی چھپائی عمدہ۔ کاغذ نفیس۔ زبان اعلیٰ اردو چٹخارے دار جس میں جابجا شعر کی چاشنی موجود ہے۔ صفحات ۲۰۰ بمعہ ایک قیمتی دیباچے کے۔ بس دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ قیمت رعایتی بجائے ۲ کے صرف عہ خاکسار مصنف سے پتہ ذیل پر مل سکتی ہے
(مولوی) نعمت اللہ گوہر بی۔ اے۔ ایس۔ اے وی۔ قادیان پنجاب
دو روپے دیکر پانچ روپے حاصل کرو
آپ کی خط و کتابت اسی صورت میں زیادہ مفید ہو سکتی ہے۔ جب آپ کے لیٹر فارم (چٹھی کے کاغذ) اعلیٰ درجہ کے مطبوعہ ہوں۔ ہم ۱۵۰ شیٹ کا لیٹر پیڈ اعلیٰ درجہ کے ولایتی کاغذ پر دو رنگ میں خالص اسلامی طریقہ پر طبع کر کے بھیجتے ہیں۔ اپنا مضمون خوشخط لکھ کر بھیج دیں۔ قیمت فی پیڈ دو روپیہ پیشگی آنی چاہئے۔ وی۔ پی کی صورت میں ڈاک خرچ علاوہ ہوگا۔
نیز تین پیڈ کے خریدار کو پانچ پیڈ روانہ کئے جاتے ہیں۔
ماسوائے اس کے ہر قسم کی چھپائی اور ربڑ کی مہریں ارزاں نرخوں پر تیار رہتی ہیں۔
حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب نے پسند فرما کر بار بار آرڈر دئے ہیں۔
مینیجر لائن پریس انارکلی لاہور

سلسلہ احمدیہ کا
مشہور و معروف آرگن
اخبار
الفضل
قادیان
یہ اخبار ۲۶ سائز کے ۱۲ صفحہ پر ہفتہ میں دوبار شائع ہوتا ہے
جس میں عام واقعات عالم پر جو رائے زنی ہوتی ہے۔ وہ خدا کے فضل سے
ننانوے فیصدی صحیح نکلتی ہے۔ مسلمانوں کے مفاد کو ہر امر میں خصوصیت سے مدنظر رکھا
جاتا ہے۔ اس میں وہ درس قرآن مجید درج ہوتا ہے۔ جو حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ
روزانہ اپنی جماعت کو دیتے ہیں۔ درس کیا ہے؟ معارف و حقائق کا مجموعہ۔ علاوہ ازیں
حضرت امام کے خطبات جمعہ۔ عیدین اور دیگر تقاریر بھی با التزام تمام درج ہوتی ہیں
جن سے ایک طالب حق اسلام کا شیدا بہت سے فوائد اٹھا سکتا ہے۔ آپ اس اخبار کو کم از کم
چھ ماہ کیلئے اپنے نام جاری کرا کے ہمارے قول کی تصدیق کر لیجئے۔ اگر آپ چاہتے ہیں
کہ جماعت احمدیہ کی تبلیغی سرگرمیوں سے آپ کو واقفیت رہے۔ امریکہ انگلستان
افریقہ۔ دمشق میں اشاعت اسلام کی تازہ خبریں پہنچتی رہیں۔ اور پیش آمدہ
مشکلات میں ایسی ہدایات ملیں جن میں نقصان کا شائبہ
نہ ہونے کے برابر ہو تو الفضل ہی ایسا اخبار ہے جس
کے لئے دس گیارہ آنے ماہوار خرچ
کرنا کوئی بڑی بات نہیں؟
منیجر
اخبار الفضل قادیان
ضلع گورداسپور
خریداری کی درخواستیں و ترسیل زر بنام مہتمم طبع و اشاعت قادیان کے پتہ پر ہو